رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تم کو دیں اُس کو لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے باز رہو۔ (سورۃ الحشر)

سنن النسائی شریف

تصنیف

امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی

معہ

شرح النسائی

اردو جلد اوّل

ترجمہ و تشریح

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب
صدر المدرسین دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تم کو دیں اُس کو لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے باز رہو۔ (سورۃ الحشر)

سُنن النّسائی شریف

تصنیف

امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النّسائی

معہ

شرح النّسائی

جلد اوّل

مولانا خلیل الرّحمٰن صاحب

صدر المدرسین دار العلوم الاسلامیہ، ٹنڈو الہیار، حیدرآباد، سندھ

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ـــــــ سنن النسائی شریف جلد اوّل

تاریخ اشاعت ـــــــ مارچ ۲۰۰۸ء

باہتمام ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ـــــــ فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

سرورق ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ـــــــ

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم نیو ٹاؤن کراچی۔ فون: 2018342
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

Books Also Available in :

* United Kingdom

AL-FAROOQ INTERNATIONAL

68, Asfordby, Street Leicester

LE5-3QG United Kingdom

* United States of America

ISLAMIC BOOK CENTRE

119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE

Tel/Fax: 01204-389080

ضروری وضاحت: ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا جاتا ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ آنے والے ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے کام میں آپ کا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی جَزَاءً جَمِیْلًا جَزِیْلًا

ـــــــ مِنجانب ـــــــ

احباب زمزم پبلشرز

فہرست مضامین

بسم اللہ

تقریظ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابوسالم صاحب خلیل الرحمٰن مدرس حدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ نے حدیث رسول ﷺ کی معتبر کتاب سنن نسائی کی شرح اردو میں تحریر فرمائی ہے ۲۸ صفحہ تک علامہ نسائی ؒ کا مبسوط تذکرہ ہے جو خوب ہے اس کے بعد سنن نسائی کی احادیث پر بحث ہے جو مفصل ہے اور قدرے طویل ہے اگر عربی زبان میں لکھا جاتا تو بہتر ہوتا الغرض مولانا کی ہمت قابل داد ہے اس کتاب سے طلبہ اور اہل علم کو نفع پہنچائے۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز**

ولی حسن

۱۸/صفر ۱۴۰۸ھ

بسم اللہ

تقریظ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد: حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مدظلہم استاذ حدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار نے سنن نسائی کی مبسوط شرح تالیف فرمائی ہے، جس کا ایک معتد بہ حصہ احقر کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ماشاء اللہ بڑے عالمانہ مضامین جمع فرمائے ہیں جو حدیث کے اساتذہ وطلبہ دونوں کے لئے نافع ہیں، سنن نسائی پر اکابر علماء دیوبند میں سے کسی کی کوئی مبسوط شرح موجود نہیں ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب اس خلاء کو پر کریگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع ومفید بنائیں اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

خادم طلبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۴۰۸/۳/۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ادام اللہ فیوضہم استاذ حدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار نے صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن نسائی کی ایک اردو میں شرح لکھی ہے اس کے مقدمہ اور شرح کے معتد بہ حصہ کے مطالعہ کرنے کی احقر کو سعادت نصیب ہوئی ماشاءاللہ مفصل مفید ترین شرح لکھی ہے مسائل پر مفصل کلام ہے توجیہات وتشریحات مختلفہ کو مع حوالہ کے نقل فرمانے کی سعی بلیغ فرمائی جو نافع معلمین و متعلمین ہے جس کے مطالعہ سے شروح مختلفہ متعلقہ مسائل حدیث سے استغناء ہو جاتا ہے اور غالبا ایسی مبسوط شرح نسائی کی کسی نے نہیں لکھی ہے اس خلاء کو مولانا موصوف نے پر کیا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی اس سعی کو قبول فرمائیں اور نافع خاص وعام فرمائیں اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

احقر الانام محمد وجیہ غفرلہ
دارالعلوم ٹنڈوالہ یار
۲/صفر ۱۴۱۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین وسلام علیٰ عبادہٖ المُرسلین

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سلف نے اپنی مجتہدانہ شان ودقت رسی اور قوت فکر کی روشنی میں احادیث نبویہ کی جو تالیفی اور تشریحی خدمات کی ہیں وہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑی بے انصافی اور ناسپاسی ہوگی۔

جس طرح صحاح ستہ کی دوسری کتابوں بخاری اور مسلم وغیرہ کی بیش بہا شروحات قلم بند فرمائے گئے ہیں کاش کہ اسی طرز پر فن حدیث کی مستند کتاب سنن نسائی کی بھی کوئی مفصل شرح تحریر فرما گئے ہوتے تو آج ہم جیسے تہی دامنوں کے لئے اس کتاب کی تعلیم وتدریس میں گراں قدر ساز وسامان فراہم ہوجاتا مگر افسوس اس سلسلہ میں کوئی مؤثر قدم اٹھایا نہیں گیا خاموشی سے گذر گئے اس لحاظ سے خدمت حدیث کا یہ گوشہ نسبۃً خالی نظر آیا البتہ علامہ سیوطیؒ نے ایک مختصر شرح بنام زہر الربی تالیف فرمائی جو آپ کے سامنے ہے اور علامہ سندھیؒ نے مختصر حاشیہ علی سنن النسائی مرتب فرمایا وہ بھی آپ کے سامنے ہے ہم مانتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کیوں کہ ہم ان دونوں مذکورہ اسباب سے استفادہ کرتے ہیں لیکن دورِ حاضر کے تشنگان علوم کی پیاس بجھانے سے قاصر ہیں کیوں کہ ان میں تفصیلی مباحث اور مسائل ومذاہب مختلفہ وغیرہ کے تذکروں سے احتراز کیا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وقت کی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے اس مستند کتاب کی جدید طرز پر کوئی ایسی شرح زیرِ قلم لائی جانی چاہئے جو قدرے تفصیل کے ساتھ ان امور پر مشتمل ہو اور اس طرز کی شرح کی تحریر کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا جائے گا وہ میرے خیال میں نامناسب نہ ہوگا بلکہ دور حاضر کے طلباء کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لحاظ سے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

بہر حال تقاضائے وقت اور احساس ضرورت کی بناء پر بار بار دل میں خیالات آتے رہے کہ اس سلسلہ میں کوئی نیا قدم اٹھانے کی ضرورت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف اپنی علمی کمزوری اور عدم صلاحیت اور دوسری طرف تدریس اسباق کی ذمہ داری کے سبب وقت کی تنگی میرے خیالات کو خاطر خواہ عملی جامہ پہنانے میں مانع رہی تاہم خدمت حدیث کی اہمیت اور عزیز طلباء کی خواہش اور بعض اہل علم حضرات کی فرمائش کے پیشِ نظر اس تہی دامن نے ہمت باندھ لی اور اس دشوار ترین منزل کے سفر کا ارادہ کرلیا جس کا سلسلہ جلد اول کے مسودہ کی تکمیل تک جاری رہا اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شرح نسائی کی جلد اول کتابت وغیرہ کے تمام مراحل سے گذر کر آپ کے سامنے آرہی ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ شرح نسائی شریف کے علاوہ فن حدیث کی

دوسری کتابوں کے حل مضامین وغیرہ میں بھی مفید ثابت ہوگی۔

آخر میں قارئین سے باادب گذراش یہ ہے کہ علمی سرمایہ سے تہی دامن بندۂ ناقابل نے احادیث کے تراجم اوران سے وابستہ مضامین اوراحکام ومسائل کی تالیف وترتیب میں اپنی بساط کی حدتک سخت محنتیں اور کاوشیں کی ہیں پھر بھی ممکن ہے کہ کسی جگہ ضبط وترتیب وغیرہ میں غلطی ہوگئی ہو لہٰذا جب آپ کی نظر سے ایسی جگہ گذرے تو اس کی اصلاح فرمادیں آپ کی اس خیر خواہی اور احسان کا بندۂ ناچیز شکر گذار رہے گا اور آپ سے یہ بھی گذراش ہے کہ اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ اس سیاہ کار کو بھی یاد رکھیں۔

احقر خلیل الرحمٰن غفرلہٗ ولوالدیہ

۲۵/شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ

الحمد للہ علی متواتر نعمہٖ ومرادف منتہٖ حمد ایوجب لنا استحقاق فضلہٖ واستمہال طولہٖ واصلی واسلم علی رسولہٖ خاتم انبیائہٖ وصفوۃ اصفیائہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ط

التعریف بالامام النسائی

امام نسائی رحمہ اللہ کا نام ونسب

امام موصوف کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ آپ کا نام احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار النسائی الخراسانی ہے ابوعبد الرحمٰن کنیت ہے آپ حافظ الحدیث کے لقب سے مشہور ہیں۔(تہذیب التہذیب:۳٦)

بعض مؤرخین نے ان کا نام احمد بن علی بن شعیب لکھا ہے مگر یہ درست نہیں ہے صحیح قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اکثر مؤرخین نے اسی کو نقل کیا ہے، امام موصوف کی تاریخ پیدائش میں اقوال مختلفہ نقل کئے گئے ہیں، علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ۲۱۵ھ یا ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور بعض علماء نے امام موصوف کی پیدائش ۲۲۵ھ لکھی ہے لیکن ان کا یہ قول غیر معقول ہے اس لئے کہ حافظ ابن حجرؒ نے امام نسائی کی تاریخ وفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "وتوفی بفلسطین یوم الاثنین لثلاث عشرة خلت من صفر ۳۰۳ھ" کہ امام نسائی شہر فلسطین میں بروز پیر ۱۳/ تاریخ صفر گذرنے کے بعد ۳۰۳ھ میں وفات پا گئے پھر حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا "عاش ای النسائی ثمانیا وثمانین سنة" (تہذیب:۳۹)

اس سے امام موصوف کی عمر کا تعین ہوجاتا ہے کہ اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر پائی تھی، نیز علامہ ابن العمادؒ نے امام نسائی کی وفات ۳۰۳ھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ولہ ثمان وثمانون سنة" (الشذرات :۲/ ۲۳۹) اس کے پیش نظر ۲۲۵ھ میں امام موصوف کی پیدائش کسی صورت بھی درست نہیں ہوسکتی علاوہ اس کے حافظ ابن حجرؒ اور محدث مبارک پوریؒ نے تحفۃ الاحوذی صفحہ ٦۵ میں امام موصوف سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ویشبہ ان یکون مولدی فی خمس عشرة ومائتین" اور غالب گمان ہے کہ میری پیدائش ۲۱۵ھ میں ہوئی ہو، اس عبارت سے ان بعض مؤرخین کا قول کہ جنہوں نے امام موصوف کی پیدائش ۲۲۵ھ بتائی ہے غیر صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ۲۱۴ھ یا ۲۱۵ھ کا تردد بھی ختم ہوجاتا ہے اور واضح ہو گیا کہ آپ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جائے پیدائش

امام نسائی مذکورہ تاریخ کے مطابق خراسان کے ایک مشہور قصبہ نساء میں پیدا ہوئے لفظ نساء کونون کے فتح اور مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے (جامع الاصول) لیکن نسبت کے وقت آخر میں یائے نسبت لاحق کر کے نسائی پڑھتے ہیں اور کبھی اہل عرب ہمزہ کو واؤ سے بدل کر نسوی بھی پڑھتے ہیں لیکن زیادہ صحیح استعمال نسائی ہے۔

شہر نساء کی وجہ تسمیہ

نساء کے معنی تاخیر کے ہیں کہا جاتا ہے کہ نسأ الشئی اوالامر جس کا معنی ہے مؤخر کرنا اب نساء کہنے کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ جب اسلامی لشکر خراسان میں پہنچا اور اس علاقہ کو جہاد کے ذریعہ فتح کرنے کا ارادہ ٹھان لیا تو اس کی خبر وہاں کے باشندوں کو پہونچی جسکی وجہ سے اس شہر کے تمام رجال مرعوب ہوگئے اس لئے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی سب بھاگ گئے اور ان کی غیر موجودگی میں وہ شہر عورتوں کا مسکن بن کر رہ گیا چوں کہ مذہب اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورتوں سے قتال کیا جائے اس لئے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سرفروشان اسلام نے باہمی مشورہ سے اس پہلو کو ترجیح دی کہ مردوں کی غیر موجودگی میں عورتوں سے جنگ نہ کی جائے بلکہ اس کا معاملہ ان کے واپس لوٹ آنے تک ملتوی رکھا جائے بہر حال اس پر عمل ہوا اور جنگ کو مؤخر رکھا گیا پھر مجاہدین اپنے مرکز کی طرف واپس چلے گئے اسی وجہ سے وہ شہر نساء کے نام سے مشہور ہوا، کذا قال السیوطیؒ۔

طلب حدیث کے لئے سفر

امام موصوفؒ بہت زیادہ ذہین وفطین تھے ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طلب حدیث کے شوق میں دور دراز شہروں کا سفر کیا جن میں حجاز، عراق، شام جزائر اور خراسان شامل ہیں ان کا پہلا سفر خراسان کی طرف ہوا اور وہاں کے مشائخ کرام سے استفادہ کیا پھر بغداد میں قدم رکھا اور امام قتیبہؒ کے پاس ایک سال دو ماہ رہے اور ان سے حدیث کا سماع کیا لیکن یہ سفر کتنے سال کی عمر کیا، اختلاف ہے کہ محدث مبارک پوریؒ امام نسائی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ان رحلتی الاولیٰ الی قتیبة کانت فی سنة خمس وثلاثین '' (مقدمہ تحفہ:٦٦) کہ میرا پہلا سفر امام قتیبہؒ کی طرف ۳۵ سال کی عمر میں ہوا اور علامہ سبکی طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں ''رحل الیٰ قتیبة وھو ابن خمسة عشرة سنة '' البدایہ صفحہ ۱۲۳ میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ''رحل الی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالائمة الحذاق '' بہر کیف ان اقوال سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام موصوف کی طلب حدیث سے کس قدر شغف اور دلچسپی تھی دراصل یہی چیز ہے جو باعث سفر بنی تھی کہ انہوں نے اس مقصد عظیم کی خاطر طویل مسافت کے اسفار اختیار کئے اور ہر مکتب فکر کے مشائخ سے استفادہ کیا اور ان کے حلقۂ درس میں بیٹھے اور احادیث کا سماع کیا اور ان سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی بہر حال امام موصوف کو تمام فنون میں بصیرت ومہارت تھی خصوصاً فن حدیث میں ایک امتیازی مقام حاصل کیا جس کی بدولت اپنے عصر کے حفاظ حدیث پر بازی لے گئے۔

شیوخ

امام موصوفؒ نے جن مشائخ سے استفادہ اور سماع حدیث کیا ان میں سے ذیل کے حفاظ سرفہرست ہیں۔
اسحٰق بن راہویہ، اسحٰق بن حبیب بن الشہید، سلیمان بن اشعث، اسحٰق بن شاہین، حارث بن مسکین، اسحٰق بن منصور الکوسج، محمود بن غیلان، قتیبہ بن سعید، اسحٰق بن موسیٰ الانصاری، ابراہیم بن سعید الجوہری، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، محمد بن بشار، علی بن حجر، ابوداؤد سجستانی، علی بن خشرم، مجاہد بن موسیٰ، احمد بن بکار بن ابی میمونہ، حسن بن محمد الزعفرانی، احمد بن عبدۃ رحمہم اللہ، ان کے علاوہ اور بھی حفاظ کثیر سے سماع حدیث کا شرف ان کو حاصل ہوا۔ (مقدمۃ النسائی)

تلامیذہ اور رواۃ

گوشہ گوشہ سے آکر طلباء نے امام موصوف کے حلقۂ درس میں شرکت کی جس کی بدولت ان کوفن حدیث میں امامت کا امتیازی مقام حاصل ہوا یوں تو ان سے کثیر تعداد کی جماعت نے استفادہ کیا ہے اور ان سے روایات بھی کی ہیں لیکن ذیل کے حضرات زیادہ معروف ہیں۔
امام ابوالقاسم الطبرانی، ابوعلی حسین بن علی الحافظ النیاموزی الطبرانی، احمد بن عمیر، محمد بن جعفر، ابوالقاسم بن ابی العقب ابو المیمون بن راشد، ابوالحسن بن خذلم، ابوسعید الاعرابی، امام ابوجعفر الطحاوی، محمد بن ہارون بن شعیب، ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان، ابوبکر احمد بن اسحٰق السنی الحافظ، ابوبکر بن الحداد رحمہم اللہ۔ (مقدمۃ النسائی)
موخر الذکر ابن السنی نے امام نسائیؒ سے کثرت استفادہ کی وجہ سے صاحب النسائی کے نام سے شہرت پائی موصوف کی تالیفات میں سے ''عمل الیوم واللیلہ'' اور ''کتاب القناعۃ'' مشہور ہیں، اور ابوبکر بن الحداد تو ایسے راوی ہیں کہ جس نے امام نسائی کے علاوہ کسی اور طریق سے روایت نہیں کی انہی کے بارے میں دارقطنی فرماتے ہیں ''**کان ابن الحداد کثیر الحدیث ولم یحدث عن غیر النسائی وقال رضیت بہٖ حجۃ بینی وبین اللہ تعالیٰ**''
(طبقات الشافعیہ :۲/ ۱۱۳)

حفظ واتقان

اللہ تعالیٰ نے امام نسائیؒ کو علمی جواہر اور غیر معمولی قوت حفظ کی نعمت سے نوازا آپ کی شخصیت حفاظ حدیث کی صف اول میں گنی جاتی تھی اور ارکان حدیث میں سے ایک رکن تھے اور اصحاب حدیث میں آپ کی جرح وتعدیل معتبر تھی جس کی وجہ سے علماء ہم عصر پر سبقت لے گئے حتی کہ علامہ ذہبیؒ نے ان کو امام مسلمؒ سے بھی احفظ کہا ہے چنانچہ علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں ''**سألت ابا عبد اللہ الذہبیؒ الحافظ ایہما احفظ مسلم بن الحجاج صاحب الصحیح او النسائی فقال النسائی**'' (**طبقات الشافعیہ :۲/ ۸۴**) علامہ سیوطیؒ نے امام موصوف کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کیا ''**الحافظ احد الحفاظ المتقنین**'' (**حسن المحاضرہ :۱/ ۱۴۷ ۔ تذکرۃ المحدثین :۲۷۴**) ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس لکھتے ہیں

''کان النسائی اماماً فی الحدیث ثقة ثبتاً حافظا ''(البدایه) امام دارقطنی ان کی علمی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں''ابو عبد الرحمن مقدم علیٰ کل من یذکر بھذا العلم من اھل عصرہٖ ''(التذکرہ . البدایه. التھذیب) حافظ ابوعلی لکھتے ہیں''ھو الامام فی الحدیث بلا مدافعة '' حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں''وکذا لک اثنیٰ علیه غیر واحد من الائمة وشھد والهٗ بالفضل والتقدم فی ھذا الشان ''(البدایه:۱۱/۱۲۳) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں''ھو احذق بالحدیث وعللهٗ ورجالهٗ من مسلم والترمذی وابی داؤد وھو جار فی مضمار البخاری وابی زرعة''(توضیح الافکار) حاکم نے ان کے علمی مقام کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے''سمعت ابا الحسن الدارقطنی غیر مرة یقول ابو عبد الرحمن الامام النسائی مقدم علیٰ کل من یذکر بعلم الحدیث وبجرح الرواة وتعدیلھم فی زمانهٖ ''الغرض یہ کہ امام موصوف کے علمی وعملی کمالات کا اعتراف تمام محدثین اور اصحاب الطبقا کے یہاں مسلم ہے۔

ایک مرتبہ امام موصوف نے مصر کا سفر کیا وہاں کچھ عرصہ تک قیام رہا اسی زمانے میں اہل مصر بغرض استفادہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتے تھے جس کی بدولت انہوں نے ان سے بڑا فیض پایا اور جب کبھی کوئی مغلق اور پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو ان سے حل کرا لیتے تھے غرض کہ جب امام موصوف کے علمی خزانے سے محققانہ اور مفید اور قیمتی جواہر ظاہر ہونے لگے تو وہاں کے علماء ومشائخ حلقہ بگوش بن گئے۔

ورع وتقویٰ

امام نسائی کے علمی کمالات کا اعتراف تو سب ہی نے کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ عملی کمالات کا اندازہ حافظ محمد بن المظفر کے اس قول سے بخوبی ہوسکتا ہے جسے علامہ ذہبیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے''سمعت مشائخنا بمصر اجتھاد النسائی فی العبادة باللیل والنھار وانهٗ خرج الی الغزومع امیر مصر فوصف فی شھامتهٖ واقامتهٖ السنن الماثورة فی فداء المسلمین واحترازہ عن مجالس السلطان الذی خرج معه '''(تذکرة:۲۴۲) اس کے علاوہ امام موصوف کی دیانت وتقویٰ کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ اتفاق کی بات ہے کہ ایک مرتبہ امام نسائی اور آپ کے استاد حارث بن مسکین کے درمیان ذرا سی تلخ کلامی پیدا ہوگئی تھی اس کے باوجود باضابطہ حلقۂ درس میں شریک رہا کرتے تھے اور کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے تھے جہاں سے استاد کی تقریر بے تکلف سنی جاسکتی تھی لیکن ان کے استاد حارث بن مسکین کو ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کی کبھی اطلاع نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ جب کبھی امام نسائیؒ اپنے شیخ حارث بن مسکین سے کوئی حدیث اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں تو شدۃ ورع اور تقویٰ کی بناء پر''ھٰکذا قرئ علیه وانا اسمع ''کے عنوان سے روایت کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ سے''حدثنا واخبرنا ''کے الفاظ سے روایت کی ہے اب غور کیجئے کہ امام موصوف اپنے استاد حارث بن مسکین سے روایت کرنے میں کس قدر احتیاط کرتے تھے یہی چیز ان کے ورع اور تقویٰ پر کافی شاہد ہے یہ وجہ مذکور علامہ سیوطیؒ اور ابن الاثیرؒ نے بیان کی ہے ابن الاثیر نے ایک اور وجہ صیغۂ تمریض یعنی قیل سے بیان کی ہے کہ حارث بن مسکین کو

شبہ ہوا تھا کہ شاید یہ بادشاہ کا جاسوس ہے کیوں کہ امام نسائیؒ کے سر پر بڑی ٹوپی اور بدن پر طویل جبہ تھا جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو حلقۂ درس میں آنے سے روک دیا تھا پھر بھی روزانہ آتے تھے اور دروازہ کی آڑ میں بیٹھ جاتے تھے اور خود تو نہیں پڑھتے تھے لیکن دوسرے ساتھی جو شیخ کے روبرو قرأت کرتے تھے اسے خارج سے سن لیا کرتے تھے اس لئے حارث بن مسکین سے روایت حدیث کے وقت ''حدثنا واخبرنا ''نہیں کہتے بلکہ ''هكذا قرئ وانا اسمع ''کے الفاظ سے روایت کرتے ہیں یعنی حارث بن مسکین کے سامنے پڑھا جارہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ (والله اعلم بالصواب)

عادات وازواج واولاد

امام موصوف کی چار بیویاں اور کئی لونڈیاں تھیں لیکن افسوس مورخین نے ان کی اولاد کا کوئی تذکرہ نہیں کیا البتہ حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے شاگردوں میں آپ کے ایک بیٹے کا نام ذکر کیا ہے جس کا نام عبدالکریم ہے آپ بڑے نفیس لباس استعمال کرتے اور عمدہ خوراک مرغوب تھی خاص کر مرغی کا گوشت جس سے آپ کی معاشرتی ومعاشی زندگی کا نمایاں ہونا معلوم ہوتا ہے، امام موصوف ہمیشہ ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز افطار کرتے نہایت قوی خوشحال اور خوش مزاج تھے۔

تصانیف

امام موصوف کی جن گرانمایہ تصانیف کا ہمیں علم ہوسکا ہے وہ درج ذیل ہیں (۱) خصائص علی (۲) فضائل صحابہؓ (۳) مسند علی (٤) مسندمالک (۵) کتاب التميز (٦) کتاب المدلسین (۷) کتاب الضعفاء والمشرکین (۸) کتاب الاخوة (۹) مسند منصور بن ذازان (۱۰) مشيخة النسائی (۱۱) ماغرب شعبة علىٰ سفيان وسفيان على شعبة (۱۲) اسماء الرواة (۱۳) مناسک حج، علامہ جزریؒ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''وله مناسك الفها علىٰ مذهب الشافعی ''(١٤) کتاب الجرح والتعديل (١٥) السنن الکبریٰ (١٦) السنن الصغریٰ المسمیٰ به المجتبیٰ۔

المجتبیٰ کی وجہ تالیف

علامہ سید جمال الدینؒ نے فرمایا کہ امام نسائیؒ نے پہلے ایک کتاب لکھی جس کا نام السنن الکبریٰ ہے یہ کتاب بڑی ضخیم تھی لیکن بیان مخرج اور طرق حدیث کے جمع کرنے میں بے نظیر تھی بعض علماء سے یہ بھی منقول ہے کہ جب امام موصوف اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو امیر رملہ کو یہ کتاب بطور ہدیہ پیش کی امیر نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی احادیث ہیں سب صحیح ہیں تو امام موصوف نے جواب دیا کہ اکثر احادیث صحیح ہیں اور بعض معلول بھی ہیں پھر اس امیر نے عرض کی کہ آپ ایک ایسی کتاب لکھیں جس میں تمام احادیث جن کی اصل اور اسناد میں کلام نہیں کیا گیا ہو جمع ہو جائیں تو امام موصوف نے المجتبیٰ تالیف کی جس کے اندر تمام صحیح احادیث جمع کردی گئیں خود امام موصوف کہتے ہیں ''المنتخب المجتبیٰ صحیح كلهٗ ''اور اس کتاب کو سنن صغریٰ بھی کہا جاتا ہے اور درس نظامی میں جس سنن نسائی کا درس جاری ہے یہ وہی کتاب ہے تو جب محدثین کرام رواہ

النسائی کہتے ہیں تو ان کی مراد یہی مختصر ہوتی ہے جس کا نام المجتبیٰ ہے نہ کہ سنن کبریٰ اسی طرح جب علماء کتب خمسہ یا اصول خمسہ سے تعبیر کرتے ہیں تو ان کی مراد یہی کتابیں ہوتی ہیں یعنی بخاری و مسلم، سنن ابوداؤد، ترمذی اور مجتبیٰ النسائی۔ (مقدمۃ النسائی)

سنن کے رواۃ اور مرویات سنن

سنن صغریٰ المسمیٰ به المجتبیٰ میں کل ۵۷۶۱ احادیث ہیں اس سے سنن کبریٰ کی ضخامت کا اندازہ ہو جاتا ہے محدث مبارک پوریؒ کے قول کے مطابق اس کا قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے، المجتبیٰ کے رواۃ عبد الکریم بن النسائی، ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی، ابوعلی الحسن بن الخضر الاسیوطی، حسن بن رشیق العسکری، ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن علی الکنانی الحافظ، ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا بن حیویۃ، محمد بن معاویہ بن الاحمر، محمد بن قاسم الاندلسی، علی بن ابی جعفر الطحاوی، ابوبکر احمد بن محمد بن المہندس ہیں۔ (التہذیب: ۱ / ۳۷)

سنن نسائی کی اہمیت

جن کتابوں کو کتب اصول میں شمار کیا گیا ہے ان میں سنن نسائی کی بڑی اہمیت ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ امام نسائی کا مذہب رجال کے بارے میں وسیع ہے لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ بہت سے رجال ایسے ہیں کہ ان سے امام ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کی ہے مگر امام نسائی نے بواسطہ ان کے تخریج حدیث سے اجتناب کیا ہے بلکہ امام موصوف نے تو ایک ایسی جماعت سے بھی جو بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہے تخریج نہیں کی چنانچہ ابوالفضل بن طاہر نقل کرتے ہیں کہ سعد بن علی ریحان نے ایک ایسے شخص سے روایت نقل کی ہے جس کی توثیق کی گئی ہے تو میں نے ان سے کہا کہ نسائی نے اس کو مستند اور قابل احتجاج نہیں سمجھا تو ابن علی نے کہا کہ بیٹا بات یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن نسائی کی شرط رجال کے بارے میں بخاری و مسلم کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہے غالباً یہی وجہ ہوگی کہ بعض علماء مغارب نے سنن نسائی کو بخاری پر ترجیح دی ہے یا یہ وجہ ہوگی کہ انہوں نے بلحاظ حسن ترتیب اور جامعیت کے ترجیح دیدی ہوگی، چنانچہ ابن رشید نے لکھا ہے کہ جن محدثین نے سنن پر کتابیں لکھیں ہیں ان میں سب سے زیادہ عمدہ بلحاظ حسن ترتیب اور جامعیت کے سنن نسائی ہے وہ لکھتے ہیں "**وهو جامع بين طريقتي البخاري ومسلم مع حظ كثير من بيان العلل**" علامہ سلفی لکھتے ہیں "**وقد امتازت هذه السنن عن غيرها بكثرة التبويب ودقة الاستنباط**" (**نموزج الاعمال الخيريه: ٦٣٦**) کہ سنن نسائی کو اپنے ابواب کی کثرت اور دقیق استنباط کی بناء پر دوسری کتابوں پر ترجیح حاصل ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ حافظ ابوعلی نیسابوری، ابواحمد بن عدی، ابوالحسن دارقطنی، ابوعبداللہ الحاکم، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابویعلی الخلیلی، ابوعلی بن السکن اور خطیب وغیرہ نے کتاب نسائی پر صحت کا اطلاق کیا ہے اور ابن مندہ نے کہا کہ صحیح احادیث کی کتابیں چار ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی علامہ سلفیؒ نے کہا کہ مشرق و مغرب کے علماء نے کتب خمسہ کی صحت پر اتفاق کیا ہے ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ صحیحین کے علاوہ کتب ثلاثہ یعنی ابوداؤد ترمذی اور نسائی کا بڑا حصہ قابل احتجاج ہے، کذا اول النوویؒ قولہ اسی طرح علامہ جزائری نے کہا کہ سلفی کا قول باین وجہ صحیح ہے کہ بہ نسبت دوسری کتابوں کے ان

کتب ثلاثہ میں ضعیف احادیث کم ہیں ''لاسیما النسائی فانها اقلها بعد الصحیحین حدیثا ضعیفًا ''(توجیه النظر :۱۵۳)اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب ثلاثہ پر صحت کا اطلاق بلحاظ کم ہونے احادیثِ ضعیفہ کے ہے اسی طرح ابن الصلاح نے بھی کتب ثلاثہ کو صحاح میں شمار کیا ہے لیکن علامہ زرکشی النکت علی ابن الصلاح میں لکھتے ہیں ''وتسمیة الکتب الثلاثة صحاحًا اما باعتبار الاغلب لان غالبها الصحاح والحسان وهی ملحقة بالصحاح والضعیف منها التحق بالحسن فاطلاق الصحة علیها من باب التغلیب ''(مقدمة زهر الربی)الغرض صحیحین کے بعد بہ نسبت دوسری کتابوں کے سنن نسائی ایک جامع کتاب ہے اور صحت سے قریب تر ہے کیوں کہ اس میں حدیث ضعیف اور مجروح راوی بہت ہی کم ہے۔

شرائط امام نسائی

تخریج حدیث سے متعلق امام نسائی کی شرائط بڑی اہمیت کی حامل ہے چنانچہ حافظ ابوعلیؒ حاکمؒ اور خطیبؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تخریج حدیث کے سلسلہ میں امام نسائیؒ کی شرائط امام مسلمؒ سے بھی زیادہ سخت ہیں حافظ ابوالفضل بن طاہرؒ نے کہا کہ سنن نسائی میں تین قسم کی احادیث ہیں۔(۱) وہ احادیث جو صحیحین میں ہیں۔(۲) وہ احادیث جو اپنی شرائط کے مطابق صحیح ہیں، ابن مندہ نے کہا کہ ایسے رجال کی احادیث جو اتصالِ سند کے ساتھ مروی ہوں اور ان میں انقطاع اور ارسال کا عیب بھی نہ ہو اور حفاظِ حدیث کا ان کے ترک کر دینے پر اتفاق بھی نہ ہو تو امام نسائیؒ کی شرط پر وہ احادیث صحیح میں شمار ہوں گی لیکن اس طریق کی حیثیت اس طریق کے برابر نہ ہوگی جس کی بنیاد پر بخاری و مسلم نے صحیحین میں تخریج کی ہے۔(۳) وہ احادیث جن کی صحت کا یقین کئے بغیر اپنی کتاب میں درج کی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس کی علت بھی بتلادی ہے تا کہ اہل علم پر مخفی نہ رہے لیکن سوال یہ ہے کہ امام موصوف ایسی روایت اپنی کتاب میں کیوں لائے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ جب وہ کوئی صحیح روایت نہ پاتے تو ضعیف ہی کو نقل کر دیتے ''لانهٗ اقویٰ عندهٗ من رأی الرجال ''(مقدمة زهر الربی) کیوں کہ امام موصوف کے نزدیک رجال کی رائے سے وہ حدیثِ ضعیف گو متکلم فیہ ہو قوی تر ہے اس لئے کہ حفاظ کے ایک گروہ نے اس کو روایت کیا ہے اور انہوں نے اس کے ساتھ احتجاج بھی کیا ہے اس لئے امام موصوف نے اپنی سنن میں اس قسم کی روایات بھی درج کر دی ہیں مگر کمالِ تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر ان کی علت کی طرف نشاندہی کر دی ہے، تا کہ اشتباہ باقی نہ رہے، حافظ ابن الصلاح نے ابن مندہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے مصر میں محمد بن سعد الباوردی سے کہتے ہوئے سنا ''کان من مذهب النسائی ان یخرج عن کل من لم یجمع علیٰ ترکهٖ ''یعنی امام نسائی کا مذہب یہ تھا کہ وہ ہر ایسے راوی سے تخریج کرتے جس کی روایت کے ترک پر حفاظ کا اجماع نہ ہوا ہو اس لئے حافظ ابوالفضل عراقی نے فرمایا ''وهذا مذهب متسع ''(مقدمه زهر الربی)لیکن یہاں پر اجماع سے علی العموم اجماع مراد نہیں بلکہ اجماعِ خاص مراد ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن الصلاحؒ کے ابن مندہ سے نقل کردہ کلام پر تنقید کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے ''فانه اراد بذلک اجماعًا خاصًا ''یعنی امام نسائیؒ کی مراد اس اجماع سے خواص کا اجماع ہے نہ کہ اجماعِ عام، دراصل اس صورت کے اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ نقادِ رجال کے

ہر دور میں متشدد اور متوسط کے دو طبقے رہے ہیں، طبقہ اولیٰ میں شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ ہیں، اور شعبہ جرح و تعدیل میں سفیان ثوری سے بھی زیادہ متشدد تھے، اور طبقہ ثانیہ میں یحییٰ بن قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں لیکن یحییٰ قطان زیادہ متشدد تھے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے، اور طبقہ ثالثہ میں یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں لیکن یحییٰ بن معین احمد بن حنبل سے زیادہ متشدد تھے، طبقہ الرابعہ میں ابوحاتمؒ اور بخاریؒ ہیں لیکن ابوحاتمؒ بخاری سے زیادہ متشدد تھے اس کے پیش نظر امام نسائی نے فرمایا کہ ''**لایترک الرجل عندی حتی یجتمع الجمیع علی ترکه**'' یعنی میں کسی راوی کی حدیث کو نظر انداز کر دینے کا قائل نہیں ہوں جبکہ اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس کے ساتھ احتجاج بھی کیا ہے تاوقتیکہ اس کے متروک ہونے پر خواص ائمہ کا اتفاق نہ ہوا ہو مثلاً مہدی نے کسی راوی کی توثیق کی ہے لیکن یحییٰ قطان نے اس کی تضعیف کی تو اسے پسِ پشت نہیں ڈالا جائے گا اس لئے کہ نقلِ روایت میں یحییٰ قطان اور ان جیسے دوسرے ناقدین کی تشدید ایک واضح امر ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ امام موصوف کے مذکورہ مسلک سے اس بات کی طرف تبادرِ ذہن ہوتا ہے کہ رجال کے سلسلے میں ان کا مذہب وسیع تر ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیوں کہ بہت سے رجال ایسے ہیں جن سے امام ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کی ہے لیکن امام نسائی نے ان سے تخریج نہیں کی بلکہ آپ نے صحیحین کے رجال کی جماعت سے بھی اخراج حدیث سے اجتناب کیا ہے چنانچہ حافظ ابوالفضل بن طاہر نے لکھا کہ سعد بن علی الریحانی سے مکہ میں ایک راوی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی توثیق کی ہے، اس پر میں نے کہا کہ امام نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے، اس پر موصوف نے کہا ''**یا بُنیّ ان لابی عبد الرحمن شرطًا فی الرجال اشدّ من شرط البخاری ومسلم**'' (**مقدمه زهر الربی**) احمد بن محبوب الرملی نے کہا کہ میں نے امام نسائی کی زبانی سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے السنن کی تالیف کا پختہ ارادہ کرلیا تو میں نے اپنے شیوخ سے تخریج روایات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا جس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ ان میں سے بعض کے متعلق میرے دل میں بجائے اطمینانی کیفیت کے خلجان اور تردد پیدا ہوا، لہٰذا میں نے ایسے شیوخ سے روایت نہ لینے کے پہلو کو ترجیح دیدی اس لئے ان سے سماعت کی ہوئی احادیث میں سے کوئی حدیث اپنی کتاب میں درج نہیں کی، دارقطنی کا شیخ ابوطالب احمد بن نصر نے کہا کہ حدیث لینے کے سلسلے میں امام نسائی نے جس عزم و استقامت اور محتاط طریق کو اختیار کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے، امام موصوف کے پاس ابن لہیعہ کی احادیث ترتیب وار اور ترجمہ بترجمہ محفوظ تھیں لیکن اس کے باوجود ان سے کوئی روایت نہیں لی، اسی کے پیش نظر ابوالحسن المعافری نے کہا کہ جب اہل حدیث کی تخریج کردہ روایات پر نظر ڈالی جائے تو امام موصوف کی روایات دوسرے محدثین کی تخریج کردہ روایات کے مقابلہ میں صحت سے قریب تر ہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب (مقدمه زهر الربی)**

سنن نسائی کی خصوصیات

سنن نسائی کی خصوصیات میں جو چیزیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حسن ترتیب، جیسا کہ ابن رشید کا قول پہلے گذرا ہے کہ سنن نسائی ترتیب کے لحاظ سے ایک بہترین اور عمدہ کتاب ہے۔ (۲) مسائلِ متعددہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک روایت کو کئی جگہوں میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کا طریقہ ہے۔

(۳) طرقِ احادیث کی خوب وضاحت کرتے ہیں اور اختلافِ الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ امام مسلم کا انداز ہے۔ (۴) بسا اوقات عللِ حدیث پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور آپ کو عللِ حدیث میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا، حافظ ذہبیؒ نے آپ کو اس فن میں امام بخاریؒ اور ابوزرعہ کا ہمسر قرار دیا ہے۔ (۵) گاہ بگاہ رواۃ کے اسماء والقاب اور کنیتوں کے ابہام کی وضاحت، راویوں کے تفرد واختلاف متابعت وعدمِ متابعت کا بیان، سماع وعدم سماع کا ذکر، حدیث کے مرسَل، متصل ضعیف اور منکر کی نشاندہی اور الفاظِ غریبہ کی توضیح بھی کرتے ہیں، ان مقامات کی توضیح اگلے عنوان کے ذیل میں کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

وہ مواضع جہاں امام موصوف نے فنی حیثیت سے کلام کیا ہے

(۱) آپ بسا اوقات مشتبہ ناموں کی توضیح کر دیتے ہیں چنانچہ کتاب الحج (۲/۱۴) میں ایک حدیث کی سند اس طرح بیان کی ''**اخبرنا ابو داؤد حدثنا مسلم ابن ابراهیم قال حدثنا اسماعیل قال قال محمد بن واسع الخ**'' اس کی روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن مسلم تین اشخاص ہیں ''**اسماعیل بن مسلم ثلاثة هذا احدهم لا باس به واسماعیل بن مسلم شیخ یروی عن ابی الطفیل لابأس به واسماعیل بن مسلم یروی عن الزهری والحسن متروک الحدیث**'' اسی طرح نسائی (۲/۱۸۸) میں عبید اللہ بن عبد المجید ابوعلی حنفی سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''**ابو علی الحنفی هم اربعة اخوة احدهم ابو بکر وشریک وبشر وآخر**'' اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں میں نے نمونہ کے طور پر صرف دو مثالوں کے ذکر پر اکتفا کیا۔ (۲) کبھی کبھی مشکل الفاظ کی وضاحت کر دیتے ہیں مثلاً حدیث ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جس کے الفاظ یہ ہیں ''**انه کره الشکال عن الخیل الخ**'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''**الشکال من الخیل ان یکون ثلث قوائم محجلة وواحدة مطلقة او یکون الثلاثة مطلقة ورجل محجلة ولیس الشکال الا فی رجل ولا یکون فی الید**'' (۲/۱۰۵)۔ (۳) سنن نسائی میں جو روایت زیادہ طویل سند سے مروی ہے وہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے جسے ''**الفضل فی قراء ۃ قل هو الله احد**'' کے ترجمہ کے ماتحت نقل کیا ہے اور عن ابی ایوب عن النبی ﷺ کے الفاظ سے مروی ہے پوری سند وہاں ملاحظہ کیجئے اس کے بعد فرماتے ہیں ''**لا اعرف اسنادًا اطول من هذا**'' (۱/۱۲۰)۔ (۴) بسا اوقات ایک حدیث نقل کرنے کے بعد اس کے مرسل ومتصل ہونے کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، جس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً ''**باب تسویة القیام والرکوع والقیام بعد الرکوع الخ**'' کے ماتحت حضرت حذیفہؓ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''**هذا الحدیث عندی مرسل وطلحة بن یزید لا اعلمه سمع من حذیفة شیئاً وغیر العلاء بن المسب قال فی هذا الحدیث عن طلحة عن رجل عن حذیفة**'' (۱/۲۴۶) لیکن یہ روایت منقطع ہے نہ کہ مرسل! جیسا کہ امام موصوف فرما رہے ہیں یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بعض اصولیین تو مرسل اور منقطع کے درمیان فرق کرتے ہیں اور بعض اسے ایک ہی معنی پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام اور علامہ سیوطی نے اس کی تصریح کی ہے اسی طرح علامہ جزائری فرماتے ہیں ''**وقد اطلق المرسل علی المنقطع من الائمة الحدیث ابو زرعة وابو حاتم والدار قطنی**'' (**توجیه النظر** :۲۴۳) تو ان حضرات کے قول سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا

اطلاق دوسرے پر کیا کرتے ہیں اور امام موصوف کے اس طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان محدثین کے ساتھ ہیں جو مرسل اور منقطع کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ،اسی طرح کتاب الصیام (۱ / ۳۱۷) میں ایک جگہ حمزۃ بن عمرو الاسلمی کے طریق سے روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے حالانکہ یہ منقطع ہے اس لئے کہ لیث اور بکیر کے درمیان سے ایک راوی ساقط ہو گیا ہے لیکن امام موصوف مرسل فرما رہے ہیں اسی طرح چند صفحات آگے چل کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ''لا صیام لمن لم یجمع الصیام قبل الفجر ''نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اَرْسَلَهٗ مالک بن انس یعنی امام مالک نے اسے بطریقِ مرسل روایت کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس روایت مرسلہ کو نقل کر دیا ''قال الحارث بن مسکین قراء ۃ علیه وانا اسمع عن ابن القاسم قال حدثنی مالک بن انس عن ابن شهاب الزهری عن عائشة وحفصة رضی الله عنهما مثله لا یصوم الامن اجمع الصیام قبل الفجر '' حالانکہ یہ روایت جسے امام مالک نے اپنے شیخ ابن شہاب زہری کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے منقطع ہے نہ کہ مرسل تو ان شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام نسائی کے نزدیک مرسل اور منقطع میں کوئی فرق نہیں ہے، والله اعلم بالصواب ۔(۵) گاہ بگاہ حدیث کی صحت وسقم کی وضاحت کرتے ہیں جیسے باب الحث علی السحور کے ماتحت پہلے بواسطہ ابن ابی لیلیٰ عن عطاء عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت نقل کی پھر بواسطہ یحییٰ بن سعید عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت نقل کی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں'' وحدیث یحییٰ بن سعید هذا اسناده حسن وهو منکر واخاف ان یکون الغلط من محمد بن فضیل ''جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ''تسحر وافان فی السحور برکة ''بطریق ابن ابی لیلیٰ عن عطاء عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ صحیح ہے اور محمد بن فضیل نے اسے بطریق یحییٰ بن سعید عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرنے میں خطا کی ہے ،اس مثال سے ایک اصول مسئلہ واضح ہوتا ہے ،وہ یہ کہ محدثین تفرد ثقہ پر بھی منکر کا اطلاق کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں'' واطلاق الحکم علی التفرد بالرد والنکارۃ والشذوذ موجود فی کلام کثیر من اهل الحدیث ''(مقدمہ:۷۲) اور شیخ الاسلام النکت میں لکھتے ہیں'' فقد اطلق الامام احمد والنسائی وغیر واحد من النقاد لفظ المنکر علی مجرد التفرد الخ '' اور اسی طرح مقدمہ فتح میں لکھتے ہیں'' قلت المنکر اطلقه احمد بن حنبل وجماعة علی الحدیث الفرد الذی لا متابع له فیحمل هذا علیٰ ذلک ''(ترجمہ محمد بن ابراہیم) علاوہ اس کے متقدمین کی کتب ابوداؤد، ترمذی، اور بیہقی سے اس کی مثالیں مل جاتی ہیں اور سنن نسائی میں اس قسم کی احادیث پر منکر کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے اس کی مثال اوپر گذر چکی ہے اسی طرح امام نسائی نے باب وقت رکعتی الفجر (۱ / ۲۵۵) میں احمد بن نصر کی سند سے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرنے کے بعد اور اسی طرح (۲ / ۲۳۰) میں باب ما استثنیٰ کے ماتحت ابراہیم بن حسن کی سند سے حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نقل کرنے کے بعد اس پر منکر کا لفظ استعمال کیا ہے ۔(۶) امام موصوف نے المجتبیٰ میں السنن الکبریٰ کے خلاف قول کیا ہے چنانچہ باب کیف صلاۃ اللیل (۲ / ۲۲۶) میں حضرت ابن عمر کی روایت صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ کے بعد لکھتے ہیں'' هذا الحدیث عندی خطاء والله تعالیٰ اعلم '' حالانکہ اسی روایت کے متعلق السنن الکبریٰ میں فرمایا ہے اسنادہ جید

(التلخیص: ۱۱۹)۔(۷) سنن نسائی کو اگر دیگر کتب حدیث کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ہمیں بعض مقامات ایسے ملتے ہیں جن میں امام موصوف نے دوسرے محدثین سے اختلاف کیا ہے چنانچہ باب الفرق بین الحیض والاستحاضة (۱/۶۶) میں فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت کے بعد فرماتے ہیں'' وقد روی هذا الحديث غير واحد عن هشام بن عروة ولم يذكر فيه وتوضئ غير حماد والله اعلم '' حالانکہ حماد بن زید لفظ توضئ کے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت امام ابوحنیفہ، ابومعاویہ، ابوعوانہ، اور ابوحمزہ رحمہم اللہ سے ثابت ہے امام ابوحنیفہؒ کی متابعت کا ذکر بیہقی میں ہے اور ابومعاویہ کا ترمذی میں اور ابوعوانہ کی متابعت امام طحاویؒ نے کتاب الرد علی الکرابیسی میں سند جید کے ساتھ بیان کی ہے اور ابوحمزہ السکری کی متابعت کا ذکر صحیح ابن حبان میں ہے اسی طرح حماد بن سلمہ نے بھی ان کی متابعت کی ہے جس کا ذکر دارمی میں ہے (الجوهر النقی: ۱/۳۴۴۔ التلخيص الحبير: ۶۲۔ نصب الرایہ: ۶۲) میں ملاحظہ کیجئے اسی طرح باب کیف صلوٰۃ القاعد (۱/۲۴۵) میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے بعد امام نسائی فرماتے ہیں'' لا اعلم احداً روى هذا الحديث غير ابى داؤد الحفرى وهو ثقة ولا احسب هذا الحديث الا خطاء والله اعلم '' حالانکہ ابوداؤد اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد نہیں جیسے امام موصوف فرما رہے ہیں بلکہ محمد بن سعید بن الاصبہانی سے اس کی متابعت ثابت ہے جیسے ابن خزیمہ اور بیہقی نے ذکر کیا ہے بہرکیف سنن نسائی میں اس قسم کے متعدد مواضع ہیں جہاں امام موصوف نے دوسرے محدثین سے اختلاف کیا ہے۔(۸) بسا اوقات امام موصوف ایک راوی پر جرح قدح کرتے ہیں لیکن چونکہ راوی مختلف فیہ ہوتا ہے اس لئے اپنے قول کی تائید وتقویت میں دوسرے ناقدین سے بھی جرح نقل کرتے ہیں چنانچہ (۲/۴۲) الخطبۃ قبل یوم الترویۃ کے ماتحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' قال ابو عبد الرحمن ابن خيثم ليس بالقوى فى الحديث وانما اخرجت هذا لئلا يجعل ابن جريج عن ابى الزبير وما كتبناه الا عن اسحق بن راهويه ابن ابراهيم ويحيىٰ بن سعيد القطان لم يترك حديث ابن الخيثم ولا عبدالرحمن الا ان على بن المدينى قال ابن الخيثم منكر الحديث وكان على بن المدينى خلق للحديث '' یہاں امام موصوف نے اپنی جرح کی تائید میں علی بن مدینی نے جو ابن خیثم پر جرح کی ہے اسے نقل کر دیا ہے۔(۹) گاہ بگاہ طبقات رواۃ کے مدارج ومراتب کو بھی واضح کر دیتے ہیں چنانچہ (۱/۲۵۳) میں التسبیح بعد الفراغ عن الوتر کے ماتحت سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ کی روایت کے بعد فرماتے ہیں'' قال ابو عبد الرحمن ابو نعيم اثبت عن محمد بن عبيد ومن قاسم بن يزيد واثبت اصحاب سفيان عندنا والله اعلم يحيىٰ بن سعيد القطان ثم عبد الله بن مبارك ثم وكيع بن الجراح ثم عبد الرحمن بن مهدى ثم ابو نعيم ثم الاسود فى هذا الحديث ''۔(۱۰) امام موصوف کو امام المسلمین کے لقب سے نوازا گیا اور امام مسلم سے بھی ارفع واحفظ تسلیم کیا گیا ہے اس کے باوجود اس قدر محتاط اور منکسر الطبع تھے کہ جہاں کہیں کسی بات کا پتہ نہ چلتا تو اس کے متعلق بے تکلف عدم علم کا اظہار فرما دیتے چنانچہ باب الحث علی النکاح کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت '' خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على يعنى فتية '' بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' فلم افهم فتية كما

اردت ''یعنی میں اپنی منشاء کے مطابق لفظ فتیة کا معنی سمجھ نہیں سکا، درحقیقت یہ عدم علم نہی بلکہ آپ کے تقوی اور کمال علم پر ایک دلیل ہے(۲/۶۷)۔(۱۱) سنن نسائی میں بعض مقامات پر کچھ تکرار ملتا ہے چنانچہ ''باب التوفیت فی الماء، سور الکلب وسور الھرة '' کا بیان کتاب الطہارۃ میں آیا ہے اور پھر آگے چل کر کتاب المیاہ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی مکرر ابواب ملتے ہیں تو دراصل بات یہ ہے کہ ابواب کا یہ تکرار من حیث الصغریٰ والکبریٰ کے قبیل سے ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ایسے ابواب کے متعلق امام نسائیؒ نے من السنن الصغریٰ والکبریٰ کی وضاحت کردی ہے لہٰذا یہ تکرار اعتراض اور قباحت کا موجب نہیں ہے۔

امام نسائی کا مسلک

علامہ سبکیؒ نے طبقات شافعیہ میں امام موصوف کا ترجمہ قائم کیا ہے اس سے بعض لوگوں نے آپ کو شافعی المسلک کہا ہے اسی طرح آپ نے جو ایک کتاب بنام کتاب المناسک امام شافعیؒ کے مسلک پر لکھی اس سے آپ کے شافعی ہونے کا شبہ ہوجاتا ہے کما قالہ العلامۃ الجزریؒ لیکن یہ کوئی پختہ بات نہیں جس سے آپ کو شافعی کہا جاسکے کیوں کہ دوسری طرف ابن تیمیہؒ نے آپ کو حنبلی بتایا ہے جیسا کہ علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ''النسائی وابو داؤد حنبلیان صرح به الحافظ ابن تیمیه'' (فیض الباری) تو کیا اس بیان پر آپ کو حنبلی کہا جائے گا نہیں بلکہ وہ اہل حدیث تھے کسی خاص امام کی تقلید نہیں کرتے تھے البتہ کثرت موافقت کی وجہ سے امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہوتے تھے چنانچہ علامہ جزائری لکھتے ہیں ''وامامسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه وابن خزیمه وابو یعلی والبزار ونحوهم فهم علیٰ مذهب اهل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد بعینه من العلماء ولاهم من الائمة المجتهدین علی الاطلاق بل یمیلون الی قول ائمة الحدیث کالشافعیؒ واحمدؒ واسحقؒ وابی عبیدؒ وامثالهم ''(توجیه النظر:۱۸۶)اور اگر امام موصوف بقول ابن الاثیر کتاب المناسک لکھنے سے شافعی ہیں تو کیا انہوں نے اپنی السنن میں دوسرے ائمہ کی تائید نہیں کی چنانچہ نسائی شریف کی ابتداء ہی میں کتاب الاقراء میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ امام موصوف فاطمہ بنت ابی حبیش کی مشہور روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''هذا الدلیل علیٰ ان الاقراء حیض ''اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے کہ قروء سے مراد حیض ہے نہ کہ طہر اسی طرح کتاب الطہارت(۱/۶) میں ''الرخصة فی السواک بالعشی للصائم '' کا عنوان قائم کیا ہے جو روزہ دار کے لئے زوال کے بعد مسواک کی عدم کراہت پر دلالت کرتا ہے اور یہی مسلک حنفیہ کا ہے جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زوال کے بعد روزہ دار کے واسطے مسواک کرنا مکروہ ہے تو کیا امام نسائیؒ کو بعض مسائل میں حنفیہ کی موافقت کی بناء پر حنفی کہیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ اصل بات وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علامہ جزائریؒ نے فرمائی ہے کہ امام موصوف مجتہد تھے اور جزئیات میں اہل حدیث کی طرح احادیث کے مطابق عمل کرتے تھے اور جن ائمہ کے مسلک کو کتاب وسنت کے قریب پاتے اسی کی تائید اور موافقت فرماتے۔(واللہ اعلم)

دارفانی سے رحلت

امام موصوفؒ کا انتقال بروز شنبہ ۱۳ صفر تین سوتین ۳۰۳ھ ہجری میں ہوا آپ وفات کے وقت ۸۸ اٹھاسی سال یا ۸۹ نواسی سال کے تھے انتقال کس شہر میں ہوا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے التھذیب (۱ / ۳۹) اور حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ (۲ / ۲۴۳) میں لکھا ہے کہ ''وتوفی بفلسطین یوم الاثنین لثلاث عشرۃ خلت من صفر ۳۰۳ھ لیکن اس کے برعکس دارقطنی اور ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ انکا انتقال مکہ میں ہوا اور صفا ومروہ کے درمیان دفن ہوئے امام موصوف کی وفات کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام موصوف کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی عقیدت ومحبت تھی اس لئے انہوں نے آپ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی پھر اسے جامع دمشق میں بیان کرنے کا ارادہ کیا کیوں کہ وہاں کے لوگ بوجہ سلطنت بنوامیہ کے خوارج کی طرف میلان ورجحان رکھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبیؒ امام نسائی کے خاص شاگرد محمد بن موسیٰ المامونی سے نقل کرتے ہیں ''**قال دخلت دمشق والمنحرف عن علی رضی اللہ عنہ بها کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یهدیهم الله، ثم انه صنف بعد ذالک فضائل الصحابة**'' کہ جب امام موصوف اپنی آخری عمر میں دمشق پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی بے اعتدالیوں کا مشاہدہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقیدت میں غلو کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھتے تھے تو امام موصوف نے انہیں راہ اعتدال پر لانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کتاب الخصائص لکھی اور اس کا کچھ حصہ بیان کیا تو حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کچھ لکھا ہے آپ نے فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ نجات پا جاویں اس کے مناقب کہاں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے یہ جملہ بھی کہا تھا کہ میرے نزدیک ان کے مناقب میں سے سوائے حدیث ''**اللهم لا تشبع بطنه**'' کے اور کوئی حدیث صحیح نہیں ہے غرض یہ کہ ان کے اس کلام سے لوگوں میں خلفشار رہوا اور امام موصوف کو ابتلاء پیش آیا کہ وہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیٹنا شروع کیا جس کی وجہ سے آپ نیم جان ہو گئے خادم ان کو اٹھا کر گھر میں لائے آپ نے کہا کہ مجھے اسی حالت میں مکہ معظمہ لے چلو کہ وہاں جا کے مروں یا راستہ میں بہر حال بقول دارقطنی وغیرہ کے مکہ میں پہنچے اور وہیں ان کی وفات ہوئی اور ما بین الصفا والمروہ دفن کئے گئے۔ (**والله اعلم بالصواب**)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تشیع کا لفظ متقدمین کے ہاں شیخین کی تقدیم وتفضیل کا اعتقاد رکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے اور بعد کے واقعات میں ان کو مصیب اور ان کے مخالفین کو مخطی یعنی قصوروار قرار دینے پر بولا جاتا ہے لیکن متاخرین کے ہاں رفض محض ہے ''**فلا تقبل روایة الرافضی الغالی ولا کرامة**'' لهٰذا غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی اور نہ یہ کوئی عزت کی بات ہے۔ (التھذیب: ۱ / ۹۴) حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے ''**والغال فی زماننا هو الذی یکفر هؤلاء السادة ویتبرأ من الشیخین ایضاً فهٰذا ضال مفتر**'' یعنی ہمارے زمانہ میں غالی وہ ہے جو حضرت عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ رضی اللہ عنہم کو اور اس جماعت کو جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی کافر کہے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بھی بغض وعداوت کا اظہار کرے تو یہ گروہ گمراہ اور افتراء پرداز ہے

بنا بریں امام نسائی پر بعض تذکرہ نگاروں نے جو تشیع کا الزام لگایا ہے وہ صحیح نہیں کیوں کہ ان سے یہ بات کہیں منقول نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل تھے مزید براں کہ روافض تو شیخین سے دشمنی رکھتے ہیں لیکن امام نسائی اپنی سنن میں شیخین کے اقوال کو جا بجا نہایت محبت سے بیان کرتے ہیں چنانچہ نسائی (۲/ ۲۳۱) میں ''الرجل یبیع السلعة فیستحق مستحق '' کے ماتحت حضرت اسید بن حضیر کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''وقضی بذالک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ''یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے اسی کے ساتھ فیصلہ کیا ہے پھر اس کے ساتھ ہی اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں (واقعہ نقل کرنے کے بعد) ''ثم قضی بذالک ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم ''یعنی حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی فیصلہ کیا ہے پھر ترجمہ باب امامة اہل العلم والفضل (۱/ ۱۲٦) سے تو امام نسائی پر لگائے ہوئے اتہام کا قلع قمع ہی ہو جاتا ہے جس میں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی مشہور روایت بیان کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ''قالوا نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر ''تو کیا ایسے صحیح وصریح اشتہاد کے باوجود آپ کی طرف تشیع کی نسبت درست ہے ہرگز نہیں۔

(قد تمت ترجمة النسائی رحمه الله)

واضح رہے کہ یہ ترجمہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ زہر الربی اور مؤلفین صحاح ستہ سے ماخوذ ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال الشیخ الامام العالم الربانی الرُحلة الحافظ الحجة الصمدانی ابوعبدالرحمن احمدُ بن شعیب بن علی بن بحر النسائی تاویل قولهٖ عزوجل اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ.

اخبرنا قُتیبة بن سعید قال حدثنا سفیان عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اِذااستیقظ احدکم من نومهٖ فلایغمس یدهٗ فی وضوئه حتی یغلسها ثلاثا فان احدکم لایدری این باتت یده.

امام نسائیؒ نے اپنی کتاب سنن کو بسم اللہ سے شروع فرمایا نہ کہ حمد سے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی تین وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ مصنفؒ نے احادیث رسول ﷺ کی اس مستند اور معتبر کتاب کی ابتداء میں حضور ﷺ کے ان خطوط مبارکہ اور فیصلوں کی پیروی کی ہے جو رسالت مآب ﷺ نے سلاطین اور امراء کی طرف لکھ کر بھیجے تھے کیوں کہ ان کی ابتداء بسم اللہ سے فرمائی دوسری یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سباء کو لکھا تھا اس کی ابتداء بسم اللہ سے ہونا قرآن سے ثابت ہے اس لئے قرآن حکیم کے اتباع میں اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ سے فرمائی تیسری یہ کہ ایک حدیث میں آیا ''کل امر ذی بال لایبدأ فیه ببسم اللّٰہ فهو اقطع ای قلیل البرکة'' یہ حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے ایک روایت میں بحمد اللہ ایک اور روایت میں بذکر اللہ مروی ہے اس حدیث کو بعضوں نے ضعیف کہا اور بعض محدثین نے صحیح کہا لیکن سب سے راجح قول وہ ہے جو شیخ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں حافظ ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ میں ہے جو صحیح سے نیچے ہے اور ضعیف سے اوپر ہے اس کی سند میں قرۃ بن عبدالرحمٰن ہے بقول امام نسائی ان کی متابعت سعید بن عبدالعزیز نے کی ہے اور محدثین اور فقہاء میں معمول ہے بہر حال حدیث تو ایک ہے مگر الفاظ اس کے مختلف ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مہتم بالشان کام کو ذکر اللہ سے شروع کیا جائے خواہ بسم اللہ کی صورت میں ہو یا حمد کی صورت میں یا ان دونوں کے علاوہ اور کوئی ذکر الٰہی سے شروع کیا جائے بہر حال حدیث مذکور پر عمل ہو جائے گا تو مصنفؒ نے اس حدیث پر نظر رکھتے ہوئے اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ سے فرمائی یہاں پر ایک بات قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث مذکور ایک حدیث نہیں بلکہ وہ اختلاف لفظ کی وجہ سے متعدد احادیث سمجھ بیٹھے ہیں پھر انہوں نے جمع کی شکل نکالنے کے لئے ابتداء کی اقسام ایجاد کی ہیں کہ بعض الفاظ کو حقیقی پر اور بعض کو اضافی اور بعض کو عرفی پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ سب تکلف سے خالی نہیں جو فن حدیث اور اس کے قواعد سے غفلت کا نتیجہ ہے اور ان کی تحقیق کا مدار تعدد احادیث کے تصور پر ہے حالانکہ ان کو اس کی خبر نہیں کہ حدیث واحد ہے مگر اختلاف لفظ میں ہے کذا

قال العلامۃ انور شاہ کشمیریؒ۔(معارف السنن:۱/ ۳)

قال الشیخ:۔ یہ ابوبکر ابن السنی کا مقولہ ہے جو امام نسائیؒ کے شاگرد رشید ہیں، لفظ شیخ بمقابلہ شاب کے مستعمل ہوتا ہے جس کے معنی جوان کے ہیں شیخ باعتبار لغت اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عمر ۵۰ سال سے تجاوز کر کے ۸۰ سال تک پہنچی ہو لیکن اصطلاح میں لفظ شیخ محدث کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور بمعنی استاد کے بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہے ملا علی قاریؒ نے کہا کہ شیخ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو علوم ظاہری اور باطنی میں ماہر و کامل ہو اگر چہ بلحاظ عمر شاب ہو۔

الامام:۔ امام پیشوا کو کہتے ہیں جس کی پیروی کی جاتی ہے لیکن یہاں اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کی امور دین میں پیروی کی جاتی ہے۔

الرّبانی:۔ بعض علماء نے کہا کہ وہ مصدر ربّ کی طرف منسوب ہے بمعنی پرورش کرنا، بتدریج کمال تک پہونچانا، تو جو شخص اپنے علم کی تربیت کرتا ہو اور بتدریج اپنے کو کمال تک پہونچاتا ہو اسے عالم ربانی کہتے ہیں، اور بعض نے کہا کہ لفظ ربانی منسوب ہے ربّ کی طرف جس کے معنی ہیں''**الکامل الجامع فی العلم النافع و العمل الرافع** ''یعنی عالم ربانی اسے کہتے ہیں جو علم نافع اور بلند عمل دونوں کے جامع ہو اور درجۂ کمال تک پہنچا ہو اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے شعبہ نے عاصم سے انہوں نے زر بن حبیش سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ارشاد خداوندی''**ولکن کونوا ربّانیین** '' کی تفسیر علماء و حکماء و فقہاء سے کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ''**الرّبانی هو الذی یربّی الناس بصغار العلم قبل کبارہ**''یعنی ربانی ایسے عارف باللہ عالم کو کہتے ہیں جو لوگوں کو انکی صلاحیت و استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑے درجہ کے علوم سے پہلے چھوٹے درجہ کے علوم سے تربیت کرتے ہوئے بتدریج درجۂ کمال تک پہنچا دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ لفظ ربانی منسوب ہے ربّ کی طرف جس کا مطلب یہ ہے کہ''**لا یمیل فی الا حوال کلها الا الربّ** '' یعنی جو شخص تمام احوال میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے اسے عالم ربانی کہتے ہیں، بہر کیف لفظ ربانی میں ان سب معانی کی وسعت ہے اور جبلت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ انسان ہر لحہ اس منعم و محسن حقیقی کی طرف متوجہ رہے جس نے اپنی حکمت کے موافق اس کی تربیت کرتے ہوئے بتدریج درجۂ کمال تک پہنچا دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے''**انا ربّانی هذہ الامة**''

الرّحلة:۔ اہل لغت نے اس کا ترجمہ شہرۂ آفاق عالم کیساتھ کیا ہے یعنی ایسا عالم دین جس کے پاس لوگ دور دراز سے سفر کر کے علوم و مسائل کی تحصیل کے ارادے سے جائیں اس لفظ کو ضمۂ راء اور سکون جیم کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے جس کے معنی ہیں مرد کامل۔

الحافظ الحجة:۔ محدثین کی اصطلاح میں حافظ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو ایک لاکھ احادیث محفوظ ہوں اور حُجت اسے کہتے ہیں جس کو تین لاکھ احادیث محفوظ ہوں''**قاله بعض العلماء** ''لیکن اس کے برعکس قاموس الوحید میں

لکھا ہے کہ حافظ وہ محدث جسے احادیث نبویہ کی بہت بڑی تعداد زبانی یاد ہو، حجۃ اصطلاح محدثین میں وہ عالم جس کو متن اور سند کے ساتھ تین سو حدیثیں معلوم ہوں اور وہ ان حدیثوں کے راویوں کے احوال سے جرح وتعدیل اور تاریخ کے اعتبار سے واقف ہو۔

الصمدانی: یہ صمد سے ماخوذ ہے جس کے معنی قصد کرنے کے ہیں یہاں اس کے معنی ہیں ''**ھو السید الذی یصمد الیہ فی الامور**'' یعنی سردار کو کہتے ہیں جس کی طرف اہم اور مشکل امور میں رجوع کیا جائے۔

تاویل قولہ عزوجل ''اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ'' یہ عنوان بمنزلہ جنس کے ہے اور آئندہ کے ابواب بمنزلہ فصول کے ہیں، کتاب کے شروع میں قرآن کریم کی آیات سے یہ آیت پیش کی ہے اس سے مصنف اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ کتاب الطہارۃ میں وضو کے بارے میں جتنے احکام ومسائل بیان کئے جائیں گے وہ تمام کے تمام اسی آیت کی تفسیر وتشریح سمجھے جائیں گے۔

آیت کا ترجمہ اور اسکی مختصر تشریح

اے ایمان والوں جب تم نماز کو اٹھنے لگو (یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم کو اس وقت وضو نہ ہو) تو وضو کرلو یعنی اپنے چہروں کو دھولو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور سر پر (بھیگا) ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت دھولو۔

(بیان القرآن)

آیت میں کھڑے ہونے سے مراد ہے کھڑے ہونے کا ارادہ کرنا جیسے آیت ''**واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ**'' میں قرآن پڑھنے سے مراد ہے پڑھنے کا ارادہ کرنا اختصار کے پیش نظر ارادہ کی تعبیر فعل سے کی ہے (ارادہ سبب فعل ہے اور فعل اس کا نتیجہ ہے نتیجہ بول کر سبب مراد لینا ضابطۂ مجاز مرسل ہے) اس تعبیر سے اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جو شخص عبادت کا ارادہ کرے اس کو جلدی عبادت کر ہی لینا چاہئے ارادہ اور عبادت میں فصل نہ ہونا چاہئے آیت میں جن اعضاء کی طہارت کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک عضو سر پر مسح کا حکم ہے باقی تین مغسول ہیں یعنی ان کو دھونے کا حکم ہے یہی اہل سنت کا مسلک ہے البتہ شیعہ لوگ پاؤں کے حکم میں اہل سنت سے اختلاف کرتے ہیں اس کی وضاحت ضروری ہے روافض کا مسلک یہ ہے کہ وضو میں دونوں پیروں پر مسح واجب ہے انہوں نے اس کے ثبوت میں جر کی قرأت سے استدلال کیا ہے کیوں کہ ''**وارجلکم الی الکعبین**'' میں قرأت کے اماموں سے دو قرأتیں نقل ہوئی ہیں ایک لام کے زبر کے ساتھ دوسرے کسرہ کے ساتھ اور روافض کے نزدیک اصل قرأت کسرہ کی ہے جس کا عطف رؤسکم پر ہے اور زبر کی قرأت وہ رؤسکم کے محل پر عطف کی بناء پر ہے یعنی رؤسکم اگرچہ باعتبار صورت مجرور ہے مگر درحقیقت وہ محل کے اعتبار سے منصوب ہے اس لئے معنی کے اعتبار سے قرأت جر کے جو معنی ہیں وہی زبر کی قرأت کے ہیں، غرض اس دلیل کی بنیاد پر روافض کا مسلک یہ ہے کہ دونوں پیروں پر مسح کا حکم ہے شیعہ حضرات کی یہ توجیہ غلط ہے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ لفظ پر عطف ہو بدون قرینہ کے محل پر عطف درست نہیں اور یہاں کوئی قرینہ اور کوئی وجہ موجود نہیں۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ وارجلکم کو زبر کے ساتھ پڑھا جاوے یا زیر کے ساتھ اس کا عطف ایدیکم پر ہے اس لئے کہ جس طرح ایدیکم کی حدالی المرافق کو قائم کیا گیا ہے اسی طرح پاؤں کی حد کعبین کو قائم کیا ہے اس لئے دونوں صورت میں دونوں جگہ دھونا ہی مراد ہے اگر شیعوں کے قول کے مطابق رؤسکم پر عطف مانا جائے تو پھر پاؤں کے مسح کی حدالی الکعبین نہ ہونی چاہئے جیسے سر کے مسح کی حد نہیں بیان کی گئی اب رہا یہ سوال کہ جب وارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے تو پھر وارجلکم کو لام کے کسرہ کے ساتھ کیوں پڑھا ہے اس کا جواب اہل سنت یہ دیتے ہیں کہ لام کا کسرہ لفظی جر جوار کا اثر یعنی رؤسکم کے قرب و جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے ہے جیسے ''انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم'' میں الیم کو کسرہ کے ساتھ یوم کے قرب و جوار میں ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے اگر چہ یہ صفت ہے عذاب کی روافض کی طرف سے اشکال کیا جاتا ہے کہ علم نحو کے اماموں میں سے اکثر حضرات نے قرب و جوار کی وجہ سے مکسور پڑھنے کو ناجائز کہا ہے اور جس نے جائز کہا ہے تو دو شرطوں کی بنیاد پر جائز کہا ہے ایک تو حرف عطف درمیان میں نہ ہو اور یہاں حرف عطف درمیان میں موجود ہے دوسرے اشتباہ پیدا نہ ہو اور یہاں لام کے کسرہ پڑھنے سے اشتباہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں اس کا عطف رؤسکم پر ہے یا ایدیکم پر اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا دعویٰ کرنا کہ اکثر اہلِ نحو نے جر جوار کا انکار کیا ہے اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ قرب و جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے کسرہ کا استعمال قرآن پاک کی بکثرت آیات اور بڑے بڑے اہل بلاغت کے کلام میں موجود ہے اس لئے اس کا انکار محض نفس پرستی اور دانستہ امر حق کا مقابلہ کرنا ہے مثال کے طور پر قرآن پاک کی آیت جو اوپر گذر چکی ہے اس میں الیم قاعدہ کے اعتبار سے منصوب ہونا چاہئے کیوں کہ وہ عذاب کی صفت ہے لیکن یوم کے جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے جر کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح دوسری جگہ عذاب یوم محیط فرمایا ہے محیط بھی عذاب کی صفت ہے یوم کی صفت نہیں ہے مگر یوم کے قرب کی وجہ سے جر کے ساتھ پڑھا ہے نیز اہل زبان استعمال کرتے ہیں ''ھذا جحر ضبّ خربٍ'' اس مثال میں خرب کا زیر ضبّ کے جوار میں آنے کی وجہ سے ہے حالانکہ خرب جحر کی صفت ہے غرض جب قرآن کریم اور اہل بلاغت کے کلام میں جوار میں آنے کی وجہ سے کسرہ کا استعمال موجود ہے تو پھر جر جوار کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اشتباہ بھی باقی نہیں رہا کیوں کہ الی الکعبین فرما کر حد بیان کر دی ہے البتہ یہ شرط کہ حرف عطف درمیان میں نہ آیا ہو ضرور اختلافی ہے بعض اہل علم اس کے قائل ہیں کہ حرف عطف درمیان میں نہ ہو کیونکہ حرف عطف مغائرت پر دلالت کرتا ہے اور حق جوار کو روک دیتا ہے مگر حق بات یہ ہے کہ حرف عطف کے موجود ہونے کی صورت میں بھی حق جوار قائم رہتا ہے حرف عطف سے اتصال ختم نہیں ہوتا بلکہ پختہ ہوتا ہے، ابن مالک اور خالد ازہری نے کہا کہ واؤ حرف عطف میں سے ہے اس کی خصوصیات گیارہ ہیں جن میں سے ایک جرّ جوار کا جواز ہے جو معطوف بالواؤ میں قائم رہتا ہے میں کہتا ہوں کہ واؤ کے درمیان میں آنے کے بعد حق جوار باقی رہنے کی کوئی مزید دلیل نہ بھی ہو تب بھی دونوں پیروں کے دھونے کا وجوب اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور وجوہِ ثبوت وہ ہیں جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے رؤسکم پر ناجائز ہے اور حدیثوں مین اس کا بیان آیا ہے اور امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے اس لئے حرف عطف کے درمیان میں آنے کے بعد بھی حق جوار باقی رہنا انہی وجوہ سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ (تفسیر مظہری: ج۳)

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ کعبین سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ دونوں طرف ابھری ہوئی ہیں ان دونوں ہڈیوں تک مسح کرنے کا کوئی قائل نہیں بلکہ مسح قدم کی پشت پر ساق تک ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آیت وضو میں پاؤں پر مسح کرنا مراد ہی نہیں ہے کیوں کہ مسح دونوں ٹخنے تک بے معنی ہے اس لئے بلاشبہ دھونا ہی مراد ہے اب رہا یہ سوال کہ جب دونوں پیروں کا حکم دھونا ہی ہے تو پھر وامسحوا کے تحت کیوں بیان کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر پاؤں کے دھونے کا بیان چہرہ اور ہاتھ کے ساتھ ہوتا تو پھر سر کا مسح بیان کر کے یہ حکم بھی بتا دینا ضروری ہوتا کہ پہلے سر کا مسح کرو پھر پاؤں دھولو اور اگر پاؤں کے ساتھ غسل کی تصریح ہوتی تو کلام طویل ہو جاتا حالانکہ کعبین بڑھانے سے ترتیب بھی باقی رہی اور مسح کا التباس بھی نہ رہا اور کلام فصیح و بلیغ ہوا۔ (**کذا قالهٗ بعض المحققین**) علامہ زمخشریؒ اور ابن تیمیہؒ نے کہا کہ عام طور پر لوگ پاؤں دھونے میں احتیاط نہیں کرتے بے ضرورت پانی بہاتے ہیں جو اسراف کی حد میں داخل ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم نے پاؤں کے دھونے کا حکم وامسحوا کے تحت بیان کیا تاکہ پانی کا اسراف نہ کریں۔

ابن رُشدؒ نے آیت کی ایک اور تاویل کی ہے اس کو اپنے مقدمات میں ذکر کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اہل عرب غسل کو مسح سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ابوزید انصاری وغیرہ لغت کے اماموں نے اس کی تصریح کی ہے وہ کہتے ہیں "**تمسحنا للصلوٰۃ ای اغتسلنا للصلوٰۃ، مسح الارض المطر**" استعمال کرتے ہیں جبکہ بارش سے زمین دھل جائے وغیر ذالک تو حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمادیا کہ مسح رأس سے مراد بدون سیلان ماء کے بھیگا ہوا ہاتھ سر پر پھیر لینا ہے اور مسح رجلین سے مراد سیلان ماء کے ساتھ دونوں پیروں پر ہاتھ پھیر لینا ہے جس کو غسل کہتے ہیں، بعض مشائخ نے کہا کہ دونوں قرأتوں کو دو حالتوں پر رکھا جائے وارجلکم کو اگر منصوب پڑھا جائے تو پاؤں موزہ سے خالی ہونے کی صورت پر محمول کیا جائے اور اگر مکسور پڑھا جائے تو اس صورت پر محمول کیا جائے جبکہ پاؤں موزہ کے اندر ہوں جیسا کہ الم غلبت الروم کو معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا جائے دو واقعات کے اعتبار سے ایسا ہی یہاں وارجلکم کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے اس توجیہ سے دونوں قرأتوں کے درمیان تطبیق اور بقدر امکان دونوں پر عمل ہو جاتا ہے اور حدیث فعلی سے اس کی تائید ہو رہی ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ موزہ پہنے ہوتے تو اس پر مسح فرماتے اور اگر موزہ نہ پہنے ہوتے تو پاؤں دھوتے اس کا بیان صحیح احادیث میں آیا ہے اور وہ تواتر کے ساتھ نقل کی گئی ہیں اور ننگے پاؤں پر مسح کرنے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے بلکہ وضو میں بعض لوگوں کی ایڑیاں خشک رہ جانے پر سخت وعید فرمائی ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی طرف جارہے تھے دوران سفر نماز عصر کا وقت آ گیا لوگوں نے وضو کیا لیکن ان کی ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں اسی وقت حضور اکرم ﷺ نے وعید کے سخت الفاظ ویل للاعقاب من النار فرمائے اور اس طرح کی سخت وعید معمولی عمل کے چھوڑنے پر وارد نہیں ہوتی بلکہ ایڑیاں خشک رہ جانے کی وجہ سے انکا وضو ہی نہیں ہوا اس لئے ترک فرض پر وعید کے الفاظ فرمائے ہیں جس سے آیت کی مراد واضح ہوگئی کہ ننگے پاؤں کا حکم مسح نہیں بلکہ دھونے کا حکم ہے اور غسل میں بھی استیعاب کی رعایت شرط ہے اگر تھوڑی جگہ بھی خشک رہ گئی تو وضو درست نہ ہوگا اس آیت کریمہ سے اور بھی بہت سے مسائل کا تعلق ہے بحث طویل ہو جائے گی اس لئے

اسی پر اکتفاء کیا ہے، اس کے بعد امام نسائیؒ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے اس سے ان کا مقصد کیا ہے اور اس حدیث کا اس آیت سے کیا ربط ہے ہمارے ناقص خیال کے مطابق جو بات سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ولکن یرید لیطھر کم، یہاں لیطھر جو تطھیر سے ماخوذ ہے استعمال فرمایا ہے جس کے معنی پاک وصاف کرنے کے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ تطہیر ظاہری و باطنی کا تعلق وضو کے عمل سے ہے چنانچہ ارشاد مبارکہ اسی پر مرتب فرمایا ہے اور عمل وضو کا تعلق ماءطہور یعنی پاک کرنے والے پانی سے ہے اگر پانی پاک ہے تو وضو معتبر ہو کر طہارت ظاہری اور باطنی کا ذریعہ بنے گا ورنہ نہیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب وضو کے پانی کی حفاظت کی جائے تو اس کے پیش نظر غالباً امام نسائیؒ کا آیت کریمہ کے بعد حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرنے کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جو پانی وضو کے لئے مطلوب ہے اسے ہر قسم کی آلودگی سے محفوظ اور دور رکھا جائے کیوں کہ پانی کے معاملہ میں شریعت کا مقصد احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا ہے یہی توجیہ بقول راجح اقرب الی الصواب ہے اور اس سے آیت کریمہ اور حدیث کے درمیان ارتباط ظاہر ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) اب ہم حدیث کی بقیہ تشریح کر رہے ہیں۔

تحقیق رجال

اخبرنا قتیبۃ بن سعید الخ: بعض نے کہا کہ قتیبہ لقب ہے اور اصل نام یحییٰ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا نام علی ہے۔

سفیان: یہ سفیان جو قتیبہ کے استاد ہیں ابن عیینہ ہے نہ کہ سفیان ثوری۔

زھری: ان کا نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب ہے۔

ابی سلمۃ: یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے بعض نے کہا کہ ان کا نام عبد اللہ ہے اور بعض نے کہا کہ اسماعیل ہے اور بعض نے کہا ان کے نام اور کنیت میں کوئی فرق نہیں نام بھی ابو سلمہ ہے اور کنیت بھی یہی ہے، حضرت مالک بن انسؒ نے فرمایا کہ اہل علم میں سے چند اشخاص میرے پاس تھے جن کے نام اور کنیت دونوں یکساں ہیں انہیں میں سے ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن بھی ہیں، شیخ ولی الدین عراقیؒ نے کہا کہ وہ فقہاء سبعہ میں سے تھے۔

ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: امام نوویؒ نے کہا کہ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف کثیر ہے لیکن زیادہ صحیح نام ان کا عبد الرحمٰن بن صخر ہے اور امام بغویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس نام کی تصریح کی ہے، محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ میرے دوستوں میں سے کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ میرا نام زمانۂ جاہلیت میں عبد شمس بن صخر تھا پھر جب میں نے اسلام قبول کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اسلامی نام عبد الرحمٰن رکھا لیکن میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کنیت کے ساتھ مشہور ہوگیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ایک بلی دستیاب ہوئی تھی میں نے اس کو اپنی آستین میں اٹھا لیا تھا اتفاقاً اس پر نگاہ رسالت پڑی تو زبان رسالت سے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا لفظ نکل پڑا اسی روز سے لوگ مجھے ابو ہریرہ کہنے لگے اور اس کنیت کے ساتھ مشہور ہوگیا۔ (ھکذا اخرجه الحاکم فی الکنی من طریقه) زھر الربی۔

اذا استیقظ احدکم من نومه الخ: ابن رشد نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تعلق کس باب سے ہے باب الوضوء سے ہے یا باب المیاہ سے، اگر اس کا تعلق پانی کے مسائل سے ہے تو اس کا اصل مقصد پانی کو نجاست کی آلودگی سے محفوظ رکھنا ہے، (فیض الباری: ۱/ ۲٦۳) میں حضرت شاہ صاحب کا قول نقل کیا ہے آپ نے فرمایا میرے نزدیک راجح یہی ہے جو ابن رشد نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تعلق پانی کے مسائل سے ہے اور غرض اصلی پانی کو نجاست سے دور رکھنا ہے پھر وضوء سے پہلے غسل یدین کا حکم خود ہی ثابت ہو جائے گا کیوں کہ جب مطلق پانی کی حفاظت ہر حال میں مطلوب ہے تو وضو کے پانی کی نگہداشت بدرجۂ اولیٰ ہوگی لہٰذا حدیث کو اگر باب المیاہ سے قرار دیں تب بھی اس کے احکام باب الوضوء تک پہنچ جاتے ہیں اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

اس حدیث میں استیقاظ کی جو قید آئی ہے وہ احترازی نہیں اتفاقی ہے کیوں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران وغیرہ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے وضو کی حکایت کی ہے انہوں نے بدون اس قید کے غسل یدین کے ساتھ وضو شروع کرنے کو بیان کیا ہے اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں سبب حدیث کے سلسلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ اہل حجاز عام طور پر ڈھیلے اور پتھر سے استنجاء کرتے تھے پھر جب سوتے تھے تو بہ سبب گرمی کے استنجاء کی جگہ میں پسینہ آجاتا تھا تو شاید محل نجاست اور پھوڑے پھنسی کی جگہ ہاتھ پہنچا ہو اور پلید ہو گیا ہو تو اسی کے پیش نظر حدیث میں استیقاظ کی قید وارد ہوئی ہے اور حکم دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولے کیوں کہ تم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کہاں پڑا اور کہاں رات گذاری، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے غسل یدین کا حکم احتمال نجاست کی بناء پر دیا ہے جس پر حدیث کے آخری جملہ ''فَاِنَّهُ لَا یَدْرِیْ الخ'' دلالت کر رہا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں نجاست کا کوئی قطعی وجود نہیں ہے جس کو علت غسل قرار دیا جا سکے بلکہ غسل یدین کی علت نجاست وغیرہ پر ہاتھ پہنچ کر ملوث ہو جانے کا احتمال ہے اور یہ احتمال نجاست ہر حالت میں موجود ہے اگر چہ اس درجہ کا نہیں جس درجہ کا استیقاظ کی صورت میں موجود ہے اس لئے حدیث میں بیان کردہ حکم نیند سے اٹھنے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ غیر مستیقظ کو بھی شامل ہوگا اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس کے لئے بھی سنت ہے کہ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھو لئے جائیں لیکن چوں کہ غالباً نیند سے جاگنے والے آدمی کے ہاتھ پلید ہونے کا زیادہ احتمال ہے جس کی وجہ ہم نے ماقبل میں امام شافعیؒ کے قول کے حوالے سے نقل کی ہے اس لئے حدیث مذکور میں استیقاظ کی قید وارد ہوئی ہے، بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند سے اٹھنے والے شخص کے لئے سنت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے پھر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالے ورنہ برتن میں ہاتھ ڈالنا ممنوع ہے، چنانچہ فرمایا۔

فلا یغمسن یدهٗ الخ: کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے اٹھے تو وضو کے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک اس کو تین مرتبہ نہ دھولے، نسائیؒ کی روایت میں بغیر نون کے آیا ہے اور مسند بزار میں فلا یغمسن نون تاکید مشدد کے ساتھ آیا ہے اور اکثر روایات میں فلا یدخل آیا ہے شارحین نے لکھا ہے کہ یہ نہی جو حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے اس صورت پر محمول ہے جبکہ برتن چھوٹا ہو یا بڑا ہو مگر اس کے ساتھ چھوٹا برتن بھی ہو لیکن اگر بڑا برتن ہو اور اس کے ساتھ چھوٹا برتن نہ ہو تو اس صورت میں ممانعت کا حکم

بطریق مبالغہ یعنی قدر ضرورت سے زیادہ اپنے ہاتھ کو برتن میں داخل کرنے پر محمول ہے بالکل ادخال سے منع نہیں کیا گیا ہے اب رہا یہ سوال کہ سعید بن منصور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک برتن میں جو کہ چھوٹا تھا ہاتھ کو دھوئے بغیر داخل کیا ہے، اور ابن ابی شیبہؒ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مطہرہ یعنی وضو کے لوٹے میں دھونے سے پہلے ہاتھ داخل کیا ہے تو اس کا جواب یہ کہ وہ بیان جواز پر محمول ہے اور اس عمل سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہی تنزیہی ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنے قول ''فان احدکم لایدری این باتت یدہٗ'' سے جو علت حکم بیان فرمادی ہے وہ نہی تنزیہی کو مقتضی ہے اور جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ بقرینۂ علت مذکورہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی کیوں کہ نجاست کا وجود یہاں قطعی یا مرئی یعنی آنکھوں سے نظر آنے والا نہیں ہے اور چونکہ جمہور کے نزدیک نہی تنزیہی ہے اس لئے اگر دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال دیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا بلکہ پاک رہے گا اور ہاتھ ڈالنے والا گنہگار نہ ہوگا البتہ اگر ہاتھ پر نجاست کا یقین ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور بغیر دھوئے برتن میں ہاتھ ڈال دینے سے پانی ناپاک ہوجائے گا کیوں کہ جب اس حدیث میں احتمال نجاست کی وجہ سے احتیاطاً برتن میں بدون دھوئے ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے تو یہ احتیاط اسی وقت درست ہوسکتی ہے جبکہ ہاتھ کو نجاست لگنے کا یقین ہونا اور بدون دھوئے اس کو پانی میں ڈال دینا پانی کو ناپاک کردیتا ہو کیوں کہ اگر یقین کی حالت میں بھی پانی ناپاک نہ ہو تو پھر احتمال کی صورت میں احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال جب یقین ہوجائے کہ ہاتھ پر ناپاکی لگی ہوئی ہے تو اس کو برتن میں ڈال دینے سے پہلے دھولینا ضروری ہے ورنہ نہیں، شرح السنۃ میں ہے کہ اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل ید کے حکم کو ایک امر موہوم کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے اور جو چیز (یعنی غسل یدین) امر مشکوک سے وابستہ ہوتی ہے وہ واجب نہیں ہوسکتی لہٰذا پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے دھولینے کو نہ فرض کہنا درست ہے اور نہ واجب کیوں کہ پانی اور ہاتھ دونوں طہارۃ اصلیہ پر ہیں، اسی لئے اکثر علماء نے اس حدیث کو احتیاط پر محمول کیا ہے، علامہ شمنیؒ نے کہا کہ عروہ بن زبیرؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہری نے ظاہر حدیث پر نظر رکھتے ہوئے کہا کہ اگر رات کی نیند کے بعد اٹھے تو واجب ہے کہ پہلے ہاتھ کو دھولے پھر پانی میں ہاتھ ڈالے، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس جگہ حدیث الباب پر نہایت عمدہ بحث کی ہے وہاں ملاحظہ کیجئے، آخر میں لکھتے ہیں کہ حسن بصریؒ سے جو قول منقول ہے کہ اگر ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال دیا تو ناپاک ہوجائے گا لہٰذا پہلے دھولینا واجب ہے تو یہ قول نہایت کمزور ہے کیوں کہ اس میں کوئی تردد نہیں کہ پانی اور ہاتھ دونوں پاک ہیں لہٰذا محض شک سے اس کا نجس ہونا درست نہیں کیونکہ قواعد شرع کے خلاف ہے پھر ہمارا اور محققین کا مسلک یہی ہے کہ یہ حکم نیند سے جاگنے پر محدود نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں ہے بشرطیکہ ہاتھ کے پلید ہونے کا شک وشبہ موجود ہو، یہی جمہور علماء کا مذہب ہے اور امام احمدؒ سے جو ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ رات کی نیند سے جاگنے والے پر غسل یدین واجب ہے بدون اس کے پانی میں ہاتھ ڈالنا مکروہ تحریمی ہے اور جب دن کو سو کر اٹھے تو پھر بدون ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالنا مکروہ تنزیہی ہے، اور داؤد ظاہری نے بھی حدیث کے ظاہری لفظ مبیت کی وجہ سے جو لفظ باتت کا ماخذ ہے انکی موافقت کی ہے یہ مذہب نہایت ضعیف ہے کیوں کہ شارع علیہ السلام نے خود ہی اپنے قول ''فانہٗ لایدری این باتت یدہٗ'' سے علت حکم بیان

فرمادی ہے جس کے معنی ہیں کہ نیند سے سے اٹھنے والے کواپنے ہاتھ پر ناپاکی لگنے کا یقین نہیں ہے محض ہاتھ کے ناپاک ہونے کا شک وشبہ کی بناء پر ممانعت کردی گئی اور یہ بوجہ ثابت ہونے احتمال نجاست کے ہر صورت کو شامل ہے خواہ رات کی نیند سے اٹھنے کے بعد ہو یادن کی نیند سے بیداری کی حالت میں ہو۔ (**شرح مسلم للنووی**)

حنفیہ نے اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ اگر نوم حدث ہے تو اس کا حال پیشاب جیسا ہے اور اگر نوم سبب حدث ہے تو مثل مباشرۃ کے ہے اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے نزدیک پیشاب اور مباشرۃ میں سے کوئی بھی پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے دھونے کو واجب نہیں کرتا ہے اور نہ وہ اس کے قائل ہیں کہ پیشاب اور مباشرۃ کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کا دھو لینا ضروری ہے تو جب یہاں غسل یدین کے وجوب کے قائل نہیں ہوئے تو وہاں یعنی رات کی نیند سے اٹھنے کے بعد غسل ید کو کیوں واجب قرار دیا ان کی یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ نے غسل یدین کی وجہ تو ہم نجاست بیان فرمائی چنانچہ فرمایا۔

فانہ لا یدری این باتت یدہٗ الخ: کہ اس کو کیا معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کس جگہ پر پڑا تھا، قاضی بیضاویؒ نے کہا کہ اس جملہ سے اس علت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ جس کی بناء پر پانی میں ہاتھ ڈالنے کی دھونے سے پہلے ممانعت فرمادی کہ وہ ہاتھ کے ناپاک ہونے کا احتمال ہے کیوں کہ جب کلامِ سابق میں ایک شرعی حکم کی تعلیم دیدی پھر اس کے ساتھ علت حکم بھی خود ہی بیان فرمادی تو ظاہر بات ہے کہ ثبوت حکم اس علت کے ساتھ معلول ہوگا جیسا کہ حدیث محرم میں آیا ہے کہ بحالت احرام محرم کے لئے خوشبو کا استعمال کرنا منع ہے جس کی علت محرم کی حالت احرام سے وابستگی ہے، تو جسطرح یہاں خوشبو لگانے کی ممانعت کا حکم علت حالت احرام کے ساتھ وابستہ ہے، اسی طرح حدیث مذکور میں دھونے سے پہلے پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت کا حکم "**فانہٗ لا یدری الخ**" علت کے ساتھ وابستہ ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب (زھر الربی)**

اس لئے اس حدیث سے غسل ید کا وجوب ثابت نہیں ہوسکتا حاصل بحث کا یہ ہے کہ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اس کا دھونا واجب ہے جب کہ ہاتھ پر نجاست کا یقین ہو اور عدم یقین کے وقت سنت ہے بشرطیکہ اس پر احتمال نجاست موجود ہو، اس پر حنفیہ وشافعیہ اور مالکیہ سب متفق ہیں البتہ امام احمد چونکہ تعلیل احکام کے قائل نہیں اس لئے آپ نے ظاہر حدیث سے قید لیل کو اہم نکتہ سمجھ کر رات کی نیند سے اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونے کو واجب قرار دیا ہے، حالانکہ بدون صورت نوم شب کے ان کے نزدیک بھی غسل یدین واجب نہیں جیسا کہ مغنی لابن قدامہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اس حدیث سے حنفیہ کے ایک اور مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے کہ احناف کے نزدیک نجاست غیر مرئیہ یعنی وہ نجاست جو آنکھوں سے نظر آنے والی نہیں ہے تین بار دھونے سے پاک ہوجاتی ہے کیوں کہ جب حدیث میں نجاست موہومہ کی تطہیر کے لئے تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے تو نجاست متحققہ غیر مرئیہ تین مرتبہ دھونے سے بطریق اولیٰ پاک ہوگی لہٰذا یہ حدیث اور اس طرح کی اور دوسری احادیث احناف کی دلیل ہیں بلکہ بعض روایات میں تین بار کے ساتھ یہ لفظ بھی وارد ہوا ہے "**فانھا تجزیٔ عنہ**" کہ اتنی دفعہ دھو لینے سے کافی ہوجاتا ہے۔ (**رواہ احمد وابو داؤد وغیرھما**)

لیکن حنفیہ کے یہاں تین بار دھونا شرط کے درجہ میں نہیں بلکہ اسے دھونے والے کی غالب رائے پر سپرد کیا گیا ہے اور حدیث میں جو تحدید کے ساتھ تین بار دھونے کا بیان آیا ہے وہ غالب عادات پر مبنی ہے کہ عام طور پر تین بار دھونے سے نجاست زائل ہو جاتی ہے اور اگر نجاست مرئیہ یعنی جسم دار ہو جیسے خون وغیرہ تو پھر زوال عین سے اس کی طہارۃ ہو جاتی ہے اس کو پاک کرنے میں حنفیہ کے نزدیک کوئی عدد معین شرط نہیں ہے صرف ازالہ نجاست کافی ہے۔

کتاب الطھارۃ

باب السواک اذا قام من اللیل

مسواک کے بیان میں جب رات کو تہجد کے لئے اٹھے

اخبرنا اسحق بن ابراھیم وقتیبۃ بن سعید عن جریر عن منصور عن ابی وائل عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یشوص فاہ بالسواک.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو اپنا منہ اور دانت مسواک سے صاف فرماتے تھے۔

تشریح: لفظ سواک کے لغوی معنیٰ دانت رگڑنے کے ہیں نہایہ میں ہے کہ سواک بالکسر اور مسواک دونوں مترادف ہیں دانت صاف کرنے کی لکڑی کو کہتے ہیں ابن ملک نے کہا کہ سواک مسواک کرنے کو کہتے ہیں اور مسواک کو بھی لیکن اگر معنی ثانی مراد لیں تو یہاں اس سے اس کا استعمال کرنا مراد ہے اس لئے ایک مضاف محذوف ماننا پڑے گا" ای باب استعمال السواک اذا قام من اللیل"۔

اذا قام من اللیل: صحیح مسلم کی روایت میں "اذا قام للتھجد من اللیل" آیا ہے کہ جب آپ رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنے دانتوں کو مسواک سے صاف فرماتے تھے لہٰذا نسائی کی روایت کے بھی یہی معنی ہیں۔

یشوص فاہ بالسواک: لفظ یشوص ماخوذ ہے شوص سے جس کے معنی عرض میں مسواک کرنے کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مسواک دانت کی چوڑان پر کرے نہ کہ طول پر کیوں کہ اس سے مسوڑھے چھلتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا ہے کہ جب رات کو نیند سے اٹھتے تو مسواک سے منہ اور دانت صاف فرماتے تھے کہ سونے کی وجہ سے جو بخارات معدہ سے چڑھ کر زبان پر جم جاتے ہیں اس سے زبان پر کثافت آجاتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ازالہ کے لئے مسواک کرتے تھے تاکہ نماز کے دوران قراءت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

باب کیف یستاک

مسواک کس طرح سے کی جائے اس کے بیان میں

اخبرنا احمد بن عبدۃ قال اخبرنا حماد بن زید قال اخبرنا غیلان بن جریر عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال دخلت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یستن وطرف السواک علیٰ لسانہ وھو یقول عأ عأ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ اس وقت اپنی زبان پر مسواک فرمارہے تھے درآنحالیکہ آپ کے منہ سے عأعأ کی آواز نکل رہی تھی۔

تشریح وطرف السواک علی لسانہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ مسواک کا وہ سرا جو دانت پر پھیرلیا جاتا ہے آپ اسے زبان پر رکھ کر اس کے اوپر کی سطح پر مسواک فرمارہے تھے چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے، یستن الیٰ فوق، اس سے دو چیزیں معلوم ہوئیں ایک تو مسواک کی تاکید معلوم ہوتی ہے دوسرے مسواک صرف دانتوں پر پھیر لینے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ دانتوں پر پھیر لینے کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی آہستہ آہستہ پھیر لی جائے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ جب آدمی مسواک کرے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ اچھی طرح منہ کے اندر تک مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم نکالے اور منہ میں اندر تک کرنے سے مرض قلاع (یعنی پھنسیاں جو لبوں اور منہ میں ہوں) دور ہو جاتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔

وھو یقول عأعأ: بخاری کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں "فوجدتہ یستن بسواک بیدہ یقول اع اع والسواک فی فیہ کانہٗ یتھوّع" یعنی راوی نے لفظ عأعأ یا اُع اُع سے اس آواز کی حکایت کی ہے جو زبان کی سطح پر مسواک کرتے وقت پیدا ہوتی ہے چنانچہ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ السلام کے مسواک کرنے کی کیفیت بیان کرنے میں کہتے ہیں کہ آپ کے منہ سے مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز نکل رہی تھی جیسے کوئی قے کرتے وقت نکالتا ہے۔

باب ھل یستاک الامام بحضرۃ رعیتہٖ

اس امر کے بیان میں کہ کیا امام اپنی رعایا کے سامنے مسواک کرسکتا ہے

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحییٰ وھو ابن سعید قال حدثنا قرۃ بن خالد قال حدثنا حمید ابن ھلال قال حدثنی ابو بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال اقبلت الی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعی رجلان من الاشعریین احدھما عن یمینی والاٰخر عن یساری ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فکلاھما سأل العمل قلت والذی بعثک نبیا بالحق ما اطلعانی علی مافی انفسھما وما شعرت انھما یطلبان العمل فکانّی انظر الیٰ سواکہٖ تحت شفتہٖ قلصت فقال انا لَا اولن نستعین علی العمل من ارادہٗ ولکن اذھب انت فبعثہٗ علی الیمن ثم اردفہٗ معاذ بن جبل رضی اللہ عنھما.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور قبیلۂ اشعر کے دو اور شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں میں سے ایک میری دائیں طرف تھے اور دوسرا بائیں طرف اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کررہے تھے تو ان دونوں نے عہدہ کی درخواست کی میں نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے انہوں نے مجھے اپنے

باطنی حال سے آگاہ نہیں کیا اور نہ میں ان کے اس مقصد سے واقف تھا کہ وہ آپ سے منصب کی درخواست کریں گے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں گویا کہ مین آپ کی مسواک کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ دانتوں پر پھیرنے کی وجہ سے آپ کا ہونٹ اوپر کی طرف چڑھا ہوا نظر آرہا تھا پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس عمل میں ہم ایسے شخص سے مدد نہیں مانگتے جو اس کی حرص اور خواہش رکھتا ہو اے ابوموسیٰ تم اس کے مستحق ہو تم جاؤ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیج دیا۔

تشریح: امام نسائیؒ نے ترجمہ کو لفظ امام کے ساتھ مقید کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دوسرے کے سامنے مسواک کا استعمال اس وقت مناسب ہے جب کہ وہ اپنے مخصوص لوگ ہوں کہ اپنے امام وغیرہ کی مسواک سے بلحاظ امام ومقتدائے قوم وغیرہ ہونے کے کراہت اور نفرت کا اظہار نہ کرتے ہوں (واللہ اعلم)

ومعی رجلان الخ: یہ دونوں آدمی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے تھے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ورجلان من بنی عمی آیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ بڑی کوشش کے باوجود مجھے ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

قلت والذی الخ: اس کلام سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اظہار معذرت کیا کہ یارسول اللہ مجھے ان دونوں ہم سفر کے عزائم کا علم نہ تھا اور نہ انہوں نے کبھی میرے سامنے آپ سے عہدہ طلبی کے بارے میں تذکرہ کیا لہٰذا ان کے اس عہدہ طلبی کے معاملہ میں میرا کچھ دخل نہیں۔

فقال انا لا اولن نستعین علی العمل الخ: یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی طلب امارۃ کو نہایت تاکید سے مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم منصب حکومت جیسے دین کے اہم شعبہ کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کر سکتے جو از خود ہم سے مانگے اور نہ اس کو جو اس کی حرص کرے چنانچہ بعض روایات میں ''**ولا احد حرص علیه**'' کے الفاظ آئے ہیں کیوں کہ طلب امارۃ اور اس کی حرص ایسی چیز ہے جو شرف وجاہ اور ریاست کی محبت پر دلالت کرتی ہے جو آخر میں دین کے لئے مضر ہوتی ہے، امام نوویؒ وغیرہ نے ان کو حاکم نہ بنانے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ الفاظ حدیث اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے از خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منصب ولایت کا سوال کیا تھا اور جو سوال کی راہ سے حکومت پر فائز ہوتا ہے، اسے اسی کی طرف سونپا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں آتی ہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ کی حدیث ''**قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تسئل الامارۃ الخ**'' میں اس کی تصریح ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب اعانت خداوندی شامل نہ ہوگی تو ایسا حاکم امارۃ کے دشوار تر فرائض کسی طرح بھی انجام نہیں دے سکتا بلکہ وہ آخر میں دین ودنیا کی تشویش اور خرابی کا باعث بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے دونوں رفقاء کو عہدۂ ولایت نہیں دیا نیز اگر ان کے سوال پر مطلوبہ عہدہ دیدیا جاتا تو طالب وحریص کو تہمت کا موقع مل جاتا تو اس خدشہ کے پیش نظر ان کو طلب کردہ منصب نہیں دیا گیا۔ (**اللہ اعلم بالصواب**)

یہ تو تھی حدیث باب کے متعلق بحث اب رہی یہ بات کہ ولایت کا سوال کیا علی الاطلاق مذموم ہے یا اسمیں کچھ تفصیل

ہے؟اس کے بارے میں بحث انشاء اللہ آگے کتاب الامارۃ میں آئے گی۔

ولکن اذھب انت الخ: یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بلاشبہ اس منصب کے مستحق تھے اس لئے انہیں یمن کے حاکم بنا کر بھیج دیا پھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کی معاونت کے لئے ان کے پیچھے بھیجا اور دونوں کو یہ ہدایات فرمادیں "یسّرا ولا تعسّرا وبشِّرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا" لوگوں سے آسانی کا معاملہ کرو اور دشواری میں نہ ڈالو، بشارت دو اور عذاب خدا سے لوگوں کو بہت نہ ڈراؤ یہاں تک کہ رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائیں، اور اتفاق سے کام کرو اور اختلاف نہ کرو۔

باب الترغیب فی السواک

مسواک کی ترغیب کا بیان

اخبرنا حمید بن مسعدة ومحمد بن عبد الاعلیٰ عن یزید وھو ابن زریع قال حدثنی عبد الرحمٰن بن ابی عتیق قال حدثنی ابی قال سمعت عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال السواک مطھرةٌ للفم مرضاة للرّب.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عتیق کہتے ہیں میرے والد نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں فرمایا مسواک منہ کے واسطے پاکی صفائی کا آلہ ہے اور پروردگار کے واسطے رضامندی کا ذریعہ ہے۔

تشریح :السواک مطھرة للفم مرضاة للرّب:امام نوویؒ نے شرح المہذب میں لکھا ہے لفظ مطہرۃ میم کے کسرہ اور فتح دونوں طرح سے مستعمل ہے اور ابن السکیت وغیرہ نے بھی یہی دونوں لغتیں نقل کی ہیں لیکن کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے جس کے معنی آلۂ نظافت کے ہیں یعنی مسواک منہ کی صفائی اور پاکی کا آلہ ہے، زین العرب نے لکھا ہے کہ لفظ مطہرۃ اور مرضاۃ میم کے فتح کے ساتھ دونوں مصدر ہیں جو اسم فاعل کے معنی میں ہے "ای مُطھرٌ للفم ومُرضٍ للرّب تعالیٰ" یعنی مسواک منہ کو صاف کرنے والی ہے اور پروردگار کو خوش کرنے والی ہے یعنی اس کے استعمال سے رب تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، یا تو دونوں اپنی مصدریۃ پر باقی ہیں "ای سبب الطھارة والرضا" یعنی منہ کی صفائی اور رضاء الٰہی کا ذریعہ ہے، امام طیبیؒ نے کہا کہ ارشاد نبوی السواک مطہرۃ الخ مثل الولد مبخلة مجبنة کے ہے یعنی جس طرح اولاد کنجوسی اور بزدلی پر اکسانے والی چیز ہے اسی طرح مسواک کا استعمال طہارۃ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

اس حدیث میں خاص طور سے صرف دو فائدوں کے بیان پر شاید اس لئے اقتصار فرمایا ہے کہ یہ دونوں بقیہ دوسرے فوائد سے افضل اور اہم ہیں ورنہ ان کے علاوہ مسواک کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں مثلاً مسواک کے عمل سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور فرشتے خوش ہوتے ہیں دانتوں کی زردی ختم ہوجاتی ہے آنکھ کی بینائی تیز ہوتی ہے اور گناہ معاف ہوجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ

تفصیل کے لئے شرح الاحیاء للزبیدی میں دیکھیے غرض جب اس کے اتنے فوائد ہیں خصوصاً اس عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے تو ہر خاص وعام کو مسواک کے عمل کی پابندی کر کے ان سے مستفید ہونا چاہئے۔

باب الاکثار فی السواک

مسواک کے بارے میں بہت زیادہ ارشاد فرمانے کا بیان

اخبرنا حمید بن مسعدة وعمران بن موسیٰ قالا ثنا عبد الوارث ثنا شعیب بن الحبحاب عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اکثرت علیکم فی السواک.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے مسواک کے بارے میں تم سے بہت کچھ بیان کیا۔

تشریح: قد اکثرت علیکم فی السواک : حافظ ابن حجرؒ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں نے بار بار ادھر ادھر اکر مسواک کی طلب وترغیب کے سلسلہ میں تم سے بہت کچھ بیان کیا، یا یہ مطلب ہے کہ جتنی احادیث مسواک کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں انہیں تمہارے سامنے تفصیل سے بیان کر دیا، ابن التین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے ''ای اکثرت علیکم وحقیق ان افعل وحقیق ان تطیعوا'' یعنی میں نے مسواک کے فضائل وفوائد کے بارے میں تم سے بہت کچھ بیان کیا اب اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ میں خود بھی اس کا اہتمام کروں اور تمہارے لئے بھی مناسب ہے اس کا اہتمام کیا کرو، غرض آپ کے اس ارشاد مبارکہ سے مقصود مسواک کی ترغیب اور تاکید ہے حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کی فضیلت میں چالیس (۴۰) احادیث وارد ہوئی ہیں مگر افسوس ہے کہ اس سنت کی طرف سے عام طور پر بے توجہی ہے عوام کا کیا کہنا علماء بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے حالانکہ دین، فرائض واجبات اور سنن وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

الرخصة فی السواک بالعشی للصائم

روزہ دار کے لئے شام کے وقت مسواک کرنے کی اجازت ہے

اخبرنا قتیبة بن سعید عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لو لا ان اشقّ علیٰ امتی لامرتهم بالسّواک عند کل صلوٰة.

حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر مشکل نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

عن ابی الزناد : آپ ابوالزناد سے مشہور ہیں ان کا اصل نام عبداللہ بن ذکوان القرشی ابوعبدالرحمٰن مدنی ہے، ثقہ اور فقیہ تھے امام بخاریؒ نے ''ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ '' والی اسناد کو اصح الاسانید قرار دیا ہے، حافظ ذہبیؒ نے کہا ''وهو ثقة حجة لا یعرف به جرح '' امام ابویوسفؒ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ آپ

نے فرمایا کہ جب میری حاضری مدینہ منورہ میں ہوئی تو وہاں دیکھا کہ ربیعہ کے پاس بہت سے لوگوں کا مجمع ہے حالانکہ اس وقت ابوالزناد اس سے زیادہ فقیہ تھے مگر ایسے افقہ الرجلین کے بارے میں ربیعہ نے کہا ''لیس بثقۃٍ ولا رضًی'' کہ وہ معتبر اور مستند نہیں پھر اس پر میں نے کہا ''لا یسمع قول ربیعۃ فانہٗ کان بینھما عداوۃ ظاھرۃ'' ربیعہ کا قول ناقابل تسلیم ہے اس لئے کہ دونوں کے درمیان کھلی ہوئی عداوت تھی، ان کا انتقال ۱۳۰ھ یا اس کے بعد ہوا۔

عن الاعرج: ان کا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا مولیٰ تھا اور ثقہ و مستند اور دیانت دار تھا ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

تشریح: لولا ان اشق علیٰ امتی الخ: قاضی بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ لولا حرف امتناع یعنی ایک شئی کے وجود کی بناء پر دوسری شئی کے وجود کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً کہتے ہیں ''لولا زید لا کرمتک'' کہ اگر زید موجود نہ ہوتا میں تیری عزت کرتا مگر چونکہ زید موجود ہے اس لئے میں تمہاری عزت نہیں کرسکتا تو ظاہر ہے کہ مخاطب کے عدم اکرام کا سبب زید کا وجود ہے ایسا ہی ارشاد نبوی میں مسواک کے عدم امر کا سبب خوف مشقت تھا اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مجھے اپنی ضعیف امت پر دشواری اور مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کے استعمال کا حکم دیتا مگر امت کے مشقت میں پڑنے کا خوف دامنگیر ہوا اس لئے آپ نے ہر وضوء صلوٰۃ کے وقت اس کے لئے مسواک کا وجوبی حکم نہیں دیا

امام شافعیؒ کا ارشاد

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی ''لامرتھم الخ'' میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مسواک کا عمل واجب نہیں کیوں کہ اگر واجب ہوتا تو امت پر مشقت کا اندیشہ ہو یا نہ ہو بہرصورت ان کو مسواک کرنے کا حکم دیتے اور یہی عدم وجوب کا قول اکثر اہل علم کا ہے بلکہ بعض اہل علم نے تو عدم وجوب پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے قاضی عیاضؒ نے کہا کہ کلام نبوی لامرتھم ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کا امر وجوب کے لئے آتا ہے اور یہی قول اکثر فقہاء اور بعض متکلمین کا ہے اس لئے کہ مشقت واجبات کے ساتھ لاحق ہوتی ہے نہ کہ مندوبات کے ساتھ لہٰذا اگر پیغمبر ﷺ مسواک کا امر فرمادیتے تو اس کا بجالانا واجب ہوتا اور کسی کا کوئی اختیار نہ چلتا چاہے کرے یا نہ کرے مگر چونکہ بطور امر ایجاب کی صورت میں آپ کو امت کے لوگوں کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ لاحق ہوا اس لئے رعایت مصلحت و سہولت امت کو مدنظر رکھتے ہوئے مسواک کا حکم نہیں دیا، البتہ تاکید و ترغیب مسواک کی بہت زیادہ فرمائی حتی کہ وجوب تک کا خیال ہوا تھا، آج کے ڈاکٹروں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ بہت اچھا عمل ہے اور اس میں بڑی حکمت ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اکثر امراض دانتوں سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ان کا علاج یہی ہے کہ بطور حفظ ماتقدم مسواک کی جائے بہرحال اس کے ظاہری اور معنوی فوائد بہت ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں ،اس تقریر مذکور سے ظاہریہ کا مذہب رد ہوگیا کیوں کہ وہ وجوب کے قائل ہیں جو اجماع کے خلاف ہے کیوں کہ امام نوویؒ نے مسواک کے عدم وجوب پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے اور کہا کہ مسواک کرنا سنت ہے کسی حال میں واجب نہیں ہے، نہ قیام الی الصلوٰۃ کے وقت واجب ہے اور نہ اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں واجب ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے۔

مسواک کا تعلق وضوء سے ہے یا نماز سے

اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسواک کے عمل پر سب متفق ہیں اختلاف اس میں ہے کہ وہ سنن وضوء میں سے ہے یا سنن صلوٰۃ میں سے حنفیہ مسواک کو سنن وضو میں داخل کرتے ہیں اور شوافع سنن صلوٰۃ میں سے کہتے ہیں، اختلاف کا ثمرہ جب ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے مسواک کر کے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر اسی وضو سے متعدد نمازیں پڑھیں تو اب کیا یہ نمازیں سنت مسواک کے ساتھ ادا کی گئیں یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ادا کی گئیں اور شافعیہ کے نزدیک نہیں ہر فریق حدیث سے استدلال کرتا ہے، احناف نے جب دیکھا کہ مسواک ''اقرب الی الطہارۃ'' اور فرض وضو سے ملصق ہے اس لئے وہ سنن وضوء میں داخل کرتے ہیں اور اس پر حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی حدیث دلالت کر رہی ہے جس کو امام طحاویؒ اور ابوداؤد نے روایت کیا، اس میں آیا کہ حضور اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے باوضو ہو یا بے وضو وضوء کا حکم دیا گیا ہے پھر جب ہر نماز کے لئے وضو کرنا آپ پر دشوار ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیدیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ مسواک متعلقاتِ وضو سے ہے جب ہی تو اسے وضو کے قائم مقام کیا گیا علاوہ ازیں نسائی کی دوسری روایت میں عند کل وضوء آیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام بخاری نے بھی اس کو بطور تعلیق کتاب الصوم میں نقل کیا ہے۔ (کذافی نصب الرایہ)

اور امام طحاویؒ نے اس کو مع کل وضوء کے لفظ کے ساتھ ''باب الوضوء هل يجب لكل صلوٰة'' میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح بیہقی اور امام احمد نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس حدیث کے تمام راوی معتبر اور مستند ائمہ ہیں جیسا کہ ابن قدامہ مقدسی نے (المحرر میں) اس کی تصریح کی ہے اور امام مالکؒ وامام شافعیؒ نے بھی اس کو مع کل وضوء کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد وغیرہ کی ایک روایت میں عند کل طہور کا لفظ مرفوعاً آیا ہے، تو یہ تمام روایات مذہب حنفیہ کی تائید میں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کی بناء پختہ اور مضبوط دلیل پر ہے، اور عند کل صلوٰۃ والی روایت جس سے شوافع نے استدلال کیا ہے دو چیزوں کو محتمل ہے ایک تو یہ کہ مسواک کرنا بدون وضو کے نماز کے ساتھ ہو، دوسرے یہ کہ وضو للصلوٰۃ کے ساتھ ہو، لیکن مع کل وضوء کا لفظ سوائے ایک طریقہ کے اور کوئی احتمال نہیں رکھتا، بہر حال اس مسئلہ میں جتنی احادیث مسلک حنفیہ کی تائید میں ہیں وہ زیادہ ہیں ان روایات کے مقابلہ میں جو مسلک شافعیہ کی تائید میں ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عقلی دلیل

اور اگر اس کو عقلی طور پر دیکھا جائے تو مسواک وضو کے وقت زیادہ موزوں ومناسب ہے کیونکہ فرمایا السواک مطهرة للفم، تو اس کا طہور کے ساتھ ہونا مناسب ہے وضو خود طہارت ہے مگر تمام بدن کے لئے لیکن خاص منہ کے لئے مسواک ہے لہٰذا وضو کے ساتھ ہونی چاہئے نہ کہ نماز کے ساتھ، نیز جو لوگ مسواک کے عادی نہیں انہیں اکثر خون نکل آتا ہے اور خون نواقض وضو سے ہے لہٰذا اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جائے گی اس لئے اس کو سنن صلوٰۃ کیساتھ قرار دینے کے بجائے سنن وضو سے قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔

معارف السنن (۱/۱۴۵) میں حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ صاحب کا قول نقل فرمایا ہے کہ ہمارے اور شافعیہ کے

درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں پانچ مقامات پر مسواک کے استحباب کی تصریح کی ہے وہ یہ ہیں کہ جب دانت زرد ہو جائیں، منہ میں بدبو پیدا ہو جائے، سونے کے بعد جب بیدار ہو، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت اور وضو کے وقت، یہاں پر اگر یہ اشکال کیا جائے کہ سنیت اور استحباب کے اندر تو فرق ہے اور تم نے وضو کے وقت سنت ہونے کا قول کیا ہے حالانکہ شیخ ابن ہمام کی عبارت نماز اور وضو کے وقت استحباب پر دلالت کرتی ہے، تو اس کا جواب آپ نے یہ دیا ہے کہ دونوں متقارب ہیں ان کے درمیان کوئی تخالف وتضاد نہیں اور دفع خلاف کے لئے اس قدر کافی ہے، اسی لئے امام طحاویؒ نے اس مسئلہ کے بارے میں شرح معانی الآثار میں دونوں مذہبوں کے درمیان کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا بلکہ امام طحاویؒ کے طرز سے اور تاتارخانیہ کی عبارت "ویستحب السواک عند نا عند کل صلوٰۃ وضوء الخ" سے جس کو ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے اور شیخ ابن ہمام کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کرنا سنن صلوٰۃ میں سے بھی ہے جیسا کہ سنن وضو میں سے ہے اب عند کل صلوٰۃ میں ایک مضاف مقدر مان کر عند وضوء کل صلوٰۃ کیساتھ تاویل وتکلف کی ضرورت نہیں رہے گی جس کو بعض حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

روزہ دار زوال کے بعد مسواک کرسکتا ہے

بعض ائمہ روزہ دار کو شام کے وقت مسواک کرنے کو منع کرتے ہیں حنفیہ کے نزدیک مسواک ہر وقت مستحب ہے اس مسئلہ میں امام نسائیؒ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے اور یہ بات ان کے ترجمہ سے جو حدیث مذکور سے نکالا ہے معلوم ہوتی ہے وہ اس طرح سے ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک کو ہر نماز کے وقت واجب کردینے سے سوائے خوف مشقت کے لوگوں پر اور کوئی چیز مانع نہ تھی جس سے سمجھا گیا کہ صوم یعنی روزہ مسواک سے مانع نہیں ہے اس سے قائم کردہ ترجمہ استنباط کیا گیا ہے جو امام نسائیؒ کی دقت نظر یعنی باریک بینی اور بیدار مغزی کا نتیجہ ہے، فللّٰہ درّہ مٰاادق فھمہٗ۔

السواک فی کل حین

ہر وقت میں مسواک کرنے کا بیان

اخبرنا علی بن خشرم قال حدثنا عیسٰی وھو ابن یونس عن مسعرٍ عن المقدام وھو ابن شریح عن ابیہ قال قلت لعائشۃ بای شئی کان یبدأ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی بیتہ قالت بالسواک.

مقدام ابن شریح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ شریح نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضور ﷺ مسواک کا عمل کرتے تھے۔

تشریح :اس حدیث کے راوی مقدام بن شریح بن ہانی بن یزید حارثی کوفی کی امام احمد، ابوحاتم، نسائی، اور یعقوب بن سفیان نے توثیق کی ہے ان کے والد کا نام شریح ہے اس نے زمانہ رسالت پایا تھا مگر حضور اکرم ﷺ کی ملاقات

وصحبت کا شرف حاصل نہیں ہوا آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے ۸۷ھ میں عبیداللہ بن ابی بکرہ کے ساتھ سجستان میں مارے گئے، امام احمد، ابن معین اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

قالت بالسواک :یعنی سائل کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اول عمل حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نقل کرتی ہیں کہ آپ گھر میں تشریف لانے کے بعد مسواک فرماتے تھے،بعض شارحین نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک نہایت لطیف پاکیزہ تھا تو شاید لوگوں سے گفتگو کرنے کی وجہ سے کچھ تغیر آ گیا ہو اس لئے اس کو دور کرنے کے لئے باہر سے گھر میں تشریف لانے کے بعد مسواک فرماتے تھے تو درحقیقت اس عمل سے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنے متعلقین سے حتی کہ اپنے گھر والوں سے حسن معاشرۃ کا اہتمام رکھیں حتی کہ گفتگو اور میل جول کرنے سے پہلے مسواک کرلیا کریں تا کہ منہ کی بدبو اور بے مزگی سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نوافل بہت ہی کم پڑھا کرتے تھے آپ کا معمول تھا کہ فرائض کے بعد گھر پر تشریف لے جاتے اور وہاں نفلیں پڑھتے تھے تو غالباً مسواک کا عمل صلوٰۃ نافلہ شروع کرنے سے پہلے کرتے ہوں گے علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھر میں داخل ہونے کا کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں تھا اسی طرح مسواک کے لئے بھی کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا تو لوگوں سے علیحدہ ہو کر گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ کا مسواک کرنا جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اول عمل بتلارہی ہیں، شاید وہ وحی کے لئے اس کی آمد سے پہلے فرماتے ہوں گے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

بہرحال مسواک کرنا صرف وضو اور نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے دیگر اوقات میں بھی مسواک کی فضیلت اور اس کا اہتمام معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔

ذکر الفطرۃ ،الاختتان

ختنہ کرنے کا بیان

اخبرنا الحارث بن مسکین قراءۃً علیه وانا اسمع عن ابن وهبٍ عن یونس عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة رضی اللہ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الفطرة خمس الاختتان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پانچ چیزیں سنت ہیں، ختنہ کرنا، استرے سے زیرناف بال مونڈنا، مونچھوں کا کاٹنا، ناخنوں کا کاٹنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا۔

تشریح: ذکر الفطرۃ: یہ عنوان بمنزلہ باب کے ہے جو چند فصلوں پر مشتمل ہے پھر آگے جو الاختتان و تقلیم الاظفار وغیرہ آرہے ہیں وہ بمنزلہ فصول کے ہیں۔

الفطرة خمس : یہاں حصر مراد نہیں کہ امور فطرۃ صرف یہی پانچ ہیں کہ ان کے علاوہ اور کچھ نہیں، ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کا بیان دوسری روایات میں آیا ہے چنانچہ آگے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے اس میں تین امور بیان فرمائے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں دس (۱۰) امور کا بیان آیا ہے بلکہ ابن العربی نے امور فطرت تیس (۳۰) شمار کئے ہیں لہٰذا اس حدیث میں پانچ پر اقتصار فرمانے سے زائد امور کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ امور فطرت کے بیان عدد میں اختلاف کیوں واقع ہوا تو اس کی توجیہ بعض علماء نے یہ کی ہے کہ چونکہ مخاطبین کے احوال مختلف ہوتے ہیں اسی لئے ہر مخاطب کے مقتضائے حال کی رعایت فرماتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کے لئے جتنے امور کا بیان کرنا مفید اور مناسب سمجھا اسی کے مطابق اتنے ہی امور پر اقتصار فرمایا اسی لئے امور فطرت کے بیان عدد میں اختلاف واقع ہوگیا، اور جس راوی نے جتنے امور زبان رسالت سے سنے ہیں اتنے ہی بیان کر دیئے۔

یا یہ کہ سنتیں متجدد ہوتی تھیں، یا یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ چیزوں کو خاص طور سے اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ امور عشرہ میں زیادہ اہم اور مؤکدہ ہیں بہر حال روایات میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اس باب میں جن چیزوں کا بیان ہوا ہے وہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں سنت تھیں اور اس حدیث میں جو لفظ فطرت وارد ہوا ہے اگر چہ علماء نے اس کے متعدد معانی لکھے ہیں لیکن بقول علامہ خطابیؒ کے اکثر علماء نے اس کی تفسیر سنت سے کی ہے کہ فطرت سے مراد سنت ہے اور یہی قول امام نوویؒ کا بھی ہے اور اسی کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے کیوں کہ ایک روایت میں ''السنة قص الشارب الخ'' کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں عشر من السنة آیا ہے اس کو ابو عوانہ نے المستخرج میں نقل کیا ہے تو ان روایات سے جمہور علماء کی تائید ہوتی ہے کہ لفظ فطرۃ سے سنت مراد ہے یعنی یہ امور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں اور ان کے طریقے میں داخل ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ یہ دس چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفیہ میں برابر جاری ہیں اور ان کے دلوں میں پیوست ہیں اور ان کے عقائد میں داخل ہیں اور ہر زمانہ میں انہیں پر ان کی زندگی اور انہیں پر ان کی موت ہے اور اسی وجہ سے ان کا نام فطرۃ رکھا گیا۔

الاختتان: یعنی ختنہ کرنا، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ ختنہ کرنا سنت ہے ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہوتا ہے جس میں میل کچیل اکٹھا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پیشاب کے قطروں سے پوری پاکیزگی نہیں ہوسکتی اور جماع کی لذت کو بھی کم کرتا ہے، توریت میں مذکور ہے کہ ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بادشاہوں کی عادت جاری ہے کہ اپنے خاص خاص جانوروں پر کچھ نشانات لگا دیتے ہیں تا کہ دوسرے جانوروں سے تمیز رہے اور جن غلاموں کو آزاد کرنا منظور نہیں ہوتا ان پر کوئی نشان کر دیتے ہین اسی طرح ختنہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر ایک علامت ہے اور دوسرے شعائر ایسے ہیں جن میں تبدیلی کی گنجائش ہے لیکن ختنہ ایسا شعار ہے جس میں تبدیلی بہت مشکل ہے اسی لئے اگر کسی شہر کے سب لوگ اس کو چھوڑ دیں تو امام ان سے لڑے جیسا کہ اذان وغیرہ میں یہی حکم ہے۔ (الدر المختار)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ختنہ کرانا سنت ہے، اور یہی امام مالکؒ اور اکثر اہل علم کا قول ہے ان حضرات نے حدیث باب اور حدیث ''الختان سنة'' سے استدلال کیا ہے امام شافعیؒ اور ان کے اکثر متبعین ختنہ کرانے کو واجب کہتے ہیں۔

اور ختنہ کرنے کا وقت بعض علماء کے نزدیک سات برس اور بعض کے نزدیک دس برس ہے اور بعض کے نزدیک جب چاہے ختنہ کرے غرض یہ کہ بالغ ہونے سے پہلے جب چاہے ختنہ کرے خصوصاً احناف کے نزدیک کیوں کہ ختنہ کرنا سنت ہے اور ستر ڈھانپنا واجب ہے لہٰذا سنت ادا کرنے کے لئے واجب کا ترک کرنا جائز نہیں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ''**لا علم لی بوقته ولم یرو عنهما ای الصاحبین فیه شئی**'' اس لئے یہ مسئلہ مشائخ کے نزدیک مختلف فیہ بن گیا ابن حبیب مالکی کا قول ہے کہ ختنہ کی مدت سات سال سے دس سال تک ہے اور ساتویں دن ختنہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ یہود کا فعل ہے اور بعض علماء نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے، چنانچہ ابوالشیخ نے ولید بن مسلم کے واسطہ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ''ان النبی صلی اللہ علیه وسلم ختن حسناً وحسیناً لسبعة ایام'' پھر ولید نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا ''لا اَدرِیْ'' پھر آپ نے کہا ختنہ بھی ایک طرح کی صفائی ہے اور پاکیزگی ہے لہٰذا حتی الامکان جلدی ختنہ کرنا میرے نزدیک افضل ہے۔

والاستحداد: استرے سے حجامت کرنا یعنی زیرناف بال مونڈنا یہی سنت ہے اور غرائب میں ہے کہ اگر نورہ یعنی پاؤڈر سے ازالہ کیا جائے تو جائز ہے علامہ مناویؒ نے کہا کہ زیرناف کے بال ایک ایسی چیز ہے جس سے فطرۃ سلیمہ نفرت کا اظہار کرتی ہے اور مونڈنے سے خوب صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے جو طبیعت کے لئے فرحت وسکون کا باعث ہے لہٰذا اسی حکمت کے پیش نظر مونڈنا مسنون ہے۔

قصّ الشارب: بعض روایات میں ''جزوا الشوارب'' اور بعض روایات میں ''احفوا الشوارب'' اور بعض میں ''انهکوا الشوارب'' کے الفاظ آئے ہیں ان سے اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مونچھوں کے بالوں کو خوب اچھی طرح کتر لیا جائے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اوپر کے ہونٹ کی کھال ظاہر ہو جائے البتہ غازیوں کو دارالحرب میں بڑھا کر رکھنا جائز ہے کیونکہ اس سے دشمنان دین مرعوب ہوتے ہیں اور ان کی نظروں میں دہشت طاری ہوتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ جس کی مونچھیں بڑی ہوتی ہیں انمیں کھانا پینا اٹکتا ہے اور ان میں میل جمع ہوتا ہے اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جس کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں کتر لیا کرو اور داڑھی بڑھاؤ، غرض مونچھوں کے بال اگر لب سے نیچے ہو جائے تو اس کو کاٹنا نہایت مؤکد ہے اور قریب واجب کے ہے اور اس میں مختار یہ ہے کہ اس قدر کتر وا دینا کہ سب بال برابر ہو جائیں سنت ہے، منڈانے میں اختلاف ہے بعض علماء مکروہ کہتے ہیں اور بعض جائز، امام مالکؒ مونڈنے کو مثلہ بتاتے تھے اور حلق کرنے والے کو تادیبی سزا دیتے تھے بہرحال احتیاط اسی میں ہے کہ نہ منڈائی جائیں۔

تقلیم الاظفار: یہ بھی امور فطرت میں سے ہے کہ ناخنوں کے کاٹنے سے تحسین ہیئت معلوم ہوتی ہے جو محمود ومطلوب ہے اور اگر ناخن مقدار معتاد سے بہت زیادہ بڑھ جائے تو بدنمائی معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ سے آسمان کی خبر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے عالم بالا کی خبر پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم خلاف سنت لمبے لمبے ناخن رکھتے ہو گویا پرندوں کے ناخن ہیں جس کے اندر میل کچیل اور ناپاک چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، تو اس واقعہ سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اگر ناخن قدر معتاد سے بہت زیادہ طویل ہو جائے تو بوجہ خلاف ہونے فطرت سلیمہ کے قابل مذمت ہے اسی لئے حضور ﷺ کو اس شخص کی یہ حالت ناگوار معلوم ہوئی ہاں اگر قدر معتاد سے زیادہ طویل نہ ہو بلکہ معتدل کی حد تک ہو تو پھر مذموم نہیں، دوسرے یہ کہ ناخن اگر قدر معتاد سے بہت زیادہ طویل ہو جائے تو اس کے اندر میل جمع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے جلد تک پانی نہیں پہونچ سکے گا لہٰذا ایسی حالت مین پوری طرح صفائی و پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ (اکمال اکمال المعلم: ۱/ ۳۷)

اب رہا ناخنوں کے کاٹنے کی ترتیب تو یہ حدیث سے ثابت نہیں جس طرح بھی کاٹ لیں اصل سنت ادا ہو جائے گی مگر دائیں ہاتھ سے شروع کرے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کی طرف رہنمائی کر رہی ہے وہ فرماتی ہیں "کان یعجبه التیمن فی طهوره وترجله وفی شانه کله" کہ نبی کریم ﷺ کو داہنی جانب سے شروع کرنا طہارت حاصل کرنے اور کنگھی کرنے غرض ہر کام میں پسندیدہ تھا، لیکن چوں کہ شہادت کی انگلی بوجہ مسبحہ ہونے اور شیطان پر سخت ضرب لگانے کے اشرف الاصابع ہے اس لئے پہلے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی کا ناخن کاٹنا افضل ہے پھر درمیانی کا پھر اس کے پاس والی کا پھر چھنگلی کا پھر انگوٹھے کا پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی کا پھر اس کے پاس والی انگلی کا پھر بیچ کی انگلی کا پھر شہادت کی انگلی کا پھر انگوٹھے کا کاٹے اور بعض علماء نے کہا کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے چھنگلی یعنی چھوٹی انگلی تک پہونچے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک پہونچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرے، اور پاؤں کے اس طرح کاٹے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔

اور علماء نے لکھا ہے کہ ناخنوں کا دفن کر دینا مستحب ہے اور پائخانہ اور غسل خانہ میں ڈالدینا مکروہ ہے لیکن اکثر لوگ اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں جو عندالشرع پسندیدہ نہیں ہے۔

نتف الابط: اس سے معلوم ہوا کہ بغلوں کے بال اکھیڑنا سنت ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اکھیڑنا اس کے لئے افضل ہے جو قوی ہو اور اس کی تکلیف کو برداشت کر سکے لیکن جو شخص اکھیڑنے کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکے اس کے لئے حلق کرنا اور نورہ سے دور کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم نے مناقب شافعی میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے تخریج کی ہے انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ امام شافعیؒ کے پاس گیا جبکہ حجام امام شافعیؒ کے بغل کے بال مونڈ رہا تھا تو امام شافعیؒ نے محسوس کر لیا اور فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اکھیڑنا سنت ہے مگر میں تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر تکلیف برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو تو حلق کرنا جائز ہے، اور اکھیڑنے میں حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عام طور پر پسینہ کے سبب سے بغل میں میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اس لئے اکھیڑنے کو مسنون قرار دیا گیا تا کہ بال زیادہ نہ اُگیں اور بدبو میں خفت آجائے بخلاف حلق کے کیوں کہ اس سے بال زیادہ اگتے ہیں اور پسینہ کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں

اس سے بدبو آتی ہے خاص کر ہوا میں دور دور تک پھیل جاتی ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہونچتی ہے تو اسی حکمت کے پیش نظر نتف یعنی اکھیڑنا سنت قرار دیا ہے۔

تقليم الاظفار

ناخنوں کا کاٹنا

اخبرنا محمد بن عبد الاعلیٰ قال حدثنا المعتمر قال سمعت معمرا عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس من الفطرة قصّ الشارب ونتف الابط وتقلیم الاظفار والاستحداد والختان.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی روایت جو عنوان سابق کے تحت گذر چکی ہے پھر اسی کو کچھ اختلاف الفاظ اور ترتیب بدل کر اس عنوان کے اور آگے جو ایک دوسرا عنوان نتف الابط کا آرہا ہے اس کے ماتحت لا رہے ہیں تو تراجم الگ الگ تین منعقد کئے ہیں جن پر استدلال فرمارہے ہیں اسی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو طرق مختلفہ سے لائے ہیں تو ترجمہ کی حیثیت دعویٰ کی ہوتی ہے اور حدیث کو اس کے لئے دلیل سمجھا جاتا ہے اور دعویٰ اور دلیل میں مطابقت ضروری ہے جو یہاں بالکل واضح ہے بہر حال حدیث ایک ہے جو امام نسائی کو تین طریقوں سے پہنچی ہے اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے تراجم بھی تین رکھے ہیں اور ہر ایک کے ذیل میں بطور دلیل الگ الگ سند سے اسی حدیث کو پیش کر دیا اس سے امام کی نہ صرف محدثانہ شان ظاہر ہوتی ہے بلکہ شان فقہی بھی واضح ہو رہی ہے۔

نتف الابط

بغل کے بالوں کا اکھیڑنا

اخبرنا محمد بن عبدالله بن یزید قال حدثنا سفیان عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال خمس من الفطرة الختان وحلق العانة ونتف الابط وتقلیم الاظفار واخذ الشارب.

یہاں بھی صرف عنوان بدل دیا ہے روایت وہی ہے جو سابق عنوان کے تحت آچکی ہے، ترجمہ وتشریح وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔

حلق العانة

زیر ناف بال کا مونڈنا

اخبرنا الحارث بن مسکین قراءةً علیه وانا اسمع عن ابن وهبٍ عن حنظلة بن ابی سفیان عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الفطرة قص الاظفار واخذ الشارب وحلق العانة.

اس کے ماتحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں اس میں تین امور یعنی ناخنوں کے کاٹنے، لبوں کے لینے اور زیر ناف کے بال مونڈنے کا بیان ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دس امور کا بیان آیا ہے اور پیچھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ کا بیان ہوا ہے وہاں توجیہ اور صورۃ جمع بیان کی گئی ہے ملاحظہ کیجئے۔

قصّ الشارب

مونچھیں کاٹنے کا بیان

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا عبیدۃ بن حمید عن یوسف بن صهیب عن حبیب بن یسار عن زید بن ارقم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یأخذ شاربهٗ فلیس منا.

حضرزید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص اپنی لبیں نہ لیوے وہ ہم میں سے نہیں۔

فلیس منا: علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ ہمارے ان تبعین میں سے نہیں جو ہماری سنت کی پیروی کرتے ہیں اور ہمارے طریقہ کو اختیار کرتے ہیں اور اس کلام سے پیغمبر علیہ السلام کی یہ مراد نہیں کہ واقع میں لبیں نہ کٹوانے والے اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں ہاں بے شک یہ تارک سنت کے واسطے تہدید وتغلیظ ہے لہٰذا سنت کو نہیں چھوڑنا چاہئے اور نہ اس سے سستی وغفلت برتنی چاہئے۔

التوقیت فی ذلک

بغل وغیرہ کے بالوں کے ازالہ میں وقت مقرر کرنے کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا جعفر هو ابن سلیمان عن ابی عمران الجونی عن انس بن مالک قال وقّت لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قصّ الشارب وتقلیم الاظفار وحلق العانة ونتف الابط ان لا نترک اکثر من اربعین یوماً وقال مرةً اخریٰ اربعین لیلة.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے وقت مقرر فرمادیا لبوں کے کترنے میں، ناخنوں کے کاٹنے میں، زیر ناف کے بال مونڈنے میں اور بغلوں کے بال اکھیڑنے میں یہ کہ ہم چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں اور کبھی تو یوں فرمایا کہ چالیس رات سے زیادہ نہ چھوڑیں۔

تشریح: حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے کہا کہ ابو عمران جونی کے تلامیذ میں سے سوائے جعفر بن سلیمان کے اور کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور ان کی روایت معتبر نہیں کیوں کہ ان کی قوت یادداشت خراب ہوگئی تھی اور غلطی بہت ہوتی تھی لیکن امام نوویؒ نے کہا کہ بہت سے ائمہ متقدمین نے جعفر بن سلیمان کی توثیق کی ہے خصوصاً ان کی توثیق کے لئے امام مسلمؒ کا ان کی روایت سے احتجاج کرنا کافی ہے حالانکہ دوسرے راویوں نے بھی ان کی متابعت کی ہے تو پھر ان کی حدیث کے اعتبار میں کیا اشکال ہے۔

ان لا نترک اکثرالخ :ابہری نے کہا کہ زیرناف وغیرہ کے بال اور ناخنوں کو چالیس دن سے زیادہ مدت تک نہ چھوڑا جائے کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے وہ چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک ترک کردینے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے امام قرطبیؒ نے کہا کہ اربعین یوماً کے الفاظ سے اکثر مدت کی تحدید فرمادی ہے کہ اتنے ایام تک ترک حجامت کی اجازت دیدی گئی لیکن افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دفعہ موئے زیر ناف موئے بغل مونچھیں اور ناخنوں کو کٹوا کر طہارت ونظافت کا اہتمام کیا جائے اور بہتر ہے کہ نماز سے پہلے حجامت بنوالی جائے اور پھر غسل کر کے نماز جمعہ پڑھنے جائے اور اگر ہر ہفتہ میں حجامت نہ بنوا سکے تو درجۂ اوسط یعنی پندرہویں دن میں سہی اور انتہائی مدت چالیسویں دن تک ہے اس کے بعد رخصت نہیں اور اگر چالیس دن گذر گئے پھر بھی ان امور مذکورہ سے صفائی حاصل نہیں کی تو گنہ گار ہوگا'' الافضل ان یقلم اظفارهٗ یحفی شاربهٗ یحلق عانته' وینظف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة فان لم یفعل ففی خمسة عشر یوماً ولا یعذر فی ترکه وراء الاربعین ویستحق الوعید ''(فتاویٰ ھندیه:٢/٢٣٨)

احفاء الشارب واعفاء اللُحیٰ

مونچھوں کا کترنا اور داڑھیوں کو بڑھنے دینا

اخبرنا عبیدالله ابن سعید قال حدثنا یحییٰ هو ابن سعید عن عبیدا لله اخبرنی نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال احفوا الشوارب واعفوا اللّحیٰ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا مونچھوں کے بالوں کو مبالغہ کے ساتھ کتر لیا کرو اور داڑھیوں کو بڑھنے دو۔

تشریح: پیغمبر علیہ السلام نے دو باتوں کی ہدایت فرمائی اول مونچھوں کے بال کتروانے کی دوم داڑھیوں کے بال بڑھانے کی مونچھوں کا کتروانا اس قدر کہ لب کے برابر ہو جائے سنت ہے، منڈوانے میں اختلاف ہے بعض بدعت کہتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں لہٰذا نہ منڈانے میں ہی احتیاط ہے مزید تشریح پیچھے آچکی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''خالفوا المشرکین اوفروا اللُّحیٰ واحفوا الشوارب'' اور ایک روایت میں ہے ''انھکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ'' (متفق علیہ) یعنی تم مشرکین کی مخالفت کرو وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں پست کرتے ہیں لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور لبیں پست کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے باعث حسن وجمال اور اس کی ہیئت کو مکمل کرنے والی ہے لہٰذا اس کا بڑھانا ضروری ہے اور اس کا کتروانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی کا بدل دینا ہے اور اپنے آپ کو خیر الامم صاحب عظمت وشان وشوکت ہونے کے باوجود کمتر لوگوں میں شامل کرنا ہے۔

قرآن کریم میں ہے''ولامرنهم فليغيرن خلق الله''یعنی شیطان نے کہا تھا کہ میں ان کو یعنی تیرے بندوں کو اعمال فسقیہ کی بھی تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑا کریں گے، اور داڑھی منڈانا بدن گدانا وغیرہ اعمال فسقیہ سے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے رہتے ہیں درحقیقت وہ شیطانی فعل کی پیروی کرتے ہیں اور پیدائش الٰہی کو بگاڑ رہے ہیں، تو اگر اس فعل مذموم سے خلوص دل کے ساتھ توبہ کر لی اور شریعت کے مطابق داڑھی رکھنے کا عمل اختیار کیا تو پھر قابل مذمت اور وعید شدید کے مستحق نہیں ہوں گے، ورنہ اس وعید کے مستحق ہوں گے جس کا ذکر امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ''من تشبه بقوم فهو منهم''یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہوگا اور یہاں مشابہت عام ہے خواہ اخلاق میں ہو یا افعال میں ہو یا لباس میں ہو یا کھانے پینے میں ہو وغیرہ ذالک تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے بالکل اجازت نہیں کہ وہ ان امور میں سے کسی امر میں غیر مسلم یعنی انگریز اور ہنود کی مشابہت اختیار کرے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مسلمان بجائے مشرکین کی مخالفت کے داڑھیاں منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کا فعل قبیح اختیار کر کے ان کی مشابہت کو باعث فخر سمجھ رہے ہیں۔

بہرصورت ان کی یہ مشابہت ارشاد نبوی''خالفوا المشركين الخ''یعنی تم مشرکین کی مخالفت کرو کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں بہت کتروالیا کرو، کی سخت خلاف ورزی ہے اب ایسے لوگوں کو غور وفکر کرنا چاہئے کہ آیا ان کا شمار اہل اللہ اور صلحاء کے زمرہ میں ہے یا فساق وفجار کے زمرہ میں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گناہ کبیرہ سے بچنے کے لئے عقل سلیم عطا فرمائے، اب رہی یہ بات کہ داڑھی کی حد اور مقدار شرعی کیا ہے تو اس سلسلہ میں نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ داڑھی بقدر قبضہ یعنی مٹھی کے برابر رکھنا واجب ہے، ہاں چوں کہ وہ سنت سے ثابت ہے اس لئے اسے سنت کہہ دیتے ہیں، جیسے نماز عید واجب ہے لیکن اسے سنت سے تعبیر اس لئے کرتے ہیں کہ وہ سنت سے ثابت ہے، بہرحال سنت کے مطابق داڑھی کی مقدار مٹھی بھر ہونی چاہئے اس سے کم رکھنا جائز نہیں البتہ مقدار مسنون سے زائد ریش کا تراشنا ابن ملک وغیرہ کی تصریح کے مطابق سنت ہے تاکہ داڑھی کے سب بال برابر ہو جائیں، امام طبریؒ نے کہا ہے کہ اگر آدمی داڑھی کے بالوں کو چھوڑ دے تو اس کی وجہ سے اسے برا بھلا نہیں کہا جائے گا، اور نہ اس پر اعتراض کیا جائے گا لیکن اگر اس کی داڑھی طول وعرض میں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہو تو پھر اس کا یہ عمل قابل اعتراض ہے کیوں کہ اس نے خود کو مسخرہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کو ٹھٹھا مذاق کرنے کا موقع ملتا ہے لہٰذا داڑھی کے مٹھی سے بڑھے ہوئے بالوں کو ہر طرف سے کتر کر برابر کر لے تاکہ بدنما ہیئت پیدا نہ ہو چنانچہ اس امر کے جواز پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو امام ترمذیؒ نے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کی ہے اس کے الفاظ ہیں''ان النبی صلى الله عليه وسلم كان ياخذ من لحيته من عرضها وطولها''یعنی نبی کریم ﷺ کترتے تھے اپنی داڑھی سے عرض میں سے اور طول میں سے یعنی مٹھی سے بڑھے ہوئے بالوں کو کتر کر درست اور برابر کرتے تھے اور یہ اعفاء اور توفیر لحیہ کے منافی نہیں ہے، جس کا امر حدیثوں میں واقع ہے اس لئے کہ مثل عجمیوں کے داڑھی کو کوتاہ کرنے کی ممانعت ہے اور بالوں کا طول میں سے برابر اور اصلاح کے واسطے لینا اس کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ منقول ہے حضور اکرم ﷺ سے

کہ آپ داڑھی کے طول عرض میں سے مقدار مسنون سے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹھی سے زائد ریش کو کٹوا دینا جائز ہے لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ امر بالاعفاء کو داڑھی کی ایسی ہیئت پر محمول نہیں کیا جائے گا جس سے بدشکل معلوم ہوتی ہے اور وہ طول وعرض میں حد سے زیادہ متجاوز ہونے کی حالت ہے لہٰذا امر بالاعفاء کو حد مسنون یعنی بقدر قبضہ تک چھوڑنے کی حالت پر حمل کیا جائے گا غرض کہ تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ اگر داڑھی کو مٹھی میں پکڑے اور مٹھی کے نیچے سے بڑھے ہوئے بالوں کو کترواڈالے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ابن ملک وغیرہ نے کہا کہ مٹھی کے نیچے سے کتر کر داڑھی کے بالوں کا برابر کرنا سنت ہے اور یہی مسلک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت کا تھا ابن عابدینؒ نے کہا ''ھو ان یقبض الرجل لحیتہٗ فمازاد منھا علیٰ قبضتہٖ قطعہ کذا ذکرہٗ محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال وبہ ناخذ '' اس سے معلوم ہوا کہ مٹھی بھر سے زائد بالوں کو کاٹ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

الابعاد عند ارادۃ الحاجۃ

قضائے حاجت کے ارادہ کے وقت دور چلے جانے کا بیان

اخبرنا عمرو بن علي قال حدثنا يحيىٰ بن سعيد قال حدثنا ابو جعفر الخطمي عمير بن يزيد قال حدثني الحارث بن فضيل وعمارة ابن خزيمة بن ثابتٍ عن عبد الرحمن بن ابى قراد رضی اللہ عنہ قال خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الخلاء وكان اذا اراد الحاجة ابعد.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاخانہ کی جگہ کی طرف چلا اور آپ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو دور چلے جاتے تھے۔

اخبرنا علي بن حجر اخبرنا اسماعيل عن محمد بن عمرٍو عن ابى سلمة عن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا ذهب المذهب ابعد قال فذهب لحاجته وهو فى بعض اسفاره فقال ائتني بوضوءٍ فاتيته بوضوء فتوضأ ومسح على الخفين قال الشيخ اسماعيل هو ابن جعفر بن ابى كثير القارى.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو لوگوں کی نگاہ سے دور جا کر بیٹھتے، انہوں نے کہا کہ آپ بعض سفر میں قضائے حاجت کے لئے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ وضو کرنے کے لئے پانی لے آؤ تو میں نے آپ کے سامنے وضو کا پانی پیش کیا آپ نے وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

عن المغيرة بن شعبة الخ :حضرت مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ ان احرار میں سے ایک شخص تھے جو سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے مخصوص تھے ان کا تعلق بنی ثقیف سے تھا، یہ صحابی ہیں عمرہ حدیبیہ میں اسلام قبول کیا اور ۵۰ھ

میں ان کا انتقال ہوا ان کی روایت سے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا گیا کہ اہل اللہ اور اساتذہ اگر اپنے متعلقین میں سے کسی ایک کو خدمت کے لئے مخصوص کرلیں تو درست ہے۔

وکان اذا اراد الحاجة ابعد: یہ آداب حدث سے ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی جب آپ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو راستہ اور لوگوں کی نظر سے دور جگہ جا کر فراغت حاصل کرتے ،طبریؒ نے تہذیب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ قضائے حاجت کے لئے مغمس تک تشریف لے جاتے تھے اور وہ ایک جگہ ہے جو مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ابوداؤد میں ہے کہ ''اذا اراد احدکم ان یبول فلیر تد لبولہ موضعًا '' اور خود پیغمبر علیہ السلام بھی جس طرح ایک مسافر سفر میں قیام اور پڑاؤ کے لئے موزوں ومناسب جگہ کا انتخاب کرتا ہے جس میں ہر قسم کا آرام ہو اسی طرح آپ جب پیشاب کا ارادہ فرماتے تو جہاں کہیں نہیں بیٹھتے تھے بلکہ مناسب جگہ کی تلاش ہوتی تھی مثلاً جگہ آڑ کی ہو، ہوا کا رخ نہ ہو پیشاب کرنے کی جگہ نرم ہو وغیرہ غرض کہ یہ حدیث ادب کی تعلیم دے رہی ہے کہ جو کوئی قضائے حاجت کا قصد کرے وہ لوگوں کی نظروں سے دور جگہ چلا جائے پھر فراغت حاصل کرے تا کہ اس کے ستر پر کسی کی نظر نہ پڑے کیوں کہ ستر دیکھنے والا اور دکھانے والا دونوں مجرم ہیں نیز دبر کے راستہ سے جو ریاح خارج ہوتی ہیں ان میں آواز ہوتی ہے اور ناپسندیدہ آواز ہوتی ہے لہٰذا اگر دور جا کر فراغت حاصل کرے تو دوسرے کو مکروہ آواز سننے میں نہیں آئے گی۔

ومسح علی الخفین: شیخ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ مسح خفین کے بارے میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں جو حد تواتر تک پہنچتی ہیں، میمونی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ مسح علی الخفین کے راوی صحابہ ۳۷ ہیں حسن بصریؒ نے کہا کہ ستر صحابہ نے مجھ کو مسح علی الخفین کی حدیث سنائی ہے، مزید تفصیل آگے آئیگی۔

قال الشیخ: یہ ابن السنی کا مقولہ ہے اور شیخ سے امام نسائی مراد ہیں، یعنی انہوں نے کہا کہ سند میں جو اسماعیل راوی ہیں وہ اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر القاری ہیں۔

الرخصة فی ترک ذالک

ابعاد یعنی رفع حاجت کے لئے دور جانے کو چھوڑ دینے کی اجازت ہے

حدثنا اسحٰق بن ابراهيم قال اخبرنا عيسٰى بن يونس قال حدثنا الاعمش عن شقيق عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال كنت امشى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فانتهٰى الىٰ سباطة قوم فبال قائما فتنحيت عنه فدعانى وكنت عند عقبيه حتى فرغ ثم توضا ومسح على خفيه.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا تو آپ ایک قوم کی کوڑی پر پہنچے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ارادہ کیا میں آپ کے قریب سے ہٹنے لگا تو آپ نے مجھے بلایا اور میں حاضر ہوا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا حتی کہ آپ پیشاب سے فارغ ہوئے پھر وضو کیا اور موزے پر مسح کیا۔

تشریح: اس ترجمہ سے امام نسائیؒ کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے دور تشریف لے جاتے تھے، اس کا تعلق پاخانہ سے ہے کیوں کہ اس میں آگے پیچھے دونوں طرف سے پردہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے لیکن پیشاب کا حال اس کے برعکس ہے کہ اس میں ایک جانب آڑ کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اگر صرف پیشاب کی ضرورت ہو تو اس درجہ کا اہتمام کرنا ضروری نہیں جس درجہ کا پاخانہ میں کیا جاتا ہے وہ لوگوں کی موجودگی میں بلکہ کسی کو برابر میں پردے کی غرض سے کھڑا کرنے کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے اس امر کے اثبات کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں کہ جب حضور ﷺ پیشاب کا ارادہ کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارے سے بلایا اور وہ پیچھے کھڑے ہو گئے پھر آپ نے پیشاب سے فراغت حاصل کی۔

فانتهى الى سباطة قوم الخ: لفظ سباطہ سین کے ضمہ اور با کی تخفیف کے ساتھ مستعمل ہے اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گندگی اور تمام جگہوں کے کوڑے کرکٹ جمع کئے جاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ کوڑے کرکٹ ہی کو سباطہ کہتے ہیں حافظ ابن حجرؒ نے کہا یہاں سباطہ کی جو اضافت قوم کی طرف ہوئی ہے وہ اضافت اختصاصیہ ہے اضافت ملکیت نہیں ہے کیوں کہ وہ غیر آباد بنجر جگہ تھی وہاں سب لوگ کناسۃ ڈالتے تھے لیکن اس کے قوم کے قریب ہونے کی وجہ سے اسی کی طرف نسبت کردی ہے اس لئے اس کوڑی پر پیشاب کرنا دوسرے کی ملکیت میں تصرف نہیں ہے جس کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ شاید وہ جگہ قوم کی مملوکہ تھی اور مالک سے دریافت کرنے کے بعد اس نے اجازت دیدی ہوگی، یا دلالۃً اجازت پر نظر فرما کر آپ نے پیشاب سے فراغت حاصل کی، کیوں کہ کوڑی گندگی جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے لہٰذا اس پر پیشاب کرنا اس طرح کا تصرف نہیں ہے جس سے مالک کو ناگواری ہو اس لئے اس کی اجازت ہوگی چنانچہ یہاں یہی صورت پیش آئی کہ شاید آپ مصالح مسلمین میں مشغول ہو گئے ہوں اس کی وجہ سے مجلس طویل ہوگئی ہوگی، اور پھر پیشاب کی ضرورت ہوئی تو فوراً اٹھے اور دور جانے کے بجائے قریب ہی ایک کوڑی پر مالک سے اجازت لئے بغیر پیشاب کیا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کیوں کیا

اب رہا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ، سو اس کی وجوہ متعدد ہوسکتی ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے مثلاً بعض علماء کا خیال ہے کہ اس کوڑی پر قعود کی کوئی جگہ نہ تھی اور کوڑی چونکہ مخروطی شکل والی ہوتی ہے اس لئے پیشاب کے لوٹ آنے کا اندیشہ تھا لہٰذا آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب سے فراغت حاصل کی۔

علامہ ماوردیؒ اور قاضی عیاضؒ نے کہا کہ خلاف عادت آپ کا یہ عمل اس لئے پیش آیا کہ آپ آبادی کے قریب تھے اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حالت میں خروج ریح حدث کی قباحت محسوس کی جس سے بری آواز پیدا ہوتی ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کی حالت میں آواز پیدا نہیں ہوتی اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا گویا آبادی کے قریب پیشاب کرنے میں احتیاط کا مقتضی یہی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے "**البول قائما احصن للدبر**" یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دبر کے لئے ذریعۂ حفاظت ہے کیوں کہ اس میں آواز نہیں ہوتی جو باعث حیا اور غیروں کی نظر میں ناپسندیدہ کام ہے، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے اس بارے

میں یہ منقول ہے کہ عرب کے نزدیک کھڑے ہوکر پیشاب کرنا دردِ کمر کا علاج تھا کیوں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے پیشاب اپنے ظرف سے پوری طرح خالی ہوجاتا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی اس وقت یہی شکایت ہو اور آپ نے بطور علاج ایسا عمل فرمایا ہو۔

بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کے گھٹنے میں اندرونی حصہ میں درد تھا اس کی وجہ سے آپ قعود سے معذور تھے اس لئے آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا اس توجیہ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اگر حدیث صحیح ہوتو دوسرے تمام بیان کردہ اعذار سے مستغنی کردیتی ہے، لیکن دارقطنی اور بیہقی نے اسے باعتبار سند ضعیف قرار دیا ہے ابوعوانہ اور ابن شاہین کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا عمل منسوخ ہوچکا ہے مگر سب سے بہتر اور بے تکلف بات یہی ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا اسی کو امام نوویؒ نے ذکر کیا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ عند الضرورۃ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی اجازت ہے، بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کو حتمی اور ضروری نہ سمجھیں، گویا بیان جواز کے لئے پیغمبر علیہ السلام جس طرح باب تشریع میں لوگوں کو مطلوب ومرغوب چیزوں کی تعلیم دینے تشریف لائے تھے اسی طرح حد جواز کے درجہ کی چیزوں کا اظہار بھی آپ نے فرمایا ہے۔ (ایضاح البخاری)

فتنحیت عنه الخ: یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا تو میں ہٹنے لگا تاکہ پیشاب کرنے کی حالت میں میری نزدیکی سے آپ کو ناگواری معلوم نہ ہو کیوں کہ قضائے حاجت کے وقت آپ کی عادت شریفہ لوگوں سے دور جانے کی تھی لیکن آپ نے اشارے سے مجھے حصول تستر کی غرض سے قریب بلالیا اور میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور آپ پیشاب سے فارغ ہوگئے اور آپ نے اس عمل سے یہ بھی بتلادیا کہ اگر صرف پیشاب کی ضرورت ہو تو دور جانا ضروری نہیں بلکہ وہ لوگوں کی موجودگی میں کرنا بھی جائز ہے۔

القول عند دخول الخلاء

پاخانہ کی جگہ میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعا کا بیان

اخبرنا اسحٰق بن ابراهيم اخبرنا اسماعيل عن عبد العزيز بن صهيب عن انس بن مالك رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء قال اللّٰهم انّى اعوذبك من الخبث والخبائث.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے ''اللّٰهم انّى اعوذبك من الخبث والخبائث'' اے اللہ میں تیرے ساتھ مذکر اور مؤنث شیاطین سے پناہ مانگتا ہوں۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ: اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن نضر انصاری نجاری خزرجی ہیں، دس سال تک انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے، حضور ﷺ نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی ہے خود ان کا بیان

ہے کہ میں بقلہ یا ساگ اکھیڑ رہا تھا اس کو عرب میں حمزہ کہتے ہیں اس لحاظ سے حضور ﷺ نے میری کنیت ابوحمزہ رکھی، حضور ﷺ کی وفات کے بعد انکا مدینہ میں قیام رہا پھر بصرہ مین قیام پذیر ہوئے اور وہاں ۹۰ ھ میں یا اس کے بعد انتقال فرمایا،علی بن مدینی کہتے ہیں کہ بصرہ میں جتنے صحابہ کرام کا انتقال ہوا ہے ان سب کے آخر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، ان کی کل احادیث ۱۲۸۶ ہیں۔

اذا دخل الخلاء: چونکہ اسلام نے تمام حالات میں شیطان سے چوکس رہنے کا حکم دیا ہے اور مختلف احوال میں انسان کو شیاطین سے بچنے کی تدابیر تعلیم فرمائی ہیں اور مواقع مختلفہ کی مناسبت سے ہر حالت میں تسمیہ رکھا گیا ہے اس لئے بیت الخلاء میں جاتے وقت اس حالت کے مناسب جو تسمیہ ہے اسے بھی بتلا دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''اللّٰھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث'' اور اس حالت میں الفاظ تعوذ وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ برہنگی کی حالت میں شیطان کو چھیڑ چھاڑ کا موقع خوب ملتا ہے چنانچہ ابوداؤد میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''ان ھٰذہ الحشوش محضرۃ فاذا اتی احدکم الخلاء فلیقل اللّٰھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث'' یعنی جہاں تم قضائے حاجت کرتے ہو وہاں شیاطین کا اجتماع رہتا ہے کیوں کہ ان کو غلاظت ونجاست سے طبعی مناسبت ہے جیسا کہ ملائکہ کا ازدحام مساجد میں رہتا ہے کیوں کہ ان کو پاکیزگی سے طبعی مناسبت ہے اس وجہ سے اسی کے مناسب تسمیہ کی تعلیم دی گئی بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ بسم اللہ شیاطین اور بنی آدم کی عورات یعنی وہ حصے جنہیں چھپانے کا حکم ہے کے درمیان حائل ہے اس لئے بیت الخلاء میں شیطان لعین کی شرارت سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہی ہے کہ وہاں جاتے وقت تسمیہ پڑھ لیا کرے پھر اندر جائے تاکہ اس عمل کی برکت سے شیطانی ضرر سے محفوظ رہ سکے، یہاں حدیث باب میں عبدالعزیز بن صہیب کے شاگرد اسماعیل کی روایت میں ''اذا دخل الخلاء'' کا لفظ آیا ہے اس کی تشریح میں علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ عطاء اور شعبیؒ اس سے ارادہ دخول مراد لیتے ہیں جس طرح آیت کریمہ ''اذا قمتم الی الصلوٰۃ'' میں مراد ارادۂ قیام ہے اور آیت کریمہ ''فاذا قرأت القرآن الخ'' میں مراد ارادۂ قرأت ہے لہٰذا یہ الفاظ تعوذ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پڑھے جائیں گے یا اگر جنگل میں قضائے حاجت کا ارادہ ہے تو اس جگہ بیٹھتے وقت خاص قضائے حاجت کی حالت میں مشغول ہونے کے بعد نہ پڑھیں اور اس توجیہ مذکور کی تائید رئیس المحدثین امام بخاریؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے اسی مقصد کے اثبات کے لئے صحیح بخاری میں عبد العزیز بن صہیب کے دوسرے شاگرد سعید بن زید کی روایت سے ''اذا اراد ان یدخل'' (یعنی جب آپ بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ فرماتے) کی تصریح نقل فرمائی ہے اور ادب المفرد میں امام بخاریؒ نے اپنی سند سے ''اذا اراد الدخول'' صراحۃ نقل فرمایا ہے علاوہ اس کے ابن ہشام نے مغنی کے باب عاشر میں اس کی تصریح کی ہے کہ کلام عرب میں لفظ اذا کے بعد اراد کی تقدیر کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہاں اگر کھلے میدان میں فراغت کی نوبت آجائے تو چونکہ وہاں گندگی نہیں ہوتی اس لئے شیاطین کا اجتماع نہیں ہوتا اس لئے قعود کے وقت یہ کلمات استغفار پڑھ لینے چاہئیں، اور اس کے بارے میں مالکیہ کے دو قول ہیں ایک فریق کا قول یہ ہے کہ حدیث کو معنی مجازی یعنی ارادۂ دخول پر حمل کی کوئی ضرورت نہیں دخول کے معنی حقیقی مراد ہیں لہٰذا وہاں داخل

ہوکر بھی استعاذہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ نجاست اپنے مرکز یعنی اسفل کی طرف جارہی ہے اور ذکر آسمان کی طرف چنانچہ ''الیہ یصعد کلم الطیب'' فرمایا گیا ہے۔

اب رہا یہ شبہ کہ پیغمبر علیہ السلام تو شیطان سے معصوم تھے حتی کہ موکل سے بھی تو پھر کلمات استعاذہ کیوں پڑھتے تھے، اس میں راز کیا ہے، امام ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ آپ بلا شبہ معصوم تھے، شیطان کا تصرف آپ پر نہیں ہوسکتا تھا بلکہ شیطان حضور ﷺ کا منقاد ہوگیا تھا بایں ہمہ وہ لعین دو دفعہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ظاہر ہوا تھا، چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آیا تھا تا کہ نماز توڑ دے، حضور ﷺ نے اسے پکڑ لیا اور ارادہ فرمایا تھا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ رکھیں تا کہ لوگ اسے دیکھیں مگر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی دعا یاد آئی ''رب هب لی ملکا الخ فرددته خاسئاً'' لہٰذا میں نے اس کو ذلت وخواری کی حالت میں چھوڑ دیا۔

دوسری دفعہ معراج کی شب کو پیش ہوا تھا، ''فدفعهٗ بالاستعاذة'' تو ابن العربی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس موقعہ پر جو کلمات استعاذہ پڑھتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ بیت الخلاء چونکہ گندی جگہ ہے وہاں آپ ذکر لسانی کو جاری رکھنے سے اجتناب کرتے تھے اور شیطان ذکر الٰہی کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے اس موقع کو غنیمت سمجھتا ہے کیوں کہ اسے دھتکار دینے کا واحد علاج ذکر الٰہی ہے اسی لئے آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت تسمیہ پڑھتے تھے تا کہ وہ آپ اور شیطان کے درمیان وہاں سے نکلنے تک بچاؤ اور روک ہوجائے، یا اس عمل سے آپ کا مقصد امت کو تعلیم دینا ہے۔

النهی عن استقبال القبلة عند الحاجة

قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ کی ممانعت

اخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسکین قراءةً علیه وانا اسمع واللفظ له عن ابن القاسم قال حدثنی مالک عن اسحٰق ابن عبد الله بن ابی طلحة عن رافع بن اسحاق انهٗ سمع ابا ایوب الانصاری وهو بمصر یقول والله ما ادری کیف اصنع بهذهِ الکرابیس وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ذهب احدکم الی الغائط او البول فلا یستقبل القبلة ولا یستدبرها.

رافع بن اسحٰق سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو جب آپ مصر میں تھے فرماتے سنا ہے بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں ان پاخانہ کی جگہوں میں کس طرح بیٹھوں حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم پاخانہ یا پیشاب کرنے جاؤ تو نہ قبلہ رخ ہوکر بیٹھو اور نہ پیٹھ دیکر بیٹھو۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ: آپ کا نام خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ انصاری نجاری خزرجی مدنی ہے بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، اور غزوۂ بدر اور احد اور تمام غزوات میں شریک رہے نبی

کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کے مکان پر اترے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد بھی جہاد کا عمل جاری رکھا، اور جنگ قسطنطنیہ میں ۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی اور وہاں قلعہ کے نشیبی حصہ میں دفن ہوئے اہل روم انہی کے توسط سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

تشریح :قولہ وھو بمصر :اس روایت میں وھو بمصر کا لفظ ہے، مسلم کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**فقد منا الشام فوجدنا مر احیض قد بنیت قبل القبلة فکنا نخرف عنها** ''تو نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو مصر میں پیش آیا تھا اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوا شام میں بظاہر تضاد ہے، شیخ ولی الدین عراقی نے کہا (شرح ابوداؤد میں) کہ دونوں روایتوں میں کوئی منافاۃ نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی سفر میں دونوں شہروں میں واقع ہوا ہو وہ اس طرح سے کہ دونوں شہروں میں گئے ہوں تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں بیت الخلاء قبلہ کی سمت بنائے گئے تھے۔

اذاذھب احدکم الخ :ارشاد نبوی ہے کہ جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی جانب رخ یا پشت کر کے مت بیٹھو اس حدیث قولی میں امت کے لئے عام ضابطہ اور قانون کا بیان ہے ہر شخص پیشاب اور پاخانہ کے وقت ضرور اس ادب کا خیال رکھے کہ قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ دیکر نہ بیٹھے اس کی علت احترام کعبہ ہے حدیث میں استقبال اور استدبار قبلہ کو منع فرمایا استقبال اور استدبار مکہ کو منع نہیں فرمایا اور قبلہ کو قبلہ اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جاتا ہے لہٰذا یہ بالکل بے مناسب ہے کہ بول و براز کے اوقات میں اس کی طرف منہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ احترام قبلہ مقصود ہے، قرآن کریم کی آیات اس کی طرف اشارہ کر رہی ہیں فرمایا ''**جعل الله الکعبة الخ** '' کہ کعبہ کو بیت الحرام فرمایا گیا اس سے صغریٰ ثابت ہوا کبریٰ اس کا یہ ہے'' **قولهٗ تعالیٰ ومن یعظم حرمات الله الخ** ''نیز فرمایا ''**ومن یعظم شعائر الله الخ** ''تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یادگاروں کا ادب کرنا منصوص فی القرآن ہے اور کعبہ کا بیت الحرام ہونا خود منصوص ہے لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے۔

نیز احادیث سے بھی اس علت کی طرف اشارہ ملتا ہے چنانچہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا روایت کیا ہے''**من تفل تجاه القبلة جاء یوم القیامة وتفلهٗ بین عینیه** ''تو جب قبلہ کی طرف تھوکنے پر یہ وعید ہے کہ قیامت کے دن تھوک کا وہ حصہ اس کی پیشانی پر رکھ دیا جائے گا تو پیشاب پاخانہ تو اس سے بدترین چیز ہے اسی لئے مراسیل طاؤس میں وضاحت کے ساتھ وارد ہوا ہے''**حق علی کل مسلم ان یکرم قبلة الله ان لایستقبلها بغائط او بول** '' اور بزار کی روایت میں آیا ہے کہ جو شخص پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہو پھر اس کو یاد آ گیا''**فانحرف عنها اجلالاً لها لم یقم من مجلسه حتی یغفر لهٗ** ''تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ استقبال و استدبار قبلہ کے منع ہونے کی علت احترام قبلہ ہے۔

اس مسئلہ مذکورہ کے بارے میں اقوال ائمہ

اس کے بعد دوسری بحث یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے خود راوی حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ،

مجاہدؒ، ابراہیم نخعیؒ، ثوریؒ، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھلے میدان میں ہو یا آبادی میں ہو استقبال اور استدبار حرام ہیں، داؤد ظاہری مطلقاً جائز کہتے ہیں، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک امکنہ کے اعتبار سے فرق کیا گیا ہے کہ صحراء میں منع ہے اور بیت الخلاء وغیرہ میں دونوں کی اجازت ہے، امام احمدؒ نے ہیئت کا فرق کیا ہے کہ استقبال صحراء میں ہو یا آبادی میں ممنوع اور استدبار مطلقاً جائز ہے، ان کی دوسری روایت احناف کے موافق ہے، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے ایک اور روایت نوادر کی ہے وہ یہ کہ استدبار جائز اور استقبال منع ہے تو ہماری روایت مشہورہ امام احمدؒ کی غیر مشہور اور امام احمد کی مشہور روایت ہماری روایت نوادر کے موافق ہے تو اصل معتد بہ اقوال یہ چار ہیں جو مذکور ہوئے۔

احناف کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مطلقاً ممانعت کی گئی ہے جیسے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جو عنوان کے ذیل میں مذکور ہوئی، اور قولی ہے، اس میں عام ضابطہ کا بیان ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ صحراء میں ہو یا بیت الخلاء میں استقبال واستدبار ممنوع ہے اور تمام محدثین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس باب میں سب سے قوی اور صحیح حدیث یہی ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں ''حدیث ابی ایوب احسن شیئی فی ھذا الباب و اصح'' اس حدیث کے علاوہ حنفیہ کے اور بھی دلائل ہیں جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث ہیں جو مسلم اور نسائی وغیرہ میں موجود ہیں، داؤد ظاہری کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے وقت استقبال اور استدبار سے منع فرمایا اس کے بعد وفات سے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ آپ بیت اللہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے قضائے حاجت فرمارہے تھے، داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ جب حدیث سے اس کا جواز ثابت ہورہا ہے تو ہم کیسے ممانعت کا فتویٰ دیں اور جب اس حدیث سے استقبال کا جواز ثابت ہوا تو استدبار بطریق اولیٰ جائز ہوگا، کیوں کہ وہ بدتر ہے استدبار سے معلوم ہوا کہ حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ منسوخ ہے۔

حضرات شوافع استدلال کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو آگے عنوان ''الرخصة فی ذالک فی البیوت'' کے ماتحت آرہی ہے اس لئے وہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں باوجود عموم حکم کے تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحراء میں بول و براز کرنے والوں سے متعلق ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے آبادی میں قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کا جواز نکل آیا کیوں کہ جب بیت المقدس کی طرف رخ ہوگا تو پشت مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کعبۃ اللہ کی طرف ہوگی اور استقبال کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اس کا صریح بیان آیا ہے۔

بہرحال شوافع ان شواہد کی بناء پر کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق صحراء سے ہے نہ کہ آبادی سے۔

احناف کی طرف سے جوابات

حافظ ابن القیمؒ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو شوافع وغیرہ کا مستدل ہے احادیث نہی کے جو سب صحیح ہیں معارض ہے امام ترمذیؒ نے اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو حسن کہنے کے بعد غریب کہہ دیا اور انہوں نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ

میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ سے پوچھا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ صحیح ہے جس کو ابن اسحٰق سے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس سے امام بخاری کی مراد کیا ہے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے طریق سے یہ حدیث صحیح ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ محمد بن اسحٰق اگر چہ غزوات کے بیان میں بہت معتبر ہے مگر حلال وحرام کے معاملات میں ضعیف راوی ہے اور اگر امام بخاری کی مراد نفس حدیث کی صحت ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس واقعہ کا بیان ہوا ہے وہ ایک واقعہ جزئیہ ہے جس کی حیثیت بعینہٖ اس واقعہ کی طرح ہے جو ابن عمر کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے اب اس میں متعدد احتمالات ہیں ایک تو یہ کہ اس کو حدیث نہی کے لئے ناسخ قرار دیا جائے یا حدیث ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سبب سے حدیث ابن عمر کو منسوخ مانا جائے، یا آپ اس عمل سے کھلے میدان اور آبادی کے فرق کو بیان کر دینا چاہتے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عذر مکانی کے باعث اپنی منشا کے مطابق نہیں بیٹھ سکتے تھے، یا آپ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ میں نے جو پہلے منع کیا تھا اس سے نہی تحریمی مراد نہ تھی اس لئے بیان جواز کے لئے کیا ہو یا یہ آپ کی خصوصیت ہو، اب ان احتمالات میں سے قطعی طور پر کوئی ایک متعین نہیں ہے لہٰذا احادیث نہی جو صحیح اور صریح ہیں انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث محتمل کی وجہ سے کیسے چھوڑا جائے گا، اور اس قدر احتمالات کے ہوتے ہوئے حدیث ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لئے کیسے مخصص قرار دے سکتے ہیں، بہر حال یہ مشترک جواب ہے جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ دونوں کو شامل ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور جواب حدیث جابرؓ کا یہ ہے کہ درست ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر علیہ السلام کو قبلہ کی طرف چہرۂ انور کئے ہوئے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں دیکھا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس لئے مشاہدہ کیا تھا کہ ان کی بہن حفصہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا اور وہ گھر کے آدمی تھے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ تو گھر کے آدمی نہیں تھے اس لئے وہ جس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں بے شک صحراء ہی میں پیش آیا ہوگا، اب آپ ہی بتائیں کہ یہ روایت شوافع کے لئے مفید ثابت ہوئی یا مضر؟ کیوں کہ انہوں نے جنگل و بیابان اور آبادی میں تفریق کی ہے اور اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صحراء میں استقبال قبلہ کئے ہوئے تھے، پھر اگر کوئی روایت ایسی بھی مل جائے جس سے آبادی میں دیکھنا ثابت ہو گو ایسی کوئی دلیل نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ایک جزئی واقعہ ہے جو شوافع کے مسلمہ ضابطہ حکایۃ لاعموم لھا کے تحت استدلال کے قابل نہیں ہے، حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ حدیث جابر اہل علم کے نزدیک ایسی حدیث نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے۔

اب رہا حدیث ابن عمر کا جواب تو اس کا ایک جواب علامہ شوکانی نے دیا کہ بلحاظ اصول جواب بہتر ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل قول خاص کا معارض نہیں ہوسکتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ فعل جو گھر کی چھت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہوا تنہائی میں کیوں ہوا کیا بات ہے اس لئے واقع ہوا کہ آپ چاہتے تھے امت میں سے کوئی فرد اس پر مطلع نہ ہو لہٰذا ایسا فعل ضابطہ اور قانون عام نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص ہے اس کی وجہ سے حکم عام متاثر نہیں ہوتا جس کی حدیث ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ میں تصریح ہے، اب اگر کوئی کہے کہ وجہ خصوصیت کیا ہے تو اول تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کے مکلف نہیں کہ ہر جگہ وجہ بتلائیں مثلاً حضور بعد العصر نماز پڑھتے تھے اور امت کو منع فرما دیا تو اس کی

وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح یہاں سمجھ لیں۔

نیز ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے صرف عین کعبہ کے استقبال واستدبار کی ممانعت ہو اور امت کو جس طرح عین کعبہ کے استقبال واستدبار سے منع کیا گیا ہے اسی طرح جہت کعبہ کے استقبال واستدبار سے بھی منع کیا گیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ آپ عین قبلہ سے ترچھے ہو کر جہت کعبہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے ہوں لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تامل وتدبر نہیں کیا کیوں کہ ان کا دیکھنا قصدا نہ تھا بلکہ نظر اتفاقی پڑ گئی تھی اس لئے انہوں نے یہ خیال کیا کہ آپ کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں اول تو اچٹتی ہوئی نظر سے دیکھنے کا اعتبار ہی کیا اس سے اصل حالت کا معلوم ہونا مشکل ہے اور غلطی کا قوی امکان ہے اس کے باوجود اسکو بنیاد بنا کر اس سے استدلال کرنا اور وہ بھی حلت وحرمت کے مسئلہ میں کہاں کا انصاف ہے اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسئلہ میں کہ استقبال واستدبار منع ہے بالکل واضح ہے اور ضابطہ شرعی اور قانون عام کی شکل میں وارد ہوئی ہے اور حکم بھی وضاحت وصف اور سبب معلوم کیساتھ دیا گیا ہے (سبب معلوم اتیان غائط ہے) اس کے برعکس حدیث ابن عمر وحدیث جابر ایک جزئی واقعہ کی خبر دے رہی ہے جس میں عموم کی کوئی گنجائش نہیں اور اس میں فعل کا بیان ہے کوئی سبب بیان نہیں کیا جس میں عذر مکانی اور ممانعت کا درجہ بیان کرنا وغیرہ احتمالات موجود ہیں لہٰذا معلوم السبب حدیث کو مجہول السبب حدیث کی وجہ سے کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور ناطق کو ساکت کے ذریعے سے کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔

ابن عابدینؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوایوب انصاری کی روایت قولی ہے اور حضرت ابن عمر کی فعلی ہے اور ضابطہ ہے کہ اگر قولی اور فعلی روایت میں تعارض ہو تو قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا حضرت ابوایوب کی روایت کو ترجیح ہوگی کیوں کہ قول میں کوئی احتمال نہیں فعل میں خصوصیت اور عذر وغیرہ کے احتمالات ہوتے ہیں، نیز یہ کہ حضرت ابوایوب کی روایت محرم ہے اور ابن عمر کی روایت مبیح ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر حرمت واباحت میں تعارض ہو تو محرم مبیح پر راجح ہوتا ہے۔

اب ابن ماجہ کی ایک حدیث باقی رہ جاتی ہے جس کو عراک بن مالک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس میں آیا ہے کہ کچھ لوگوں کا حضور ﷺ کے سامنے تذکرہ ہوا جو اپنی شرمگاہوں کے ساتھ استقبال قبلہ کو کراہت سمجھتے تھے اس پر آپ نے تعجب کا اظہار فرمایا کہ کیا واقع میں لوگ ایسا سمجھتے ہیں میرے قدمچہ کا رخ قبلہ کی طرف پھیر دو، اس سے بظاہر استقبال قبلہ کا جواز معلوم ہوتا ہے لہٰذا شوافع وغیرہ کا مسلک اس سے ثابت ہوگیا۔

حضرات حنفیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت حجت نہیں بن سکتی کیوں کہ محدثین کرام نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس پر طویل کلام کیا ہے اس کی تفصیل (عینی: ۱/ ۷۱۰ اور فتح الملهم: ۱/ ۲۲۵) میں دیکھ لی جائے، لہٰذا ایک حدیث ضعیف کو حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث کے مقابلہ میں جس کی سند نہایت پکی ہے اور اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے پیش کر کے ناسخ یا مخصص قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، اور اگر حدیث عراک عن عائشہ رضی اللہ عنہا کو صحیح مان بھی لیا جائے پھر بھی

حافظ ابن حزمؒ نے اس کونا قابل حجت قرار دیا ہے انہوں نے فرمایا یہ روایت یا تو حدیث ابی ایوب رضی اللہ عنہ سے پہلے کی ہے یا بعد کی ہے اگر پہلے کی ہے ظاہر ہے کہ وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہو چکی ہے اور اگر بعد کی ہے تو عادۃً یہ ایک محال بات ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے استقبال واستدبار سے منع فرما چکے ہیں اور لوگ بھی اس پر عمل کرنے لگے تو پھر ان کی اطاعت پر اپنے قول "او قد فعلوھا" سے انکار کیوں فرمایا کیا بات تھی انکار کی یہ تو ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان تصور تک نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دانشمند شخص اس لئے اگر چہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی بلاشبہ وہ منسوخ ہو گئی۔

النهى عن استدبار القبلة عند الحاجة

قضائے حاجت کے وقت استدبار قبلہ کی ممانعت کا بیان

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفيان عن الزهرى عن عطاء بن يزيد عن ابى ايوب ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لغائط اوبولٍ ولكن شرقوا او غرّبوا.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پائخانہ یا پیشاب کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو اور نہ پیٹھ دے کر مگر مشرق یا مغرب کی جانب رخ کر کے بیٹھو۔

تشریح :قوله ولكن شرقوا وغربوا :یعنی فراغت کے وقت مشرق کی جانب رخ کر کے بیٹھو یا مغرب کی جانب اس حدیث میں چار سمتوں کا بیان آیا ہے اور اہل مدینہ اور جو لوگ اس سمت پر رہتے ہیں انہی کو خطاب ہے کہ تمہارے لئے فراغت کے وقت جانب شمال اور جنوب استقبال واستدبار کی اجازت نہیں کیوں کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوبی ہے البتہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کر کے قضائے حاجت کی اجازت ہے کیوں کہ جب منہ اور پیٹھ جنوب کی طرف نہیں کریں گے تو مشرق یا مغرب کی جانب ہو گی لیکن جو لوگ مشرق یا مغرب کی سمت پر رہتے ہیں ان کے لئے یہی حکم نہیں ان کے لئے تو حکم ہے کہ شمال یا جنوب کی طرف منہ کر کے فراغت حاصل کریں۔

امام غزالیؒ نے اسی حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ نماز میں استقبال قبلہ جو فرض ہے وہ صرف جہت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے ادا ہو جائے گا عین قبلہ کی طرف منہ کرنے کا پابند نہیں بنایا گیا مگر یہ صورت دور دراز علاقوں میں رہنے والوں کے لئے ہے جو لوگ بیت اللہ کے قریب ہوں ان کے واسطے جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا کافی نہیں بلکہ عین کعبہ کا رخ کرنا ضروری ہو گا۔

حدیث کی بقیہ تشریح عنوان سابق کی حدیث کے ماتحت آ چکی ہے۔

الامر باستقبال المشرق او المغرب عند الحاجة

قضائے حاجت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرنے کا حکم دینا

اخبرنا يعقوب بن ابراهيم قال حدثنا غندر حدثنا معمر قال اخبرنا ابن شهاب عن عطاء بن يزيد عن ابى ايوب الانصارى رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتىٰ احدكم الغائط فلا يستقبل

القبلة ولكن ليشرق او ليغرب.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی پاخانہ میں جائے تو قبلہ کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھے لیکن چاہئے کہ پورب یا پچھم کی طرف رخ کر کے بیٹھے۔

تشریح :**اذا اتی احدکم الغائط الخ** :اس روایت میں صرف ''فلایستقبل القبلة ''یعنی ممانعت استقبال کا بیان ہے ذکر استدبار سے ساکت ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسری اکثر روایات ذکر استدبار سے خاموش ہیں اور ایسی ایک روایت بھی مروی نہیں ہے کہ جس میں استقبال قبلہ سے منع نہ کیا گیا ہو لہٰذا کہا جائے گا کہ بہ نسبت استدبار کے استقبال کی کراہت اشد ہے اور ممکن ہے کہ امام اعظمؒ سے ایک روایت شاذہ میں استدبار کے جواز کا جو قول منقول ہے اس کا قائل انہیں وجوہ کی بنا پر ہوا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لیکن آپ کی مشہور روایت یہی ہے کہ استقبال واستدبار کھلے میدان اور آبادی میں مکروہ تحریمی ہے بلکہ ''کتاب الفقه علی المذهب الاربعه ''میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے ہاں فراغت کے وقت بھی استقبال واستدبار کی کراہت تحریمی ہے اور استنجاء بالماء یا بالحجر کے وقت بھی اگر کوئی غلطی سے بیٹھ گیا تو یاد آتے ہی رخ بدل لے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، لیکن مالکیہ وغیرہ کے نزدیک استنجاء یا ڈھیلے استعمال کرتے وقت استقبال واستدبار صرف مکروہ ہے حرام نہیں ،غرض کہ اس حدیث میں اہل مدینہ کو ہدایت فرمادی گئی کہ احترام قبلہ کا خیال رکھیں اور وہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ وہ قضائے حاجت کے وقت مشرق یا مغرب کے طرف منہ کر کے بیٹھیں نہ کہ شمال اور جنوب کی طرف کیوں کہ ان کا قبلہ جنوبی ہے۔

الرخصة فی ذالک فی البیوت

مکانات کے اندر استدبار قبلہ کی اجازت ہے

اخبرنا قتيبة ابن سعيد عن مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن محمد بن يحيىٰ بن حبان عن عمه واسع ابن حبان عن عبد الله بن عمر قال لقد ارتقيت على ظهر بيتنا فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ لبنتين مستقبل بيت المقدس لحاجته.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے قضائے حاجت کر رہے تھے اور آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔

تشریح :**قوله لقد ارتقيت على ظهر بيتنا** :بخاری کی روایت میں لبعض حاجتی کی عبارت زائد ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے گھر کی چھت پر چڑھا تھا تو وہاں انہوں نے جو واقعہ مشاہدہ کیا اسے اس روایت میں نقل کیا ہے یہاں روایات کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں نسائی کی روایت میں علیٰ ظهر بیتنا کا لفظ ہے بخاری کی ایک روایت میں علیٰ ظهر بیت لنا کے الفاظ آئے ہیں اور ایک روایت میں مثل الفاظ نسائی کے علیٰ ظهر بیتنا کے الفاظ ہیں اور مسلم کی روایت میں علی بیت اختی حفصة کے الفاظ ہیں اور ابوداؤد میں علی ظهر البیت کا لفظ ہے اور ترمذی میں علیٰ بیت حفصة ہے یہ روایات سب صحیح ہیں ان میں طریق جمع یہ

ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مکان کی نسبت مجازاً ہے اس لحاظ سے کہ وہ ان کی بہن کا مکان تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف بطور اسناد حقیقی کے۔لیکن علامہ سندھی نے لکھا کہ جس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مکان کی نسبت باعتبار ان کی بہن ہونے کے مجازی ہوئی ہے اسی طرح مکان کی اضافت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی تعلق سکنی کی وجہ سے بطور مجاز کے ہوئی ہے ورنہ درحقیقت اس مکان کے مالک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے،حضرات شوافعؒ اس حدیث کے باعث حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں تخصیص کرتے ہیں کہ ان کی روایت کا تعلق کھلے میدان سے ہے آبادی سے نہیں، امام نسائی نے اس مسئلہ میں شوافع کی موافقت فرمائی ہے انہوں نے اس مقصد کے اثبات کے لئے سب سے پہلے ''النهی عن استقبال القبلة عند الحاجة'' کاعنوان قائم کیا اس کے بعد اور دو ترجمے لائے، پھر ''الرخصة فی ذالک فی البیوت'' کا ترجمہ قائم کیا اور اس کے ماتحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کردی ،حضرات حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے متعدد جوابات عنوان ''النهی عن استقبال القبلة عند الحاجة '' کے ذیل میں نقل کردہ حدیث کی شرح میں گذر چکے ہیں وہاں ملاحظہ ہو،ان کے علاوہ ایک اور جواب جس کو علامہ عینیؒ نے نقل کیا ہے اور اسے فیض الباری میں بھی نقل کیا گیا اور اس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اس جواب کی طرف لوگوں کے عام اذہان نہیں گئے اور مجھے بھی اس کا علم ایک عرصہ کے بعد ہوا وہ یہ کہ دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خیالات کی تردید فرمائی ہے کہ جو پیشاب پاخانہ کے وقت بیت اللہ کے ساتھ بیت المقدس کو بھی برابر کا درجہ دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ قضائے حاجت کے وقت بیت المقدس کا استقبال جائز نہیں تو انہی پر انکار فرمانے کی غرض سے مذکورہ حدیث روایت کی ہے اور انہوں نے استقبال یا استدبار بیت اللہ کے مسئلہ سے قصداً کوئی بحث نہیں کی،اس کی وضاحت صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو محمد بن یحیٰی نے اپنے چچا واسع بن حبان سے کی ہے،واسع بن حبان کہتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبداللہ بن عمر تکیہ لگائے ہوئے قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے جب میں نماز سے فارغ ہوکر ان کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھو اور نہ بیت المقدس کی طرف حالانکہ میں ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے قضائے حاجت فرما رہے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہے جو بیت اللہ کی طرح بیت المقدس کے استقبال کو بھی منع سمجھتے ہیں اور دونوں کو برابری کا درجہ دے رہے ہیں بیت اللہ کا معاملہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مقصود میں داخل ہی نہیں ہے اس لئے انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کرتے وقت صرف استقبال بیت المقدس کی خبر دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ استدبار کعبہ کا انکی حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے،اس توجیہ کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کا استقبال یا استدبار قبلہ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا،اسی حدیث ابن عمر کی بنا پر امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ روایت بیت المقدس کے استقبال واستدبار کے لئے ناسخ ہے لیکن بعض روایات میں جو مستدبر الکعبہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کعبہ کی طرف تھی وہ لزومی اعتبار سے اضافہ کئے گئے ہیں جو تحقیق سمت پر مبنی ہے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس چونکہ ایک خط مستقیم پر واقع ہے اس لئے بیت المقدس کے

استقبال سے بیت اللہ کا استدبار لازم آتا ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ اس حقیقت کو تو علم جغرافیہ اور عرض بلدتین سے (مکہ اور بیت المقدس) واقف علماء ماہرین نے صاف کر دیا ہے کہ دونوں ایک ہی سمت میں واقع نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لہٰذا بیت المقدس کے استقبال سے بیت اللہ کا استدبار لازم نہیں آتا پھر جب روایات میں مستدبر الکعبۃ کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ لزومی اعتبار سے اس کی زیادتی کی گئی ہے جس کا درست نہ ہونا معلوم ہوگیا تو پھر کیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث مطلق کو فضاء کے ساتھ مخصوص کیا جاسکتا ہے کیوں کہ بیان سابق کے مطابق تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت موضوع ہی سے خارج ہے۔ (ایضاح البخاری)

باب النهی عن مس الذکر بالیمین عند الحاجة

قضائے حاجت کے وقت داہنے ہاتھ سے اپنے ستر کو چھونے سے منع کرنے کا بیان

اخبرنا یحییٰ بن درست قال اخبرنا ابو اسماعیل وهو القناد قال حدثنی یحییٰ بن ابی کثیر ان عبد اللہ بن ابی قتادة حدثه عن ابیه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا بال احدکم فلایأخذ ذکره بیمینه.

حضرت عبداللہ اپنے والد ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے ستر کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے۔

اخبرنا هناد ابن السری عن وکیع عن هشام عن یحییٰ هو ابن ابی کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادة عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا دخل احدکم الخلاء فلا یمس ذکره بیمینه.

عن ابیه: ضمیر راجع ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی طرف آپ انصاری اور سلمی ہیں صحابہ میں ان کے علاوہ ابوقتادہ کسی کی کنیت نہیں تھی ان کو فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے یعنی پیغمبر علیہ السلام کا ماہر گھوڑ سوار ان کا اصل نام حارث بن ربعی ہے غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ستر سال کی عمر پائی اور ۵۴ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

اذا بال احدکم الخ: مس ذکر کی ممانعت کا حکم اذا بال احدکم پر مرتب کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ داہنے ہاتھ سے عضو مستور کو چھونے کی ممانعت کا حکم صرف حالت بول کے ساتھ مقید ہے ہاں یہ بات قید احترازی کی صورت میں درست ہوسکتی ہے لیکن یہاں روایت میں حالت بول کی جو قید آئی ہے وہ احترازی نہیں ہے۔

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ روایت میں حالت بول کی جو قید ہے اس سے بطریق مفہوم مخالف غیر بول کے حالات میں مس ذکر بالیمین کے جواز کا قول کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے البتہ روایت میں حالت بول کی قید اس لئے لگی ہے کہ کبھی کبھار قضائے حاجت کے وقت عضوِ مستور پکڑنے کی ضرورت پڑتی ہے پھر جب باوجود اس کے عضو مخصوص کو داہنے ہاتھ سے پکڑنا مکروہ ہے تو عدم ضرورت کی حالت میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا غرض مس ذکر بالیمین کی کراہت حالت بول

وغیرہ حالت بول حالت استنجاء اور غیر استنجاء سب کو شامل ہے۔

چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے "قالت کانت ید رسول الله صلی الله علیه وسلم الیمنی لطهوره وطعامه وکانت یده الیسری لخلائه وما کان من اذی" یعنی رسول اکرم ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھا اور آپ کا بایاں ہاتھ پاخانہ پیشاب اور قابل کراہت چیزوں میں استعمال ہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ رب العزت نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت و شرافت دی ہے اس لئے شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں جیسے کھانے پینے کوئی چیز لینی دینی وغیرہ کے لئے داہنا ہاتھ موزوں ہے اور جتنے کراہت کے کام ہیں مثلاً ازالہ غلاظت ونجاست ناک جھاڑنا اور پیشاب کے وقت عضو مستور کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہو اور استنجاء کے لئے بایاں ہاتھ موزوں ہے یہی معمول شریف حضور کا تھا، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اب تو تہذیب جدید طریقہ طلباء دین نے اختیار کیا ہے کہ جوتیاں دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں اور کتابیں بائیں ہاتھ میں، یہ لوگ یا تو آداب شریعت سے ناواقف ہیں یا غفلت کرتے ہیں ایسا نہ کریں بلکہ آداب کی رعایت کریں۔

حدیث باب میں جو نہی وارد ہوئی ہے جمہور کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے کیوں کہ اس کا تعلق محاسن عادات سے ہے۔

الرخصة فی البول فی الصحراء قائماً

خارج مکان کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت کا بیان

اخبرنا مؤمل بن هشام قال حدثنا اسماعیل قال حدثنا شعبة عن سلیمان عن ابی وائل عن حذیفة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی سباطة قوم فبال قائماً.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر پہنچے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد قال حدثنا شعبة عن منصور قال سمعت ابا وائل ان حذیفة قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی سباطة قوم فبال قائماً.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اخبرنا سلیمان بن عبیدالله حدثنا بهز حدثنا شعبة عن سلیمان ومنصور عن ابی وائل عن حذیفة ان النبی صلی الله علیه وسلم مشی الیٰ سباطة قومٍ فبال قائماً قال سلیمان فی حدیثه ومسح علی خفیه ولم یذکر منصور المسح.

سلیمان اور منصور ابووائل سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کی کوڑی کے پاس تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

عن سلیمان: یہ سلیمان الاعمش ہے ان کے والد کا نام مہران ہے پانچواں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، تمام ائمہ کے

نزدیک ثقہ ہیں لیکن گاہ بگاہ تدلیس کرتے ہیں اس لئے وہ بھی ان مدلسین میں سے ہیں جن کی روایات مقبول ہیں۔

منصور : ان کے والد کا نام معتمر بن عبداللہ السلمی ہے ان کی کنیت ابوعتاب ہے کوفی ہیں مستند اور ثقہ ہیں ابوحاتم نے ان الفاظ سے ان کی تعریف کی ہے "متقن لا یخلط و لا یدلس" ۱۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

عن ابی وائل : ان کا نام شقیق بن سلمۃ الاسدی الکوفی ہے ۱ھ میں پیدا ہوئے اور نبی کریم ﷺ کا زمانہ رسالت پایا اور بعض نے کہا کہ وہ مخضرمین میں سے ہیں اور وہ بلاشبہ ثقہ ہیں ۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

قال سلیمان فی حدیثه الخ : یعنی سلیمان اور منصور دونوں ابووائل کے شاگرد ہیں ان میں سلیمان اعمش کی روایت میں ومسح علی خفیہ کے الفاظ زیادہ ہیں لیکن یہ زائد عبارت منصور نے ذکر نہیں کی تو اس کا عدم ذکر عدم ثبوت کو لازم نہیں کرتا جبکہ سلیمان اعمش ثقہ راوی نے اس کو روایت کیا ہے تو اس کے اعتبار میں کیا شبہ ہے "و زیادۃ الثقة مقبولة" بہرحال پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے پانی منگایا پھر وضو فرمایا اور موزے پر مسح کیا، یہ واقعہ مدینہ کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ موزے پر مسح کا عمل سفر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حضر میں بھی درست ہے۔

دوسری چیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کے بارے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے لیکن ضرورت اور مجبوری کے وقت کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو اگلے عنوان میں آرہی ہے اس میں بول قائما کی نفی ہے اب دونوں میں تعارض پیدا ہو گیا، امام نسائی اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اور اس مقصد کے پیش نظر الگ الگ دو ترجمے لائے ہیں اول ترجمہ کے ساتھ فی الصحراء کی قید لگائی اور دوسرا ترجمہ جو اس کے بعد لائے ہیں اس کے ساتھ فی البیت کی قید لگائی ہے جس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہر دو احادیث اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور ہر ایک کا محمل علیحدہ علیحدہ ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جس واقعہ کو بیان کرتے ہیں اس کا تعلق صحراء یعنی خارج بیوت سے ہے جس کا علم انہی کو ہے نہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس واقعہ کو بیان کرتی ہیں اس کا تعلق داخل بیت سے ہے کیوں کہ وہ گھر کے اندر کے احوال سے پوری طرح واقف تھیں اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "**من حدثکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بال قائماً فلا تصدقوہ**" کا مطلب یہ ہے کہ "**من حدثکم انه بال قائماً فی البیت لا تصدقوه**" یعنی جو شخص تم سے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بیان کرے کہ آپ نے گھر میں قیام کی حالت میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو اس کی تصدیق مت کرو۔

اس توجیہ کے بعد دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، اب رہا یہ امر کہ عذر کیا تھا جس کی بناء پر پیغمبر علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو اس کی اصل بے تکلف وجہ یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لئے یہ فعل کیا ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عذر بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیلات عنوان "الرخصة فی ترک ذالک" میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ بول قائماً کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں حضرت سعید بن المسیب، عروہ بن

الزبیر اور امام احمد وغیرہ نے علی الاطلاق جواز کا قول کیا ہے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر ایسی جگہ پر ہو جہاں سے پیشاب کرنے والے پر چھینٹے پڑنے کا اندیشہ نہ ہو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بدون عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے کیوں کہ بعض روایات میں جس ممانعت کا ذکر ہوا ہے وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں یا غیر محفوظ ہیں لہٰذا ایسی روایات سے تحریم ثابت نہیں ہو سکتی، البتہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''وینبغی ان یضیق فیه فی زماننا لا نهٗ صار من شعار النصاری و لا ینزل عن کراهة التنزیهة''۔

(فیض الباری: ۱ / ۳۱۷)

البول فی البیت جالسا

گھر میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کا بیان

اخبرنا علی بن حجر اخبرنا شریک عن المقدام بن شریح عن ابیه عن عائشة قالت من حدثکم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بال قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا جالسًا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بیان کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو تم اس کی تصدیق مت کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب نہیں کرتے تھے مگر بیٹھے۔

بال قائما الخ: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا بظاہر حضر حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے اس کا ایک جواب ابھی پچھلے عنوان کے ماتحت دیا گیا ہے جس سے دونوں روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اس کے علاوہ اور جوابات بھی دیئے گئے ہیں، منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اس قول سے یہ فرمانا چاہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نہ تھی بلکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی، اور اس کی تائید ترمذی کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ہے ''من حدثکم انهٗ کان یبول قائماً الخ '' اسی طرح انہوں نے اپنے قول '' ما کان یبول الا جالساً '' سے جو تعلیل کی ہے اس سے بھی امر مذکور کی تائید ہوتی ہے آپ کی عادت شریف ہمیشہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نہیں تھی بلکہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے، اب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا منافی نہیں ہے حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جو عمل واقع ہوا وہ یقینی طور سے شاذ و نادر اور وقتی عمل تھا جبکہ عام عادت اس کے خلاف ہے۔ بہر حال عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس جزئی واقعہ کی نفی نہیں کی جو آپ سے بسبب عذر کے واقع ہوا بلکہ انہوں نے اپنے قول ''من حدثکم الخ'' سے بول قائما آپ کا دائمی عمل ہونے کی نفی کی ہے یا یہ جواب دیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کی خبر دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں کبھی کھڑے ہو کر پیشاب کرتے نہیں دیکھا تھا، اور جو واقعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ باہر کا تھا ہو سکتا ہے اس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ ہوا ہو لہٰذا دونوں روایات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

غرض کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے اور خلاف عادت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ضرورت کی بناء پر تھا یا بیان جواز کے لئے تھا اور بعض شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی کیوں کہ حدیث عائشہ کے راوی قاضی شریک بن عبد اللہ میں محدثین نے کلام کیا ہے کوفہ میں قاضی بننے کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا اس لئے انہیں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور جب ابن قطان وغیرہ نے ان کی حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے تو امام ترمذی کا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ دعوی کرنا ''انه اصح شئی فی الباب'' اس کی صحت پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حاکم کا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو صحیح کہہ دینا تو ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ کسی حدیث کی تصحیح کے معاملہ میں حاکم کا تساہل مشہور بات ہے اور ان کا یہ کہنا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا شیخین کی شرط پر ہے درست نہیں ہے اس لئے کہ امام بخاریؒ نے تو شریک سے بالکل ہی روایت نہیں لی ہے، البتہ امام مسلمؒ نے بطور استشہاد کے ان سے روایت تخریج کی ہے لیکن احتجاج کے طور پر کوئی روایت نہیں لی۔

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا وہ قوت حاصل نہ کر سکی جو حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اس لئے بعض حضرات نے اسے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا پر ترجیح دی ہے۔

البول الى السترة يستتربها

پردہ کے ساتھ پیشاب کرنے کا بیان

اخبرنا هناد بن السرى عن ابى معاوية عن الاعمش عن زيد بن وهبٍ عن عبد الرحمن بن حسنة قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى يده كهيئة الدرقة فوضعها ثم جلس خلفها فبال اليها فقال بعض القوم انظر وايبول كما تبول المرأة فسمعهٔ فقال او ماعلمت ما اصاب صاحب بنى اسرائيل كانوا اذا اصابهم شئى من البول قرضوه بالمقاريض فنهاهم صاحبهم فعذب فى قبرهٖ.

حضرت عبد الرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں چمڑے کی ڈھال کی طرح کوئی چیز تھی اس کو رکھا پھر اس کی آڑ میں بیٹھ کر پیشاب کیا قوم میں سے کسی یہودی نے کہا دیکھو آپ ﷺ عورتوں کی طرح بیٹھ کر پیشاب کر رہے ہیں حضور ﷺ نے اس کے گستاخانہ کلام کو سن لیا پھر فرمایا کیا تجھے اس عذاب کی خبر نہیں جس میں بنی اسرائیل کے ایک دوست مبتلی ہو گیا تھا جب ان کے کپڑے کو پیشاب لگتا تو اس حد تک کپڑا قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے ان کے دوست نے ان کو اس سے منع کیا اس لئے اسے اپنی قبر میں عذاب دیا گیا۔

عن عبد الرحمن بن حسنه : حسنہ ان کی ماں کا نام ہے والد کا نام عبد اللہ بن مطاع بن عبد اللہ الغطریف ہے آپ صحابی ہیں اور شرحبیل بن حسنہ کے بھائی ہیں لیکن عسکری نے ابن ابی خیثمہ کی پیروی کر کے حضرت عبد الرحمٰن کو شرحبیل کا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

فقال بعض القوم الخ :بعض شارحین نے کہا کہ ان گستاخانہ کلمات کا قائل منافق تھا جب اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ بیٹھ کر پردہ کے ساتھ پیشاب کر رہے تھے تو یہ نازیبا الفاظ استعمال کئے اس پر آپ نے اسے انجام بد سے ڈرایا ودھمکایا فرمایا کہ دیکھو نبی اسرائیل کے ساتھی امر معروف سے منع کرنے کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ اگر کپڑے کو نجاست لگ جاتی تو کپڑے کا جو حصہ نجاست سے آلودہ ہوتا اتنا کپڑا کاٹ ڈالیں اگر چہ یہ حکم ان کی شریعت میں پسندیدہ تھا (لیکن ظاہر میں خلاف عقل معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس میں مالی نقصان تھا) تو جب اس سے منع کرنے پر اسے قبر میں عذاب دیا گیا تو پردہ کے ساتھ پیشاب کرنے کا عمل جو شریعت اور عقل دونوں کے اعتبار سے مطلوب اور محمود ہے اس سے منع کرنے پر بدرجہ اولیٰ عذاب دیا جائے گا لہٰذا ایسی نازیبا حرکت سے باز رہو۔

غرض کہ بعض شارحین کے اس قول سے معلوم ہوا کہ بعض القوم سے مراد منافق ہے اور "**انظر وایبول الخ**" کلمات اسی نے استعمال کئے لیکن ابوداؤد کی روایت بتلاتی ہے کہ یہ کلمات خود راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ اور دوسرے حضرت عمرو بن العاص نے استعمال کئے چنانچہ ابوداؤ میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں "**انطلقت انا وعمرو بن العاص الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج ومعہ درقۃ ثم استتربھا ثم بال فقلنا انظروا الیہ یبول کما تبول المرأۃ الخ**" اسی طرح بیہقی کی روایت بھی بتلاتی ہے کہ یہ قول مذکوران دونوں حضرات سے واقع ہوا اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت یہ دونوں حضرات مسلمان تھے یا نہیں اگر مسلمان اور صحابہ ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا تو وہ کلمات علی وجہ الطعن استعمال نہیں کئے بلکہ عادت معروفہ کے خلاف دیکھ کر بطور تعجب استعمال کئے اور اگر اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے تو اس صورت میں ان دونوں نے استعمال کئے ہوں یا ان کے علاوہ کفار میں سے کسی نے کئے ہوں بہر صورت طعن اور اعتراض کی غرض سے استعمال کئے ، یہ توجیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود میں فرمائی ہے پھر آپ نے علامہ عینی کے حوالہ سے اور جوابات نقل کئے ہیں کہ " **انظروا الیہ یبول الخ** " قول سے طعن اور استہزاء مقصود نہیں کیوں کہ یہ دونوں حضرات صحابی تھے اور صحابہ بلاشبہ اس سے بری ہیں ، لہٰذا انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ قول ان سے بلا قصد صادر ہوا یا بطور تعجب واقع ہوا یا بطریق استفسار کے یعنی آپ سے اس فعل کی تحقیق اور طلب وضاحت کے لئے استعمال کیا۔

اسی طرح علامہ سندھیؒ نے بھی مومن کے قول ہونے کو راجح قرار دیا ہے آپ نے بعض شارحین کے قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ روایات پر نظر ڈالنے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول مذکور مومن سے واقع ہوا لیکن ہنسی مذاق اڑانے کی غرض سے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ چونکہ دور جاہلیت کے قریب تھے اس لئے جب اپنی عادت سابقہ کے خلاف حضور ﷺ کو بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھا تو بطور تعجب وہ کلمات مذکورہ استعمال کئے۔

علامہ موصوف نے جو فرمایا کہ روایات پر نظر ڈالنے کے بعد الخ غالباً ان روایات سے بیہقی اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات کی طرف اشارہ کیا ہوگا جن سے ان کلمات کے قائل کا مومن ہونا مفہوم ہو رہا ہے غرض کہ جب حضور ﷺ نے ان کا قول سن لیا تو اسی موقع پر ان کی اصلاح وتربیت کا خیال ہوا اس لئے آپ نے فوراً تنبیہی کلمات "**او ما علمت ما اصاب الخ**" سے بنی

اسرائیل کے اس شخص کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی تاکہ اس سے عبرت حاصل کریں، واللہ اعلم بالصواب۔

یبول کما تبول المرأة :امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''ایبول رسول اللہ ﷺ کما تبول المرأة '' یہ تشبیہ ستر کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے کہ آپ پردہ کی آڑ میں اس طرح چھپ کر پیشاب کررہے ہیں جیسے عورتیں کرتی ہیں یا جلوس کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے دور جاہلیت میں عرب کی عام عادت تھی کہ عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتی تھیں اور مرد کھڑے ہوکر، یا یہ تشبیہ ستر اور جلوس دونوں اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے امام نوویؒ نے اول کو مختار سمجھا ہے چنانچہ انہوں نے شرح ابوداؤد میں فرمایا کہ چونکہ دور جاہلیت میں لوگ بدون پردہ کے پیشاب کرتے تھے اور پردہ کے ساتھ پیشاب کرنے کو مردانگی اور زیرکی کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے جب دیکھا کہ آپ ڈھال کی آڑ میں پیشاب کررہے تھے تو اس کو ناپسند کرتے ہوئے وہ کلمات استعمال کئے۔

لیکن شیخ ولی الدین عراقیؒ نے کہا کہ معجم بغوی کی روایت سے دوسری کی تائید ہوتی ہے اس میں آیا ہے ''فقال بعضنا لبعض یبول رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کما تبول المرأة وهو قاعد''۔

میرا ناقص خیال یہ ہے کہ جب اس روایت مؤیدہ سے دوسری کی تائید ہورہی ہے تو اسی کو مختار قرار دیا جانا چاہئے۔

کانوا اذا اصابهم شئی من البول الخ :حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ کی اس روایت مرفوعہ میں صرف قرضوہ بالمقاریض کے الفاظ ہیں کس چیز کو کاٹتے تھے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ اس میں کپڑے کا ذکر ہے نہ جلد کا اور نہ جسد کا یعنی بدن کا البتہ بخاری میں حضرت ابووائل کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پیشاب کے بارے میں سختی سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے ''ان بنی اسرائیل کانوا اذا اصاب ثوب احدهم قرضه'' اور مسلم'' باب المسح علی الخفین'' میں ہے ''اذا اصاب جلد احدهم بول قرضه بالمقاریض'' اب رہی یہ بحث کہ ثوب کا لفظ صحیح ہے یا جلد کا، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ مسلم کی روایت میں جلد کا لفظ ہے تو اس سے جلد بدن مراد ہے یا کوئی اور چیز، امام قرطبیؒ نے اس سے مراد چمڑے کا لباس قرار دیا ہے اور بعض علماء نے اس کو ظاہر پر محمول کیا ہے جس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے کہ اس میں جسد احدهم آیا ہے لیکن بخاری کی روایت میں صراحۃ لفظ ثوب آیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے بعض راویوں نے روایت بالمعنی کی ہو، حافظ ابن حجرؒ کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

بذل المجہود میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ارشاد مبارکہ ''اذا اصابهم البول قطعوا ما اصابه البول منهم'' کی تشریح میں لکھا ہے کہ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ جب بنی اسرائیل کے کپڑے وغیرہ کو پیشاب لگ جاتا تو اسی حد تک کاٹ ڈالتے تھے نہ کہ جلد بدن کو اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک مضاف یعنی ثوب محذوف ہے اب ''اذا اصابهم'' کے معنی ''اذا اصاب ثوبهم'' کے ہیں۔

غرض کہ ان کی شریعت میں نجاست سے ملوث کپڑے وغیرہ کو پانی سے پاک وصاف کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ ناپاک حصہ کو قطع کردینے کی صورت میں تطہیر ہوسکتی تھی اور اگر اسے ظاہر پر حمل کیا جائے اور کہا جائے کہ ناپاک جسم کے حصہ کو اسی حد

تک کاٹ دیتے تھے تو ظاہر ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ ان لوگوں کا پورا جسم کٹ جاتا کیونکہ پیشاب کا معاملہ عادی اور غیر اختیاری ہے جو بار بار واقع ہوتا ہے اگر چہ ان کو ایسے سخت حکم کا مکلف بنانا قدرت میں داخل ہے لیکن ارحم الراحمین پروردگار تعالیٰ کی شان رحمت کو دیکھتے ہوئے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کو قطع جسم کا مکلف نہیں بنایا گیا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

التنزه عن البول

پیشاب سے احتیاط کا بیان

اخبرنا هناد ابن السری عن وکیع عن الاعمش قال سمعت مجاهداً یحدث عن طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مرّ رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ قبرین فقال انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر امّا هٰذا فکان لا یستنزه من بوله وامّا هذا فانهٗ کان یمشی بالنمیمة ثم دعا بعسیب رطب فشقه باثنین فغرس علیٰ هٰذا واحدًا وعلی هذا واحدا ثم قال لعلهٗ یخفّف عنهما مالم ییبسا. خالفه منصور رواه عن مجاهد عن ابن عباس ولم یذکر طاؤساً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا آپ نے فرمایا ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑی چیز کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا پھر فرمایا کہ جب تک یہ دونوں ٹہنیاں خشک نہوں امید ہے کہ ان کا عذاب ہلکا کر دیا جائے۔

علیٰ قبرین: صاحب قبر کون تھے ان کے نام نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائے ہیں اور نہ صحابہ کرام سے اس قسم کی کوئی بات نقل ہوئی، دراصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر انتہائی شفیق اور مہربان تھے اور اسلام کا ادب یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ کے بارے میں صاحب معاملہ کی رسوائی کا اندیشہ ہو تو حتی الامکان اس کی شخصیت کو چھپانا چاہئے غالباً اسی وجہ سے ان دونوں قبر والے حضرات کے نام ظاہر نہیں کئے گئے۔ (کذا قاله الحافظ)

اب شارحین حدیث میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی بعض حضرات نے کہا کہ یہ قبریں کافروں کی تھیں اور ابو موسیٰ مدینی بھی اسی کے قائل ہوئے ہیں لیکن ابن العطارؒ نے شرح العمدہ میں پورے وثوق اور یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں اور امام قرطبیؒ نے اسی کو اظہر یعنی زیادہ ظاہر اور راجح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ تمام طرق حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، دراصل اختلاف کا منشاء دو واقعات کو ایک پر حمل کرنا ہے ایک تو یہ واقعہ جو نسائی کی روایت میں ہے اور ایک دوسرا واقعہ جو صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے، بعض شارحین ان دونوں واقعات کو ایک سمجھ رہے ہیں حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ دونوں الگ الگ

واقعات ہیں اور روایات بھی دو واقعے ہونے پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ابن ماجہ میں ہے "مرّ بقبرین جدیدین "یعنی آپ کا گزر دو نئی قبروں پر ہوا تھا، تو نیا ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ قبریں دور جاہلیت کی نہ تھیں، مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "انہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بالبقیع فقال من دفنتم الیوم ھٰھنا "یعنی حضور اکرم ﷺ کا گزر بقیع کے قبرستان سے ہوا تو آپ نے پوچھا کہ اس قبرستان میں آج تم نے کس کو دفن کیا ہے، تو یہ روایت واضح طور پر مسلمانوں کی قبر ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور مسند احمد وطبرانی میں سند صحیح سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" انھما یعذبان وما یعذبان فی کبیر بلی وما یعذبان الافی الغیبۃ والبول "اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں شخصوں کو غیبت اور پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی بنا پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ حصر ان دونوں کے کافر ہونے کی نفی کرتا ہے کیوں کہ کافر ومشرک کو اگر چہ احکام اسلام کے چھوڑنے پر عذاب دیا جائے گا لیکن مزید برآں اس کو کفر پر عذاب دیا جانا ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا، علاوہ ان شواہد وقرائن کے اور بھی متعدد وجوہ ہیں جن کی وضاحت علامہ عینیؒ وغیرہ نے کی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اور وہ واقعہ جو مسلم شریف میں مذکور ہے الگ الگ دو واقعات ہیں۔

ابھی ماقبل میں ابوموسیٰ مدینی کا قول گذر چکا ہے کہ ابوموسیٰ مدینی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ قبریں کافروں کی تھیں ان کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جو بسند ابن لہیعہ مروی ہے اس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بنی نجار کے دو شخصوں کی قبر پر گذرے یہ دونوں زمانۂ جاہلیت میں ہلاک ہوگئے تھے، تو حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوگیا کہ ان دونوں شخصوں کو پیشاب اور چغلخوری سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے، اب ابوموسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ قوی نہیں ہے لیکن معنی اس کا صحیح ہے اس لئے کہ یہ دونوں قبر والے اگر مسلمان تھے تو حضور اکرم ﷺ کی اس سفارش کا کوئی مطلب نہیں بنے گا جو آپ ﷺ نے ایک خاص مدت یعنی کھجور کی ان دونوں شاخوں کے خشک ہونے تک کے لئے فرمائی تھی، جب حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ دونوں شخص عذاب قبر میں مبتلا ہیں تو آپ نے اپنی شفقت اور مہربانی کی بناء پر اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ ان کو اپنے احسان سے محروم رکھا جائے اس لئے آپ نے ان دونوں کے لئے مدۃ مذکورہ تک کے لئے سفارش فرمائی تو اس سے معلوم ہوا کہ عذاب میں تخفیف کا معاملہ ایک خاص مدت تک رہے گا اس کے بعد عذاب بدستور لوٹ آئے گا تو عذاب کا ایک محدود مدت کے لئے ہلکا ہو جانا بتلا رہا ہے کہ وہ قبریں کافروں کی تھیں، بہر حال اس تقریر کی بناء پر ابوموسیٰ مدینی وغیرہ کہتے ہیں وہ دونوں قبر والے غیر مسلم تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ ابوموسیٰ مدینی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ خود اس نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور اس حدیث کو امام احمد نے بھی ایسی اسناد کے ساتھ جو مسلم کی شرط پر ہے روایت کیا ہے مگر اس میں سبب تعذیب کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث مذکور میں سبب تعذیب کا بیان ابن لہیعہ کی تخلیط یعنی خلط ملط سے ہوا ہے اور یہ حدیث حضرت جابر کی اس حدیث طویل کے مطابق ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور اس میں جن دو شخصوں کا واقعہ بیان کیا ہے بظاہر وہ کافر تھے لیکن حدیث باب کے تمام طرق پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ قبریں مسلمانوں کی تھیں

چنانچہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے مربقبرین جدیدین تو قبر کا نیا ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ دونوں قبریں دور جاہلیت کی نہ تھیں نیز مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے اس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کا گذر بقیع کے قبرستان سے ہوتا ہے تو آپ نے پوچھا ''من دفنتم الیوم ھٰھنا '' تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ دونوں مسلمان تھے، کیونکہ بقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے اور خطاب مسلمانوں سے فرمایا ہے کیوں کہ دستور یہ ہے کہ ہر فریق کا وہی شخص متولی ہوتا ہے جو اس میں سے ہو اور ان دونوں کا مسلمان ہونا حضرت ابوبکرہ کی اس روایت سے تائید ہوتی ہے جس کو امام احمد اور طبرانی نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ روایت ہم پیچھے حدیث باب کے ذیل میں نقل کر چکے ہیں۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۷۷)

انھما یعذبان وما یعذبان فی کبیر :فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں دیا جا رہا ہے بخاری کی روایت میں ''بلیٰ وانہ لکبیر '' کی زائد عبارت ہے، یعنی پہلے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے پھر آپ نے فرمایا ہاں جس گناہ کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جا رہا ہے وہ گناہ بڑا تھا اب ارشاد مبارکہ میں نفی اور اثبات کی وجہ سے تعارض پیدا ہو گیا اس کے متعدد جوابات علامہ سیوطیؒ نے نقل کئے ہیں جن کو ہم نقل کرتے ہیں کہ ابوعبدالملک البونی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس گمان سے کہ ان دونوں صاحب قبر کو جو عذاب ہو رہا ہے وہ کسی بڑے گناہ کے سبب سے نہیں ہے ''وما یعذبان فی کبیر '' ارشاد فرمایا اس کے بعد فوراً وحی نازل ہوئی جس میں اس بات کی خبر دی گئی کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں معمولی گناہ نہیں اس لئے آپ نے فوراً استدراک یعنی کلام سابق کی اصلاح فرمائی ''بلیٰ انہٗ لکبیر '' کہ نہیں بلکہ یہ دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے اس لئے عذاب قبر میں مبتلا ہو گئے۔

داؤدی اور ابن العربی نے یہ جواب دیا ہے کہ ''وما یعذبان فی کبیر '' میں جس شئی کبیر کی نفی کی گئی ہے وہ بمعنی اکبر ہے اور ''بلیٰ انہ لکبیر '' ارشاد میں جس گناہ کا اثبات فرمایا ہے وہ کبائر سے ایک ہے یعنی قتل عمد وغیرہ کی طرح اگر چہ بہت بڑا گناہ نہیں ہے مگر درحقیقت وہ بھی بڑا گناہ ہے بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ان دونوں کے اعتقاد میں یا مخاطبین کے اعتقاد میں تو وہ بڑے گناہ نہ تھے معمولی تھے اس لئے تو اس سے احتیاط نہیں کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گناہ کبیر ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وتحسبونہٗ ھیّنا وھو عند اللہ عظیم '' (سورہ نور) تم اس کو ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے تو واقعہ افک میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے جھوٹے الزام کی بات کو چرچا کرنے والوں کے نزدیک ہلکا گناہ اور اپنے نزدیک عظیم گناہ بتلایا اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''وما یعذبان فی کبیر '' سے مرتکب ہونے والوں کی نظر واعتقاد میں گناہ خفیف اور ''بلیٰ وانہ لکبیر '' سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بعض شارحین نے کہا کہ ان گناہوں سے بچنے میں ان کے لئے کوئی دشواری اور مشقت نہ تھی پھر بھی ان سے احتیاط نہیں

نہیں کرتے تھے امام بغویؒ اسی کے قائل ہیں اور علامہ ابن دقیق العید اور علماء کی ایک جماعت نے اسی کو ترجیح دی ہے، علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جس چیز کے مرتکب تھے وہ فی نفسہ کبیرہ نہ تھی مگر عادی ہوجانے سے اس کو کبیرہ بنادیا کیوں کہ عذاب کا تعلق صغیرہ سے نہیں کبیرہ سے ہوتا ہے جیسا کہ سیاق کلام اس بات کی طرف رہنمائی کررہا ہے کیوں کہ ''**فکان لایستنزہ من بولہ**'' اور ''**کان یمشی بالنمیمۃ**'' استمرار کے صیغے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان گناہوں پر مداومت کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ کبیرہ گناہ ہوگئے غرض کہ جتنی تاویلات کی گئی ہیں سب اپنی اپنی حیثیت میں معتبر اور صحیح ہیں اب نفی و اثبات دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہوگئے اور تعارض رفع ہوگیا۔

واما ھذا فانہٗ کان یمشی الخ: حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ نمیمہ کے معنی ہیں لوگوں کی باتیں دوسروں کے سامنے ضرر رسانی کے قصد سے پہنچانا اور یہ بدترین برائیوں میں سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے توریت میں سب سے بڑا گناہ کونسا پایا، انہوں نے جواب دیا چغلخوری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قتل کے گناہ سے بھی انہوں نے کہا ہاں کیوں کہ سخن چینی سے قتل کا جرم پیدا ہوتا ہے، بالکل سچ فرمایا، لگائی بجھائی سے خاندانوں میں لڑائیاں پیدا ہوجاتی ہیں حتی کہ قتل کی نوبت تک پہنچادیتی ہیں۔

فغرس علیٰ ھذا واحدًا وعلیٰ واحدًا: یعنی بے پتے کھجور کی شاخ منگائی جسے عسیب کہتے ہیں پھر اسے دو ٹکڑے کیا ایک ٹکڑا ایک شخص کی قبر پر گاڑ دیا دوسرا ٹکڑا دوسرے شخص کی قبر پر گاڑ دیا بعض شارحین نے کہا کہ سر کے نزدیک گاڑ دیا تھا جو اسناد صحیح سے ثابت ہے۔

لعلہٗ یخفف الخ: تخفیف عذاب کا سبب کیا ہے؟ آیا ان شاخوں کی تسبیح کا اثر ہے یا کوئی اور بات ہے تو اس بارے میں حدیث ساکت ہے البتہ شارحین کے اقوال ملتے ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے، چنانچہ۔

(۱) علامہ مازریؒ نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے پیغمبر علیہ السلام کو وحی کی روشنی میں یہ بات بتلادی گئی ہوگی کہ ان دونوں سے اس مدت تک عذاب کی تخفیف رہے گی۔

(۲) ایک قول امام قرطبیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے ان کے لئے اتنی ہی مدت تک کے لئے شفاعت کی ہوگی جو قبول ہوگئی۔

(۳) علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ تخفیف عذاب میں تروتازہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ اس میں ایسی کوئی خاص صفت ہے جو خشک شاخ میں نہیں ہے بلکہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا جو آپ نے بقاء نداوت کی مدت تک کے لئے فرمائی ہوگی۔

(۴) علامہ کرمانیؒ نے کہا کہ شاخ میں دفع عذاب کی خاصیت تھی لیکن یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے حاصل ہوئی۔

ان کے علاوہ اور بھی وجہیں بیان کی گئی ہیں جو چاہے شروحات میں دیکھ لے، ایضاح البخاری میں حضرت علامہ سید

فخر الدین احمدؒ نے جو بات فرمائی ہے وہ بھی بڑی اچھی ہے فرماتے ہیں کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ درخت کی تسبیح سے کہیں زیادہ آپ کے دست مبارک کی برکت ہے جس سے آپ نے شاخ کو چیرا ہے اور اس کو قبر پر رکھنے یا گاڑھنے کا عمل کیا ہے اب ذرا حضور ﷺ کی عمومی شفقت اور آپ کی سفارش کا درخت کی تسبیح سے موازنہ کیجئے کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں میں کچھ بھی نسبت ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تخفیف عذاب میں اس شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اسے آپ کے دست مبارک کی خصوصیت سمجھ لو یا آپ کی شفاعت کا اثر کہہ لو، اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تخفیف عذاب شاخ کی تسبیح کا اثر نہیں ہے تو حضور ﷺ نے **مالم ییبسا** کیوں فرمایا ہے کہ اس وقت تک تخفیف رہے گی جب تک یہ ٹہنیاں تر و تازہ رہینگی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسبیح خوانی ہی کا اثر ہے کیوں کہ خشک ہونے کے بعد شاخ لکڑی ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور وہ تسبیح بھی انقراض حیات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ کوئی معقول بات نہیں ہے قرآن پاک میں ہے ''**وان من شئی الا یسبح بحمدہٖ الخ** ''یعنی ہر چیز اپنی اپنی استعداد کے اعتبار سے باری تعالیٰ کے لئے تسبیح خوانی کرتی ہے لہٰذا اگر شاخ تر ہے تو اسی کے مناسب حال اس کی تسبیح ہوگی اور اگر خشک ہو کر لکڑی ہوگئی تو وہ بھی آخر اس شئی کا جزء ہی تو ہے جس کی تسبیح خوانی کا بیان آیت مذکورہ میں ہوا ہے اسی لئے اسی کے مناسب حال اس کی بھی ضرور خاص نوعیت کی تسبیح ہوگی لہٰذا بالکلیہ تسبیح ختم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہر چیز اپنے اپنے شعور و ادراک کے مطابق تسبیح کرتی ہے اس لئے صاف بات یہ ہے کہ عذاب کی تخفیف شاخ کی تسبیح خوانی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کے دستِ مبارک کے اثر کی وجہ سے ہوئی، اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قبر پر شاخ گاڑ دینے کا عمل جو حدیث باب سے ثابت ہے وہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا یا دوسرے کے لئے بھی اس کی اجازت ہے کہ وہ بھی اس طرح کا عمل کریں اور تخفیف عذاب کی توقع رکھیں تو اس بارے میں علامہ خطابیؒ اور محقق ابن عبد البر مالکیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں جس چیز کا بیان ہوا ہے کہ اس شاخ کا ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبروں پر گاڑ دیا اور صحابہ کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں توقع ہے کہ ان کا عذاب ہلکا کر دیا جائے گا یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی اسی لئے علامہ خطابیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بنا پر لوگوں نے قبر پر شاخ وغیرہ گاڑ دینے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل ناپسندیدہ اور شریعت کی مرضی کے خلاف کام ہے متاخرین میں سے حضرت انور شاہ صاحبؒ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے آپ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے اقوال پر نظر کر کے اس مسئلہ میں توسع کرنا کسی طرح درست نہیں لہٰذا قبروں پر شاخیں گاڑ دینا امر منکر اور بدعت ہے۔

خالفہٗ منصور الخ: ضمیر مفعول اعمش کی طرف راجع ہے یعنی اعمش اور منصور دونوں حضرت مجاہد کے شاگرد ہیں اور اپنے استاد سے روایت کرنے میں شریک ہیں مگر اختلاف دونوں میں طاؤس کے ذکر و عدم ذکر میں ہے اعمش کی سند میں اپنے شیخ مجاہدؒ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان طاؤس کا واسطہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدؒ نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ طاؤس سنا ہے مگر منصور کی روایت میں طاؤس کا ذکر ہی نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ مجاہدؒ نے اس حدیث کو بلا واسطہ طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یہ مخالفت کا حاصل ہے جس کی طرف امام نسائیؒ نے اشارہ کیا ہے لیکن یہ کوئی ایسی مخالفت نہیں جس سے صحتِ روایت میں نقصان پیدا ہو کیوں کہ ممکن ہے کہ مجاہدؒ نے اس حدیث مذکور کو پہلے بواسطۂ طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہو پھر بلا واسطہ ان سے سنا ہو لہٰذا جس طرح عن مجاہد عن ابن عباس والی روایت صحیح ہے اسی طرح عن مجاہد عن طاؤس عن ابن عباس بھی صحیح ہے اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ ابن حبانؒ نے دونوں طریق کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

باب البول فی الاناء

برتن میں پیشاب کرنے کا بیان

اخبرنا ایوب بن محمد ن الوزان حدثنا حجاج قال قال ابن جریج اخبرتنی حکیمة بنت امیمة عن امّها اُمیمة بنت رُقیقة قالت کان للنبی صلی الله علیه وسلم قدح من عید ان یبول فیه ویضعهٗ تحت السریر.

حکیمہ اپنی ماں امیمہ بنت رُقیقہ سے روایت کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے واسطے لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ پیشاب کرتے تھے اور اس کو پلنگ کے نیچے رکھتے۔

عن امّها امیمة بنت رقیقه :حافظ جمال الدین مزنی نے التہذیب میں فرمایا یہ امیمہ بنت رقیقہ عبداللہ بن بجاد بن عمیر التیمی کی لڑکی ہیں جو مشہور صحابیہ ہیں اور رقیقہ خویلد کی بیٹی ہیں جو خدیجہ بنت خویلد ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں حافظ ذہبی نے فرمایا کہ حکیمہ صرف اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں اور حکیمہ سے ابن جریج کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کی ابن حبان نے حکیمہ کو ثقاۃ میں سے شمار کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان کے واسطہ سے روایت لائے ہیں۔

قالت کان للنبی صلی الله علیه وسلم قدح الخ :اس روایت میں یبول فیہ ہے ابوداؤد کی روایت میں یبول فیہ کے بعد باللیل کا لفظ زیادہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برتن میں پیشاب کرنے کا واقعہ رات کا تھا کہ پلنگ کے نیچے لکڑی کا ایک پیالہ پڑا رہتا تھا جب رات کو پیشاب کی ضرورت ہوتی تو پیغمبر علیہ السلام اس پیالہ میں پیشاب کرتے کیوں کہ رات کو خصوصاً سردی کے اوقات میں یا عذر کی صورت میں پیشاب سے فراغت کے لئے باہر جانا بہت تکلیف کا کام ہے تو دراصل آپ کا یہ عمل بھی تعلیم اور بیان جواز کے لئے تھا کہ امت اس طرح کریگی تو آرام پائے گی اور شیاطین کے ضرر سے محفوظ رہے گی کیوں کہ بہ نسبت دن کے رات کو ان کا ضرر زیادہ ہوتا ہے اس لئے امت کی سہولت اور آسانی کی خاطر شفیق اور محسن دو عالم ﷺ نے اپنی امت کو یہ طریقہ سکھا دیا غرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر رات کو پیشاب کی ضرورت پیش آئے تو پائخانہ میں جا کر پیشاب کرنے کو لازمی نہ سمجھا جائے بلکہ عذر وغیرہ کی صورت میں برتن وغیرہ میں پیشاب سے فراغت حاصل کی جا سکتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اب اشکال یہ ہے کہ طبرانی نے اوسط میں سند جید سے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع

روایت کی ہے"لا ینقع بول فی طست فی البیت فان الملائکة لاتدخل بیتا فیه بول منتقع "جس گھر کے اندر برتن یا سلفچی میں پیشاب کو جمع کیا جاتا ہے اور دیر تک اس میں ٹھہرنے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے"لا تدخل الملائکة بیتًا فیه بول "توان روایات سے معلوم ہوا کہ جس گھر میں پیشاب کی نجاست ہوتی ہے وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور حدیث باب میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ان روایات کے خلاف ہے لہٰذا تعارض پیدا ہو گیا اس کا جواب علامہ سیوطی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ شاید طبرانی کی اس حدیث مرفوع میں انتقاع سے مراد طول مکث ہے اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس گھر میں پیشاب زیادہ دیر تک رکھا ہوا ہوتا ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس پیالہ میں پیشاب کرتے شاید وہ گھر میں اتنی دیر تک نہ چھوڑا جاتا ہوگا جس کی وجہ سے تغیر آجائے بلکہ تغیر سے پہلے اسے باہر ڈال دیا جاتا اب دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں پیشاب ہوتا ہے وہ اس گھر سے متعلق ہے کہ جس کے اندر نجاست وغلاظت کی کثرت ہوتی ہے لہٰذا ایسے مکان میں فرشتے داخل نہیں ہوں گے لیکن اس کے برعکس جو پیشاب برتن وغیرہ کے اندر مستقر اور بند ہوتا ہے اس کی وجہ سے دوسری جگہ ناپاک نہیں ہوتی ہے کیوں کہ وہ تو برتن ہی کے اندر بند رہتا ہے لہٰذا یہ صورت دخول ملائکہ سے مانع نہ بنے گی، بذل المجہود میں حضرت علامہ نے ایک اور جواب دیا ہے کہ جب رات کو پیشاب کی ضرورت ہوتی تو پیغمبر علیہ السلام ابتداء میں اس پیالہ کے اندر جس کا ذکر حدیث باب میں آیا ہے پیشاب سے فراغت حاصل کرتے تھے پھر جب یہ معلوم ہوا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں پیشاب کافی دیر تک پڑا رہتا ہے تب آپ نے اس عمل کو چھوڑ دیا اور حدیث باب کے الفاظ سے آخری عمر تک آپ کا یہ عمل دائمی ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

البول فی الطست

طست یعنی برتن یا سلفچی میں پیشاب کرنے کا بیان

اخبرنا عمرو بن علي اخبرنا ازهر قال اخبرنا ابن عون عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت يقولون ان النبي صلى الله عليه وسلم اوصى الى عليٍ لقد دعا بالطست ليبول فيها فانخنثت نفسه وماشعر فالى من اوصى قال الشيخ ازهر هو ابن سعد السمّان.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی وصیت فرمائی تھی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے پیشاب کرنے کے لئے برتن منگایا تھا پھر آپ کے اعضاء مبارکہ ڈھیلے پڑ گئے اور مجھے تو علم نہیں کہ آپ نے کس کے واسطے وصیت فرمائی۔

يقولون ان النبي صلى الله عليه وسلم اوصى الىٰ علي رضی اللہ عنہ :امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ امر

خلافت کے بارے میں شیعہ نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گھڑلی ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کوخلافت کی وصیت فرمائی تھی لہٰذا آپ ہی خلافت بلافصل کے قابل تھے حالانکہ یہ بالکل بے اصل بات ہے۔جس کی جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم، پھران کے بعد تابعین نے تردید کی ہے اسی طرح جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس طرح کی باتوں کا تذکرہ ہوا اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی یعنی جانشین رسول ہیں تو انہوں نے سختی سے تردید فرماتے ہوئے کہا ''وما اشعر فالیٰ من اوصیٰ '' کہ آپ نے کس کے واسطے خلافت کی وصیت فرمائی ہے میں تو نہیں جانتی ہوں، بلکہ بخاری کی روایت میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے چنانچہ فرماتی ہیں ''متی اوصیٰ الیه وقد کنت مسندته الیٰ صدری اوقالت حجری الخ ''یعنی حضور اکرم ﷺ ایام مرض میں وفات کے وقت تک میرے حجرے میں تھے اور آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ میرے سینہ اور گردن سے تکیہ کئے ہوئے تھے اس ملازمت اور قرب کے باوجود مجھے تو کوئی علم ہی نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے خلافت کی وصیت کس کو فرمائی اور کب فرمائی، بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صاف انکار سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے خلافت کی وصیت کی نہ اور کسی کو اسی لئے تو جب بوقت خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے بارے میں اختلاف ہوا اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ میں سے جو صاحب خلافت کے قابل ہوں ان کو اہل اسلام خلیفہ بنالیں وہی خلیفہ ہوں گے تو اس وقت نہ تو صحابہ میں سے کسی نے اس وصیت کا ذکر کیا اور نہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا اظہار کر کے اپنے لئے منصب خلافت کا دعویٰ کیا اور نہ اس کے بعد کبھی خلیفہ ہونے تک دعویٰ کیا تو اگر واقع میں حضور ﷺ نے ان کو خلافت کی وصیت کی جیسے علماء شیعہ کہتے ہیں تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ علی الترتیب خلیفہ ہونے تک انہوں نے کیوں سکوت اختیار کیا ان کا خاموش رہنا گویا بجائے خود ایک مستقل دلیل ہے اس بات کی کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی اور جن احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے وہ سب بقول امام قرطبیؒ وغیرہ، شیعہ علماء کی گھڑی ہوئی ہیں جن کا ماخذ ہی صحیح نہیں ہے اور صحیح احادیث میں خلافت کی وصیت کا نام ونشان تک کا ذکر نہیں ہے چنانچہ امام احمد نے مسند احمد میں اور بیہقی نے دلائل میں اسود بن قیس کے طریق سے انہوں نے عمرو ابن ابی سفیان سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے جنگ جمل کی فتح کے بعد فرمایا ''قال یایها الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لم یعهد الینا فی هذه الامارة شیئاً الحدیث ''اسی طرح مسند احمد اور ابن ماجہ میں ارقم بن شرحبیل نے سند قوی کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں آیا ہے ''امر النبی صلی اللہ علیه وسلم فی مرضه ابابکر ان یصلی بالناس ''اور اس حدیث کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مات رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولم یوص ''اسی طرح امام بخاریؒ نے ترجمۃ الوفاۃ النبویۃ کے ماتحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں ''مات رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولم یستخلف ''غرض کہ ان احادیث سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے کسی کے واسطے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی لیکن عجیب بات ہے کہ جس چیز کی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ''لم یعهد الینا فی هذه الامارة شیئاً ''یعنی حضور ﷺ نے اس خلافت کے بارے میں ہم میں سے

کسی کو وصیت نہیں فرمائی کے الفاظ سے تردید فرمارہے ہیں شیعہ لوگ اسی کی نسبت انہیں کی طرف کررہے ہیں۔

ع بریں عقل ودانش بباید گریست

بظاہر یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم وتکریم کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ان کی کوئی قدر نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آپ کی بلند شجاعت اور صلابت فی الدین کے باوجود مداھنت وتقیہ اور طلب حق پر قادر ہوتے ہوئے اس سے اعراض کرنے کا الزام لگادیا ہے حالانکہ یہ واقع کے بالکل خلاف ہے غرض کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاف انکار کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ خلافت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی کوئی وصیت نہیں فرمائی البتہ خلافت کے علاوہ کچھ دوسری چیزوں کے متعلق وصیت فرمانے کا ذکر احادیث میں آیا ہے جس کی تفصیل فتح الباری وغیرہ میں موجود ہے۔

حدیث باب میں طست کا لفظ آیا ہے اس کی اصل طس ہے دوسرے سین کو تاء سے بدل کر طست بنالیا گیا ہے تانبے کے برتن کو کہتے ہیں، یہ حدیث صحیح بخاری میں ''باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ'' اور کتاب الوصایاء میں دونوں جگہ آئی ہے لیکن وہاں صرف فدعا بالطست کے الفاظ ہیں لیبول کا لفظ مذکور نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ برتن تھوکنے کے لئے منگایا تھا فتح الباری میں لیتفل کا لفظ موجود ہے لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں واضح طور پر لیبول کا لفظ وارد ہوا ہے کہ وہ خود فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب سے فراغت کے لئے طست منگایا تھا تو پھر معلوم نہیں حافظ ابن حجرؒ نے فدعا بالطست کے تحت اس کی توجیہ میں لفظ حدیث کو چھوڑ کر اپنی طرف سے لیتفل کا لفظ کیوں اختیار کیا ہے۔

بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے جو اس حدیث میں مذکور ہے امت کے لئے سہولت اور آسانی کا راستہ کھل گیا خصوصاً عذر اور مجبوری کی حالت میں کسی برتن میں پیشاب وغیرہ کرکے اس کو باہر ڈال دینے کا جواز اس سے معلوم ہوتا ہے ورنہ امت کو بڑی دشواری اور تکلیف پیش آتی۔

كراهية البول فى الجحر

بل اور غار کے اندر پیشاب کرنے کی کراہت کا بیان

اخبرنا عبيدالله بن سعيد قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني ابى عن قتادة عن عبد الله بن سرجس ان نبى الله صلى الله عليه وسلم قال لا يبولن احدكم فى جحر قالوا لقتادة ومايكره من البول فى الجحر قال يقال انهامساكن الجنّ.

حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں پیشاب نہ کرے قتادہ سے لوگوں نے پوچھا سوراخ میں پیشاب کرنا کیوں مکروہ ہے انہوں نے جواب دیا کہا جاتا ہے کہ ان سوراخوں میں جنات رہتے ہیں۔

عن عبد الله بن سرجس: لفظ سرجس سین کے فتح راء کے سکون اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے علیت اور عجمہ کی

وجہ سے اس کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے، یہ مزنی ہیں اور بنی مخزوم کے حلیف تھے اور صحابی ہیں بصرہ میں سکونت اختیار کی اس حدیث کو حضرت قتادہ نے ان سے روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت قتادہ کا سماع ان سے ثابت ہے جیسا کہ شیخ ولی الدین وغیرہ نے فرمایا کہ اگرچہ امام احمد بن حنبلؒ نے قتادہ کے سماع کی حضرت عبداللہ بن سرجس سے نفی کی ہے لیکن ابوزرعہ اور ابوحاتم نے سماع ثابت کیا ہے، اس کو علامہ سیوطیؒ نے زہر الربی میں اور علامہ سندھیؒ نے حاشیہ نسائی میں نقل کیا ہے۔

لا یبولن احدکم فی جحر : یہ بھی پیشاب کے آداب میں سے ہے کہ سوراخ میں پیشاب نہ کرے اس لئے کہ سانپ بچھو وغیرہ وہاں سے نکل کر ایذاء پہنچائیں گے نیز اگر اس میں چیونٹی وغیرہ کمزور جانور ہوں تو وہ مرجائیں گے اور بعضوں نے کہا کہ وہاں جنات رہتے ہیں چنانچہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن عُبادہ خزرجی نے زمین حوران میں ایک سوراخ میں پیشاب کیا تو ان کو جنوں نے مار ڈالا اور یہ شعر پڑھتے تھے

نحن قتلنا سیّد الخزرج سعد بن عبادہ ورمیناہ بسھمین فلم نخط فؤادہ

(واللہ اعلم بالصواب)

قال یقال انھا مساکن الجنّ : قال میں جو ضمیر ہے حضرت قتادہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جب لوگوں نے قتادہ سے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے تو انہوں نے اس کی وجہ '' انھا مساکن الجن'' بتائی یعنی اس میں حواس انسانی سے پوشیدہ چیزیں رہتی ہیں یہاں لفظ جن سے مراد صرف احد الثقلین یعنی جنات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہو کہ حشرات الارض اور زہریلے سانپ بچھو وغیرہ سب کو شامل ہے اور انھا کی ضمیر مؤنث افراد جنس کے اعتبار سے ہے یا تو خبر کی رعایت کر کے ضمیر مؤنث استعمال کی ہے، بہر حال کراہت کی وجہ یا تو وہ ہے جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی یا تو اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سوراخ میں سے زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ نکل کر ضرر پہنچائیں گے لہٰذا سوراخ میں پیشاب کرنے سے احتراز کرنا چاہئے لیکن بعض حضرات نے کہا کہ اگر سوراخ پیشاب ہی کے لئے بنایا گیا ہو تو اس میں پیشاب کرنا درست ہے۔

النھی عن البول فی الماء الراکد

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ نھی عن البول فی الماء الراکد.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

انہ نھی عن البول الخ : یہاں ماء راکد سے قلیل پانی مراد ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک ہوجاتا ہے پھر اس

سے نہ غسل ہو سکے گا اور نہ وضو اس لئے رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کردی ہے اور اگر پانی کثیر ہو تو وہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا لیکن اگر متغیر ہو جائے یعنی رنگ ومزہ اور بو بدل جائے تو وہ پانی ناپاک ہو کر نا قابل استعمال ہو جائے گا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر پانی کثیر بھی ہو اور پیشاب وغیرہ سے فی الفور ناپاک نہیں ہوتا ہے پھر بھی اس میں پیشاب وغیرہ کرنا ادب کے خلاف ہے اس لئے کہ شاید اس کے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ پیشاب کریں گے جس سے عادت پڑ جائے گی اور رفتہ رفتہ پانی میں تغیر آ جائے گا اس لئے رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت سدّ اللباب یعنی لوگوں پر بند پانی میں پیشاب کرنے کا راستہ بند کرنے کے لئے اور مستقبل میں متغیر ہو جانے کے اندیشہ سے کی گئی ہے تو تقدیر اول پر نہی تحریم کے لئے ہے اور تقدیر ثانی پر کراہت کے لئے اب رہی یہ بات کہ قلیل اور کثیر کی حد کیا ہے تو اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔

كراهية البول فى المستحم

غسل خانہ میں پیشاب کی کراہت کا بیان

اخبرنا علی بن حجر حدثنا ابن المبارک عن معمر عن الاشعث بن عبدالملک عن الحسن عن عبدالله بن مغفل عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یبولن احد کم فی مستحمه فانّ عامة الوسواس منه.

اشعث بن عبد الملک نے حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے اس لئے کہ اکثر وساوس اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

عن الاشعث بن عبد الملک الخ :امام نسائیؒ نے حسن بصریؒ سے روایت کرنے والے راوی کا نام اشعث بن عبدالملک بتایا ہے حالانکہ یہاں پر والد کا جو نام لیا گیا وہ صحیح نہیں ہے بظاہر یہ کاتب کی غلطی سے اندارج ہو گیا ہے جیسا کہ میزان میں حافظ ذہبیؒ کا کلام اس پر دلالت کرر ہا ہے اور صحیح وہی ہے جو علامہ سیوطیؒ نے شرح میں لکھا ہے کہ اس راوی کا نام اشعث بن عبد اللہ بن جابر الحدانی الازدی البصری ہے امام نسائی وغیرہ نے اسکی توثیق کی ہے، اور اشعث کا سماع اپنے استاد حسن بصریؒ سے ثابت ہے اور احکام عبدالحق میں یہ جو نقل ہوا ہے کہ اشعث کا سماع حسن بصریؒ سے ثابت نہیں ہے اس کے بارے میں شیخ ولی الدین عراقی نے کہا کہ یہ غیر صحیح ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے اور شیخ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت عبداللہ بن مغفل سے حدیثوں کا سماع کیا ہے۔

لا یبولن احدکم فی المستحم الخ:لفظ مستحم حاء کے فتح اور میم کے تشدید کے ساتھ ہے لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گرم پانی سے غسل کیا جاتا ہے پھر مطلق مغتسل یعنی غسل خانہ کے لئے استعمال ہونے لگا ابوداؤد میں لفظ فی مستحمہ

کے بعد اختلاف الفاظ کے ساتھ امام احمد کی روایت میں ''ثم یتوضاء فیه '' اور حسن بصریؒ کی روایت میں ''ثم یغتسل فیه '' آیا ہے ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ درست یہی ہے کہ آگے آنے والے ارشاد ''فان عامة الوسواس منه '' میں جس علت نہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ''لا یبولن '' نہی کا تعلق غسل خانہ میں پیشاب کرنے پھر اس میں غسل کرنے یا وضو کرنے دونوں چیزوں کے مجموعہ سے ہے کیونکہ دل میں وسوسہ دونوں چیزوں کے جمع کرنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ نہیں اسی لئے اگر کسی نے غسل خانہ میں پیشاب کیا پھر اس کے بعد اس میں غسل نہیں کیا یا شروع میں غسل کرلیا اور اس میں پیشاب ہی نہیں کیا تو یہ صورتیں ''لا یبولن '' کی ممانعت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے جائز ہوں گی۔

بہر حال بقرینہ تعلیل مذکور وساوس کا اصل سبب دونوں چیزوں کا جمع کرنا ہے کہ پہلے غسل خانہ میں پیشاب کرے پھر اس کے بعد اسی جگہ میں جو پیشاب کی وجہ سے ناپاک ہوگئی غسل یا وضو کرے جس سے وسوسہ نفسانی پیدا ہوتا ہے کہ شاید چھینٹیں پڑیں ہوں پھر وہ رفتہ رفتہ دل میں جم جاتا ہے جو باعث تشویش ہے اور اس سے محفوظ رہنے کی وہی تدبیر ہے جسکی پیغمبر علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے پھر اسی جگہ غسل یا وضوء بھی کرے کیوں کہ اس سے وساوس پیدا ہوتے ہیں جو باعث تشویش ہیں۔

لیکن اگر غسل خانہ کی زمین ایسی ہو کہ اس میں نہانے سے چھینٹیں لوٹ کرنہ آتی ہوں یا اس میں سوراخ بنا ہوا ہو جس سے سارا پیشاب باہر نکل جاتا ہو تو ایسے غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ پہلی صورت میں جب رشاش لوٹ کر بدن پر پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے تو غسل خانہ میں پیشاب سے کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوگا اور دوسری صورت میں تھوڑا سا پانی اس زمین پر بہا دینے سے وہ پاک ہوجائے گی اس کی تائید علی بن محمد الطنافسی کے قول سے ہوتی ہے جو ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ''انما هذا فی الحفیرة فاما الیوم فمغتسلا تهم الجص والصاروج والقیر فاذا بال فارسل علیه الماء لابأس به '' یعنی غسل خانہ میں پیشاب کرنے کے بعد اس میں غسل کرنے اور وضو کرنے سے وساوس پیدا ہونے کا بیان جو حدیث میں آیا ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ زمین کچی اور نرم ہو اور اس میں پانی نکلنے کا راستہ نہو بلکہ غسل خانہ میں ٹھہرا رہتا ہو یا زمین جذب کرلیتی ہو تو بیشک اس کا یہ عمل وسوسہ کا سبب بنے گا لیکن چونکہ اس دور میں غسل خانہ کی زمین چونے وغیرہ سے پختہ کی ہوئی ہوتی ہے اور پتھروں کا فرش لگایا جاتا ہے اس لئے اگر اس میں پیشاب کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جب اس پر پانی ڈال دیا جائے گا تو پانی کے ساتھ باہر نکل جائے گا، اسی طرح امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے بھی مسئلہ مذکورہ کی تائید ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں '' قد وسع فی البول فی المغتسل اذا جری الماء فیه '' یعنی جب غسل خانہ کا فرش پکا ہو اور اس میں پیشاب کے بعد اس پر پانی بہا دینے سے نکل جانے کی جگہ بھی ہو تو اس میں پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

اس موقعہ پر غایۃ المقصود والے نے اور ان کی موافقت کرتے ہوئے صاحب عون المعبود نے کہا کہ اولی یہی ہے کہ مغتسل یعنی غسل خانہ کو کچا اور نرم ہونے اور پکا اور سخت ہونے کے ساتھ مقید نہ کیا جائے کیوں کہ وسوسہ دونوں قسم کے غسل خانوں

میں پیشاب کرنے سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا غسل خانہ میں مطلقاً پیشاب کرنا جائز نہیں ہوگا، ان کا یہ قول درست نہیں کیوں کہ ان کے پیشوا اور امام علامہ شوکانیؒ نے کہا کہ سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے لئے سوراخ بنایا گیا ہو جس سے وہ باہر نکل جاتا ہے تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کے امام خود علامہ شوکانی بھی مغتسل کو پختہ و ناپختہ کے ساتھ مقید کرنے کے قائل ہیں کہ اگر پختہ ہو اور سوراخ بھی ہو تو اس میں پیشاب کرنا جائز ہے اور اگر نرم و کچی زمین ہو تو اس میں مکروہ ہے لہٰذا ان دونوں صاحبان کا قول کسی طرح درست نہیں اور حدیث باب میں غسل خانہ میں پیشاب سے ممانعت کا جو حکم فرمایا گیا ہے وہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

السلام علیٰ من یبول

ایسے شخص کو سلام کرنا جو پیشاب کر رہا ہو

اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا زید بن الحباب وقبیصة قالا حدثنا سفیان عن الضحاک بن عثمان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال مرّ رجلٌ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یبول فسلم علیه فلم یردّ علیه السلام.

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے اُدھر سے ایک آدمی کا گذر ہوا تو اس نے آپ کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

فلم یرد علیه السّلام: یعنی پیغمبر علیہ السلام پیشاب میں مشغول تھے اس لئے اس شخص کے سلام کا جواب نہ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی حالت میں کوئی شخص سلام عرض کرے تو باوجودیکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن ایسی حالت میں وہ سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق نہیں ہے اور نہ جواب دینا ضروری ہے لہٰذا جو شخص پیشاب میں مشغول ہو اسے سلام نہ کرنا چاہئے اور فقہاء حنفیہ وغیرہ نے بحالت پیشاب سلام کو مکروہ کہا ہے اس کے علاوہ بعض اور مواقع پر بھی سلام کرنا مکروہ ہے چنانچہ ان کی تفصیل صدر الغزی کے نظم میں جسے صاحب درالمختار نے نقل کیا ہے مذکور ہے۔

سلامک مکروہ علیٰ من ستسمع	ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع
مصل وتال وذاکر ومحدث	خطیب ومن یصغی الیهم ویسمع!
مکرر فقه جالس لقضائه	ومن بحثوا فی الفقه دعهم لینفعوا
مؤذن ایضاً او مقیم مدرس	کذا اجنبیات الفتیات امنع
ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم	ومن هو مع اهل لهٗ یتمتع !
ودع کافرًا ایضًا ومکشوف عورة	ومن هو فی حال التغوط اشنع
ودع آکلاً الا اذا کنت جائعاً	وتعلم منه انهٗ لیس یمنع !

اور بحالت بول سلام کی کراہت اس وجہ سے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایسے وقت میں سلام دینے کی ممانعت فرمادی ہے جس کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک شخص کا گذر حضور اکرم ﷺ کے پاس سے ہوا اس وقت آپ پیشاب میں مشغول تھے، ''فسلم علیه ''یعنی اس شخص نے سلام عرض کیا'' **فقال لهٔ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رأیتنی مثل هٰذه الحالة ، فلا تسلم علی ان فعلت ذالک لم ارد علیک** ''تو اس سے معلوم ہوا کہ بحالت بول سلام کی کراہت حضور کے منع کرنے کی وجہ سے ہے لہٰذا ایسی حالت میں سلام کرنے سے احتراز کرے اور قضائے حاجت کی حالت میں سلام کا جواب دینا بھی مکروہ ہے جس کی طرف ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے اشارہ کررہی ہے کہ قضائے حاجت کے وقت کشف عورۃ ہوتا ہے اور ایسی حالت میں کلام کرنا مکروہ ہے اور جب گفتگو کرنا مکروہ ہے تو تعری کی حالت میں ذکر اللہ یعنی سلام کا جواب دینا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا یہاں پر اگر یہ اشکال کیا جائے کہ حدیث باب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''**کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانه** '' کے مخالف ہے (رواہ مسلم) یعنی نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ہٰذا میں جو لفظ احیان وارد ہوا ہے اس سے مراد طہارت اور حدث یعنی بے وضو کی حالت ہے نہ کہ کشفِ عورۃ اور پائخانہ کی حالت اب حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ ہر حالت میں خواہ طہارت کی ہو یا بے وضو کی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوتے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ پاخانہ اور کشفِ عورۃ کی حالت میں ذکر کرتے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں غور و فکر کرنا یہ کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ جب بحالت بول آپ کو اس شخص نے سلام دیا تو فوراً اس کا جواب نہ دینا تادیب کی غرض سے تھا تا کہ آئندہ ایسے موقع پر سلام سے احتراز کرے اب ''**فلم یرد علیه السلام** '' کا مطلب یہ ہوگا کہ اسی وقت سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ تاخیر سے دیا ہے جیسا کہ مہاجر بن قنفذ کی حدیث جو آگے آرہی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے اور تاخیر سے جواب دینا اس شخص کی تادیب کے لئے کافی ہے۔

رد السلام بعد الوضوء

وضو کے بعد سلام کا جواب دینا

اخبرنا محمد بن بشار حدثنا معاذ بن معاذ قال حدثنا شعبة عن قتادة عن الحسن عن حضین ابی ساسان عن المهاجر بن قنفذ انهٔ سلم علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو یبول فلم یرد علیه السلام حتی ضأ فلما توضأ رد علیه.

حضین ابی ساسان مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کیا اس وقت

آپ پیشاب کرر ہے تھے اس لئے سلام کا جواب نہیں دیا پھر آپ نے وضو کیا اور سلام کا جواب دیا۔

عن حضین ابی ساسان: راوی حدیث حضین کے والد کا نام منذر بن حارث الرقاشی ہے، رقاش بنت قیس بن ثعلبہ کی طرف نسبت کر کے رقاشی کہتے ہیں، ابو ساسان انکا لقب ہے اور ابو محمد ان کی کنیت ہے بصری ہیں جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا انہی کے ہاتھ میں دیا تھا ان کا انتقال ۱۰۰ھ کے شروع میں ہوا امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن خراش نے انہیں صدوق کہا اور ابن حبان نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

عن المهاجر بن قنفذ: لفظ قنفذ ضمہ قاف اور فاء کے ساتھ ہے یہ عمیر بن جدعان بن عمرو التیمی القرشی کا بیٹا ہے اور مہاجر کے والد کا نام ہے، علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ لفظ مہاجر اور قنفذ دونوں لقب ہیں اور اصل نام مہاجر کا عمرو اور قنفذ کا نام خلف ہے اور عسکری نے الصحابۃ میں بواسطہ حسن بصریؒ نقل کیا ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو مشرکوں نے ان کو پکڑ لیا اور ایک اونٹ پر رسی سے مضبوط باندھا پھر ایک چابک ان کو اور ایک اونٹ کو مارتے تھے، بہر حال وہ کسی طرح سے بچ نکلے اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا" هذا المهاجر حقا "ابن سعد وغیرہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن قنفذ کو اپنے دور خلافت میں محکمہ پولیس کا حاکم مقرر کیا تھا۔

حتى توضأ فلما توضأ رد عليه: یعنی جس وقت مہاجر قنفذ رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اس وقت آپ پیشاب میں مشغول تھے اس لئے ان کو سلام کا جواب نہیں دیا بعد ازاں چونکہ پیغمبر علیہ السلام باوضو نہیں تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ جانا کہ بغیر وضو خدا کا نام لیں کیوں کہ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا پڑتا ہے اور حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ سلام باری تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وضوء فوراً جواب نہیں دیا بلکہ آپ نے وضو فرمایا پھر ان کو سلام کا جواب عنایت فرمایا۔

نسائی کی یہ روایت مختصر ہے تفصیلی روایت ابوداؤد میں ہے اس میں آیا ہے" ثم اعتذر اليه قال انى كرهت ان اذكر الله الا على طهر "یعنی جواب عنایت فرمانے کے بعد یہ عذر بھی بیان فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند معلوم ہوئی کہ غیر طہارۃ کی حالت میں اللہ کا ذکر کروں اس لئے وضوء کے بعد جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو کوئی بسبب عذر کے فوراً سلام کا جواب دینے سے قاصر ہو تو مستحب ہے کہ اس کو بعد ازاں بیان کردے تاکہ تکبر کی طرف منسوب نہ کیا جاوے یہاں دو قصے بیان ہوئے ہیں ایک تو مہاجر بن قنفذ کا ہے دوسرے کا ذکر اسی عنوان سے متصل سابق عنوان کے ماتحت حضرت ابن عمر کی روایت میں ہو چکا ہے آگے باب التیمم میں تیسرا واقعہ ابوجہیم رضی اللہ عنہ کا آرہا ہے اب سوال یہ ہے کہ تینوں واقعات الگ الگ ہیں تینوں ایک ہی ہیں اس بارے میں مجھے کافی تردد رہا پھر ایضاح البخاری میں علامہ سید فخر الدین احمدؒ کی تقریر نظر سے گذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل شدہ واقعہ اور وہ واقعہ جو آگے حدیث ابی جہیم میں آرہا ہے الگ الگ ہے چنانچہ وہاں باب التیمم فی الحضر کے ماتحت حضرت ابوجہیم کا واقعہ نقل کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ بھی کہ سلام کرنے والے نے اس وقت سلام کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب میں مشغول تھے لیکن آیا یہ روایت اور وہ روایہ

(روایتِ ابوجہیم) الگ الگ ہیں یا ایک ہی ہیں اس سلسلہ میں محدثین کرام نے بڑی بحثیں کی ہیں اورآخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ یہ دونوں روایات الگ الگ ہیں۔

اسی طرح علامہ بنوریؒ کا میلان ورجحان بھی الگ الگ واقعات ہونے کی طرف ہے آپ نے معارف السنن (۲۱۸/۱) میں لکھا ہے کہ عمدۃ القاری (۲/۱۶۷و۱۶۸) میں نقل کردہ احادیث الباب وطرق ومخارج کے پیش نظر مجھے واضح اور یقینی طور سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ابوجہیم کا واقعہ حدیث ابن عمر کے واقعہ سے الگ ہے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ شاید حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی واقعۂ مہاجر بن قنفذ ہو بلکہ عمدۃ القاری میں اور بھی واقعات ہیں جو کوئی چاہے وہاں دیکھ لے۔

اس کے بعد دوسری بحث یہ ہے کہ حدیث باب میں وہو یبول کا لفظ وارد ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والے نے اس وقت سلام کیا تھا جب حضور ﷺ پیشاب میں مشغول تھے آپ نے اس وقت جواب نہ دیا یہاں تک کہ فراغت کے بعد وضو کیا پھر ان کو سلام کا جواب دیا اور یہی لفظ یعنی وہو یبول ابوداؤد اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی آیا ہے لیکن اس کے برعکس مسند احمد، امام طحاوی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں وہو یتوضاء کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والے نے بحالت وضو ہی سلام عرض کیا تھا اب بظاہر روایات میں تعارض ہے کہ آیا سلام بحالت بول کیا تھا یا بول سے فراغت کے بعد وضو کے وقت، محدثین کرام نے اس کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ چونکہ صحیح مسلم میں بروایت نافع عن ابن عمر وہو یبول کا لفظ وارد ہوا ہے اس لئے روایات بول کو ترجیح دی جائے گی، یا دو واقعات مختلفہ پر حمل کیا جائے گا کیوں کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سلام کا جواب تیمّم کر کے دیا ہے اور اسی کو صاحب امانی الاحبار نے اولیٰ قرار دیا ہے اور اگر صورت ترجیح کو اختیار کیا جائے تو پھر وہو یتوضاء والی روایت کو بول پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ بول مقدمات وضو میں سے ہے۔ ''کما قال العلامة السندیؒ فی حاشیة ابن ماجه''

اور شیخ عبدالغنیؒ نے انجاح الحاجۃ فی حاشیۃ ابن ماجہ میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بطریق استعارہ توضی سے مراد بول ہو کیوں کہ استعارہ سبب ومسبب وغیرہما کے درمیان مناسبات میں سے ہے اور یہاں مناسبت ظاہر ہے لہٰذا اب روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

یہاں ایک اور اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ حدیثِ باب بدون طہارۃ کے ذکر اللہ کی کراہت پر دلالت کرتی ہے حالانکہ اس کے برعکس حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بدون طہارۃ کے ذکر اللہ کا جواز معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''انهٗ ای النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا خرج من الخلاء یقول غفرانک'' حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم وابوحاتم وابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''کان یقول اذا خرج من الخلاء الحمدلله الذی اذهب عنی الاذیٰ وعافانی (اخرجه ابن ماجه) تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد آپ دعا مذکور پڑھتے تھے حالانکہ اس پیغمبر علیہ السلام نہ باوضو ہوتے تھے اور نہ باتیمم؟ اس تعارض کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود میں یہ

کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وقت کے ساتھ مختص ہے دوسرا وقت کے ساتھ مختص نہیں ہے تو جو ذکر وقت کے ساتھ مختص ہے اسے اپنے وقت مخصوص ہی میں بجالانا مستحب ہے خواہ طہارۃ کی حالت ہو یا غیر طہارت کی حالت میں اب پیغمبر ﷺ کا وہ عمل جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں نقل کیا ہے کہ آپ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد بدون وضوء یا تیمم کے ''غفرانک یا الحمد للہ الذی اذھب الخ '' پڑھ لیا کرتے تھے یہ قسم اول میں داخل ہے کہ ایسے ذکر کو اسی کے وقت مخصوص میں گو غیر طہارت کی حالت میں ہو پڑھ لینا افضل ہے اس کے لئے وضوء یا تیمم تک توقف نہیں کیا جائے گا لیکن سلام کا جواب اس کے فوراً بعد دینا ضروری نہیں بلکہ وضوء یا تیمم تک جواب کو مؤخر کر دینا جائز ہے البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ سلام کا جواب فوت نہ ہونے پائے اور اگر سلام کا جواب فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو مثلاً سلام کرنے والا شخص چلا جا رہا ہو تو ایسے وقت میں بدون طہارۃ کے جواب دیدے تاکہ سلام کا قرض اپنے ذمہ باقی نہ رہ جائے لیکن اگر اس طرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر سلام کے جواب دینے کا افضل طریقہ جو حدیث باب سے مفہوم ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ وضوء یا تیمم کر کے دیا جائے۔

اس تقریر مذکور کے مطابق دونوں قسم کے ذکر کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور الحمد للہ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہو گئی۔

النهى عن الاستطابة بالعظم

ہڈی سے استنجاء کی ممانعت کا بیان

اخبرنا احمد بن عمرو بن السرح قال انا ابن وهب قال اخبرني يونس عن ابن شهاب عن ابى عثمان بن سنة الخزاعى عن عبد الله ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان ستطيب احدكم بعظم او روث.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ہڈی اور سے استنجاء نہ کرے۔

نهى ان يستطيب احدكم الخ: آپ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا منع ہے راس چیز سے جو ان کے حکم میں آتی ہیں درالمختار میں ہے کہ ہڈی طعام اور گوبر سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے، دوسری روایت ں نہی کی وجہ بھی بیان فرمادی گئی چنانچہ ارشاد ہے ''انهما لا يطهران '' یعنی ہڈی اور گوبر سے صفائی کا مقصد حاصل نہیں ہ بلکہ تلویث ہوتی ہے معلوم ہوا کہ اس میں ہڈی اور گوبر کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے محل نجاست کی تطہیر نہ استنجاء کے لئے استعمال کرنا بے سود ہے، گوبر سے تلویث تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے ں رکس یا رجس فرمایا ہے البتہ اگر وہ خشک ہو کر سخت ہو جائے تو اس سے ازالۂ نجاست ہو سکتا ہے اور بوجہ حاصل ہونے اصفائی کے اس سے استنجاء کرنا مع الکراہت درست ہوگا اور ہڈی اگر پرانی ہو اور اس کی چکنائی ختم ہو گئی ہو تو اس سے

استنجاء کرنے میں قباحت نہیں ہے جیسا کہ ابن جریر طبری کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ کی ایک سوکھی ہڈی تھی آپ اس سے استنجاء کرتے "انَّ عمر بن الخطاب کان لہٗ عظم یستنجی بہ ثم یتوضاء ویصلی" لیکن ضروری یہ ہے کہ وہ تکلیف دہ نہ ہو اور اگر اس سے جسم پر خراش وغیرہ کا اندیشہ ہو تو اس کا استعمال درست نہ ہوگا اسی طرح جتنی ضرر رساں چیزیں ہیں مثلاً چونا یا پکی نوک دار اینٹ وغیرہ انکا استعمال درست نہ ہوگا۔

نیز ہڈی سے استنجاء کی ممانعت کی وجہ بعض روایات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جنات کی غذا ہے چنانچہ ارشادِ گرامی ہے "ان العظم زاد اخوانکم من الجن" ہڈی کے زاد الجن ہونے کا مطلب کیا ہے اس بارے میں اصل بات وہی ہے جو حاکم نے روایت کی ہے آپ نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ یہ جن نصیبین کا وفد ہے جو میرے پاس آیا اور درخواست کی کہ ہمیں زاد یعنی توشہ دیا جائے تو میں نے اس کو عظم وروثہ اور بعرۃ کا توشہ دیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کیا کام دینگے آپ نے فرمایا کہ جنات جب اس ہڈی سے گذرتے ہیں جس کو انسان نے کھا کر ڈال دیا تو اس کے اوپر اتنا ہی گوشت پیدا کر دیا جاتا ہے جتنا کہ انسان نے اس سے کھایا تھا۔

لیکن بعض محققین نے لکھا ہے کہ پرانی ہڈیوں پر نہیں بلکہ اس کا تعلق تازہ ہڈیوں سے ہے لہٰذا نہی مذکور ان پرانی ہڈیوں کے متعلق نہ ہوگی جن کے مسامات تقادم کی وجہ سے کھل جاتے ہیں اس لئے ان سے استنجاء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر طبری کی روایت میں آچکا ہے اور حاکم نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جنات کے لئے اس روثہ میں اتنا ہی غلہ اور دانہ پیدا کر دیا جاتا ہے جتنا چوپایوں نے کھایا تھا اس لئے تم میں سے کوئی شخص عظم اور روثہ سے استنجاء نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ ہڈی اور گوبر ان کی غذا نہیں ہے بلکہ ان سے جنوں کی غذا کا تعلق ہے لہٰذا ہڈی گوبر سے استنجاء کر کے اس کو خراب نہ کیا جائے بلکہ ان کے مطعومات کا احترام کرنا چاہئے اور اس امر مذکور کی تائید بخاری کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے اس میں آیا ہے کہ "فسألونی الزاد فدعوت اللہ لھم ان لا یمرّوا بعظم ولا بروثۃ الا وجدوا علیھا طعاماً" لیکن صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر مینگنی وغیرہ ان کے چوپایوں کی غذا ہے کہ جنات نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زاد یعنی توشہ کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مذبوح کی ہڈی سے جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو تمہیں اس مقدار سے بھی زیادہ گوشت ملے گا جتنا کہ پہلے اس پر تھا "وکل بعرۃ علف لدوابکم" (۱/۱۸۴) یعنی گوبر مینگنی تمہارے دواب کی غذا ہے۔

غرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ شریعت نے حق الغیر کے احترام کا کس قدر اہتمام کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے استنجے میں جنات کے مطعومات کا استعمال کرنا ناجائز قرار دیا ہے کیوں کہ ان کے ساتھ ان کا حق وابستہ ہے لہٰذا اس کا احترام ہونا چاہئے حلیۃ میں ہے کہ جب حدیث شریف میں جنات اور ان کے دواب کی غذا سے استنجاء کی ممانعت آئی ہے تو انسان اور اس کے مویشی کی غذاء سے استنجاء کرنا بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا، شرح نقایہ میں ہے "یجوز الاستنجاء بکل جامد طاھر منق قلاع للاثر غیر موذ لیس بذی حرمۃ ولاشرف ولا یتعلق بہ حق الغیر" اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو کسی بھی اعتبار سے قابلِ احترام ہو مثلاً پہننے کا کپڑا اور قابل استعمال کاغذ وغیرہ جو کارآمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا استنجاء میں استعمال کرنا درست

نہیں ہے لیکن ہر غیر محترم پاک چیز سے جس کا نشو ونما نہ ہو جو نجاست کے ازالہ کی صلاحیت رکھتی ہو ضرور رساں نہ ہو اور اس سے حق الغیر متعلق نہ ہو استنجاء کرنا درست ہے پتھر یا ڈھیلے کی کوئی تخصیص نہیں لیکن داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ احجار کے علاوہ اور کسی چیز سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسری بحث یہ ہے کہ یہاں صحیح مسلم اور ترمذی کی روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اوپر مسلم کی روایت آچکی ہے اس میں مذبوح جانور کی قید آئی ہے لیکن ترمذی کی روایت سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے آپ نے سورۂ احقاف کی تفسیر میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**کل عظم لم یذکر اسم اللہ علیہ یقع فی ایدیکم او فر ما کان لحماً**'' اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مردار جانور کی ہڈیوں پر اس مقدار سے زیادہ گوشت پیدا کر دیا جاتا ہے جتنا پہلے اس پر تھا اس تعارض کا جواب حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ نے دیا ہے جس کو صاحب معارف السنن نے (۱/۱۲۶) میں نقل فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس تعارض واضطراب اور اس کے جواب کی طرف سوائے صاحب سیرۃ حلبیہ کے اور کسی نے توجہ نہیں دی انہوں نے اس تعارض کا جواب یہ دیا ہے کہ مسلم کی روایت میں جو مذبوح جانور کی ہڈی کا ذکر آیا ہے وہ مسلمان جنوں کے لئے ہے اور ترمذی کی روایت میں جو مردار کی ہڈی کا ذکر ہوا ہے وہ کافر جنوں کے لئے ہوگی، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب مفید نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ہی حدیث ہے، اب رہا الفاظ کا اختلاف تو وہ راویوں کے اختلاف کی بناء پر ہے لہٰذا میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں سے مسلم کی روایت کو قوۃ سند کے اعتبار سے ترمذی کی روایت پر ترجیح ہوگی یا پھر محدثین کے ایک ضابطہ یعنی حفظ کل مالم یحفظہ الاخر پر حمل کیا جائے یہ ایک اہم ضابطہ ہے جس سے ایسے مواقع پر تطبیق کی راہ نکل آتی ہے یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زبانِ رسالت نے دو یا تین ارشاد فرمائے سامعین میں سے ایک کو ایک بات یاد رہی اس نے اسے روایت کر دیا اور دوسرے کو دوسری بات یاد رہی اس نے اسے روایت کر دیا اور فی الواقع دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہوتی ہیں تو یہاں بھی یہی صورت واقع ہوئی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ ہڈی پر اللہ کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے ہر دو صورت میں وہ جنات کی غذا ہوتی ہے ایک راوی نے پہلی بات کو نقل کر دیا دوسرے راوی نے دوسری بات کو۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ احادیث متعارضہ کے درمیان جمع کے سلسلہ میں یہ ضابطہ مذکورہ بڑا کارآمد ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ محدثین نے اسے نظر انداز کر دیا ہے، اس لئے اصول حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر ہی نہیں ملتا البتہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مختلف مواضع پر اس اصول کا تذکرہ فرمایا ہے۔

النھی عن الاستطابة بالروث

لید و گوبر سے استنجاء کی ممانعت

اخبرنا یعقوب بن ابراھیم قال حدثنا یحییٰ یعنی ابن سعید عن محمد بن عجلان قال اخبرنی

القعقاع عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا لکم مثل الوالد اعلمکم اذا ذھب احدکم الی الخلاء فلا یستقبل القبلة ولا یستدبرھا ولا یستنج بیمینه وکان یامر بثلاثة احجار ونھی عن الروث والرمة.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے واسطے مثل باپ کے ہوں میں تم کو دین کی تعلیم دیتا ہوں جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ کرے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے اور تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرماتے اور منع کیا گوبر لید اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے۔

محمد بن عجلان : حدیث باب کے راویوں میں سے ہیں امام بخاریؒ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

قعقاع : ان کے والد کا نام حکیم الکنانی المدنی ہے امام احمد اور ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

ابو صالح: آپ جویریہ بنت احمس غطفانی کے مولیٰ ہیں دیانتدار اور ثقہ ہیں ان کا اصل نام ذکوان المدنی ہے اور ان کا لقب سمّان ہے۔

انما انا لکم مثل الوالد الخ: یہ پیار و محبت کا کلام ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح والد اولاد کو ادب سکھاتا ہے اس طرح میں تمہیں امور دین کی تعلیم دیتا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امت کے لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقۂ اولاد رکھتے ہیں اور آپ ان کے والد جسمانی ہیں البتہ ایک دوسری ابوۃ روحانی بے شک حاصل ہے چنانچہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور رسول روحانی مربی ہونے کی وجہ سے روحانی باپ ہوتا ہے اور آپ اس ابوۃ روحانیہ میں اس درجہ کامل ہیں کہ سب رسولوں سے افضل واکمل ہیں اور وہ رشتۂ ابوۃ روحانی چونکہ مؤبد ہے اس لئے آپ نے بلحاظ شفیق مربی روحانی کے جن امور شرعیہ کی تعلیم وتربیت فرمائی ہے ان کی شان بھی ابدی ہوگی اور ان کا اعتقاد و انقیاد فرض ہے ''انما انا لکم مثل الوالد '' میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اذا ذھب احدکم الخ :ان امور میں سے جن کی آپ نے تعلیم دی ہے ایک تو یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ میں جائے تو نہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھے اور نہ پیٹھ دیکر بیٹھے۔

دوسری چیز یہ کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے اس کی کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے تیسری یہ کہ آپ تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرماتے تھے جو بظاہر عدد ثلاث کے وجوب پر دلالت کر رہا ہے اور اس سے مسلک شوافع کی تائید ہوتی ہے وہ تثلیث کو ضروری کہتے ہیں، اس کی پوری بحث اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب اگلے عنوان کے ماتحت آرہا ہے اس حدیث میں جو احجار کی قید آئی ہے وہ تخصیص حکم کے لئے نہیں ہے کیوں کہ اصل مقصود نجاست کا ازالہ اور محل استنجاء کی صفائی

ہے اس لئے ہر جامد طاہر اور غیر محترم چیز جس سے نجاست کو محل سے دور کیا جا سکے وہ بھی پتھر ہی کے حکم میں ہے، اور حدیث میں صرف پتھر کا ذکر غالباً اس لئے ہوا ہے کہ چونکہ اس امر مذکور کے مخاطبین اہل عرب تھے اور عرب میں ہر جگہ کثرت سے پتھر ملتا تھا لہٰذا انہی کی سہولت اور آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے احجار کے ساتھ استنجاء کا حکم فرمایا ورنہ ارشاد مذکور کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ استنجے صرف احجار کے ساتھ جائز ہیں اور کسی چیز سے جائز ہی نہیں۔

صاحب منتقی نے کہا کہ حدیث میں جو پتھر کا ذکر آیا ہے اس سے شارع علیہ السلام کی مراد حجر اور ہر وہ چیز ہے جس سے حصول انقاء ہو سکے اور اگر یہی مراد نہ ہو تو پھر عظم اور روث کو استثناء کرنے کا کوئی مطلب حاصل نہ ہوگا (یعنی اگر استنجاء کے لئے صرف حجر ہی متعین ہو تو آپ صرف عظم اور روث کو مستثنیٰ نہ فرماتے بلکہ حجر کے علاوہ دوسری چیزوں یعنی مٹی کے ڈھیلے وغیرہ کے استعمال کو بھی علی الاطلاق منع فرما دیتے غرض کہ عظم اور روث کو مستثنیٰ کر کے اس سے استنجاء کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی مراد حجر سے وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی) نیز ہڈی اور روث سے استنجاء کی ممانعت کی جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جنات کی غذا ہے صحیح نہیں ہوگی حالانکہ آپ نے صحیح روایت کی روشنی میں ممانعت کی یہی وجہ فرمائی ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

النھی عن الاکتفاء فی الاستطابۃ باقل من ثلثۃ احجار

استنجاء میں تین ڈھیلوں سے کم پر کفایت کرنے کی ممانعت

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابراھیم عن عبدالرحمن بن یزید عن سلمان رضی اللہ عنہ قال قال لہ رجل ان صاحبکم لیعلمکم حتی الخراءۃ قال اجل نھانا ان نستقبل القبلۃ بغائط اوبول او نستنجی بایماننا اونکتفی باقل من ثلثۃ احجار۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک مشرک شخص نے کہا کہ تمہارے صاحب (حضور ﷺ) تم کو ہر چیز سکھلاتے ہیں یہاں تک کہ پائخانہ میں بیٹھنے کے طریقے کی بھی تعلیم دیتے ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں ہم کو منع کیا ہے اس بات سے کہ ہم پائخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھیں یا دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں یا تین پتھروں سے کم پر کفایت کریں۔

عن سلمان: آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے رسول اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے کہ یہود سے انکو خرید ا اور آزاد کر دیا اور وہ شرفا صحابہ میں سے تھے اور ان تین شخصوں میں سے ایک ہیں جن کے لئے جنت مشتاق ہے ان کی اصل فارس سے ہے قوم رام ہرمز سے جو ابلق گھوڑے پوجتے تھے اور وہ دین کی طلب میں رہتے تھے تو اول دین نصرانیت اختیار کیا اور کتابیں پڑھیں اور پے در پے مشقتوں پر صبر کیا پھر ان کو ایک قوم عرب نے پکڑ لیا اور یہود کے ہاتھ بیچ دیا اور کہتے ہیں کہ وہ دس سے اوپر دس شخصوں کی ملک میں آئے حتی کہ نوبت بنوبت نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے جب آپ مدینہ میں رونق افروز ہوئے اور اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ نے

ان کے بارے میں ''سلمان من اھل البیت'' فرمایا اور ان کی عمر بڑی طویل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ تین سو پچاس برس کی تھی اور بعض کہتے ہیں اڑھائی سو برس اور یہی صحیح ہے آپ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے مدائن میں ۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی اور ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ (کذا فی المرقاۃ)

قال قال لہ رجل: اول قال کا فاعل عبد الرحمٰن بن یزید ہے جنہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ابن معین اور ابن سعد وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا، اور ثانی قال کا فاعل رجل ہے اور لہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہے جن کے ساتھ اس شخص نے ''ان صاحبکم لیعلمکم حتی الخراءۃ'' طنزیہ کلمات سے تمسخر کیا تھا یہ شخص مشرکین میں سے تھا جو ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اس میں'' من المشرکین '' ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایسی بے سلیقہ کی بات کہنے والا مشرک ہی تھا۔

حدیث میں لفظ خراءۃ آیا ہے اس کو خاء مکسورہ اور راء کے زبر اس کے بعد مدوالا الف کے ساتھ پڑھنا چاہئے جس کے معنی قضائے حاجت کے وقت بیٹھنے کے طریقے ہیں علامہ سیوطی نے اپنی شرح میں علامہ خطابی کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ عوام الناس اس لفظ کو خاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جو صحیح نہیں کیوں کہ اس سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں لہٰذا اسے خاء مکسورہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے لیکن علامہ سندھی نے صحاح کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ خریٔ خراءۃ باب سمع سے ہے جو کرہ کراہۃً کے ہم وزن ہے لہٰذا اسے خاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح ہے، شرح مسلم میں ہے کہ لفظ خراءۃ خاء کے زیر اور الف ممدودہ اور تاء کے ساتھ ہے کہ فعل حدث کو اور کسرہ اور فتح اور مد کے ساتھ بدون تاء کے نفس حدث کو کہتے ہیں جوہری نے کہا ہے کہ خاء کے زبر کے ساتھ مصدر ہے اور کسرہ کے ساتھ اسم ہے، ھیأۃ حدث کو کہتے ہیں۔

قال اجل: اخفش نے کہا کہ اجل اور نعم دونوں حرف ثبوت اور نفی کی تصدیق کے لئے آتے ہیں اس لئے حرف تصدیق کہلاتے ہیں لیکن خبر میں اجل کا استعمال نعم سے زیادہ بہتر ہے اور استفہام میں نعم کا استعمال اجل سے زیادہ بہتر ہے۔

غرض جب اس مشرک نے بقصد استہزاء یہ بات کہی کہ تمہارے نبی تم کو ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی بھی تعلیم دیتے ہیں حتی کہ قضاء حاجت کے وقت قعود کے طور طریق کی بھی تعلیم دیتے ہیں یہ بھی کوئی دین ہے جس کو تم نے قبول کیا ہے اس کی اس نازیبا حرکت پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا حق تھا کہ اس کو زجر و توبیخ فرماتے یا بالکل جواب ہی نہ دیتے لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی ناشائستہ بات سے صرف نظر کرتے ہوئے نہایت خوش اسلوبی سے اس کو جواب دیا جس طرح ایک مرشد کامل مخلص سائل کے جذبۂ طلب کو بھانپ کر فائدے کی چیزیں بتلا دیا کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی برکت سے جو دین ملا ہے وہ ایک جامع دین ہے اس میں بڑی چھوٹی جتنی بھی، دین کی باتیں ہیں ہمارے نبی ان سب کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ بول و براز کے آداب بھی سکھائے ہیں لہٰذا یہ اس بات کی سچی پکی دلیل ہے کہ ہمارا دین کامل ومکمل ہے اور جس دین کی یہ شان ہے اس پر طعن و تشنیع کرنا اور اس کا ہنسی مذاق اڑانا جس طرح تم کرتے ہو مبغوض ہے بلکہ وہ دین حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے لہٰذا عناد اور مخالفت چھوڑ دو اور طریق مستقیم کو اختیار کرو تا کہ تمہارے ظاہر

وباطن کفروشرک کی گندگیوں سے پاک وصاف ہوجائیں پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان امور کا ذکر فرمایا جن کی نبی کریم ﷺ نے قضائے حاجت کے وقت ممانعت فرمادی ان میں اول دونوں امر کی تشریح پیچھے ہوچکی ہے تیسری چیز کہ استنجاء میں تین احجار کا عدد ضروری ہے یا نہیں یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے امام شافعیؒ وامام احمد واسحٰق بن راہویہ اور ابوثور کے نزدیک استنجاء میں انقاء محل کے ساتھ تثلیث یعنی تین ڈھیلوں کا ہونا ضروری ہے ان کی ایک دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو اوپر والے عنوان کے تحت نقل کی گئی ہے اس میں ''وکان یأمر بثلاثة احجار'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ تثلیث شرط ہے دوسری دلیل حدیث باب ہے اس میں ''اونکتفی باقل من ثلثه احجار'' کے الفاظ آئے ہیں اس روایت میں تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا گیا ہے طرز استدلال یہ ہے کہ اگر کوئی عدد معین کا شریعت میں اعتبار نہ ہوتا تو بصیغۂ امر یا نہی اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی معلوم ہوا کہ استنجاء میں تین کا عدد بھی مطلوب ہے اگر چہ مقصود یعنی انقاء محل تین عدد سے کم ڈھیلوں سے حاصل ہوجائے ان حضرات نے اپنے قول کی توثیق وتقویت میں ایک نظیر یہ پیش کی ہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ حیض کے مسئلہ میں تین حیض کا عدد مطلوب ہے اگر چہ رحم کی پاکی وصفائی کا مقصد ایک ہی حیض سے حاصل ہوجاتا ہے لیکن شریعت کی نظر میں تین کا عدد بھی مطلوب ہے اس لئے تین حیض کا انتظار ضروری ہوگا اسی طرح استنجاء کے مسئلہ میں متعدد روایات میں ثلاث کا لفظ آیا ہے بلکہ بعض روایات میں اس کے متعلق صیغۂ امر بھی وارد ہوا ہے جس سے عدد ثلاث کے وجوب کا خیال اور بھی پختہ ہوجاتا ہے لیکن اگر تین ڈھیلوں سے بھی صفائی محل کی حاصل نہ ہو تو بقدر ضرورت تین سے زائد کا استعمال کرنا واجب ہے تاکہ طہارت کا مقصد حاصل ہوجائے البتہ ان زیادہ ڈھیلوں میں ایتار کا لحاظ رکھنا مستحب ہوگا چنانچہ امام بیہقیؒ نے امام ابوداؤد کی روایت ''من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج'' کے یہی معنی مراد لئے ہیں کہ تین سے زیادہ کے استعمال میں ایتار کی رعایت مستحب ہے یہ ہے حضرات شوافع کے استدلال کا خلاصہ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک تثلیث شرط نہیں اصل مقصد انقاء محل ہے ان حضرات کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اگلے باب میں آرہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے استنجاء میں دو پتھر استعمال فرمائے تیسرے کا استعمال ثابت ہی نہیں اس کے متعلق مزید بحث وہاں آئے گی۔

حضرات شوافع کے مستدلات کے جوابات یہ ہیں کہ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ کی روایات کی بناء پر استنجاء میں تثلیث کو ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ اصل مدار استنجاء میں محل کی صفائی اور ضرورت کے پورا ہونے پر ہے اور چونکہ اکثر حالات میں محل استنجاء کی صفائی کے لئے تین عدد ڈھیلے کافی ہوجاتے ہین اس لئے تین کا عدد احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو ابوداؤد میں ہے اس بات کی طرف رہنمائی کررہی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے ''فانها تجزء عنه'' اس لئے کہ یہ تین پتھر اس کے لئے کافی ہوجائیں گے، اس حدیث کی اسناد صحیح اور حسن ہے ''کما قال

الشوکانی ''اس کو امام نسائی اور امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کے آخری جملہ ''فانھا تجزئ عنہ'' میں جس علت کا بیان ہوا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین ڈھیلوں کو ساتھ لے جانے کا حکم احتیاط کی بناء پر دیا گیا ہے اس لئے کہ عام حالات میں وہ حصول انقاء کے لئے کافی ہوجاتے ہیں نہ اس بنا پر صحابہ کرام کو تین پتھر لے جانے کا حکم ہوا ہے کہ تثلیث عند الشرع مطلوب اور شرط ہے غرض کہ حدیث باب میں جو تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اس کی وہی توجیہ کی جائے گی جس کی طرف حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ''فانھا تجزئ عنہ'' اشارہ کر رہے ہیں یعنی اسے غالب حالات پر محمول کیا جائے گا کہ جن حالات میں تین ڈھیلوں کے بغیر محل کی صفائی کا مقصد حاصل ہونا ممکن نہ ہو لیکن اگر محل کی صفائی ایک یا دو ڈھیلوں سے حاصل ہوجائے یا اس کے لئے تین سے بھی زیادہ کی ضرورت پڑے تو بیشک استعمال کرسکتا ہے اس میں کوئی کراہت نہیں پھر اگر ایک ڈھیلا کافی ہوجائے تو دوسرے کا استعمال ضرورت سے زائد ہوگا اور اگر دو سے محل کی صفائی ہوجائے تو تیسرے کا استعمال بلا ضرورت ہوگا تو ایک پاک چیز کو بلا ضرورت ناپاک کرنا لایعنی عمل نہیں تو اور کیا ہے۔

بہر حال اصل مقصود انقاء محل ہے وہ جتنے ڈھیلوں سے بھی حاصل ہوجائے کسی خاص عدد کی کوئی شرط نہیں ہے اور حنفیہ کے اس قول کی نظیر شوافع کا وہ قول ہے جس کے وہ محرم کے واقعہ میں قائل ہیں کہ ایک شخص عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اور وہ جبہ پہنا ہوا تھا جو خوشبو سے لت پت ہے اس نے دریافت کیا ہے کہ عمرہ کس طرح کیا جائے حضور اکرم ﷺ وحی کے انتظار میں سکوت فرماتے ہیں پھر وحی نازل ہوتی ہے آپ اس کو بلا کر فرماتے ہیں کہ جبہ کو اتار دو اور تین مرتبہ دھو کر خوشبو دور کرو ''فاغسله ثلث مرات'' میں ثلث کی تصریح موجود ہے مگر شوافع میں سے کوئی بھی تین دفعہ دھونے کے وجوب کا قائل نہیں ہے، امام نوویؒ کہتے ہیں کہ جبہ کو تین مرتبہ دھونے کا حکم اس بناء پر دیا گیا ہے تا کہ اس سے خلوق کا رنگ اور خوشبو بالکل ختم ہوجائے تو معلوم ہوا کہ یہاں صرف اس کا اثر اور خوشبو کا ازالہ واجب ہے نہ کہ تین کا عدد، تو اگر ایک ہی مرتبہ دھونے سے خلوق کا رنگ اور خوشبو دور ہوجائے تو بھی کافی ہے مزید دو یا تین مرتبہ دھونا کوئی ضروری نہیں ہے اسی طرح استنجاء میں ثلاث کے عدد کو سمجھ لیں کہ یہ عدد بذات خود مطلوب نہیں بلکہ عام طور پر چونکہ تین ڈھیلوں سے انقاء محل حاصل ہوتا ہے اس لئے روایات میں ان کا ذکر آتا ہے چنانچہ اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''فانھا تجزئ عنہ'' کا ارشاد گذر چکا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہے اب سمجھ میں نہیں آتی کہ شوافع دونوں حکموں میں فرق کیوں کرتے ہیں کہ استنجاء میں عدد ثلاث کو واجب کہتے ہیں لیکن یہاں جبہ میں لگائی ہوئی خوشبو کو دھونے کے مسئلہ میں ان میں سے کوئی بھی تین مرتبہ دھونے کے وجوب کا قائل نہیں ہے حالانکہ جس طرح وہاں عدد ثلاث کی تصریح آئی ہے ایسا ہی یہاں بھی ''فاغسله ثلاث مراة'' کی تصریح موجود ہے اور اگر ان کی طرف سے یہ کہا جائے جیسا کہ امام نوویؒ کے قول مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد خلوق کا اثر اور خوشبو کا ازالہ ہے اور چونکہ عام طور پر تین مرتبہ دھونے سے اس کا اثر پوری طرح ختم ہوجاتا ہے اس لئے ''فاغسله ثلاث مرات'' کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر یہی مقصد ایک ہی مرتبہ دھونے سے حاصل ہوجائے تو بھی کافی ہے مزید دو تین بار دھونا ضروری نہیں تو ہم کہیں گے کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بھی یہاں تین کا عدد مقصود نہیں بلکہ خلوق کا اثر اور خوشبو کا ازالہ ہے خواہ وہ ایک ہی دفعہ دھونے سے دور ہوجائے تو اگر یہی بات حنفیہ

نے استنجاء میں کہی کہ چونکہ عام طور پر تین ڈھیلے کفایت کر جاتے ہیں اس لئے روایات میں بار بار اس کا ذکر آتا ہے ضرورت کی حد تک کسی عدد کو واجب نہیں کہتے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے نیز یہ کہ حدیث کے ظاہری لفظ پر شوافع بھی عمل نہیں کرتے کیوں کہ اگر ایک ڈھیلے کے تین گوشوں کو استعمال کیا جائے تو ان کے نزدیک جائز ہے حالانکہ ایک کلوخ کے تین گوشوں کا استعمال کرنا ظاہر حدیث کے مطابق نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ تثلیث احجار آپ کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔

نیز شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تین عدد سے محل کی صفائی حاصل نہ ہو تو اس سے زائد کا استعمال کرنا واجب ہے حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مذکورہ صاف بتلا رہی ہے کہ تین ڈھیلے کفایت کر جاتے ہیں لیکن شوافع عدم کفایت کا قول کرتے ہین اور کہتے ہیں کہ اگر تین کلوخ سے انقاء محل ممکن نہ ہو تو ان سے زائد کا استعمال واجب ہے جس سے لازم آتا ہے کہ وہ خود بھی ظاہر حدیث پر عمل نہیں کرتے اور خود انہوں نے عدد ثلاث کی تحدید کو چھوڑ دیا ہے جس کا ذکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے اب رہا یہ کہ انہوں نے جس استنجاء کے مسئلہ کو ثلاثۃ قروء پر قیاس کیا تو وہ بھی درست نہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ عدت کے مسئلہ میں تین کا عدد نص قرآنی اور حدیث کی رو سے شرط ہے جس کے ساتھ کوئی دوسری نص معارض نہین ہے بخلاف اس عدد معین کے جو استنجاء کے معاملہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت میں آیا ہے اس کے معارض موجود ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت ہے "**من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج**" ظاہر ہے کہ یہ روایت ان روایات کے معارض ہے جن میں تین ڈھیلوں کا حکم دیا گیا ہے یا تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، کیوں کہ اس روایت میں ایتار یعنی طاق عدد لینے کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے ایتار کی رعایت کی اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اس ایتار میں تین کا عدد بھی داخل ہے معلوم ہوا کہ یہ تین ڈھیلے کا حکم وجوب اور ضرورت کے درجہ کا نہیں ہے بلکہ استحباب کے درجہ کی چیز ہے۔

غرض کہ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ استنجاء کے معاملہ کو عدت بالاقراء پر قیاس کرنا ان کے لئے مفید نہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

الرخصة فی الاستطابة بحجرین

استنجاء دو پتھروں سے بھی جائز ہے

اخبرنا احمد بن سلیمان قال حدثنا ابو نعیم عن زهیر عن ابی اسحٰق قال لیس ابو عبیدة ذکره ولکن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه انه سمع عبد الله یقول اتی النبی صلی الله علیه وسلم الغائط وامرنی ان اٰتیه بثلاثة احجار فوجدت حجرین والتمست الثالث فلم اجده فاخذت روثة فاتیت بهن النبی صلی الله علیه وسلم فاخذ الحجرین والقی الروثة وقال هذه رکس قال ابو عبد الرحمن الرکس طعام الجنّ.

عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے سنا کہ نبی

کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور مجھ کو حکم دیا کہ تین پتھر لے کر آؤں مجھے دو پتھر ملے تیسرا تلاش کیا مگر نہیں ملا تو میں نے گوبر کا ٹکڑا اٹھا لیا پھر ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے دونوں پتھر لئے اور روثہ کو پھینک دیا اور فرمایا یہ ناپاک چیز ہے۔

عن ابی اسحق قال لیس ابو عبیدة ذکرہ الخ : حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری مین لکھا ہے کہ چونکہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور سے ثابت نہیں ہے اس وجہ سے وہ روایت منقطع تھی اس لئے ابواسحٰق نے ان کی روایت کو باوجود اس کے اعلیٰ ہونے کے چھوڑ دیا اور اس کی جگہ عبدالرحمٰن بن اسود کی روایت موصولہ کو اختیار کیا گویا ابواسحٰق اس کلام مذکور کو نقل کر کے یہ کہنا چاہتے ہیں "**ای لست ارویہ الآن عن ابی عبیدة وانما ارویہ عن عبد الرحمن**" یعنی میں اس وقت ابوعبیدہ کے طریق سے جس میں انقطاع ہے روایت نہیں کرتا بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود کے طریق سے جو متصل ہے اس کو ذکر کر رہا ہوں۔

راوی حدیث اسود بیٹے ہیں یزید بن قیس نخعی کے ابوعبدالرحمٰن ان کی کنیت ہے اور ابراہیم نخعی کے ماموں اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد ہیں ثقہ فقیہ اور زاہد تھے ان کا انتقال ۷۵ھ میں ہوا ابن التین نے کہا کہ وہ اسود بن عبد یغوث الزہری ہے نہ کہ **ابن یزید النخعی** حافظ ابن حجرؒ نے ان کی اس بات کو بالکل غلط قرار دیا ہے، کیوں کہ اسود زہری تو اسلام تک نہیں لائے تھے چہ جائیکہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے تک زندہ رہا ہو۔

بہر حال اس حدیث کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے لیکن امام نسائی نے یہ روایت بطریق زہیر عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود ذکر کی ہے اور ساتھ ہی ابواسحٰق کا وہ قول مذکور بھی نقل کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ابواسحٰق کے شاگرد زہیر کا طریق راجح ہے جس سے اسناد متصل ہو جاتی ہے نہ کہ اسرائیل کا طریق جو ابواسحٰق کے دوسرے شاگرد ہیں جس سے اسناد منقطع ہو جاتی ہے کیوں کہ بقول حافظ ابن حجرؒ کے ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے امام بخاریؒ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے جو زہیر کے طریق سے ہے اور اپنی جامع صحیح میں اسی کو جگہ دی ہے لیکن ان کے شاگرد امام ترمذی نے یہ روایت بطریق اسرائیل عن ابی اسحٰق عن ابی عبیدہ نقل کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کی روایت کا طریق امام بخاری کے طریق روایت سے زیادہ صحیح ہے پھر اول تو انہوں نے اپنے استاد امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی زہیر سے کی ہوئی روایت پر کلام کیا ہے اور آخر میں اپنی اسرائیل والی روایت پر بھی انقطاع کا اعتراف کیا ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔

اب رہے یہ سوالات کہ امام ترمذی نے امام بخاری کی نقل کردہ زہیر والی روایت پر کیا نقد کیا ہے اور محدثین نے امام بخاریؒ کی طرف سے اس کا کیا جواب دیا ہے پھر انہوں نے جامع ترمذی میں اسرائیل کے طریق سے کی ہوئی روایت پر بھی منقطع ہونے کا جو اعتراض کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے جیسا کہ وہ خود فرما رہے ہیں تو پھر انہوں نے زہیر والی روایت موصولہ کو چھوڑ کر اسے اپنی کتاب میں کیوں ذکر کیا اور اگر ان کا اعترض غیر معقول ہے جیسا کہ حافظ عینی وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے

کہ ان کے نزدیک ابوعبیدہ کا سماع اپنے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور انہوں نے اس کو دلیل سے ثابت کیا ہے غرض کہ ان سب امور کے ذکر کا محل یہاں نہیں ہے ان کے لئے شروحات بخاری عینی وغیرہ اور شرح ترمذی معارف السنن للعلامۃ البنوریؒ کی طرف رجوع کریں۔

میں پچھلے عنوان میں اشارہ کر چکا ہوں کہ حضرات حنفیہ کی دلیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے وہ یہی حدیث ہے امام نسائیؒ باوجود شافعی المسلک ہونے کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر ''**الرخصة فی الاستطابة بحجرین**'' کا عنوان رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحقیق پر بھی اس موقعہ پر صرف دو پتھروں کا استعمال ثابت ہے۔

امام طحاویؒ نے بھی اس حدیث سے تثلیث کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے کیوں کہ اگر تین کلوخ کا لینا ضروری ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا پتھر ضرور طلب فرماتے حالانکہ کسی مستند و معتبر روایت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے بعد میں تلاش کرایا ہو اس سے معلوم ہوا کہ استنجاء میں تین ڈھیلوں کا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ استدلال مذکور ضعیف ہے اس لئے کہ مسند احمد میں معمر کے طریق سے ہذا رکس کے بعد ''**ائتنی بحجر**'' کا جملہ بھی نقل ہوا ہے یعنی فرمایا کہ یہ گوبر کا ٹکڑا ناپاک ہے ایک اور پتھر لے آؤ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے تیسرا پتھر تلاش کرنے کا حکم فرمایا تھا پھر آگے چل کر حافظؒ نے لکھا ''**ورجاله ثقات**'' یعنی اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اگر یہ اشکال کیا جائے کہ ابواسحٰق کا سماع علقمہ سے نہیں ہے تو کرابیسی نے اس حدیث کا سماع ثابت کیا ہے، اور اگر مرسل ہی مان لیا جائے تو وہ بھی مخالفین کے نزدیک حجت ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی فرمایا کہ شاید امام طحاویؒ کو مسند احمد کی اس روایت سے غفلت ہوئی ہے۔

(فتح الباری: ۱/ ۱۸۱)

محقق عینیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام طحاویؒ سے غفلت نہیں ہوئی بلکہ غفلت انہی لوگوں سے ہوئی ہے جو امام طحاویؒ جیسے وسیع النظر حافظ حدیث کی طرف غفلت کو منسوب کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس حدیث کو بطریق ابی اسحٰق علقمہ سے روایت کیا ہے اور امام طحاویؒ کے نزدیک ابواسحٰق کا عدم سماع علقمہ سے متیقن ہے لہٰذا حدیث مذکور تحقیقی نظر سے منقطع ہے جس پر محدثین کرام اعتماد نہیں کرتے مزید تفصیل کے لئے عمدۃ القاری (۱/ ۷۳۷) میں ملاحظہ ہو۔

اور یہ جو حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اگر مرسل ہی مان لیا جائے الخ وہ ہمیں تسلیم نہیں کیوں کہ ہم حدیث مرسل کو علی الاطلاق حجت نہیں مانتے بلکہ حدیث مرسل بالمعنی المتعارف کو حجت مانتے ہیں نہ کہ اس کو جو مترادف ہے منقطع کے نیز یہ کہ صرف تیسرے کی تلاش کرنے کا حکم دینے سے یہ کہاں سے ثابت کرو گے کہ واقع میں تیسرا ڈھیلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لے بھی آئے تھے ظاہر تو یہی ہے کہ آپ نہ لا سکے اور ایک روایت جو لانیکے ثبوت میں ابوالحسن بن القصار مالکی سے مروی ہے اس کو خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا اور اسے لایصح کہہ کر رد کر دیا ہے غرض کہ جب تیسرا ڈھیلا لانا ثابت نہیں ہے تو امام طحاوی پر اعتراض کیسا؟ فیض الباری (۱/ ۲۶۰) میں حضرت شاہ صاحبؒ کا قول مذکور ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ پر تو اعتراض کیا ہے کہ ان کا ''**والقی الروثة**'' سے استنجاء بالحجرین پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس جملہ کے بعد ''**وائتنی بثالث**'' کی

زیادتی بھی منقول ہے آپ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حافظؒ صرف امام طحاویؒ پر کیوں برستے ہیں ان پر جو اعتراض کیا ہے وہی اعتراض امام ترمذی پر بھی پڑ رہا ہے، کیوں کہ انہوں نے بھی اس حدیث پر ترجمۃ باب الاستنجاء بالحجرین قائم کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی زیادتی مذکور یعنی ''و أتني بثالث'' کو قبول نہیں کیا، اسی طرح امام نسائیؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ''الرخصة في الاستطابة بحجرين'' کا عنوان رکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی مذکورہ زائد عبارت کو محدثانہ نقطۂ نظر سے ناقابل قبول سمجھا ہے اب ہم حافظ ابن حجرؒ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے تو امام طحاویؒ کی غفلت بتلائی ہے کیا وہی غفلت امام ترمذیؒ وامام نسائیؒ کی طرف منسوب کی جائے گی۔

علاوہ اس کے حضرات حنفیہ کی بڑی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے ''من اکتحل فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لافلاحرج ومن استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن فلاحرج'' حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی اسناد کو عمدہ کہا ہے کمافی نیل الاوطار اس حدیث میں ایتار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایتار یعنی طاق عدد کی رعایت کی تو اس نے بوجہ استحباب پر عمل کرنے کے اچھا کیا اور اس ایتار میں تین کا عدد بھی داخل ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ استنجاء تین پتھروں سے کرنا شرط اور واجب نہیں ہے جیسا کہ شوافع اس کے قائل ہوئے ہیں بلکہ اس سے کم کے ساتھ بھی استنجاء جائز ہے اس لئے اگر کسی نے ایک ہی پتھر سے استنجاء کیا ہے تو اس نے اس حدیث کے مقتضے پر بلاشبہ عمل کیا ہے اسی طرح حدیث کا جزء ثانی یعنی ''ومن لا فلاحرج'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے استنجاء میں طاق عدد کی رعایت نہیں کی خواہ وہ ایک پتھر ہو یا تین بلکہ دو پتھروں سے استنجاء کیا تو فلاحرج فیہ یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ تین پتھروں کا استعمال ضروری نہیں ہے کیوں کہ اگر ضروری ہوتا تو پھر اس کے چھوڑ دینے پر فلاحرج فیہ فرمانا کیسے درست ہوگا۔

غرض کہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ نہ ایتار ضروری ہے اور نہ تین ڈھیلوں کا استعمال ضروری ہے بلکہ تمام روایات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کا اصل مقصود محل نجاست کی صفائی ہے اب وہ جتنے ڈھیلوں سے بھی حاصل ہو جائے کافی ہے ضرورت کی حد تک کسی عدد خاص کو وجوب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا لیکن چونکہ عام طور پر نجاست کو دور کرنے کے لئے تین ڈھیلے کافی ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایتار کی بھی رعایت ہوتی ہے جو عندالشرع مستحسن ہے اس لئے احادیث میں انکا ذکر اکثر آتا ہے، عجیب بات ہے کہ شوافع تین ڈھیلے لینے کو واجب کہتے ہیں لیکن اگر ان سے طہارت حاصل نہ ہو تو تین سے زیادہ استعمال کرنا ان کے نزدیک واجب ہے جس سے وہ خود ظاہر حدیث کی تحدید کو چھوڑ رہے ہیں علاوہ اس کے دوسری بات یہ ہے کہ جب شریعت ایتار یعنی طاق عدد کا حکم دیتی ہے تو اس کے ساتھ'' من فعل فقد احسن ومن لا فلاحرج ''کے الفاظ سے اختیار کو بھی ظاہر کر دیتی ہے اور جب عدد ثلاث کو بیان کرتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اجزاء اور اکتفاء یعنی تین ڈھیلے کافی ہو جانے کو بتلاتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''فلیذهب معهٔ بثلاثة احجار ''کے بعد ''فانها تجزئ عنه ''کے الفاظ وارد ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ایتار کی طرح تثلیث بھی مستحب ہے شرط اور واجب نہیں ہے اور بعض روایات میں جو تین ڈھیلوں

سے کم کے ساتھ استنجاء کی ممانعت آئی ہے وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے یہی مسلک احناف کا ہے، لیکن تعجب ہے کہ امام بیہقیؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ کی تاویل اپنے مطلب کے مطابق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''من فعل فقد احسن الخ'' وتر بعد الثلاث کے بارے میں فرمایا ہے یعنی تین پتھروں کا استعمال تو ہر حالت میں ضروری ہے لیکن اگر تین سے انقاء محل ممکن نہ ہو اور اس سے زیادہ استعمال کی ضرورت پڑے تو اس صورت میں ایتار ضروری ہے یا نہیں اس کے متعلق فرمایا ''من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج'' ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے اس کو بعد الثلاث کے ساتھ خاص کردینا ایک بے دلیل بات ہے اور اگر ان کی یہ تاویل درست مان لی جائے تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ ایتار بعد الثلاث بھی مستحب ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مذکور میں ایتار کا حکم دیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک اگر تین عدد سے محل نجاست کی صفائی حاصل ہو جائے تو زیادۃ علی الثلاث مستحب نہیں ہے بلکہ بدعت ہے اور اگر تین عدد سے محل کی صفائی ممکن نہ ہو تو تین سے زائد ڈھیلوں کا استعمال واجب ہے جس کو چھوڑ دینا درست نہیں ہے۔ (الجوھر النقی: ۱۰٤)

قال هذه ركس: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ڈھیلے لئے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا ہذہ رکس یعنی یہ پلٹا ہوا ہے کہ اپنی اصلی حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں آ گیا ہے یعنی طہارت کی حالت سے نجاست کی طرف آ گیا ہے اور طعام کی حالت سے حالت روث کی طرف آ گیا ہے علامہ خطابی وغیرہ نے یہی معنی بیان کئے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ لفظ رکس اس حدیث میں راء کے کسرہ اور کاف کے سکون کے ساتھ آیا ہے بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ رجس بالجیم کی ایک لغت ہے جس کے معنی پلید اور ناپاک چیز کے ہیں اور اس کی تائید ابن ماجہ اور ابن خزیمہ کی روایت سے ہوتی ہے چنانچہ ان کی روایت میں بجائے رکس کے رجس بالجیم واقع ہے اسی طرح ترمذی کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس میں آیا ہے ہذا رکس یعنی نجساً لیکن امام نسائیؒ نے رکس کا ترجمہ طعام الجن سے کیا ہے شارحین حیران ہیں کہ رکس کے معنی طعام الجن کس طرح بیان کئے ہیں حالانکہ لغت کی کتابوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور اگر اسے صحیح بھی مان لیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ استنجے میں ایسی چیز کا استعمال درست نہیں ہے جس سے غذائیت کا تعلق ہو ممانعت کا حکم اب بھی قائم رہا البتہ فرق یہ ہو گیا کہ علامہ خطابیؒ وغیرہ کے بیان کردہ معنی کے مطابق اس کا استعمال نجاست کی وجہ سے ممنوع ہے اور امام نسائیؒ کے بیان کردہ معنی کے مطابق غذاء ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوا بہر حال حدیث باب سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ڈھیلوں سے استنجاء فرمایا جس سے مسلک حنفیہ کا اثبات ہوتا ہے کہ شریعت میں استنجاء کی سنیت کو کسی عدد میں منحصر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا مدار انقاء محل پر رکھا گیا ہے وہ جتنے ڈھیلوں سے بھی حاصل ہو جائے پوری بحث ماقبل میں گذر چکی ہے۔

باب الرخصة فی الاستطابة بحجر واحد

ایک ہی پتھر سے استنجاء کی رخصت کا بیان

اخبرنا اسحق ابن ابراهيم اخبرنا جرير عن منصور عن هلال بن يساف عن سلمة بن قيس عن

رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا استجمرت فاوتر.

سلمہ بن قیس رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تم ڈھیلوں سے استنجاء کرو تو طاق عدد اختیار کرو۔

تشریح: امام نسائیؒ کا میلان شافعی المسلک کی طرف ہونے کے باوجود عنوان "باب الرخصة فی الاستطابة بحجر واحد" کا قائم کیا ہے اس سے پہلے انہوں نے "باب الرخصة فی الاستطابة بحجرین" کا عنوان رکھا ہے جس کے ماتحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی جس سے دو پتھروں سے استنجاء کرنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اس عنوان کے ماتحت حدیث سلمۃ بن قیس لائے ہیں جس میں علی الاطلاق اتیار کا ذکر ہے اس لئے وہ اکتفاء بالواحد کو بھی شامل ہے اس لئے اگر ایک ڈھیلا کفایت کر جائے تو دوسرے کا استعمال ضرورت سے زائد ہوگا ایک پاک چیز کو بلاضرورت ناپاک کرنا لایعنی عمل نہیں تو اور کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے واللہ اعلم کہ امام نسائیؒ استنجاء میں تین ڈھیلے لینے کو شرط اور ضروری نہیں قرار دیتے بلکہ حنفیہ و مالکیہ ومزنی شافعی کے مسلک کو راجح سمجھتے ہیں کہ استنجے کے لئے عدد ثلاث کو وجوب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ اصل مقصود انقاء محل ہے وہ جتنے بھی ڈھیلوں سے حاصل ہو جائے کافی ہے، (فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۳۰) میں ہے "ليس فى الاستنجاء عدد مسنون وانما الشرط هو الانقاء حتى لو حصل بحجر واحد يصير مقيماً للسنة ولو لم يحصل بثلثة احجار لا يصير مقيماً للسنة"۔

الاجتزاء فى الاستطابة بالحجارة دون غيرها

صرف پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے پر بس کرنا نہ کہ دوسری چیز سے

اخبرنا قتيبة قال حدثنا عبد العزيز بن ابى حازم عن ابيه عن مسلم بن قرط عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معهٔ بثلاثة احجار فليستطب بها فانها تجزئ عنهٔ.

عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے اور ان سے پاکی حاصل کرے اس لئے کہ تین پتھر کافی ہو جاتے ہیں۔

ابی حازم عن ابیه: آپ اس حدیث کے راویوں سے ہیں ان کا اصل نام سلمہ بن دینار ہے جو اسود بن سفیان الاعرج کا آزاد کیا ہوا غلام تھا ان کا شمار نامور حفاظ حدیث میں ہے اور ثقہ تھے ان کا انتقال خلافت منصور کے دور میں ۱۳۵ھ یا اس کے بعد ہوا۔

عن مسلم بن قرط: یہ ابوحازم کے شیخ ہیں جن سے وہ روایت کرتے ہیں لفظ قرط قاف کے پیش اور راء کے

سکون کے ساتھ ہے، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے مگر انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے ''**ھو یخطئ**''، یعنی وہ غلطی کرتے تھے اس کے بعد حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی کم روایت کرتے تھے اور جبکہ وہ باوجود قلت حدیث کے غلطی کرتے تھے تو ان کا شمار ضعیف راویوں میں سے ہوگا آگے چل کر کہتے ہیں ''**وقد قرأت بخط الذھبی لایعرف**''، مگر دارقطنی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

فلیذھب معه بثلاثة احجار : داؤد ظاہری کے نزدیک علاوہ پتھر کے اور کسی چیز سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے ، جمہور ائمہ کہتے ہیں کہ احادیث میں احجار کا جو ذکر آیا ہے وہ تخصیص حکم کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر وہ چیز جس میں جذب کی صلاحیت ہو اور نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو بشرطیکہ غیر محترم ہو وہ بھی پتھر ہی کے حکم میں ہے لہٰذا اس سے استنجاء کرنا درست ہے اور حدیث میں احجار کا ذکر غالباً اس لئے آیا ہے کہ وہ عرب میں ہر جگہ بسہولت ملتے تھے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تنقیح مناط چونکہ منصوصات میں بھی جاری ہوتی ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے اس کی روشنی میں فرمایا کہ اگرچہ حدیث میں صرف پتھر ہی کا ذکر آتا ہے لیکن حکم عام رہے گا اس لئے ہر غیر محترم پاک وصاف چیز کو جس سے ازالۂ نجاست ہو سکے تحصیل مقصود میں مشارک للحجر قرار دیا ہے پھر آگے چل کر (حضرت شاہ صاحب نے) فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم کا طریقہ تعلیم بالعمل ہے یعنی جو کچھ امت سے کرانا چاہا اس کو اپنے عمل سے بتلا دیا پھر ان کو اس کی پیروی کا حکم دیا آپ کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ ایک جامع مانع عبارت درست کر کے اسے لوگوں کے سامنے پیش کر دیں، کیوں کہ یہ تو ایک ایسا طریق محدث ہے جو مقتضی فطرت کے خلاف ہے، بہرحال جب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ شارع علیہ السلام کا طریقہ عملی تعلیم دینے کا ہے اس لئے آپ نے اہل حجاز کی عادت کے مطابق استنجاء میں پتھروں کا استعمال فرمایا نیز وہ بآسانی ہر جگہ ملتے تھے مگر اس سے آپ کی غرض عام تھی، اس لئے آپ کے افعال یا قول سے صرف احجار کیساتھ استنجاء کو جائز اور دوسری چیزوں سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں جیسے داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہوئے۔

الاستنجاء بالماء

پانی سے استنجاء کے بیان میں

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا النضر اخبرنا شعبة عن عطاء ابن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء احمل انا وغلام معی نحوی اداوة من ماء فیستنجی بالماء.

عطاء ابن ابی میمونہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا جو میرا ہم عمر تھا پانی کا چھاگل لیکر ساتھ ہو لیتے آپ

اس پانی سے استنجاء فرماتے۔

اخبرنا قتیبة حدثنا ابو عوانة عن قتادة عن معاذة عن عائشة انها قالت مُرن ازواجکنّ ان یستطیبوا بالماء فانی استحییهم منه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یفعلهٗ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم اپنے شوہروں کو یہ مسئلہ بتادو کہ وہ پانی سے استنجاء کیا کریں اس لئے کہ میں خود ان کو یہ بات بتانے سے شرم رکھتی ہوں بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔

تشریح :امام نسائیؒ اس ترجمہ سے ان لوگوں کے قول کو رد کرنا چاہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ پانی چونکہ مشروب ومطعوم ہے اس لئے اس سے استنجاء کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہڈی اور گوبر وغیرہ سے استنجاء مت کرو کیونکہ وہ جنات کی خوراک ہے جب جنات کی غذاء اور خوراک میں اس قدر احتیاط اور ادب کی رعایت کی گئی ہے تو انسان کے مشروب ومطعوم میں اس کی بطریق اولیٰ رعایت ہونی چاہئے اس کے علاوہ اور بھی اقوال منقول ہیں پانی سے استنجاء کے معاملہ میں ان کے لئے فتح الباری وعمدۃ القاری میں ملاحظہ کیجئے، غرض کہ امام نسائیؒ اس ترجمہ میں بتلا رہے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء حدیث صحیح سے ثابت ہے تو پھر مشروب ومطعوم ہونے کو علت قرار دے کر پانی سے استنجاء کو مکروہ کہہ دینا بے معقول بات ہے، مسلّم ہے کہ پانی مطعوم ومشروب ہے لیکن پانی اور دوسری کھانے پینے کی چیزوں میں فرق ہے کہ پانی کو تو باری تعالیٰ نے طاہر ومطہر اور نجاست کو دور کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور دوسری چیزوں کو خواہ وہ کھانے پینے کی ہوں یا غیر مطعومات میں سے قابل احترام چیزیں ہوں اس مقصد کے لئے نہیں بنایا لہٰذا پانی کو دوسرے مطعومات پر قیاس کرنا درست نہیں ہے ورنہ اگر مطعوم ومشروب کی علت نکال کر پانی کو بھی دوسری چیزوں کی طرح محترم قرار دیا جائے تو پھر اس سے وضوء کرنا، غسل جنابت کرنا، اور ناپاک کپڑوں وغیرہ سے نجاست کو دور کرنے کے لئے پانی سے دھونا جائز نہیں ہونا چاہئے اور صرف پتھر اور مٹی وغیرہ سے نجاست کو دور کر دینا کافی ہونا چاہئے"**ولم یقل به احدمن الائمة**" حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اس فرق مذکور کی طرف حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے توجہ فرمائی ہے۔(**بذل المجهود:۱/۲۷**)

امام طحاویؒ نے استنجاء بالماء کی افضلیت پر آیت مبارکہ ﴿**فیه رجال یحبون ان یتطهروا الخ**﴾ سے استدلال کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل قباء کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کے معاملہ میں تمہاری تعریف فرمائی ہے بتاؤ تمہاری طہارت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور استنجاء پانی سے کرتے ہیں آپ نے فرمایا بس یہی بات ہے مدح کی، "**فعلیکموه**" یعنی اسی کو پکڑے رکھو۔(**رواه ابن ماجه ورزینؒ**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں طہارت سے مراد پانی سے استنجاء کرنا ہے کیوں کہ اس سے خوب اچھی طرح سے صفائی حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ پہلے اہل قباء پتھروں سے استنجاء کرتے تھے پھر پانی سے نظافت

حاصل کرتے تھے، اور وہ لوگ اس وصف خاص میں اور مہاجرین سے ممتاز تھے ورنہ وضوء اور غسل مہاجرین بھی کرتے تھے، نیز یہ کہ روایت مرفوعہ بھی اشارۃً بتلارہی ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنا مستحب ہے چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر واپس ہو کر پانی طلب فرمایا اور یہ بات مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدون استنجاء بالحجر کے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے ہوں کیوں کہ یہ تو ایسی صورۃ ہے جو موجب تلوث ہے اور اتنی دیر تک کے لئے بھی نجاست سے آلودہ ہونے کی حالت میں رہنے کو آپ کی پاکیزہ طبیعت کیسے متحمل ہوسکتی ہے لہٰذا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ڈھیلے کے استنجاء سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خادم کے پاس تشریف لائے تھے پھر جب اس کے بعد پانی سے استنجاء فرمایا تو آپ کے فعل سے جمع بین الحجر والماء کا ثبوت ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی جمع ثابت ہے "**کمافی الام للشافعی**" "محقق عینیؒ نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کا مسلک اور جس چیز پر تمام اہل فتویٰ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ افضل صورت ڈھیلے اور پانی کو جمع کرنے کی ہے لیکن کسی ایک پر اکتفاء کرنے کی صورت میں کونسا عمل افضل ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پانی نجاست کے عین اور اثر دونوں کو صاف کردیتا ہے اور ڈھیلوں سے عین نجاست کا ازالہ تو ہوجاتا ہے مگر اسکا اثر باقی رہتا ہے اس لئے صاف واضح ہوتا ہے کہ پانی سے طہارت اور صفائی زیادہ ہوتی ہے لہٰذا انفرادی صورت میں پانی کا استعمال افضل ہونا چاہئے۔

شیخ ابن ہمامؒ کا فتویٰ

شیخ ابن ہمام کا فتویٰ جو فیض الباری (۱/۲۵۸) میں مذکور ہے "**وافتی الشیخ ابن الھمام بسُنیتہ ای الجمع بین الحجر والماء فی زماننا لان الناس لکثرۃ اکلھم یثلطون ثلطًا**" "شیخ ابن ہمام نے فتوی دیا ہے اس زمانہ کے لوگوں کا پاخانہ زیادہ کھانے کی وجہ سے نرم اور پتلا ہوتا ہے اس لئے ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال سنت ہے۔

احمل انا وغلام معی نحوی الخ: "**ای مقارب لی فی السن**" "یعنی وہ لڑکا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہم عمر تھا، اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرا لڑکا جوان کے ہم عمر تھا پانی کا برتن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیجایا کرتے تھے۔

غلام کا اطلاق دس (۱۰) سے بارہ سال تک کے لڑکے پر ہوتا ہے "**قالہٗ ابو عبیدہ**" "محکم میں ہے کہ دودھ چھڑانے کے وقت سے سات سال کی عمر تک کے لڑکے کو غلام کہتے ہیں علامہ زمخشریؒ نے اساس البلاغہ میں لکھا ہے کہ غلام کا اطلاق داڑھی نکلنے کی حد تک چھوٹے لڑکے پر ہوتا ہے پھر اگر اسے داڑھی اگنے کے بعد غلام کہدیا جائے تو یہ مجازی ہوگا۔

اس روایت میں غلام سے کون مراد ہے روایات میں اس کی کوئی تصریح نہیں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر غلام کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اس کا اطلاق ایسے لڑکے پر ہوتا ہے جس کی مونچھیں اگنے والی ہوں، بڑی عمر اور داڑھی والے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو شیخ یعنی بڑی عمر والے تھے اور باریش تھے غلام نہیں کہہ سکتے نیز یہ کہ بعض روایات میں الانصار کی تصریح ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

انصاری نہیں بلکہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہاں غلام سے ان کے علاوہ اور کوئی انصاری لڑکا مراد ہے اور یہی معنی روایات کے ظاہری الفاظ کے ساتھ زیادہ مطابق ہے۔

فیستنجی بالماء: بعض شارحین نے کہا کہ یہ ابومیمونہ سے روایت کرنے والے عطاء کا قول ہے لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، قالہ عیاض۔

ترجمہ کے ماتحت کی دوسری حدیث ترمذی میں بھی موجود ہے امام ترمذی نے اس کی تحسین وتصحیح کی ہے اور فرمایا کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے اور وہ پانی سے استنجاء کرنے کو افضل کہتے ہیں اگر چہ صرف ڈھیلے پر اکتفاء کو بھی جائز سمجھتے ہیں، کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تین امور ہیں ایک تو استنجاء بالحجارہ ہے، دوسرا استنجاء بالماء ہے، تیسرا ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجاء کرنا ہے اول چیز کا ثبوت احادیث مشہورہ سے ہے جو حضرت ابن مسعود، حضرت ابوایوب انصاری اور ابن عمر اور جابر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، دوسری بھی احادیث مشہورہ سے ثابت ہے چنانچہ اس بارے میں احادیث حضرت انس رضی اللہ عنہ وعائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے مروی ہیں، تیسری چیز یعنی ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنا تو اس بارے میں کوئی حدیث صحیح صریح سے اس کا ثبوت نہیں ملتا البتہ احادیث ضعیفہ ہیں جو دونوں کو جمع کرنے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں زیادہ صریح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے جس کو بزار نے روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ''انا نتبع الحجارة الماء '' یعنی ہم پتھر کے ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں اس کے راوی محمد بن عبدالعزیز گو محدثین کے ہاں ضعیف ہے پھر بھی چونکہ دونوں کو جمع کرنے کا عمل باب فضائل سے ہے اس لئے حدیث قابل اعتبار ہے نیز یہ کہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ عمدہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اثر ہے ''ان من کان قبلکم کانوا یبعرون بعرًا وانتم تثلطون فاتبعوا الحجارة الماء '' اس اثر کی سند میں کسی نے کلام نہیں کیا اس کو ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے، اور عبدالرزاق نے بھی اپنی مصنف میں تخریج کیا ہے اور بیہقی نے بھی اپنی سنن میں طرق متعددہ سے نقل کیا ہے امام زیلعیؒ فرماتے ہیں ''هو اثر جيّد '' (نصب الرایہ) یہ اثر صریح طور پر دونوں کو جمع کرنے پر دال ہے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر چہ حدیث صحیح سے واضح طور پر جمع کا ثبوت مشکل ہے لیکن بعض احادیث ضعیفہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے اور اس کے استحباب پر جمہور سلف وخلف متفق ہیں، مگر حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ ڈھیلے کے استعمال کے بعد پانی سے استنجاء کرنا اِس زمانہ میں سنت ہے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ عہد رسالت میں تو صحابۂ کرام ڈھیلے کے استعمال پر اکتفاء کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''انهم کانوا یبعرون بعرًا وانتم تثلطون ثلطاً '' یعنی ان کا پاخانہ مینگنی کی طرح سخت اور بستہ ہوتا تھا جو اپنے محل سے ہی متعلق رہتا ہے اس لئے ڈھیلے کا استعمال کافی تھا اور تمہارا پائخانہ پتلا اور غیر بستہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے نجاست اپنے مخرج سے متجاوز ہو کر اِدھر اُدھر پھیل جاتی ہے اس لئے دونوں کی رعایت کرنی چاہئے اور وہ فرماتے تھے کہ دونوں کو جمع کرنے کا عمل عہد رسالت کے بعد اجماع صحابہ سے مسنون ہونا قرار پایا ہے جیسا کہ تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کا اجماع ہے، اسی طرح ابن نجیم نے بحر میں لکھا ہے ''وقیل الجمع سنة فی زماننا وقیل سنة علی الاطلاق وهو الصحیح وعلیه الفتوی، کذا فی سراج الوّهاج''

(ملتقطاً من معارف السنن للعلامة النبوریؒ)

النھی عن الاستنجاء بالیمین

داہنے ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت کا بیان

اخبرنا اسماعیل بن مسعود قال حدثنا خالد قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابی قتادة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی انائہ واذا اتی الخلاء فلا یمس ذکرہٗ بیمینہٖ ولا یتمسح بیمینہٖ.

عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیوے تو برتن میں سانس نہ ڈالے اور جب قضائے حاجت کرے تو داہنے ہاتھ سے عضو مستور کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔

اخبرنا عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن قال حدثنا عبد الوهاب عن ایوب عن یحییٰ بن ابی کثیر عن ابن ابی قتادة عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی ان یتنفس فی الاناء وان یمس ذکره بیمینہٖ وان یستطیب بیمینہٖ.

حضرت ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا اور دائیں ہاتھ سے عضو مستور کو چھونے سے اور اسی ہاتھ سے استنجاء کرنے سے۔

اخبرنا عمرو بن علی وشعیب بن یوسف واللفظ له عن عبد الرحمن بن مهدیٍ عن سفیان عن منصور والاعمش عن ابراهیم عن عبد الرحمن بن یزید عن سلمان قال قال المشرکون انّا لنریٰ صاحبکم یعلّمکم الخراءة قال اجل نهانا ان یستنجی احدنا بیمینه ویستقبل القبلة وقال لا یستنجی احدکم بدون ثلثة احجار.

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے ساتھی (یعنی حضور ﷺ) تم کو پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور قبلہ رخ بیٹھنے سے اور فرماتے کہ کوئی شخص بدون تین پتھروں کے استنجاء نہ کرے۔

اذا شرب احدکم الخ : فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پانی پئے تو سانس برتن میں نہ ڈالے بلکہ سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے علیحدہ کرلو اور تین سانس میں پیو اس ارشاد مبارکہ میں جس ادب کی تعلیم دی گئی ہے اس میں مصلحتیں ہیں جن کی طرف علامہ عینی اور قاضی بیضاوی وغیرہ نے اشارہ کیا ہے کہ اگر تین سانس میں پانی پیا جاوے تو تھوڑے پانی سے پیاس رفع ہو جاتی ہے اور سیرابی حاصل ہو جاتی ہے اور ہضم کرنے پر مددگار ہوتا ہے اور اس سے معدہ کی حرارت پر بھی زیادہ اثر نہیں پڑتا اور

پٹھے بھی کمزور نہیں ہوتے ، شمائل ترمذی میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے اور ہر دفعہ برتن کو منہ سے علیحدہ کر لیتے پھر برتن سے باہر سانس لیتے اور فرماتے "ھو امرء وارویٰ "یعنی تین سانس میں پینے کا عمل بہت مفید ہے اور اس سے اچھی طرح پیاس بجھ جاتی ہے اس کے برعکس اگر ایک سانس میں پانی پیا جائے تو اس کا اندیشہ ہے کہ پانی زیادہ مقدار میں ایک دم معدہ میں جائے گا اور اس سے امکان یہ ہے کہ معدے کی وہ حرارت باقی نہ رہے گی جو غذا کو پکانے کا کام کرتی ہے پھر جب اس کی حرارت بجھ جائے گی تو معدہ اپنے عمل میں کمزور ہو جائے گا جس کی وجہ سے غذا کچی رہ جائے گی پھر یہ غذا جگر میں پہنچے گی اور وہ بھی اپنا کام بخوبی انجام نہ دے سکے گا لہٰذا غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا اور غذا کا اصل مقصد یہ ہے کہ جسم کے ہر حصہ کو غذا پہونچتی رہے خون کی جگہ خون پہنچ جائے اور صفراء اسی طرح سوداء اور بلغم بھی اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں اور یہ سب چیزیں ایک دوسرے سے اس وقت الگ ہوتی ہیں جب غذا اچھی طرح پک جاتی ہے لیکن اگر پوری طرح غذا نہیں پک سکی تو بدن کے تمام اعضاء کو اس کی تقسیم بقدر ضرورت نہ ہو سکے گی لہٰذا بدن بھوکا رہے گا اور کمزور ہو جائے گا علاوہ اس کے ایک سانس میں سارا پانی پی لینا کمال حرص کی دلیل ہے اور یہ حیوان اور چوپایوں کی عادت ہے جس کی روایت میں ممانعت وارد ہوئی ہے فرمایا "ولا تشربوا واحداً کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنیٰ وثلاث "یعنی اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی مت پیو بلکہ دو تین سانس میں پی لیا کرو۔

تجربہ سے معلوم ہوا کہ دو تین دفعہ سانس لینے سے چند گھونٹ میں پیاس ختم ہو جاتی ہے اور ایک سانس میں پینے سے خصوصاً سخت گرمی میں اور شدت پیاس کی حالت میں پیاس کی بھڑک بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں پیاس کو رفع کرنے کے لئے زیادہ پی لیا جاتا ہے جس سے معدہ بوجھل ہو جاتا ہے جو موجب تکلیف ہے نیز برتن میں سانس لینا نظافت کے بھی خلاف ہے کیوں کہ بعض اوقات سانس کے ساتھ لعاب دہن یا آب بینی یا گندی بھاپ منہ سے خارج ہو کر پانی کو مکدّر کر دیتی ہے جس کی وجہ سے دوسرے پینے والوں کو بلکہ خود پینے والے کو بھی بعض اقات اس پانی سے نفرت ہو جاتی ہے ان تمام مصالح کی رعایت رکھتے ہوئے شریعت نے ادب سکھلایا ہے کہ پانی ایک ہی سانس میں مت پیا کرو بلکہ تین سانس میں پیا کرو اور تنفس کے وقت برتن کو منہ سے الگ کر لیا کرو۔ (ایضاح البخاری)

واذا اتی الخلاء الخ: فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو داہنے ہاتھ سے عضوِ مستور کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔

اس حدیث میں دو جملے استعمال فرمائے ہیں پہلا جملہ "فلا یمس ذکرہٗ بیمینہ " دوسرا جملہ "ولا یتمسح بیمینہ" اب دونوں کا مفہوم ایک ہے یا کچھ فرق ہے، علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ پہلے جملے کا تعلق چھوٹے استنجے یعنی پیشاب سے ہے اور دوسرے کا تعلق پاخانہ سے، امام موصوف نے جو توضیح کی ہے بظاہر قرینۂ تقابل سے معقول معلوم ہوتی ہے کہ نہ پیشاب کرتے وقت داہنے ہاتھ سے آلۂ تناسل کو چھویا جائے اور نہ پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد اس ہاتھ سے استنجاء کیا جائے، یہ نہی جو حدیث باب سے معلوم ہو رہی ہے، جمہور کے نزدیک نہی تنزیہی ہے، اصحاب ظواہر اس کو تحریم پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اگر داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے گا تو شرع کی رو سے درست نہ ہوگا بعض حنابلہ اور بعض شافعیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(عمدۃ القاری: ۱/۷۲۷)

اب رہا یہ سوال کہ ممانعت کی کیا وجہ ہے تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت اور شرافت دی ہے نیز اسلام کی نظر میں اعطاء کل ذی حق حقہ کا ضابطہ یعنی ہر مستحق کو اس کا حق دینے کا خیال رکھنا نہایت پسندیدہ ہے اس لئے داہنے ہاتھ کی شرافت کا مقتضی یہ ہے کہ جتنے بھی ادنی اور حقارت کے کام ہیں مثلاً استنجاء کرنا، ناک صاف کرنا وغیرہ ان کے لئے داہنا ہاتھ استعمال نہ کیا جائے بلکہ ایسے کاموں کے لئے بایاں ہاتھ موزوں ہے اور ان کے برخلاف جتنے بھی شریف کام ہیں مثلاً کھانا، پینا، وضو کرنا وغیرہ داہنے ہاتھ سے کئے جائیں اسی لئے (یعنی چونکہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر امتیازی شان حاصل ہے) رسول اکرم ﷺ کھانے پینے کی چیزوں کو داہنے ہاتھ سے لیتے تھے اور داہنے ہاتھ سے کھاتے تھے کسی کو کوئی چیز دینی ہوتو داہنے ہاتھ سے دیتے تھے لینی ہوتو اسی ہاتھ سے لیتے تھے غرض کہ جتنے شریف افعال ہیں ان کے لئے داہنا ہاتھ استعمال فرماتے اور اس ہاتھ کو ادنی چیزوں اور نجاست کی جگہوں کے چھونے سے بچاتے تھے ایسی چیزوں کے لئے بایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے چنانچہ اس کی تصریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آئی ہے فرماتی ہیں **"كانت يد رسول الله صلى الله عليه وسلم اليمنى لطهوره وطعامه وكانت يده اليسرى لخلائه وما كان من اذى"** اخرجہ اصحاب السنن، لفظ کانت بتلا رہا ہے کہ اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا جو طریقہ بیان فرمارہی ہیں کہ آپ اپنا داہنا ہاتھ کھانے پینے اور طہارت وغیرہ کے لئے استعمال فرماتے استنجاء اور جتنی بھی ادنی اور قابل نفرت چیزیں ہیں ان کے لئے بایاں ہاتھ استعمال فرماتے وہ آپ کی عادت مبارکہ تھی جس کی تائید حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہورہی ہے جو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق اور ہم معنی ہے چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **"ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يجعل يمينه لطعامه وشرابه وثيابه ويجعل شماله لما سوى ذالك"**

غرض کہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ شرافت والے امور کے لئے داہنا ہاتھ استعمال فرماتے اور وہ چیزیں جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے ان کے لئے بایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے، حلیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ عادت شریفہ مذکور ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی ہے اس وقت سے میں نے داہنے ہاتھ سے عضوِ مستور کو نہیں چھویا، نہی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کھاتے وقت داہنے ہاتھ کا استعمال ہوتا ہے اور جب کھانے کے دوران وہ بات آئے گی کہ اس ہاتھ سے تو استنجاء بھی کیا تھا تو اس سے طبیعت میں نفرت پیدا ہوگی۔

اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں جس نہی کا حکم مذکور ہے وہ حکم خاص ہے یا حکم عام ہے ترمذی میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **"ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى ان يمس الرجل ذكره بيمينه"** بظاہر یہ حدیث مطلقاً مس ذکر کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے حالانکہ اس کے برعکس نسائی کی روایت جو اس عنوان کے ماتحت مذکور ہے اور دوسری وہ حدیث جو پیچھے **"باب النهي عن مسّ الذكر باليمين عند الحاجة"** کے ماتحت بایں الفاظ آچکی ہے "ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا بال احدکم فلا یاخذ ذکرہٗ بیمینہ ''ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بحالت بول اور استنجاء کے ساتھ مقید ہے دوسرے اوقات میں چھونے کی ممانعت نہیں، بظاہر روایات میں تضاد ہے حافظ ابن دقیق العید نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ احادیث مطلقہ کو مقید پر حمل کیا جائے گا بشرطیکہ ان سب کا مخرج ایک ہو اور جن روایات میں ''اذابال احدکم ''وغیرہ کی قید آئی ہے وہ زیادۃ ثقات کے باب سے ہے جو مقبول ہے (فتح الباری وعمدۃ القاری) اسی طرح قاضی ابوالطیب نے بھی کہا (زہر الربی) اور اس سلسلے میں جتنی روایات مروی ہیں سب کا مخرج یحیٰی بن ابی کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ ہے کما قالہ السیوطی، لہٰذا ابن دقیق العید کے قولِ مذکور کے مطابق ترمذی کی روایت مطلقہ کو نسائی کی روایت مقیدہ پر محمول کیا جائے گا، لیکن امام نوویؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ ظاہر تر یہی ہے کہ حالت استنجاء اور غیر حالت استنجاء کے درمیان کوئی فرق نہیں اور حدیث میں حالت استنجاء کا ذکر اس کے ماسوا پر تنبیہ کی غرض سے ہوا ہے کیوں کہ جب مس ذکر بالیمین یعنی عضو مخصوص کو داہنے ہاتھ سے پکڑنا استنجاء کی حالت میں مکروہ ہے باوجود اس کے کہ اس حالت میں کبھی کبھی اس کے استعمال کی ضرورت بھی ہوتی ہے تو پھر اس کے ماسواء غیر ضروری احوال میں داہنے ہاتھ سے عضو مستور کو چھونا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا البتہ اگر بائیں ہاتھ میں عذر ہو جس کی وجہ سے اس کو استعمال نہیں کرسکتا تو پھر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ نہ ہوگا بلکہ جائز ہوگا۔

(شرح المقدمۃ الغزنویہ) حکاہ ابن عابدین فی حاشیتہ علی البحر

ترجمہ کے ماتحت کی دوسری اور تیسری حدیث کی مطابقت ترجمہ سے ظاہر ہے ان دونوں میں حدیث اول اگرچہ بلحاظ الفاظ کچھ مختلف ہے لیکن بلحاظ معنی حدیث سابق کے موافق ہے البتہ اس میں بلاقید حالت استنجاء کے علی الاطلاق ''وان یمسّ ذکرہٗ بیمینہ ''کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جس کی توجیہ وتشریح ہم حافظ ابن دقیق العید وغیرہ کے قول کے حوالہ سے اوپر نقل کرچکے ہیں۔

واللفظ لہٗ: تیسری حدیث میں سند کے بیان میں اس کی زیادتی ہے لہٗ کی ضمیر راجع ہے شعیب بن یوسف کی طرف حافظ ابن صلاح نے کہا کہ اگر کوئی حدیث راوی کے نزدیک دو شیخ یا دو سے زائد شیخ سے پہنچی ہو اور بلحاظ لفظ دونوں کی روایت میں تفاوت ہو لیکن باعتبار معنی ایک ہو تو ایسی صورت میں راوی حدیث اسناد میں دونوں کو جمع کردیتے ہیں پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک خاص شیخ کے الفاظ روایت کرتے ہیں مثلاً کہ مجھ سے فلاں اور فلاں نے حدیث بیان کی ہے مگر لفظ فلاں شیخ کا ہے تو اس سے تردد واشتباہ ختم ہوجاتا ہے جیسا کہ یہاں آخری حدیث امام نسائیؒ نے اپنے استاد عمرو بن علی اور شعیب بن یوسف دونوں سے حاصل کی ہے لہٰذا ضابطہ کے مطابق اسناد میں دونوں کا ذکر کیا ہے لیکن الفاظ حدیث جو نقل کر رہے ہیں وہ خاص شعیب بن یوسف کے ہیں اس لئے واللفظ لہٗ اضافہ کرکے انہی کے الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ تیسری حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن زید کی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے جس کی تشریح پچھلے عنوان ''النھی عن الاکتفاء الخ ''کے ماتحت گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو اور چونکہ اس حدیث کے جملہ ''نھانا ان یستنجی احد بیمینہ'' ترجمہ کے مقصد میں داخل ہے اور اس کو اس سے پوری مناسبت ہے اس لئے اس کے ماتحت لائے ہیں۔

باب دلکِ الید بالارض بعد الاستنجاء

استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل لینے کا بیان

اخبرنا محمد بن عبد الله بن المبارک المخرمی قال حدثنا وکیع عن شریک عن ابراهیم ابن جریر عن ابی زرعة عن ابی هریرة ﷺ ان النبی صلی الله علیه وسلم توضاء فلما استنجیٰ دلک یدهٗ بالارض.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے بعد استنجاء سے فارغ ہو جاتے تو اپنا ہاتھ زمین پر رگڑ لیتے تھے۔

اخبرنا احمد بن الصباح قال حدثنا شعیب یعنی ابن حرب حدثنا ابان بن عبد الله البجلی قال حدثنا ابراهیم بن جریر عن ابیه قال کنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فاتی الخلاء فقضیٰ الحاجة ثم قال یا جریر هات طهوراً فاتیتهٗ بالماء فاستنجیٰ بالماء وقال بیدهٖ فدلک بها الارض. قال ابوعبد الرحمن هذا اشبه بالصواب من حدیث شریک والله اعلم.

ابراہیم بن جریر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے قضائے حاجت کے بعد آپ نے فرمایا اے جریر پانی لے آؤ جریر کہتے ہیں کہ میں نے امتثال امر کو باعث سعادت سمجھ کر آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا پھر آپ نے پانی سے استنجاء فرمایا بعدازاں ہاتھ زمین پر مارا اور مٹی سے رگڑ لیا۔

عن ابی زرعة: ان کے نام میں اختلاف ہے بعض اصحاب رجال نے لکھا ہے کہ ان کے نام اور کنیت میں کوئی فرق نہیں ہے کنیت بھی یہی ہے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیدار ہوا ہے لیکن حدیث کا سننا ثابت نہیں ہے البتہ اپنے دادا جریر بن عبد اللہ اور حضرت معاویہ وابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص تعلق تھا ثقہ ہیں یہ ابوزرعہ ابن عمرو بن جریر بن عبد اللہ البجلی الکوفی اس حدیث کے راوی ابراہیم بن جریر کا بھتیجا ہے لہٰذا باعتبار نسب یہ روایت اکابر عن اصاغر ہے کیوں کہ ابراہیم بن جریر بلحاظ چچا بڑے ہونے کے باوجود اپنے بھتیجے ابوزرعہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں لیکن چونکہ باعتبار عمر ابوزرعہ اپنے چچا ابراہیم سے بڑے ہیں اس لحاظ سے یہ روایت روایت الاکابر عن الاصاغر کے باب سے نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسری بحث حدیث باب سے متعلق ہے جو عن شریک عن ابراہیم بن جریر کی سند سے مروی ہے ابن قطان نے اس حدیث میں کلام کیا ہے اور اس کو معلول قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں اس حدیث میں دو علتیں ہیں ایک تو راوی حدیث شریک کی قوت حفظ کا بگڑ جانا اور مشہور بالتدلیس ہونا، دوسری ابراہیم بن جریر جس سے شریک نے روایت کی وہ مجہول ہے لہٰذا حدیث

معلول ہوکر نا قابل اعتماد ٹھہری۔

اس اشکال کا جواب علامہ سیوطی نے دیگر اکابر محدثین کے اقوال کی روشنی میں دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حبان نے شریک کے استاد ابراہیم بن جریر کو ثقات میں سے شمار کیا ہے لہٰذا ان کو مجہول کہنا صحیح نہیں بلکہ معروف ہیں جس کی تائید وتوثیق ابن عدیؒ کے قول سے ہوتی ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ ابراہیم بن جریر درحقیقت ضعیف راوی نہیں ان کی احادیث درست ہیں لکھی جاتی ہیں البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا اسی طرح حافظ ذہبیؒ کے قول سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے وہ کہتے ہیں ''وھو صدوق ''یعنی ابراہیم بن جریر سچ بولنے والے ہیں ان کی حدیث میں ضعف انقطاع کی وجہ سے پیدا ہوا نہ کہ خرابی حفظ کی وجہ سے، غرض کہ جب حافظ ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا تو ابن قطان کا ان کو مجہول الحال کہنا غیر مقبول ہے، اب رہا شریک کا معاملہ تو اگر چہ ان کو ابن قطان نے ان کی قوت یادداشت میں نقصان آ گیا تھا کہہ دیا اور امام ترمذیؒ نے بھی ''وشریک کثیر الغلط '' کہا یعنی شریک بہت غلطی کرتا تھا لیکن ابن معین اور عجلی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے لہٰذا ان کی روایت قابل اعتبار ہے اور اس شریک سے مراد جو اس حدیث کی اسناد میں ہے شریک بن عبداللہ النخعی ابوعبداللہ قاضی کوفہ ہے جو صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں نہ کہ شریک بن عبداللہ ابوعبداللہ المدنی جو بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں، امام نسائیؒ بھی حدیث شریک کو ضعیف قرار دے رہے ہیں لیکن دوسرے طریقہ سے چنانچہ حدیث شریک کے بعد حدیث ابان بن عبداللہ البجلی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''ھذا شبہ بالصواب من حدیث شریک واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم ''یعنی حدیث ابان بہ نسبت حدیث شریک کے اشبہ بالصواب ہے، ابن الموفق اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نسائی کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی اسناد سے بیان کی ہوئی حدیث اولیٰ ہے اس حدیث سے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کی گئی ہے، جس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ابراہیم کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں اسی لئے ابوحاتم اور ابوداؤد نے کہا کہ ان کی حدیث جو اپنے والد سے نقل کی ہے مرسل ہے بہرحال امام نسائیؒ باوجود اس کے کہ محدثین حضرات نے راوی حدیث ابان میں کلام کیا ہے روایت ابان کو روایت شریک پر ان وجوہ کی بنا پر ترجیح دے رہے ہیں۔

اس کا جواب علامہ ماردینیؒ نے دیا ہے فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حدیث ابان حدیث شریک سے اشبہ بالصواب ہے کیوں کہ اس ابان کے بارے میں حافظ ابن حبان نے کہا ''کان ممن فحش خطاءہٗ وانفرد بالمناکیر یعنی یہ انہی لوگوں میں سے تھے جو از حد غلطی کرتے تھے نیز منکر حدیثوں کی روایت میں وہ منفرد تھے بخلاف شریک قاضی کے کہ وہ روایت حدیث میں بہت بلند اور زیادہ قابل تھے اور حافظہ بھی بہت اچھا تھا امام مسلم نے بطورِ شاہد ان سے روایت تخریج کی ہے لیکن ابان سے کوئی حدیث نہیں لی آگے چل کر کہتے ہیں کہ صریفینی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب میری نظر سے گذری اس میں ہے ''قال الحاکم احتج بہ مسلم وحدیثہٗ ھذا اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ فلا نسلم ان حدیث ابان اشبہ بالصواب منہ ای من حدیث شریک '' علاوہ اس کے یہ امر ناممکن نہیں کہ ابراہیم کو یہ حدیث دونوں طریق سے پہنچی ہو ایک تو ابوزرعہ کی سند سے دوسرے اپنے والد جریر کی سند سے جیسا کہ اس کی نظیر بیہقی وغیرہ میں موجود ہے، بیہقی میں ''باب البولی

قائماً''اور''باب ما یقول اذا اراد دخول الخلاء ''میں ملاحظہ ہو۔

فدلک بھا الارض :یعنی آپ استنجاء کے بعد ہاتھ زمین پر مَل کر دھوتے تا کہ بدبو ختم ہو جائے اور خوب اچھی طرح پاک وصاف ہو جائے ورنہ اصل طہارت تو صرف دھونے سے بھی حاصل ہوتی ہے کیوں کہ اس سے نجاست کا عین اور اثر دونوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

اب اشکال یہ ہے کہ علماء نے حضور اکرم ﷺ کے فضلات کو پاک کہا ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے لہٰذا استنجاء کے بعد آپ کا ہاتھ بدبودار نہیں ہوسکتا اس کا جواب بذل المجہود میں یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل تعلیم امت کے لئے تھا کہ جب امت کے لوگ استنجاء کریں گے تو شاید ان کا ہاتھ نجاست سے ملوث ہو یا نجاست کا کچھ اثر ہاتھ میں باقی رہا ہو ایسی حالت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اسی فعل کی تعلیم حدیث باب میں فرمائی ہے کہ استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر مَل کر دھولیا جائے اس سے خوب اچھی طرح سے پاک وصاف ہو جائے گا اور بدبو ختم ہو جائے گی اس بناء پر علماء نے اس کو افضل قرار دیا ہے۔

باب التوقیت فی الماء

بیان میں پانی کی تحدید کے

اخبرنا هناد بن السری والحسین ابن حریث عن ابی اسامة عن الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن عباد عن عبیدالله ابن عبد الله بن عمر عن ابیه قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الماء ومایَنوبه من الدوابّ والسباع فقال اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے اس پانی کے متعلق پوچھا گیا جو جنگل وبیابان میں ہوتا ہے اور اس پانی سے چوپائے اور درندے پیتے ہیں فرمایا آپ نے کہ جب پانی قلتین ہو تو نہ اٹھائے گا ناپاکی کو۔

تشریح :اس ترجمہ کے انعقاد کا حاصل یہ ہے کہ کس قدر پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہوتا ہے اور کتنا پانی ناپاک نہیں ہوتا اس سلسلے میں ابن عمر ؓ کی روایت لا کر بتلا دیا کہ اگر پانی بقدر قلتین ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اور اگر اس مقدار سے کم ہو تو ناپاک ہو جاتا ہے اس حدیث پر نہ مالکیہ نے عمل کیا ہے اور نہ ہی حنفیہ نے حضرت امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ بھی ان کے ساتھ ہیں ان دونوں حضرات نے اس حدیث کی بناء پر قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے کہ اگر پانی قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو کثیر ہے لہٰذا اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا البتہ اگر نجاست کی وجہ سے پانی کا کوئی وصف بدل جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اور اگر پانی قلتین سے کم ہو تو وہ ماء قلیل ہے اس میں نجاست گر جانے کے بعد فوراً ناپاک ہو جاتا ہے، مالکیہ تغیر وصف کا اعتبار کرتے ہیں لیکن حس اور مشاہدہ کے اعتبار سے لہٰذا اگر پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو گیا تو تھوڑا پانی سمجھا جائے گا ورنہ ماء کثیر ہے ان کی دلیل ایک تو حضرت ابوامامہ کی روایت ہے جس

میں ''ان الماء طاهر الا ان یتغیر ریحهٔ الخ '' کے الفاظ آئے ہیں یعنی پانی پاک ہے جب تک کہ اس کی بو یا مزہ یا رنگ نہ بدلے اس نجاست کی وجہ سے جو اس میں واقع ہوئی، دوسری وہ حدیث ہے جس میں بئر بضاعہ کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان الماء طهور لا ینجسه شئی '' کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی، البتہ تغیر اوصاف کے بعد پانی قلیل ہو یا کثیر ناپاک سمجھا جائے گا، بہر حال مالکیہ شوافع کی طرح تحدید ماء کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک طہارت و نجاست کے درمیان اوصاف کی تبدیلی حد فاصل ہے اگر اوصاف بدل گئے تو ناپاک ہے اور اگر پانی اپنے اوصاف پر قائم ہے تو پاک ہے پانی کم ہو یا زیادہ ہر حال میں پاک رہے گا ہم ان کے دلائل کا جواب دیں گے۔

حضرات حنفیہ بھی تحدید کے قائل نہیں احناف کثیر اور قلیل پانی کے درمیان غلبۂ ظن کو معیار مانتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے شخص کا گمان غالب ہو کہ دوسری جانب میں نجاست نہیں پہنچی ہے تو ایسے تالاب اور حوض کا پانی کثیر سمجھا جائے گا لہٰذا اس پانی سے طہارت جائز ہے ورنہ نہیں یہی ظاہر روایت ہے جو امام اعظمؒ سے منقول ہے اور امام محمدؒ نے اسی کی طرف رجوع کیا ہے ''وهو الاصح كما في الغاية وغيرها ''۔

اور یہ جو بعض کتب فقہ میں کثیر پانی کی تحدید دہ دردہ سے کرنے کا بیان آیا ہے اس کی نسبت ہمارے ائمہ ثلاثہ کی طرف کرنا درست نہیں ہے، صاحب بحر وغیرہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدید مذکور نہ امام ابو حنیفہؒ سے ثابت ہے اور نہ امام ابو یوسفؒ سے اور نہ امام محمد بن حسنؒ سے بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ امام محمدؒ سے کسی نے حوض کبیر کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس کے جواب میں فرمایا ''کمسجدی هذا '' پھر لوگوں نے اس کی پیمائش کی تو ہشت در ہشت پایا اور بعض حضرات نے کہا کہ اندر کا حصہ ہشت در ہشت اور باہر کا حصہ عشرانی عشر یعنی دہ دردہ پایا۔

شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا کہ 'لا اوقت فیه شیئاً '' یعنی میں پانی کو خاص مقدار کے ساتھ تحدید نہیں کرتا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے ابھی تک اس کے ثبوت میں تردد ہے کہ ان کا مذہب ہے یا نہیں رجوع تو بعد کو ثابت ہوگا، بہر حال امام محمدؒ نے جو بات تخمینی طور پر فرمائی تھی اسے ان کا مذہب قرار دینا صحیح نہیں لفظ کاف تقریبی انداز ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ ان کا مذہب بھی وہی ہے جو امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ غالب رائے کا اعتبار کرتے ہیں البتہ متاخرین علماء مذہب نے مثلاً صاحب ہدایہ اور قاضی خان وغیرہ نے عام لوگوں کی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے دہ دردہ کی تحدید کا قول اختیار کیا انہوں نے دیکھا کہ اگر مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے تو عجیب نہیں کہ لوگ خلط ملط کرنے لگیں لہٰذا کوئی آسان چیز ان کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جس سے قلیل اور کثیر پانی کے درمیان فرق کرنے میں دقت پیش نہ آئے اس بناء پر متاخرین نے ان کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے دہ دردہ کے ساتھ فتویٰ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دہ دردہ کے ساتھ تحدید درحقیقت اس باب میں کوئی مستقل قول نہیں بلکہ ایک خاص شکل میں مذہب امام کی تعبیر ہے لہٰذا جس نے اس کو مستقل قول سمجھ کر آپ کے جملہ اقوال میں سے ایک قول قرار دیا ہے غالباً اس کی نظر اس باریک بات کی طرف نہیں پہونچی ہوگی۔ (والله اعلم)

یہاں اور ایک بات قابل ذکر ہے کہ اوپر آچکا ہے کہ احناف مبتلیٰ بہ کے ظن غالب کو حد فاصل قرار دیتے ہیں صاحب درمختار اور علامہ شامی کی تصریح کے مطابق ہمارے ائمہ ثلاثہ کی ظاہر روایت یہی ہے لیکن اس کے برعکس ہدایہ وغیرہ میں غدیر عظیم کی یہی تعریف کی ہے "مالا یتحرک فیه بتحریک الطرف الآخر "یعنی بڑے تالاب اور حوض اس کو کہتے ہیں جس کے ایک کنارہ پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب پانی میں حرکت پیدا نہ ہو، معراج الدرایہ وغیرہ میں اس کو بھی ظاہر مذہب قرار دیا ہے، اور یہ متقدمین حنفیہ کا قول ہے حتی کہ صاحب بدائع اور محیط نے کہا کہ "اتفقت الروایة عن اصحابنا المتقدمین انه یعتبر بالتحریک "اور تاتارخانیہ میں ہے کہ اعتبار تحریک کا قول کتب مشہورہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے غرض کہ اس سے معلوم ہوا کہ کثیر اور قلیل پانی کا دارومدار تحریک پر ہے اب بظاہر دونوں اقوال میں تضاد معلوم ہو رہا ہے کیوں کہ مبتلیٰ بہ کے ظن غالب کا اعتبار ایک امر باطنی ہے جو رائے قائم کرنے والوں کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے لیکن ایک کنارہ پر حرکت دینے سے دوسری جانب میں حرکت پیدا ہونا ویسا نہیں بلکہ یہ تو امر حسی ہے جو ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے اور مختلف نہیں ہوتا باوجود اس کے دونوں میں سے ہر ایک قول کتب معتبرہ کی تصریح مذکور کے مطابق ہمارے ائمہ ثلاثہ کی ظاہر روایت ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے، صاحب امانی الاحبار نے اس کو نقل کرنے کے بعد دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے "بان المراد غلبة الظن بانه لوحرک لوصل الیٰ الجانب الآخر اذا لم یوجد التحریک بالفعل (امانی الاحبار :۱/۵)"
اب دونوں میں کوئی تضاد نہیں رہا، بہر حال اس تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک مالکیہ کے مسلک سے مختلف ہے احناف کثیر اور قلیل پانی کے درمیان فرق کے قائل ہیں اور ہر ایک کا حکم بھی الگ الگ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تھوڑے پانی میں نجاست گر جائے تو تغیر اوصاف تک توقف نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ فوراً نا قابل استعمال ہو جاتا ہے لیکن اگر کثیر پانی میں نجاست واقع ہو جائے تو گرتے ہی وہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتی لہٰذا پانی عدم تغیر اوصاف تک پاک رہے گا لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک وصف بدل گیا ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا کیوں کہ شریعت نے ماء کثیر کی طہارت و نجاست کا مدار تغیر اوصاف و عدم تغیر پر رکھا ہے، لہٰذا جہاں دلیل نجاست یعنی تغیر پایا جائے وہاں پانی کا حکم بدل جائے گا یعنی پانی کو ناپاک قرار دیا جائے گا اور جہاں ایسا نہیں بلکہ پانی اپنے اوصاف پر قائم ہے تو اپنی طہارت اصلیہ پر باقی رہے گا۔
الغرض شوافع کی طرح احناف بھی کثیر و قلیل کا فرق کرتے ہیں ماء کثیر میں تغیر اوصاف کو دیکھتے ہیں لیکن وہ پانی جس کی مقدار قلیل ہو اس میں نجاست گرنے سے تغیر اوصاف ہو یا نہ ہو بہر صورت ناپاک ہو جاتا ہے جس پر روایات دلالت کرتی ہیں، اب ہم انہیں نقل کرتے ہیں۔

دلیل اول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقه ثم لیغسله سبع مرات " (رواہ مسلم وغیرہ) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال کر پانی پیئے تو اس کو گرادے پھر سات دفعہ دھولے، ظاہر بات ہے کہ کتے کے صرف منہ ڈالنے سے پانی وغیرہ میں رنگ، مزہ، بو کچھ نہیں بدلتا لیکن اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن دھونے اور پانی وغیرہ کے

گرا دینے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑا پانی نجاست گرنے کے فوراً بعد ناپاک ہو جاتا ہے گو تغیر وصف نہ ہوا ہو پس یہ حدیث مسلک حنفیہ کی دلیل اور مالکیہ پر حجت ہے۔

دلیل دوم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں ''اذا استیقظ احدکم من نومہ الخ ''یعنی جب کوئی نیند سے اٹھے تو برتن میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے جب تک اس کو تین دفعہ نہ دھولے اس کا سبب یہ ہے کہ ''فانہ لایدری این باتت یدہٗ '' کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ نیند میں اس کا ہاتھ بدن کے کس کس حصہ سے متعلق رہا، اس حدیث میں احتمال نجاست کی وجہ سے کہ شاید نوم کی حالت میں ہاتھ عضو مخصوص پر پہنچ گیا ہو اور اس سے مذی وغیرہ ہاتھ میں لگ گئی ہو لہٰذا بطور احتیاط بدون پاک کئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ احتیاط اسی وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ ہاتھ کو نجاست لگنے کا یقین ہونا اور بدون دھوئے اسکو پانی میں ڈال دینا پانی کو ناپاک کر دیتا ہو کیوں کہ اگر یقین کی حالت میں بھی پانی ناپاک نہ ہوا تو پھر احتمال کی صورت میں احتیاط کی کیا ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ اس تھوڑی سی نجاست سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ قلیل پانی میں نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے یہ ماء قلیل اور کثیر کا فرق نہیں تو اور کیا ہے، یہ حدیث بھی مالکیہ پر حجت ہے۔

دلیل سوم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا'' لا یبولن احدکم فی الدائم الذی لا یجری ثم یغسل فیہ '' (رواہ البخاری) اس حدیث میں ٹھہرے ہوئے غیر جاری پانی میں پیشاب کی ممانعت کا جو حکم بیان فرمایا ہے یہ حکم بھی قلیل اور کثیر کے درمیان اس فرق کو ظاہر کر رہا ہے کہ قلیل پانی میں صرف ناپاکی گرنے سے فوراً ناپاک ہو جاتا ہے اور اس حکم میں کچھ فرق نہیں ہے چاہے پانی دو قلہ کے برابر ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو یا متغیر یا غیر متغیر ہو کیوں کہ حدیث میں حکم عام ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی مسلک حنفیہ کی دلیل اور مالکیہ وشافعیہ پر حجت ہے۔

حدیث باب سے استدلال کا جواب

شوافع کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث قلتین مضطرب ہے کیوں کہ اس کی اسناد اور متن اور معنی مضطرب ہے اور سند میں اضطراب اس طرح کہ اس حدیث کا مدار ولید بن کثیر پر ہے کبھی تو کہتے ہیں عن محمد بن جعفر بن الزبیر اور کبھی کہتے ہیں عن محمد بن عباد بن جعفر پھر اس کے بعد کبھی تو کہتے ہیں عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر اور کبھی کہتے ہیں عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر، شوافع اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ کوئی ایسا اضطراب نہیں ہے جس کی وجہ سے حدیث مطعون و معلول ہو کر ساقط الاعتبار ہو جائے کیوں کہ یہ طریقۂ مذکورہ انتقال من ثقۃ الیٰ ثقۃ، یعنی ایک ثقہ راوی سے دوسرے ثقہ راوی کی طرف منتقل ہونے کے باب سے ہے بشرطیکہ تمام راوی معتبر اور محفوظ ہوں اور اس حدیث کے تمام راوی محفوظ ہیں لہٰذا جائز ہے کہ ولید بن کثیر نے اس کو دونوں سے سنا ہو اور عبید اللہ اور عبد اللہ دونوں حضرت عبد اللہ بن عمر کے بیٹے ہیں ان دونوں نے اپنے والد سے سنی ہوگی۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ تحقیقی نقطۂ نظر سے ولید بن کثیر کا سلسلہ درست ہے کہ ان کے پاس یہ حدیث دو طریق سے پہونچی ہے اور وہ دونوں طریق سے روایت کرتے ہیں ایک طریق میں عن محمد بن عباد بن جعفر عن عبد اللہ مکبر سے اور دوسرے

میں عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر مصغر سے اور جس نے اس کو چھوڑ کر کسی اور طریق سے روایت کی اس نے غلطی کی تفصیل کے لئے تلخیص الحبیر ملاحظہ ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ اس طرح کے احتمالات سے بجائے دفع اضطراب کے اس کو اور زیادہ تقویت ملتی ہے بہر حال حدیث مذکور عدم ضبط راوی کو ظاہر کر رہی ہے جو ضعف حدیث کا موجب ہے اس کی تائید امام ترمذی کے اس حکم اضطراب سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی سنن میں حضرت زید بن ارقم کی حدیث ''اللّٰھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث'' پر لگایا ہے انہوں نے باب کے آخر میں کہا ''قال ابو عیسیٰ سالت محمداً عن ھذا'' یعنی امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام بخاری سے حدیث زید بن ارقم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ''یحتمل ان یکون قتادۃ رویٰ عنھما جمیعًا'' کہ ممکن ہے قتادہ نے نضر بن انس اور قاسم بن عوف شیبانی دونوں سے سنا ہو دیکھئے اپنے شیخ کے اس قول کے باوجود اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور حدیث زید بن ارقم کی اسناد میں اضطراب کا حکم لگانے سے باز نہیں رہے۔غرض کہ کسی ایک طریق کو راجح قرار دیا جائے اور دوسرے کو مرجوح یا جمع بین الطریقین کی صورت نکالی جائے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے دار قطنی کے طرز پر چلتے ہوئے اختیار کی ہے بہر صورت اختلاف حفاظ کی وجہ سے اس حدیث کی سند میں تردد ضرور باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری علت اس حدیث میں اضطراب لفظی بہت ہے کسی روایت میں قلتین ہے اور کسی میں قلتین اوثلاثا ہے کسی میں اربعین دلواً ہے کسی میں اربعین غرباً ہے اور ایک صحیح روایت موقوفہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اربعین قلۃ ہے اور ایک روایت میں جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع نقل ہوئی ہے اربعین قلۃ ہے، تیسرا اضطراب اس حدیث کے لفظ قلہ کے معنی میں ہے قلہ چھوٹی ٹھلیا کو بھی کہتے ہیں بڑے مٹکے اور مشک کو بھی کہتے ہیں ''راس الجبل'' یعنی پہاڑ کی چوٹی کے معنی میں بھی آتا ہے اور قامت انسان کو بھی کہا جاتا ہے تو یہاں ان معانی مختلفہ میں سے کونسے معنی مراد ہیں پہلے اس کا تعین ہونا چاہئے جب تک اس کا تعین نہ ہو اس سے قلتین کی طہارت پر استدلال نہیں ہوسکتا حدیث سے تو اس کی تفسیر ثابت نہیں محض قیاس سے اس کی تفسیر کی گئی ہے شوافع نے کہا کہ ہم اس مقام میں قلہ کے معنی مٹکے کے لیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ مٹکے میں بھی چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ دو قلے ہجر کے مراد ہیں (ہجر بحرین کے ایک صوبے اور شہر کا نام ہے) وہاں کے مٹکے بڑے بڑے ہوتے ہیں اس پر اپنی مسند میں امام شافعیؒ نے ایک روایت پیش کی ہے جس میں من قلال ہجر کی تصریح ہے مگر ساتھ ہی کہہ دیا ''باسناد لا یحضرنی ذکرہ'' اس حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں میں نے ہجر کے قلوں کو دیکھا ''فالقلۃ تسع قربتین وشیأ'' امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ زیادہ کہنے کے مطابق احتیاط کے واسطے اڑھائی مشک کرلی تو ان کے مذہب کے مطابق دو قلوں کے پانچ مشکیں ہوئیں اور مشک بحساب شرع کے پچاس سیر پانی ہے تو قلتین دو سو پچاس سیر پانی ہوا۔(واللہ اعلم)

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر قلہ سے ہجر کے قلے مراد لینا درست نہیں کیوں کہ اس کے اندر ایسی چند علتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ نا قابلِ حجت بن جاتی ہے علامہ ماردینیؒ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

ایک تو اس روایت مذکورہ کے راوی مسلم بن خالد جن سے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے ان کو محدثین کی ایک جماعت مثلاً

علی بن المدینیؒ اورامام بخاریؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور خود امام بیہقیؒ نے ''**باب من زعم ان التراویح بالجماعة افضل**'' میں انہیں ضعیف کہا ہے۔

دوسری علت یہ ہے کہ وہ حدیث بغیر اسناد کی ہے جیسا کہ خود امام شافعیؒ کہتے ہیں ''**باسناد لا یحضرنی ذکرهٗ**'' کیا ایسی حدیث جس کی اسناد ہی معلوم نہ ہو خصم تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں غرض کہ حدیث مذکور کی اسناد مجہول ہونے کی وجہ سے انقطاع کے درجہ میں ہے اور حدیث منقطع حجت نہیں بن سکتی۔

تیسری علت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کا قول ''**وقال فی الحدیث بقلال هجر**'' سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ یہ لفظ پیغمبر ﷺ کا ہے لیکن ابن جریج کی روایت سے جس کو بیہقی نے اس روایت مذکورہ کے بعد سنن کبریٰ میں لایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفظ یحییٰ بن عقیل کا ہے چنانچہ وہاں ہے کہ ابن جریج کے شیخ محمد نے اپنے استاد یحییٰ بن عقیل سے پوچھا کہ ''**اذا کان الماء قلتین الخ**'' میں قلتین سے قلال ہجر مراد ہے تو انہوں نے کہا قال قلال ہجر کہ یہاں مراد قلے ہجر کے ہیں اور یحییٰ بن عقیل صحابی نہیں لہٰذا ان کے قول سے قلتین کی تفسیر کرنا اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے بہر حال قلتین کی تفسیر کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اس کی تفسیر محض قیاس سے کی گئی ہے اور جب قلے کے معنی ہی معلوم نہیں ہوئے اور مقدار ہی متعین نہیں ہوسکی تو حدیث قلتین ضعیف ہوگی اس لئے اس سے پانی کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی کہ قلتین کو ماء کثیر اور اس سے کم کو ماء قلیل کہا جائے چنانچہ امام طحاویؒ نے اسنادی بحث تو نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا ''**انما ترکناه لانا لانعلم ماالقلتان**'' یعنی اس حدیث کو ہم نے اس واسطے ترک کردیا کہ ہم نہیں جانتے دو قلے کیا ہیں، حافظ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ حدیث قلتین صحیح ہے محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے البتہ وہ مضطرب الاسناد ہے اور اس کے بعض الفاظ میں اختلاف ہے جس کا صحیح جواب دیا جاسکتا ہے لیکن میں نے اس کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ہمارے نزدیک مقدار قلتین کی تعیین بطریق استقلال نہیں ہوسکی جس کی طرف شرعاً رجوع کرنا واجب ہو بقول حافظ ابن حجرؒ کے ان کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس کو ابن عدی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''**اذا بلغ الماء قلتین من قلال هجر لم ینجسه شئی**'' ابن عدی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ قول من قلال ہجر، محفوظ نہیں صرف اسی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور کسی حدیث میں اس کا ذکر ہی نہیں اور اس کی اسناد میں مغیرہ بن سقلاب راوی منکر الحدیث ہے اور نفیلی نے کہا ''**لم یکن مؤتمنا علی الحدیث**''۔

بہر حال اس تفصیل مذکور سے واضح ہوا کہ حدیث قلتین ایسی متین اور مستند نہیں ہے جس پر طہارت و نجاست کے سارے احکام و مسائل مرتب کئے جائیں اور اگر ہم سند اور متن سے دفع اعتراض کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی مقدار قلہ کا اختلاف اس پر عمل کرنے سے مانع ہے چنانچہ محقق ابن عبدالبر مالکیؒ نے بھی تمہید میں یہی عذر بیان کر کے ناقابل عمل قرار دیا ہے فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے جس مذہب کا اثبات حدیث قلتین سے کیا ہے وہ بطریق نظر ضعیف ہے اور بحیثیت اثر غیر ثابت ہے کیوں کہ حدیث مذکور میں اہل علم کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے علاوہ اس کے قلتین کی مقدار بھی کسی حدیث یا اجماع سے ثابت اور متعین نہیں ہوسکتی اور موصوف نے استذکار میں فرمایا کہ حدیث قلتین معلول ہے اور شیخ ابن ہمامؒ نے کہا فتح القدیر میں کہ اس حدیث کو جن

محدثین نے ضعیف کہا ان میں سے حافظ ابن عبد البر مالکیؒ اور قاضی اسماعیل بن ابی اسحٰق اور ابوبکر بن العربی مالکیؒ ہیں اور بدائع میں ہے ''عن ابن المدینی لا یثبت حدیث القلتین '' یعنی ابن المدینی نے کہا حدیث قلتین مرفوعاً حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، زیلعیؒ نے کہا ہے کہ حدیث قلتین ثابت نہیں محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے ''حتی قال البیھقی من الشافعیة انهٔ غیر قوی '' حتی کہ امام بیہقیؒ جن کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ سارے شوافع پر ان کا احسان ہے وہ بھی حدیث قلتین کو غیر قوی فرما رہے ہیں، اور امام غزالیؒ اور رویانیؒ نے باوجود امام شافعیؒ کی شدۃ اتباع کے اس حدیث کو ضعیف ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے حدیث قلتین کی سند کو صحیح تسلیم کر لینے کے باوجود یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کا متن غیر صحیح ہے کیوں کہ صرف صحت سند سے کسی حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس سے شذوذ اور علت ختم نہ ہو جائے اور یہ دونوں امور حدیث مذکور سے دور نہیں ہوئے اب کیا شذوذ اور کیا علت ہے اس کی تفصیل کے لئے تہذیب السنن لابن القیم میں ملاحظہ کیجئے یا معارف السنن لعلامۃ البنوری: (۱ / ۲۳۲) میں ملاحظہ ہو اس میں بقدر ضرورت بحث بحوالہ تہذیب السنن نقل کی ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود اگر وہ حدیث ہر قسم کے اضطراب سے سالم اور صحیح مان بھی لی جائے تو ہمارے نزدیک اس صورت پر محمول ہے جبکہ پانی زمین پر پھیلا ہوا ہو جیسا کہ حوض و تالاب اور جھیل میں ہوتا ہے اس کی دلیل ترمذی کی حدیث ہے اس میں ''عن الماء کے بعد یکون فی الفلاة من الارض '' کی قید ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ سے جنگل کے پانی کے متعلق دریافت کیا گیا تھا جس سے درندے پانی پیتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا جب پانی بقدر قلتین ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ جنگل کا پانی اکثر پھیلا ہوا ہوتا ہے اور دو قلہ پانی زمین پر پھیلا ہوا ہونے کی شکل میں اگر اس کی گہرائی اس قدر ہو کہ چلو بھر کر پانی لینے سے زمین ظاہر نہ ہو تو پھر وہ پانی وسیع جگہ میں ہوگا جس کے ایک کنارہ کی حرکت سے دوسری طرف حرکت نہیں کرتی ہے اور ظاہر مذہب میں اسی پانی کو ماء کثیر کہتے ہیں اور دہ در دہ کی حد تو انتظام عوام کے لئے ہے، تابع الاثار (ص، ۶۸) اور حدیث کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد اس کا محمل ماء کثیر ہونا اس واقعہ سے بھی مفہوم ہو رہا ہے جو علامہ سمعانی نے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسف نے کہا کہ ایک دن مجھ سے امام اعظمؒ نے پوچھا کہ اس حدیث یعنی ''اذا کان الماء قلتین الخ '' کے کیا معنی ہیں تو میں نے کئی معنی بیان کئے مگر میرے شیخ راضی نہیں ہوئے تو میں نے کہا آپ بیان فرما دیں تو فرمایا کہ اس کے معنی ہیں ''اذا کان جاریاً '' (جاری سے مراد کثیر ہے) گویا کنایہ ہے کثرت ماء سے جو اوانی کی حد سے نکل گیا اور معادن کی حد میں داخل ہو گیا کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اس قدر خوش ہوئے کہ امام اعظمؒ کی پیشانی چوم لی اور شدۃ فرح سے رونے لگے بہر حال اس حدیث میں مقصود تحدید نہیں بلکہ کنایہ ہے ''اذا کان الماء کثیراً '' سے۔

(واللہ اعلم)

اب مالکیہ کے مستدل کا جواب انہوں نے ایک تو حدیث بئر بضاعہ سے استدلال کیا ہے دوسرے حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ باہلی سے۔

وہ کہتے ہیں کہ ''ان الماء طهور لا ینجسهٔ شیئی ''میں الف لام جنس کے لئے ہے کہ اگر چہ مورد خاص ہے مگر حکم عام ہے لہٰذا ان کے نزدیک پانی تھوڑا ہو یا بہت ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کا تغیر نہ ہو، جواب اس کا یہ ہے کہ الف لام الماء میں جنس کے لئے نہیں بلکہ عہد خارجی کے لئے ہے اور معہود بضاعہ نامی کنواں ہے جو مدینہ میں ایک معروف کنواں ہے کیوں کہ صحابہ کرام نے سوال بئر بضاعہ کے متعلق کیا تھا نہ کہ عام کنویں کے متعلق لہٰذا جواب بھی اس کے مطابق دیا گیا نہ کہ مطلق بقیہ پانیوں کا حکم اس حدیث میں بیان کیا گیا، یہاں تو صرف بئر بضاعہ کے پانی کا حکم بیان فرمایا ہے لہٰذا الماء طهور الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم جس کنویں کے متعلق دریافت کر رہے ہو اس کا پانی طاہر و مطہر ہے جب تک کہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کا تغیر نہ ہو اس قید کی اس لئے ضرورت ہے کہ تغیر اوصاف کے بعد پانی بدلیل اجماع ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کنویں کا پانی جاری تھا اس کے پانی سے باغات سیراب کئے جاتے تھے جیسا کہ امام طحاویؒ نے واقدی سے نقل کیا ہے اور واقدی کا قول سیر و اخبار اور ان واقعات میں جو زمانہ رسالت میں اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد واقع ہوئے حجت ہیں، اور جب وہ جاری تھا تو اس کا پانی ناپاک نہیں ہوسکتا۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث بئر بضاعہ اپنے اطلاق اور عموم پر نہیں ہے نیز اس کے اطلاق کو یہ حدیث بھی باطل کرتی ہے فرمایا ''لایبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه ''رواہ البخاری، اگر رکے ہوئے غیر جاری پانی میں پیشاب کرنے سے وہ پانی ناپاک نہ ہو تو پھر ممانعت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اسی طرح ''اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیهر قه الخ ''اور ''اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمسن یدهٗ فی وضوئه الخ ''روایات بھی حدیث بئر بضاعہ کے اطلاق اور عموم کو باطل کرتی ہیں لہٰذا ارشاد مبارک ''الماء طهور لا ینجسه شیئی ''سے مالکیہ کا اپنے مسلک کے لئے تمسک کرنا صحیح نہیں ہے۔

مالکیہ کی دوسری دلیل حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آچکا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی رشدین بن سعد ضعیف ہے ترمذی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا شیخ ابن ہمامؒ نے کہا کہ اس کو بیہقی نے اور دو طریق سے روایت کیا ہے ان میں رشدین بن سعد نہیں ہے ایک طریق میں ''ان الماء طاهر الاان یتغیر ریحهٗ او طعمهٗ او لونهٗ بنجاسة تحدث فیه ''دوسرے طریق میں ''الماء لا ینجس الا ما غیر طعمهٗ او ریحه ''کے الفاظ آئے ہیں بیہقی نے کہا'' والحدیث غیر قوی ''یعنی یہ حدیث قوی نہیں، غرض یہ کہ استثناء والی حدیث مذکور قوی نہیں ہے۔

(واللہ اعلم)

ان سب تحقیقات کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب بہت احوط ہے لہٰذا اسی پر عمل کرنا چاہئے کیوں کہ جو پانی حنفیہ کے نزدیک پاک ہوگا وہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور احمدؒ وغیرہم کے نزدیک بالاتفاق پاک ہوگا اور برعکس اس کے مختلف فیہ ہے بعض کے نزدیک پاک اور بعض کے نزدیک نجس۔

ترک التوقیت فی الماء

اس امر کے بیان میں کہ پانی میں کوئی تحدید نہیں

اخبرنا قتیبة قال حدثنا حماد عن ثابت عن انس ان اعرابیابال فی المسجد فقام الیه بعض القوم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم دعوه لاتزرموه فلما فرغ دعا بدلو فصبّه علیه .قال ابو عبد الرحمن یعنی لا تقطعوا علیه .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا بعض لوگ اس کو پکڑنے کے لئے دوڑے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو پھر جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول منگایا اور اس کے پیشاب کی جگہ پر بہا دیا۔

اخبرنا قتیبة قال حدثنا عبیدة عن یحییٰ بن سعید عن انس بن مالک قال بال اعرابی فی المسجد فامر النبی صلی الله علیه وسلم بدلو من ماء فصب علیه

اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبدالله عن یحییٰ بن سعید قال سمعت انسًا یقول جاء اعرابی الی المسجد فبال فصاح به الناس فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اترکوه فترکوه حتی بال ثم امر بدلو فصب علیه

اخبرنا عبدالرحمن بن ابراهیم عن عمر بن عبد الواحد عن الاوزاعی عن محمد بن الولید عن الزهری عن عبیدالله بن عبدالله عن ابی هریرة قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناوله الناس فقال لهم رسول الله صلی الله علیه وسلم دعوه واهریقوا علی بوله دلوًا من ماءٍ فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین.

تشریح :اعرابی، عمدۃ القاری میں ہے کہ اعرابی کی نسبت اعراب کی طرف ہے اس کا واحد مستعمل نہیں ہے، دیہات کے باشندوں کو کہتے ہیں عربی ہوں یا عجمی اور عربی کی نسبت عرب کی طرف ہے جو شہر کے باشندوں کو کہتے ہیں۔

جس بدو شخص کے مسجد میں پیشاب کرنے کا بیان اس حدیث میں آیا ہے وہ کون تھا اس میں اختلاف ہے کسی نے کہا کہ وہ اقرع بن حابس تھا اور کسی نے کہا کہ وہ عیینہ بن حصن تھا اور کتاب الصحابہ میں ابو موسیٰ مدینی کی روایت میں آیا ہے ''اطلع ذو الخویصرة الیمانی وکان رجلًا جافیا الخ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذوالخویصرہ یمانی تھا اور صاحب قاموس نے کہا ہے کہ ذوالخویصرہ یمانی صحابی تھے اس نے ہی مسجد میں پیشاب کیا تھا۔(والعلم عندالله تعالیٰ)

فقام الیه بعض القوم :تیسری روایت میں فصاح بہ الناس کے الفاظ آئے ہیں چوتھی روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں فتناولہ الناس آیا ہے بخاری میں بھی اسی طرح ہے حافظ ابن حجرؒ نے ان الفاظ مختلفہ کو نقل

کرنے کے بعد کہا کہ روایات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ زبان سے ڈانٹ ڈپٹ کر اس کو ناشائستہ فعل سے روکنا چاہا۔

دعوہ لاتزرموہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے میں صحابہ کرام کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اس سلسلے میں ان کا حوصلہ بہت بلند تھا، چنانچہ جب انہوں نے اس اعرابی کے ناپسندیدہ فعل کو دیکھا تو اسکو ڈانٹا لیکن حضور اکرم ﷺ نے انہیں ڈانٹنے سے روک دیا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حال ہی میں مسلمان ہوا تھا قبول اسلام کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اس لئے وہ آداب مسجد سے ناواقف ہونے کی بناء پر معذور تھا اور مسجد میں عدم جواز بول کا اس کو علم نہیں تھا۔

بعض شارحین نے کہا کہ اس دیہاتی شخص کے ساتھ جو برتاؤ اختیار کیا گیا ہے وہ ایک ضابطہ کے ماتحت تھا، ضابطہ یہ ہے کہ ''اذا ابتلی الانسان ببلیّتین فلیختر اھونھما'' یعنی انسان جب دو مصیبتوں میں گھر جائے تو اسے آسان والی مصیبت کو اختیار کر لینا چاہئے کیوں کہ یہی تقاضۂ عقل ہے اور یہی تقاضۂ عبدیت ہے اب یہاں دو مصیبتیں ہیں ایک تو تلویث مسجد دوسری اعرابی کی جان کا خطرہ مسجد تو نجاست سے آلودہ ہو چکی کیوں کہ اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا تھا لیکن پوری مسجد میں نہیں ایک جانب میں شروع کیا تھا جیسا کہ ابوداؤد اور بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ابوداؤد میں ہے ''ثم لم یلبث ان بال فی ناحیة المسجد'' یعنی اس عرابی نے دیر نہیں کی فوراً مسجد کے ایک کنارے پر پیشاب کرنا شروع کر دیا، اور بخاری میں ہے ''فبال فی طائفة المسجد ای ناحیة المسجد'' یعنی مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا بہر حال اس کو روکنا بے فائدہ تھا کیونکہ جب اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا تو مسجد کے فرش کی حفاظت ناممکن تھی جتنا حصہ ناپاک ہونا تھا وہ تو ہو چکا اور اس کی صفائی بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اگر اس کو سختی سے روکنے کی کوشش کی جاتی تو دو مفسدوں کا خطرہ تھا کہ یا تو اس پر خوف طاری ہوتا اور دوران پیشاب اس کو بند لگ جاتا جس کی وجہ سے اس کو سخت تکلیف پہونچتی بلکہ پیشاب کی بندش سے جان کا خطرہ پیدا ہوتا یا تو وہ خوف کے مارے پیشاب کرتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگتا جس کی وجہ سے اس کا بدن اور کپڑا ناپاک ہو جاتا اور جو پیشاب ایک جانب میں تھا اب مسجد کی مختلف جگہوں میں پھیل جاتا اس لئے ہلکی مصیبت کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا دعوہ یعنی اس کو پیشاب کی حالت میں چھوڑ دو اور بلا خوف وہ اس سے فارغ ہونے دو بہر حال جب وہ فارغ ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ نے اسی موقعہ پر صحابہ کرام کو ناپاک شدہ فرش مسجد کے پاک کرنے کا طریقہ بتلا دیا جس کا بیان حدیث باب میں آیا ہے کہ ''دعا بدلو فصبّه علیه'' یعنی پانی کا ڈول منگایا اور اس کے پیشاب پر بہا دیا پھر رسول اکرم ﷺ نے اس اعرابی کو بلایا اور اس کو نرمی سے سمجھا دیا کہ ان مسجدوں کی تعمیر کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان میں پیشاب کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں صرف نماز و تلاوت قرآن و ذکر اللہ وغیرہ کیا جائے ان کا ذکر اگر چہ نسائی کی روایت میں نہیں ہے مگر بخاری و مسلم کی روایت میں ہے اور صحابہ کرام کو بھی براہ شفقت و محبت نصیحت فرما دی جس کا ذکر اس ترجمہ کی آخری روایت میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زمین پیشاب سے ناپاک ہو جائے تو اس پر بکثرت پانی ڈالنے سے پاک ہو جاتی ہے یہی قول امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے اور ان کے نزدیک سوائے اس کے زمین کی صفائی اور پاکی کا اور کوئی

طریقہ نہیں ہے ان حضرات نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے۔

حضرات حنفیہؒ کہتے ہیں کہ ناپاک زمین کی تطہیر تین طریقے سے ہوسکتی ہے زمین کو کھرچ کرناپاک مٹی کو پھینک دینے سے پاک ہوجاتی ہے مگر اتنا کھودا جائے کہ جہاں تک نجاست کی تری پہنچی ہو وہاں تک کی مٹی نکال دی جائے اور ناپاکی پر کثرت سے پانی بہادینے سے بھی پاک ہوجاتی ہے اور سوکھنے سے بھی پاک ہوجاتی ہے خواہ وہ خشک ہونا دھوپ سے ہو یا ہوا سے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حنفیہ حفر یعنی ناپاک مٹی کو کھود کر پھینک دینے کو واجب نہیں کہتے خواہ مٹی نرم ہو یا سخت جیسا کہ مخالفین سمجھتے ہیں بلکہ حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ مکلف کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ناپاک زمین کی طہارت حاصل کرلے اور حدیث باب میں جس حکم کا بیان آیا ہے وہ حصول طہارت کے مختلف طریقوں میں سے ایک صورت ہے حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے لہٰذا حدیث باب ہمارے خلاف نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے حنفیہ کا اصول ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں متعدد روایات مروی ہوں تو جہاں تک ممکن ہوسکے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر جمع کرنے کی کوئی شکل نہ بنتی ہو تو ترجیح کا طریقہ اختیار کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ناپاک زمین کو پاک کرنے کے مسئلہ سے متعلق جتنی روایات منقول ہیں حنفیہ نے ان کو اپنے اپنے موقع کے مطابق قابل عمل سمجھا ہے بخلاف شوافع وغیرہ کے انہوں نے زمین کی طہارت کو صرف پانی بہا دینے ہی میں انحصار کردیا ہے جس سے تطہیر بالحفر اور تطہیر بالیبس کی روایات کو ترک کرنا لازم آتا ہے مقام حیرت ہے کہ پھر بھی وہ حضرات اہل حدیث کہلاتے ہیں اور حنفیہ کو اہل الرائے سے ملقب کرتے ہیں جو بالکل انصاف کے خلاف ہے۔

اب ہم ان روایات کا ذکر کرتے ہیں جن کی روشنی میں احناف کہتے ہیں کہ جس طرح ناپاک زمین پر پانی بہادینے سے زمین پاک ہوجاتی ہے اسی طرح خشک ہوجانے سے بھی پاک ہوجاتی ہے بشرطیکہ نجاست کا ظاہری اثر باقی نہ رہے، چنانچہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ (تابعی امام) سے روایت ہے "**اذا جفت الارض فقد زکت**" یعنی فرمایا کہ جب زمین خشک ہوجائے تو پاک ہوجاتی ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی جماعت صحاح کے راوی ہیں اور یہ حکم قیاس سے مدرک نہیں ہوسکتا کیوں کہ خشک ہونا عقل کی روشنی میں طہارت کا سبب نہیں لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہے اور یہ حدیث مُرسل تابعی ہے اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے اور **اللؤلؤ المرصوع** میں ہے کہ یہ مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی موقوفاً مروی ہے اور حدیث موقوف ہمارے یہاں حجت ہے اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ابوقلابہ سے روایت کی ہے "**جفوف الارض طهورها**" یعنی زمین کا خشک ہونا اس کی طہارت کے لئے کافی ہے، ان آثار سے معلوم ہوا کہ زمین سوکھنے سے بھی پاک ہوجاتی ہے جب کہ نجاست کا اثر ختم ہوجائے اور ناپاک مٹی کو کھرچنے کا طریقہ بھی زمین کی تطہیر کا ایک طریقہ ہے جس کو حنفیہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ حدیث سے ثابت کرتے ہیں چنانچہ امام نسائیؒ نے ترجمہ کے ماتحت جو اعرابی کا واقعہ نقل کیا ہے بعینہ اسی واقعہ سے متعلق سنن دارقطنی میں دو حدیثیں مروی ہیں ایک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کی مٹی کھرچنے کا حکم دیا اور اس پر ایک ڈول پانی کا بہادیا گیا "**فاحتفر وصب عليه دلو من الماء**" کے الفاظ آئے ہیں پہلی روایت جو حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں سمعان بن مالک راوی ضعیف ہیں اور باقی رواۃ سب صحیح کے راوی ہیں اور دوسری حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور صحیح کے راوی ہیں، اور ابوداؤد نے ''باب الارض یصیبھا البول'' کے ماتحت حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے اسی واقعہ کو بطور مرسل روایت کیا ہے اس میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''خذوا مابال علیہ من التراب الخ'' کہ جس مٹی پر اعرابی نے پیشاب کیا ہے اس کو کھرچ کر پھینک دو اور اس جگہ پانی بہادو، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس مرسل کے سب راوی ثقہ ہیں اور تلخیص حبیر میں طاؤس سے بھی مرسلاً یہ مضمون مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جگہ کو کھود ڈالو ، پھر حافظؒ نے کہا کہ اس طریق مرسل کو اپنی صحت سند کے ساتھ جب دوسری احادیث سے ملایا جائے تو قوت حاصل ہو جائے گی، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ناپاک زمین کے پاک کرنے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ اس پر بہت سارا پانی بہادیا جائے یا وہاں کی مٹی کو کھرچ کر ڈال دیا جائے مگر اس قدر گہرا کھودا جائے کہ جہاں تک نجاست کی تری پہونچی ہو وہاں تک کی مٹی نکال دی جائے ان دونوں طریقوں سے زمین بالکل پاک ہو جائے گی نماز کے لئے بھی اور تیمم کے لئے بھی یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حدیث میں تو مٹی کھودنے اور پانی بہانے دونوں کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت کاملہ کے لئے دونوں کی ضرورت ہے پھر تم نے دونوں کو الگ الگ کیسے کہا اس کا جواب یہ ہے کہ قواعد شرع سے ہر ایک کا الگ الگ ہونا بداہۃً کافی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ پانی فی نفسہ مطہر اور کھودنا عین نجاست کو اکھاڑ دیتا ہے اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں کو جمع کرنا یہ اس لئے تھا کہ کھودنا تو تھوڑی سی جگہ کا آسان ہوتا ہے اور اعرابی نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا جس سے دور تک چھینٹیں پہونچنے کا ظن غالب تھا اور دور تک زمین کو کھودنا دشوار تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس جگہ کے کھودنے کا حکم فرمایا جہاں پیشاب کا زیادہ حصہ نظر آرہا تھا پھر رشاشات کے پاک کرنے کے لئے پانی بہانے کا حکم فرمایا۔

(واللہ اعلم) (استدراک الحسن: ۱۳۹ تا ۱۴۳)

کلام کا حاصل یہ ہے کہ تفصیل مذکور سے واضح ہوا کہ مسلک شوافع وغیرہ کے مقابلہ میں دلائل کے اعتبار سے مسلک حنفیہ ہی زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے پھر بھی اگر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کو اپنے دعویٰ پر اصرار ہے کہ زمین کی طہارت صرف پانی بہادینے میں منحصر ہے تو اس کے لئے حدیث باب سے استدلال ناکافی ہے جب تک کہ دارقطنی کی ان دو مسند حدیثوں کا جواب نہ دیں جن کو دو مرسل روایات سے تائید حاصل ہے اور جن میں تطہیر کے طریقوں میں سے ایک طریقہ حفر یعنی ناپاک مٹی کو کھود کر نکال دینے کو فرمایا گیا ہے پھر اس کے بعد کوئی ایسی دلیل شوافع وغیرہ پیش کریں جس میں زمین کی طہارت کے لئے صرف صب ماء ہی کو بطرز حصر بیان کیا گیا ہو۔

ترجمہ کے تحت کی تین روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہیں اور چوتھی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے ان سب کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اسی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ''فانما بعثتم الخ'' کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت فرمادی کہ تم کو لوگوں پر سختی اور تنگی ڈالنے کے لئے نہیں بھیجا گیا تم اس لئے مبعوث ہوئے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک

کرواور ناواقفی سے اگر کسی شخص سے کوئی غلط کام سرزد ہوجائے تو شفقت کے ساتھ صحیح بات دین کی بتادیا کرو، علامہ سیوطیؒ نے کہا کہ ارشاد مذکور میں بعثت کی نسبت صحابہؓ کرام کی طرف بطور مجاز کی گئی ہے اس لئے کہ درحقیقت پیغمبر علیہ السلام ہی احکام دین کی تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ میں اس وصف کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے لیکن چونکہ صحابہ کرام دینی امور کی تبلیغ میں حضور ﷺ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آپ کے قائم مقام تھے اس لئے لفظ بعثت کی نسبت ان کی طرف کردی گئی یا یہ کہ حضور ﷺ کی طرف سے صحابہ کرام اسبات کے مامور تھے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں چنانچہ آپ کی شان ہر شخص کے حق میں یہ تھی کہ جس آدمی کو بھی کسی علاقہ کا حاکم یا مبلغ بنا کر بھیج دیتے تو اس کو ہدایت فرمادیتے ''یسروا ولا تعسروا'' بہرحال دونوں صورت میں نسبت بعثت صحابہ کرام کی طرف بطور مجاز ہوئی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ عنوان سابق کے بعد اس عنوان کے انعقاد کا مقصد کیا ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں مصنف کے طرز وطریقہ سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ ورود ماء علی النجاست اور ورود النجاسۃ علی الماء کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں جس کے شافعیہ قائل ہیں یعنی اگر نجاست پانی پر وارد ہوجائے تو اس میں پانی کی قلت وکثرت کا اعتبار ہوگا اگر پانی زیادہ ہے یعنی دوقلہ کے برابر ہے تو وہ ورود نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا ہے ورنہ ناپاک ہوجائے گا اسی کے لئے عنوان سابق رکھا ہے لیکن اگر پانی نجاست پر واقع ہوجائے تو اس میں تھوڑے پانی یا زیادہ کی کوئی تحدید نہیں ہے بہرحال وہ پاک رہے گا اور نجاست کو زائل کردیتا ہے اسی کے اثبات کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس کو حدیث کے الفاظ فصبّہ علیہ سے نکالا ہے وہ اس طرح سے کہ ظاہر ہے کہ ایک ڈول پانی کا قلیل ہے تو جب اس کو پیشاب پر بہادیا گیا ہے تو وہ اس کے ساتھ مخلوط ہوگیا اب اگر پیشاب کے ساتھ پانی مل جانے کی وجہ سے وہ ناپاک ہوجائے تو اس سے بجائے ازالۂ نجاست کے تکثیر نجاست لازم آئے گی حالانکہ وہ خلاف معقول ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ پانی اگرچہ تھوڑا ہو اختلاط نجاست سے ورود ماء علی النجاسۃ کی صورت میں ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

علامہ سندھیؒ نے اس استدلال کو نقل کرنے کے بعد اس پر اعتراض کیا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ مسجد کو پاک کرنے کے لئے پیشاب پر پانی نہیں ڈالا گیا بلکہ ہوسکتا ہے کہ پانی اس لئے بہادیا گیا ہوتا کہ بدبو دور ہوجائے اور مسجد کی طہارت بعد میں خشک ہوجانے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو اور طہارت بالجفاف کا قول ہمارے علماء حنفیہ کا ہے جو دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اسی لئے امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں حدیث بول کلاب فی المسجد سے طہارت بالجفاف پر استدلال کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس جگہ پیشاب کیا تھا وہ نرم زمین ہوگی اس لئے زمین نے پیشاب کو پی لیا ہے مگر چونکہ پیشاب کے اجزاء زمین کی سطح پر باقی رہ گئے تھے اس لئے جب اس پر پانی بہادیا گیا تو وہ اجزاء زمین کے اندر اتر گئے اور اس کی جگہ پانی کے اجزاء ٹھہر گئے پھر جب کثیر مقدار میں پانی جمع ہوگیا اور کئی مرتبہ اندر جذب ہوگیا تو اب اس کے اوپر کا حصہ پاک پانی کے اجزاء سے پاک وصاف ہوگیا ہے۔ (کذافی الحاشیة)

باب الماء الدائم

رکے ہوئے پانی کا بیان

اخبرنا اسحٰق بن ابراهيم اخبرنا عيسى بن يونس قال حدثنا عوف عن محمد عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لا يبولن احدكم فى الماء الدائم ثم يتوضأ منه. قال عوف وقال خلاس عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم مثلهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس پانی سے وضو بھی کرے۔

اخبرنا يعقوب بن ابراهيم حدثنا اسماعيل عن يحيىٰ بن عتيق عن محمد بن سيرين عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايبولن احدكم فى الماء الدائم ثم يغتسل منه. قال ابو عبد الرحمن كان يعقوب لايحدث بهذا الحديث الابدينار.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس پانی سے غسل بھی کرے۔

لا يبولن احدكم الخ: اس حدیث میں ٹھہرے ہوئے پانی جو جاری نہ ہو اس کا حکم بیان فرمایا ہے کہ بند پانی میں پیشاب مت کرو کیوں کہ اگر اس میں پیشاب کرو گے تو وہ ناپاک ہو جائے گا پھر اس سے وضو کرنا درست نہ ہوگا۔

دوسری روایت میں آیا ہے "ثم يغتسل منه" اس سے غسل کرنا درست نہ ہوگا پھر یہ بات بھی نہیں کہ پانی جو آلۂ طہارت ہے اس سے صرف وضو وغسل کی ضرورت پوری کی جاتی ہے اور کوئی ضرورت پوری نہیں کی جاتی بلکہ اس سے ایک عام ضرورت وابستہ ہے جو وضو وغسل کے علاوہ ہے اور جو انسان کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی اور اس کا کوئی وقت بھی متعین نہیں ہے وضو اور غسل کا وقت تو متعین ہے اور وہ ہے پینے کی ضرورت چنانچہ طحاوی میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں "فلعل اخاه المسلم يمر عليه فيشرب ويتوضاء منه" تو پانی کس قدر ضرورت کی چیز ہے خود ہی جان سکتے ہو لہٰذا اس نعمت کی قدر و قیمت کرنی چاہئے اس میں پیشاب کر کے اس کو اپنے حق میں اور دوسرے بھائیوں کے حق میں ناقابل استعمال بنا دینا کہاں کی عقلمندی ہے تم خود کو بھی نقصان پہنچا رہے ہو اور دوسروں کو بھی لہٰذا بند پانی میں پیشاب کرنے سے اجتناب کرو، امام قرطبیؒ اور طیبیؒ نے کہا کہ "ثم يتوضاء" اور "ثم يغتسل" میں جو ثم ہے وہ استبعاد کے لئے ہے یعنی یہ بات کہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا پھر اسی پانی سے وضو یا غسل کرنا ایک دانشمند انسان سے نہایت دور کی بات ہے اور یہاں پر لفظ ثم کو ایسا ہی سمجھ لیں جیسے فرمایا گیا ہے "لا يضربن احدكم امرأتهٗ ضرب الامة ثم يضاجعها" یعنی تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح باندی کو مارتا ہے پھر اس سے مجامعت کرنے لگے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح باندیوں کو ان کی ہر ہر بات پر تنبیہ اور سرزنش کی جاتی ہے

اس طرح کا برتاؤ بیویوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر ایسا سلوک اختیار کرو گے تو تمہیں از خود حجاب ہوگا کہ ابھی ابھی بے دردی کے ساتھ مار پٹائی کر رہے تھے پھر اب مجامعت کے خواہشمند ہو گئے یہ تو ایک عقلمند انسان سے نہایت مستبعد ہے بالکل اسی طرح حدیث باب میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص رُکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے کیوں کہ پیشاب کے بعد اگر وضو وغیرہ کی نوبت آئے گی اس وقت کیا کرو گے تم خود ہی سوچ لیا کرو کہ یہ کس قدر ناشائستہ حرکت ہے جو پانی کی نجاست کا سبب بن جاتی ہے غرض کہ قرطبی اور طیبی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ارشاد مبارک "ثم یتوضاء منه" بمنزلہ علت نہی کے واقع ہوا تو گویا یوں فرمایا گیا ہے "لایبولن احدکم فی الماء الدائم لانهٔ یتوضأ منه او یغتسل" یعنی بند پانی میں پیشاب کر کے تم اسے نا قابل استعمال نہ بناؤ اس لئے کہ تم کو وضو اور غسل وغیرہ میں اس کے استعمال کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ رکے ہوئے پانی میں صرف پیشاب کرنے سے منع فرمایا نہ کہ پاخانہ سے اس تخصیص کی کیا وجہ ہے، بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ پانی میں پیشاب کے وجود کا گمان زیادہ ہے بلکہ کبھی کبھی وہ واقع بھی ہو جاتا ہے خصوصاً بچوں کی عادت ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کر دیتے ہیں لیکن پانی میں پاخانہ کرنے کو چھوٹے اور بڑے سب ہی عادۃً مکروہ وناپسند سمجھتے ہیں اور شریعت ان چیزوں کا سد باب کرتی ہے جن کے واقع ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے شریعت ایسے امور کے درپے نہیں ہوتی اور نہ ان پر کوئی حکم مرتب ہوتا ہے جو محض احتمالی اور خیالی تصویر کے درجہ میں ہوتے ہیں اس بناء پر حدیث مذکور میں خصوصیت کے ساتھ لا یبولن الخ وارد ہوا ہے ورنہ اس حدیث کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ غیر جاری قلیل پانی میں صرف پیشاب کرنے کی ممانعت ہے اور تغوط وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ داؤد ظاہری نے کہا کہ حدیث مذکور میں ممانعت کا حکم پیشاب کے ساتھ خاص ہے تغوط (پاخانہ کرنا) اور صب نجاست یعنی اگر کسی برتن میں پیشاب کر کے اس ماء دائم میں ڈالدے تو وہ ممنوع نہیں ہے ظاہریت کی انتہا کر دی یہ بات داؤد ظاہری کی طرف سے نقل شدہ باتوں میں سب سے زیادہ بدمزہ بات ہے تعجب ہے کہ علامہ ابن حزم جیسے قابل وفائق اور جلیل القدر محدث نے اس موقع پر داؤد ظاہری کا ساتھ دیا ہے۔

بہر حال ماسبق کی تفصیل سے واضح ہوا کہ حدیث مذکور میں ماء دائم کا جو لفظ وارد ہوا ہے اس سے ماء قلیل مراد ہے اس میں پیشاب وغیرہ کرنے سے وہ علی الفور ناپاک ہو جاتا ہے لیکن اگر کثیر پانی ہے تو چونکہ وہ جاری پانی کے حکم میں ہے اس لئے پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا رنگ، مزہ، اور بو نہ بدل جائے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ کثیر پانی میں بھی پیشاب وغیرہ کرنا منع ہے کیوں کہ ایک کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی کریں گے پھر رفتہ رفتہ وہ پانی متغیر ہو کر نا قابل استعمال ہو جائے گا۔

اول تقدیر پر یعنی ماء قلیل مراد لینے کی صورت میں نہی تحریم کے لئے ہے اور دوسری صورت پر نہی کراہت کے لئے ہے اور اس حکم نہی مذکور میں کوئی فرق نہیں ہے پانی کے دوقلہ ہونے کو یا اس سے زیادہ یا کم متغیر ہو یا غیر متغیر سب کو شامل ہے بہر حال رُکے ہوئے پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے سے بلا توقف ناپاک ہو جائے گا فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث باب پر سوائے امام ابو حنیفہؒ کے اور کسی نے عمل نہیں کیا کیوں کہ صرف آپ ہی نے ماء راکد اور ماء جاری کے درمیان فرق کیا ہے دوسرے ائمہ نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے اور اپنے اپنے اصول بنا لئے مثلاً امام مالکؒ نے پانی کو باعتبار تغیر وعدم تغیر

کے تقسیم کیا اور امام شافعیؒ نے پانی کی طہارت ونجاست کا مدار قلتین پر رکھا اور ان حضرات میں سے کسی نے بھی رکود اور جریان کے درمیان فرق کا اعتبار نہیں کیا اسی طرح ان میں سے کسی نے بھی پانی کی فطری طور پر جو تین قسمیں ہیں ان پر نظر نہیں کی لیکن امام اعظمؒ نے پانی کے ان تینوں فطری اقسام کا اعتبار کر کے ان سب کی رعایت کی ہے اور ان کے احکام احادیث سے مستنبط کئے جس کی وجہ سے نہ صرف ان تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے جو پانی سے متعلق وارد ہوئی ہیں بلکہ آپ کا مذہب پانی کے معاملہ میں بے غبار ہو کر دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ قوی اور قابل ترجیح قرار پایا اور چونکہ دوسرے اماموں نے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور پانی کے تینوں اقسام کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اس لئے ان کے مسلک پر یہ بات لازم آتی ہے کہ پانی کے مسئلہ میں جتنی بھی روایات وارد ہوئی ہیں ان میں سے کسی نہ کسی حدیث کو ترک یا مضطر الی التاویلات ہوئے۔ (واللہ اعلم)

بہر حال حدیث باب حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حجت ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت بہر صورت تنجیس ماء کا سبب ہے لیکن اگر پانی جاری ہو یا بہت پانی والا تالاب ہو جو جاری پانی کے حکم میں ہے تو وہ بالاتفاق پاک ہے جب تک کہ اس کے اوصاف نہ بدل جائیں غور کیجئے حنفیہ نے حدیث مذکور پر بدون تاویل کے عمل کیا ہے لیکن شوافع وغیرہ کو مجبوراً تاویلات کا سہارا لینا پڑا شوافع نے لایبولن الخ حدیث باب کو مادون القلتین یعنی دو قلہ سے کم پانی پر محمول کیا ہے اور مالکیہ نے تغیر کے ساتھ مقید کیا ہے جو ظاہر حدیث کے خلاف ہے علامہ ابن تیمیہ نے چونکہ مالکیہ کا مسلک اختیار کیا ہے اس لئے انہوں نے حدیث باب کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نہی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ماء دائم میں پیشاب کرنے سے فوراً نجاست آجاتی ہے بلکہ نہی کا مقصد رکے ہوئے پانی میں پیشاب کی عادت بنانے سے روک تھام کرنا ہے کیوں کہ جب اس میں کثرت سے پیشاب ہوتا رہے گا تو ظاہر ہے کہ ٹھہرا ہوا پانی کب تک متغیر نہ ہوگا بار بار پیشاب کرنے کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد ضرور اس کے اوصاف میں تبدیلی آجائے گی پھر وہ پانی وضو وغیرہ کے قابل نہیں رہے گا اس لئے ماء دائم میں پیشاب کرنے کی ممانعت تنجیس ماء کے ذریعہ کو بند کرنے اور مستقبل میں تغیر ہو جانے کے اندیشہ سے کی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے فوراً ناپاک ہو گیا ناپاک مستقبل میں تغیر کے بعد ہی ہوگا، غرض کہ ابن تیمیہ کے نزدیک بھی پانی قبل تغیر پاک ہی رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بظاہر ابن تیمیہ کے کلام کے اندر لطافت ہے مگر انہوں نے جو غرضِ حدیث بیان کی ہے وہ مخالف حدیث ہے نیز وہ فہم راوی کے بھی خلاف ہے انہوں نے حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ ان کی سوچ کا حاصل ہے جو سیاق حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کیوں کہ حدیث رکے ہوئے پانی میں پیشاب کے بعد غسل اور وضو کو مستبعد سمجھتی ہے اور استبعاد اس لئے ہے کہ جس پانی کو خود اس نے اپنے حق میں ناپاک بنا دیا ہے پھر اسی پانی سے غسل یا وضو کرنے لگے اور حدیث کے سیاق وسباق سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ پانی کی نجاست تغیر پر موقوف ہے اور نہ مدار حکم اس تغیر پر ہے کیوں کہ حدیث مذکور کی روشنی میں ماء دائم میں پیشاب کرنے اور پھر اسی پانی سے غسل وغیرہ کرنے کو مستبعد قرار دیا گیا ہے نہ یہ کہ تغیر کے بعد وضو یا غسل کو مستبعد سمجھا گیا ہے۔

نیز یہ کہ خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ جو طحاوی میں منقول ہے اس سے بھی مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی

ہے اس میں ہے کہ ابوالمھزم کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ایک شخص کسی تالاب کے پاس سے گذرے تو کیا اس میں پیشاب کرسکتا ہے، انہوں نے فرمایا "**لافانهٔ یمر بهٔ اخوہ المسلم فیشرب منه ویتوضأ الخ**" نہیں کیوں کہ اس کے بعد شاید اس کا کوئی مسلمان بھائی وہاں سے گذرے اور وہ اس کا پانی پیئے یا اس تالاب کے پانی سے وضو کرے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ پانی پیشاب کے بعد پینے اور وضو و غسل کے قابل نہ رہے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ممانعت سد باب اور مستقبل میں متغیر ہونے کے خوف سے نہیں فرمائی ہے جو ابن تیمیہ وغیرہ کی رائے ہے کہ انہوں نے حدیث کا مفہوم اپنی رائے اپنے وجدان کے مطابق بیان کیا ہے ان کے بیان کردہ مطلب کا نہ الفاظ حدیث ساتھ دیتے ہیں اور نہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فہم وسمجھ (**واللہ اعلم بالصواب**)

قال ابو عبد الرحمن کان یعقوب الخ: امام نسائی کہتے ہیں کہ میرے استاد یعقوب بن ابراہیم جب یہ حدیث بیان کرتے تو ایک دینار لیتے تھے غالباً اعتناء بالحدیث اور اس کی اہمیت کے لئے لیتے ہوں گے۔ (**واللہ اعلم**)

باب ماء البحر

سمندر کے پانی کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن صفوان بن سلیم عن سعید بن سلمة ان المغیرة بن ابی بردة من بنی عبد الدار اخبرہ انه سمع ابا هریرة رضی اللہ عنہ یقول سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یارسول اللہ انا نرکب البحر ونحمل معنا القلیل من الماء فان توضأنا به عطشنا أفنتوضأ من ماء البحر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هو الطهور ماؤهٔ والحل میتتهٔ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سمندری سفر کرتے ہیں اور ہم اپنے ساتھ تھوڑا پانی رکھتے ہیں اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم کو پیاس کی تکلیف ہوگی کیا ایسی حالت میں ہم سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

من بنی عبد الدار: یعنی راوی حدیث مغیرہ بن ابی بردہ کا تعلق بنی عبدالدار سے ہے اور وہ قریش کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ کی طرف منسوب ہے اور نسبت کے وقت عبدری کہتے ہیں۔

اخبرہ: کی ضمیر سعید بن سلمہ کی طرف راجع ہے یعنی مغیرہ نے سعید بن سلمہ کو خبر دی۔

انهٔ: کی ضمیر کا مرجع مغیرہ بن ابی بردہ ہے امام نسائیؒ اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقات میں سے شمار کیا ہے۔

سأل رجل: یہ سوال کرنے والا شخص بنی مدلج سے تھا جیسا کہ بعض دوسری روایات میں اس کی تصریح آئی ہے اور زیلعی نے اس کو نقل کیا ہے اس شخص کا نام عبداللہ ہے اور بعض نے کہا عبید ہے **کما فی التلخیص** اور بعض نے کہا حمید بن صخرہ ہے کما

فی الزرقانی علی الموطأ۔

اس سائل کو یہ سوال کیوں پیش آیا منشاء سوال کیا تھا شارحین نے اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں بعض نے سوال کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث مرفوع میں جو عند المحدثین ضعیف ہے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ تم بجز حج یا عمرہ یا جہاد فی سبیل اللہ کے دریا کا سفر نہ کرو کیوں کہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے، اس حدیث کو ابوداؤد کتاب الجہاد میں لائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ طبقۂ جہنم ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا محل ہے اور جس چیز کی شان ایسی ہو وہ آلۂ طہارت کیسے بن سکتی ہے اسی کی تحقیق کے لئے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تھا بعض نے کہا کہ چونکہ دریا میں بے شمار جانور مرتے ہیں اس لئے تردد پیدا ہوا کہ جب دریا کا یہ حال ہے تو پھر نہ معلوم اس کے پانی کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور تردد سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ سوال ہے اس لئے تمہید بیان کر کے سوال کیا۔

علامہ خطابیؒ نے کہا کہ تردد کی وجہ یہ ہے کہ دریا کا پانی کھارا اور بدمزہ اور رنگ بدلا ہوا ہوتا ہے اور اس کو پیا بھی نہیں جاسکتا اس لئے ممکن ہے سائل کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اس کی کیفیت دوسرے پانی سے مختلف ہے اب ایسی حالت میں معلوم نہیں اس سے طہارت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں اس لئے شارع علیہ السلام سے سوال کیا آپ نے فرمایا ''ھو الطھور ماء ہٗ'' یعنی اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اس میں تردد کی کیا بات ہے کیا یہ امر یقینی نہیں کہ وہ ان دو سمندروں میں سے ایک سمندر ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان جتایا ہے فرمایا ''وھو الذی مرج البحرین ھٰذا عذب فرات سائغ شرابہٗ وھٰذا ملح اجاج'' لہٰذا سمندر کے پانی سے طہارت بلاشبہ جائز ہے۔

جواب بصیغۂ حصر دیا ہے کہ اس کا پانی پاک کرنے والا ہی تو ہے یہ اسلوب جواب میں اس لئے اختیار فرمایا تا کہ اس کے خیال کی تردید اچھی طرح ہو جائے کہ اگر سمندر کا پانی ناپاک ہو جائے تو دنیا کا کونسا پانی پاک ہوگا۔

اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ سائل کے سوال یعنی ''انتوضأ بماء البحر'' کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے ''ھو الطھور ماء ہٗ'' فرمایا توضؤا یا نعم کے ساتھ جواب نہیں دیا اس کی کیا وجہ ہے معارف السنن میں اس کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اگر توضؤا یا نعم فرماتے تو سائل یہ خیال کرتے کہ صرف وضوء کرنا جائز ہے غسل کرنا جائز نہیں کیوں کہ سوال میں وضوء کا ذکر ہے نہ کہ غسل کا اسی لئے ''ھو الطھور ماء ہٗ'' فرمایا تا کہ تخصیص بالوضوء کا وہم ختم ہو جائے یا یہ کہ بظاہر سائل ضرورت اور مجبوری کی حالت میں استعمال کی اجازت طلب کر رہا ہے جیسا کہ اس کے سوال سے یہ بات مفہوم ہو رہی ہے تو اگر ''توضؤا'' یا اس جیسا کوئی لفظ فرماتے تو سائل یہ رائے قائم کر لیتے کہ صرف ضرورۃ اور مجبوری کی خاص حالت میں سمندر کے پانی سے وضوء کرنا جائز ہے لیکن غیر ضروری حالت میں جائز نہیں ہوگا اسی شبہ کو ختم کرنے کے لئے سمندر کے پانی سے جواز طہارت کے حکم کو بطور حصر مستقل جملہ سے بیان فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے یہ حکم حالت مجبور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حکم عام ہے یا یہ کہ اگر لفظ توضؤا فرماتے تو ان کو یہ شبہ پیدا ہوتا کہ سمندر کے پانی سے طہارت کی اجازت جبکہ ہم بحری سفر کریں صرف ہمارے واسطے خاص ہے دوسروں کے لئے اجازت نہیں ہے، اسی شبہ کی گنجائش کو دور فرمانے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ''ھو الطھور ماؤہٗ'' کے

الفاظ سے ایک عام جواب دیا کہ تا کہ سائل اور غیر سائل سب کو شامل کرے اور تخصیص کا احتمال ختم ہو جائے اس طرز سے جواب دینا محاسن بلاغۃ اور کمال فصاحت کے باب سے ہے۔

یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ سائل نے صرف سمندر کے پانی سے متعلق سوال کیا تھا اس کے جواب میں ''ھو الطھور ماؤہٗ'' کافی ہے اس پر ''والحل میتتہٗ'' کا جملہ کیوں اضافہ فرمایا، ملاعلی قاریؒ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ سے ماء بحر کے متعلق سوال کیا گیا اور حضور ﷺ نے معلوم کر لیا کہ وہ لوگ اس کے پانی کے حکم سے ناواقف ہیں تو اسی سے حضور ﷺ نے محسوس فرمایا کہ یہ لوگ سمندر کے شکار کے حکم سے بھی ناواقف ہوں گے اس لئے بطور ارشاد وہدایت کے جواب میں ''الحل میتتہٗ'' کا جملہ اضافہ فرمایا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی ماہر حکیم جو مریض کے مرض اور دواء کو اچھی طرح جاننے والا ہو وہ مریض کی دریافت کی ہوئی باتوں کا جواب دیتے وقت اور بھی بہت سی فائدہ کی باتیں اس کے پوچھے بغیر بتا دیتا ہے، علامہ خطابیؒ نے اس کی کئی وجوہ بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ جب حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ جس طرح وہ لوگ بحری سفر میں شیریں پانی کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح طعام کی بھی ضرورت ہوتی رہتی ہے اس لئے ان کی حاجت کے پیش نظر جواب میں دونوں کو شامل فرمایا۔

دوسری یہ کہ پانی کی طہارت کا علم تمام لوگوں کے نزدیک خواہ خاص ہو یا عام ایک مشہور بات ہے لیکن سمندر کے میتہ اور اس کے حلال ہونے کا علم واقع میں مشکل مسئلہ ہے تو جب شارع علیہ السلام نے دیکھا کہ سائل کو ان دونوں چیزوں میں سے جو زیادہ ظاہر ہے اس چیز کے بارے میں بھی علم نہیں ہے لہٰذا جو مشکل مسئلہ ہے یعنی میتہ کا مسئلہ اس کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ علم نہ ہوگا اس لئے طہارت ماء کے بیان کے ساتھ میتہ کے حلال ہونے کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا۔

تیسری یہ کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ان کو سمندر کے پانی کی طہارت کا حکم بتلا دیا حالانکہ سمندر میں بے شمار جانور مرتے رہتے ہیں اور مردار ناپاک ہے تو ایسی صورت حال میں اس کا پانی کس طرح پاک ہوسکتا ہے اس شبہ کو ختم کرنے کی غرض سے میتہ کا حکم بھی بیان فرما دیا تا کہ سائل مردہ جانوروں کی وجہ سے پانی کی نجاست کا وہم نہ کرے۔

بہر حال حدیث باب سے معلوم ہوا کہ سمندر کا مردار حلال ہے میتہ اس کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کئے خود بخود مر جائے یہاں اس سے مراد مچھلی ہے اس کا شکار کرنا اور اس کا پانی سے نکالنا یہی اس کا ذبح ہے دریائی جانوروں میں سے مچھلی بالاتفاق حلال ہے البتہ حضرات حنفیہ کے نزدیک طافی حلال نہیں ہے طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں بغیر سردی وگرمی کی آفت کے طبعی موت سے مر کر پانی کے اوپر آ جائے اور اگر سردی وگرمی کی آفت سے مر جائے تو وہ حلال ہے مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں میں اختلاف ہے اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھ لیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے حوالہ سے معارف السنن میں حضرت شیخ الہندؒ کا قول نقل ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ اس حدیث میں لفظ الحل حلال کے معنی میں نہیں ہے جو حرام کی ضد ہے بلکہ طاہر کے معنی میں ہے اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ لفظ حل بمعنی طاہر کے روایات سے ثابت ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب البیوع کے آخر میں حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ''حتی بلغنا الصهباء حلت فبنی بها الخ ''اور غزوۂ خیبر کے قصہ میں بھی اسی طرح کے الفاظ یعنی حلت بالصہباء آئے ہیں یہاں لفظ حلت بمعنی طہرت کے آیا ہے نیز ایک دوسری حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نصب الرایہ: ص ۱۱۰، ج ۱ میں نقل کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''قال له النبی صلی الله علیه وسلم یا سلمان کل طعام وشراب وقعت فیه دابة لیس بها دم فماتت فهو لک حلال اکلهٔ وشربهٔ ووضوءهٔ '' بہرحال حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصود اصلی یہ بتانا ہے کہ یہاں حلال پر اکل وشرب اور وضو تینوں چیزوں کو مرتب فرمایا ہے لیکن وضو کی صورت میں حلال کے جو معنی ہیں وہ اس معنی کے مغائر ہیں جس کے ساتھ اکل وشرب کا تعلق ہے لہٰذا یہاں اکل وشرب کی صورت میں لفظ حلال کے معنی حلال چیز کے ہیں جو حرام کی ضد ہے اور وضو کی صورت میں اس کے معنی طاہر کے ہیں، غرض کہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ حل بمعنی طاہر کے آتا ہے اور یہی معنی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک مختار ہے ان حضرات کے قول کی بناء پر جواب میں کوئی زیادتی نہیں فرمائی بلکہ الحل میتتہٗ ارشاد جواب سابق کے لواحق حکم میں سے ہے اور یہ محاسن فتویٰ کے قبیل سے ہے کیوں کہ اسے اگر بیان نہ فرماتے تو سائل وہم میں مبتلا ہو جاتے اور یہ خیال کرتے کہ سمندر میں اس قدر بے شمار جانور مرتے ہیں اس کا پانی کیسے پاک ہو سکتا ہے اس کے اس وہم کو دور کرنے کی غرض سے الحل میتتہٗ فرمایا کہ سمندر کے مردہ جانور پاک ہیں ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے نیز اس توجیہ پر حدیث باب ان حضرات کی دلیل نہیں بن سکتی ہے جو سمندر کے مردہ جانوروں کی حلت پر استدلال کرتے ہیں۔

(والله اعلم)

باب الوضوء بالثلج

برف کے پانی سے وضوء کرنا

اخبرنا علی بن حجر اخبرنا جریر عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة ابن عمرو بن جریر عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا استفتح الصلوٰة سکت هنیهة فقلت بابی انت وامّی یا رسول الله ما تقول فی سکوتک بین التکبیر والقراءة قال اقول اللّٰهم باعدبینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب ونقنی من خطایای کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللّٰهم اغسلنی من خطایای بالثلج والماء والبرد.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو قرأۃ سے پہلے کچھ دیر خاموش رہتے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے والدین قربان ہوں آپ تکبیر اور قرأۃ کے درمیان سکوت کے وقت کیا پڑھتے ہیں فرمایا ''اللّٰهم باعد الخ '' پڑھتا ہوں یا الٰہی میرے اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری ڈال دیجئے جیسا کہ تو نے مشرق ومغرب کے درمیان دوری پیدا کی ہے یا الٰہی مجھ کو میرے گناہوں سے پاک کر جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک وصاف کیا

جاتا ہے یاالٰہی میرے گناہوں کو برف اور پانی اور اولے سے دھوڈالیئے۔

تشریح: حدیث باب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے دعاء مذکور پڑھتے تھے اس دعاء میں حضور ﷺ نے تین جملے استعمال فرمائے ہیں بظاہر یہ تینوں جملے تاسیس کے لئے ہیں کیوں کہ تنقیہ اخص ہے مباعدت سے اسی طرح غسل اخص ہے تنقیہ سے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ دعوات ثلٰثہ میں ازمنۂ ثلاثہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو مباعدت سے مستقبل کے گناہ کی طرف اشارہ ہو غسل سے ماضی کی طرف اور تنقیہ سے حال کی طرف اشارہ ہو اور مستقبل کو اہتمام کے لئے مقدم فرمایا ہو۔

نیز ممکن ہے کہ مباعدت کی درخواست ان گناہوں سے متعلق ہو جو مطلقاً واقع نہیں ہوئے اور تنقیہ کا تعلق حال اور استقبال کے گناہ سے ہو اور غسل کا تعلق زمانۂ ماضی کے گناہ سے ہو جو واقع ہو چکے ہیں اور چونکہ گناہ کے مراتب مختلف ہیں اس لئے اخیر کے جملے میں غسل کے متعدد آلات ذکر فرمائے ہیں جن میں سے ہر ایک کی شان تطہیر کے معاملہ میں ایسی ہے کہ صرف انہیں میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے طہارت کاملہ کا حصول ممکن ہے اور بدون اس کے اس کا حصول ہی نہیں ہوسکتا تو ان آلات تطہیر کا ذکر فرما کر انواع مغفرت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ یاالٰہی طرح طرح کی بخششوں کے ساتھ مجھ کو ہر قسم کے گناہ سے پاک کر تو مغفرت میں کمال مبالغہ منظور ہے ورنہ ان چیزوں سے حقیقۃً دھونا مراد نہیں۔

علامہ خطابیؒ نے کہا کہ یہاں درحقیقت ان آلات غسل کے مسمیات یعنی متعین نامزد چیزوں کی ذوات کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ یہ امثال ہیں جن کے ذکر سے بطور استعارہ گناہوں کی تطہیر اور قلع وقمع ہونے میں نہایت تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔

علامہ طیبیؒ نے کہا کہ ماء کے ذکر کے بعد ثلج اور برد کا ذکر شاید اس لئے فرمایا ہو کہ معافی کے بعد انواع رحمت اور مغفرت کی طلب میں عموم وشمول مقصود ہوتا کہ وہ اس آگ کی حرارت کو جو انتہائی درجہ کی ہوگی بجھانے کے لئے وسیلہ بن جائے۔

بہر حال یہ ایک جامع دعا ہے جس کا پڑھنا تکبیر اور قرأت کے درمیان حضور اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر قسم کے گناہ سے معصوم تھے پھر اس کے باوجود توبہ واستغفار کیوں کرتے تھے، اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حضور ﷺ کا باوجود معصوم ہونے کے استغفار کرنا اس بناء پر نہیں تھا کہ واقع میں کسی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اس کا اصل داعیہ یہی ہے کہ مقام عصمت کی نزاکت اور رب العزت کی شان بے نیازی کا استحضار اپنے نفس کی برأت اور تزکیہ کا آپ کو تصور کرنے نہیں دیتا اس لئے اس بارگاہ صمدیت میں جہاں تقدس کا دعویٰ کرنا ہی سب سے بڑا قصور ہے اپنے لئے توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں۔

بعض شارحین نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ بلاشبہ گناہ سے معصوم تھے مگر اس کے باوجود اعتقاد میں جانتے تھے کہ مجھ سے بندگی میں قصور ہو اور رب العزت کی شایان شان نہیں ہوئی اس واسطے استغفار کرتے تھے تو اصل مقصود امت کو تعلیم وترغیب دینا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ باوجود معصوم ہونے کے استغفار کرتے تھے تو امت کے لوگوں کو بطریق اولیٰ اسکی کثرت کرنی چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام نسائیؒ نے اس حدیث باب سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ نماز کے لئے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لئے کہ وضوء اور نماز سے مقصود گناہوں کی آگ کو بجھانا ہے استنباط یوں کیا ہے کہ اس دعا میں یعنی ''اللّٰھم اغسلنی من خطایای بالثلج والماء والبرد ''میں دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ایک تو گناہوں کی نجاست کی طرف کہ ان کے دھونے کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اس لئے کہ دستور یہ ہے کہ ناپاک چیز کو دھوتے ہیں پاک چیز کو نہیں دھوتے دوسری گناہوں کی حرارت اور گرمی کی طرف کہ برف اور اولوں کے پانی سے اس کے بجھانے کی درخواست کی اس لئے کہ اگر معاصی میں صرف نجاست ہوتی اور حرارت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ حضور اکرم ﷺ بجائے برف اور اولے کے پانی کے گرم پانی سے گناہوں کے دھونے کی درخواست فرماتے لیکن ایسی کوئی درخواست نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت کا اثر بھی ہے اس لئے نجاست کی تطہیر کے علاوہ تبرید اور اطفاء حرارت کی بھی ضرورت ہے گرم پانی سے اگرچہ تطہیر نجاست ہوسکتی ہے لیکن تبرید اور تسکین کا مقصد خوب اچھی طرح برف اور اولے ہی کے پانی سے حاصل ہوسکتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے بجائے گرم پانی کے مبردات یعنی برف اور اولے کے پانی سے جو ٹھنڈا ہوتا ہے گناہوں کے دھونے کی دعا فرمائی۔ (کذا قال العلامة محمد ادریس کاندھلویؒ)

الوضوء بماء الثلج

برف کے پانی سے وضو کرنے کا بیان

اخبرنا اسحٰق بن ابراھیم اخبرنا جریر عن ھشام بن عروة عن ابیه عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول اللّٰھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونقِّ قلبی من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے یا الٰہی میرے گناہوں کو برف اور اولے کے پانی سے دھوڈالئے اور میرے قلب کو گناہوں کے داغ سے پاک وصاف کیجئے جیسا کہ تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک کرتا ہے۔

باب الوضوء بماء البرد

اولے کے پانی سے وضو کرنے کا بیان

اخبرنا ھارون بن عبداللہ قال حدثنا معن قال حدثنا معاویة بن صالح عن حبیب بن عبید عن جبیر بن نفیر قال شھدت عوف بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی علیٰ میت سمعت من دعائه وھو یقول اللّٰھم اغفر لهٗ وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزلهٗ واوسع مدخلهٗ واغسله لماء والثلج والبرد ونقه من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس.

جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں عوف بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کہتے ہیں کہ جب حضور

اکرم ﷺ کسی میت پرنماز پڑھتے تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے جس کو میں نے خود سنا اور یاد رکھا یا الٰہی اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحمت فرما اور خلاص کر اس کو سختی اور مصیبت سے اور معاف کر اس سے اور بہتر کر اس کی مہمانی یعنی جنت میں اور کشادہ کر اس کی قبر اور اس کو پانی اور برف اور اولے سے دھو ڈال اور اس کو گناہوں سے پاک وصاف کیجئے جیسا کہ سفید کپڑے کو میل سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔

تشریح: تراجم کے ذیل میں روایت کردہ الفاظ حدیث پر نظر رکھ کر پہلا عنوان بدون لفظ ماء کی قید کے رکھا پھر دوسرا اور تیسرا ترجمہ مقید منعقد فرمایا ہے ورنہ اصل مقصد برف اور اولے کے پانی سے جواز وضو کا اثبات ہے باقی تحقیق تشریح پیچھے آچکی ہے۔

اس باب کے ذیل کی حدیث میں جو دعا میت پر پڑھنے کی وارد ہوئی ہے اس کو تیسری تکبیر کے بعد آہستہ پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے اور حضور ﷺ نے تعلیم کے واسطے پکار کر پڑھی جب ہی تو حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے میت پر یہ دعا پڑھتے سنا ہے ''اللھم اغفر له الخ''۔

سؤر الكلب

کتے کے جھوٹے کا بیان

اخبرنا قتيبة عن مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا شرب الكلب فى اناء احدكم فليغسله سبع مرّات.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے پانی پی لے تو اس برتن کو سات دفعہ دھولے۔

اخبرنى ابراهيم بن الحسن قال حدثنا حجاج قال قال لى ابن جريج اخبرنى زياد بن سعدٍ ان ثابتا مولى عبد الرحمن بن زيدٍ اخبره انه سمع اباهريرة رضی اللہ عنہ يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ولغ الكلب فى اناء احدكم فليغسله سبع مرات.

راوی حدیث ثابت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈالے تو اس کو سات مرتبہ دھولیا کرو۔

اخبرنى ابراهيم بن الحسن قال حدثنا حجاج قال قال ابن جريج اخبرنى زياد بن سعدٍ انه اخبره هلال بن اسامة انه سمع ابا سلمة يخبر عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله.

تشریح: یہ دونوں روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہیں پہلی روایت میں لفظ شرب اور دوسری روایت میں ولغ کا لفظ آیا ہے ولوغ کے معنی لغوی طور پر یہ ہیں کہ کتے کا برتن میں منہ ڈال کر زبان کے کنارے سے پانی پینا، ابن العربی نے کہا کہ ولوغ کا استعمال کتے اور درندے کے پانی پینے پر ہوتا ہے اس کا استعمال آدمی پر نہیں ہوتا اور لفظ شرب کا استعمال سب پر

ہوتا ہے۔

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ جب کتا کسی کے برتن سے پی لے پانی ہو یا اور کوئی چیز ہو تو حکم یہ ہے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھولیا جائے یہی اس کی تطہیر کا طریقہ ہے اور سات بار دھونا امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے سات بار دھونے کے وجوب پر سب متفق ہیں لیکن فرق اس میں ہے کہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اس لئے سات بار دھونے کو ضروری کہتے ہیں امام مالکؒ سور کلب کو پاک کہتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب پاک ہے تو برتن بھی پاک ہونا چاہئے پھر سات بار دھونے کو واجب کیوں کہتے ہیں جواب یہ ہے کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ امر تعبدی کی بنا پر واجب کہتے ہیں نہ کہ نجاست کی بناء پر حکم تعبدی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ ہمیں معلوم نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کوئی وجہ ہی نہیں کیوں کہ ہر حکم کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے لیکن ہمیں اس کا علم نہیں ہے بس شارع علیہ السلام نے سات بار دھونے کا حکم دیا ہے لہٰذا ہم بھی اس کا حکم دیتے ہیں گو ہماری عقل اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہے، مدونہ میں ہے کہ امام مالکؒ سے اس حدیث مرفوع کی وجہ دریافت کی گئی جس میں سات دفعہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ کتا دودھ اور پانی کے برتن سے پی لے تو آپ نے فرمایا "قد جاء هذا الحديث وما ادری حقيقته" بے شک اس کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے مگر مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں۔

اسی لئے تو سات دفعہ دھونے کی تحدید کی گئی اور اگر ناپاک ہوتا تو مقصود انقاء ہوتا جس کے لئے صرف تین دفعہ دھونا کافی ہوجاتا ہے پھر بعد میں فضلاء مالکیہ میں سے ابن رشد وغیرہ آئے چنانچہ ابن رشد نے مقدمات میں اور اس کو ان کے پوتے ابن رشد صغیر نے بھی بدایۃ المجتہد میں نقل کیا ہے کہ حدیث معقول المعنی ہے یعنی علت اس کی معلوم ہے لیکن اس کا ظاہری نجاست سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس برتن کو جس میں کتے نے منہ ڈالا ہے سات دفعہ دھونے کا حکم اس سبب سے دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ کتا کلب (کسرۂ لام کے ساتھ) یعنی دیوانہ ہو اس کے لعاب میں سمیت (زہر کا اثر) ہوتا ہے لہٰذا اس کے استعمال سے خوف اور اندیشہ ہے کہ نقصان پہونچے گا اس لئے تو برتن کو سات دفعہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے، علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ لعاب کلب میں ایسا اثر ہے کہ اگر اس کا جھوٹا کھالیا جائے یا پی لیا جائے تو اس سے دل کے اندر قساوت اور ظلمت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے نیکی اور بھلائی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں حتی کہ اس شخص کے دل سے دین کی باتوں کے سننے کا شوق بھی ختم ہوجاتا ہے چنانچہ ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص جو مالکی تھا اور ہمارے دوستوں میں سے تھا اس نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ ایک پیالہ میں دودھ رکھا ہوا تھا اس میں سے کتے نے پی لیا پھر پیالے کا باقی بچا ہوا دودھ اس نے پی لیا جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ نو مہینہ تک انقباض قلب کی کیفیت رہی اور ہر قسم کے خیر کے دروازے اس پر بند ہوگئے حتی کا دَ اَنْ یَّھلک، حتی کہ ہلاکت کے قریب پہونچ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ سور کلب کو قساوۃ قلب میں بہت بڑا دخل ہے اور یہی قساوۃ قلب انسان کو قبول خیر اور مواعظ سے جس پر دونوں جہاں کی کامیابی منحصر ہے محروم کردیتی ہے اس لئے حدیث شریف میں مبالغہ کے ساتھ سات بار دھونے کا اور ان میں سے ایک مرتبہ مٹی سے مل کر دھونے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے لعاب کا اثر بالکل ختم ہوجائے۔

بہر حال ابن رشد کبیر اور علامہ شعرانیؒ کی تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث علاج اور تداوی کے باب سے ہے کہ نقصان سے بچانے اور باطن کی طہارۃ وصفائی کے لئے بطور علاج اور تداوی کے مبالغہ کے ساتھ سات بار دھونے کا حکم ہے اور انہوں نے استدلال کیا کہ عدد سبع کا ذکر علاج اور تداوی کے لئے دوسرے مواضع میں بھی آیا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے اوقات کسی چیز کے کھانے سے پہلے سات کھجوریں عجوہ میں سے کھائے (کھجوروں میں سے افضل قسم ہے) تو اس دن سحر اور زہر اس کو ضرر نہیں کرتا، اسی طرح اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے مرض وفات کے وقت فرمایا کہ مجھ پر سات مشکوں کا پانی ڈالو، لم تحلل او کیتھن کہ جن کا سر بند کھولا نہ گیا ہو، تو جس طرح یہاں بطور علاج اور مداواۃ کے حکم ہے اسی طرح حدیث مذکور میں بھی ہے۔

ابن رشد کے قول پر اعتراض ہوا کہ پاگل کتا تو پانی کے قریب نہیں پہنچ سکتا اس کا جواب ان کے پوتے ابن رشد صغیر نے دیا ہے کہ پانی کے قریب اس وقت جا نہیں سکتا جب کہ دیوانگی پختہ ہو جائے لیکن ابتداء میں نزدیک بھی جا سکتا ہے اور پانی بھی پی سکتا ہے۔

حافظ ابن رشد کے علاوہ فضلاء مالکیہ میں سے حافظ ابن عبد البر اور ابن دقیق العید نے بھی حدیث کو معقول المعنی قرار دیا ہے لیکن غسل کا وہ سبب جس کے ابن رشد قائل ہوئے انہوں نے اس کو قرار نہیں دیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ غسل کا حکم نجاست کی بناء پر دیا گیا ہے اور ابن رشد صغیر نے بھی بدایہ میں علت نجاست کو ترجیح دی ہے نہ کہ سمیت کو جوان کے دادا ابن رشد کبیر کے نزدیک مختار ہے۔

عدد غسل کے وجوب میں اختلاف

بہر حال یہ تو تھی مختصر بحث جو مسلک مالکیہ سے متعلق ہے اس کے بعد دوسری بحث یہ ہے کہ ماقبل میں اشارہ کر چکا ہوں کہ شوافع اور حنابلہ نجاست کی وجہ سے دھونے کو ضروری کہتے ہیں حضرات حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں مگر عددِ غسل کے وجوب میں اختلاف آ گیا شوافع اور حنابلہ کے نزدیک برتن کی طہارت کے لئے سات دفعہ دھونا ضروری ہے ان حضرات نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے جس میں "فلیغسلہ سبع مرات" کے الفاظ آئے ہیں، احناف کا مسلک یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے لہٰذا برتن کو تین مرتبہ دھونا واجب ہے اور تین بار دھونے سے ہمارے نزدیک پاک ہو جاتا ہے اب رہا سات بار دھونے کا حکم تو ہم اس کو منسوخ مانتے ہیں یا استحباب پر محمول کرتے ہیں احناف کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو ابن عدی نے کامل میں بروایت حسین بن علی کرابیسی مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو گرا دے "ولیغسلہ ثلاث مرات" اور برتن کو تین دفعہ دھولے، اس حدیث کے رجال نہایت قوی اور ثقہ ہیں مگر ابن عدی نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ راوی حدیث حسین بن علی کرابیسی بطریق مرفوع روایت کرنے میں منفرد ہے اس کے سوا کسی نے اس کو مرفوع نہیں کیا اور میں نے اس حدیث کے سوا کرابیسی کی کوئی روایت منکر نہیں پائی، اور امام احمدؒ نے اس پر لفظ قرآن کے مسئلہ کی وجہ سے طعن کیا ہے "فاما فی الحدیث فلم

اری بہ بأساً '' بہر حال روایت حدیث میں اس کے اندر میں کوئی وجہ اعتراض نہیں پاتا (زیلعی) حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ''استدارک الحسن :۱ / ۹۲'' میں لکھا ہے کہ ''لابأس بہ الفاظ تعدیل میں سے ہے جیسا کہ ابن عدی نے ''الرفع والتکمیل '' میں حافظ ذہبی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن حبان اور حکم مستنصر اموی نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور ثقہ کے حدیث کی نکارت یعنی منکر کہہ دینا مطلق تفرد پر محمول ہوتی ہے ''کما فی الرفع ایضاً عن ابن عدی '' اور ثقہ کا تفرد حدیث کے مرفوع کرنے میں مقبول ہے اور باقی رواۃ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لہٰذا ثلاث مرات والی حدیث کا مرفوع ہونا رد نہیں ہوسکتا۔ (استدراک الحسن :۱ / ۹۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حسین بن علی کرابیسی جو امام احمد کے ہمعصر تھے اور کبار محدثین میں سے تھے ان پر کسی نے بھی سوائے امام احمدؒ کے کلام نہیں کیا اور امام احمدؒ نے ان پر صرف مسئلہ قرآن کی وجہ سے طعن کیا ہے اس مسئلہ میں دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا تھا ان کا کلام کرابیسی کی وثاقت وعدالت اور حفظ وضبط میں نہیں تو اگر یہی مسئلہ لفظ قرآن کا سبب جرح بن جائے تو پھر امام بخاریؒ بھی اس کی زد میں آتے ہیں اور ان کو بھی مجروح کہنا پڑے گا کیوں کہ حسین بن علی کرابیسیؒ امام بخاری کے استاد ہیں امام بخاری اور داؤد ظاہری نے لفظی بالقرآن مخلوق کا مسئلہ انہی سے سیکھا تھا تو اب اگر کرابیسی کو اس مسئلہ کی وجہ سے ساقط کردیں اور انکی روایت کا اعتبار نہ کریں تو پھر امام بخاریؒ کے بارے میں کیا کہیں گے وہ بھی ہاتھ سے جاتے ہیں۔

غرض کہ اس قسم کی تاویل امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ سے بھی ثابت ہے لہٰذا اس کی وجہ سے کرابیسی کی عدالت وغیرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب کہ ابن عدی اور دیگر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے ''فالحدیث اذاً غیر مقدوح رفعه '' کہ اس حدیث مذکور کا مرفوع ہونا رد نہیں ہوسکتا مزید برآں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قولی اور فعلی سے ثابت ہوتا ہے کہ تین مرتبہ دھونا برتن کی طہارت کے لئے کافی ہے چنانچہ عطاء بن ابی رباح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالتا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسکا پانی گرا دیتے وغسلہ ثلاث مرات، اور اس کو تین دفعہ دھو لیتے، دار قطنی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن)

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے استدارک الحسن (۱ / ۹۴) میں لکھا ہے کہ اس کو دار قطنی اور طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے قولاً بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ آثار السنن میں آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کے اندر جو چیز ہے اس کو گرادے پھر اس کو تین دفعہ دھولے، دار قطنی میں ''ثم اغسله ثلاث مرات '' اور طحاوی میں ''یغسل ثلاث مرار '' کے الفاظ آئے ہیں اس حدیث قولی اور فعلی سے صاف معلوم ہوا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے اور یہی مسئلہ کرابیسی کی حدیث مرفوع سے بھی ثابت ہو رہا ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہے اور چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اور خود ان کا عمل حدیث کرابیسی کے مطابق ہے جس میں تین دفعہ دھونے کا بیان آیا ہے اس لئے اس حدیث موقوف سے کرابیسی کی حدیث مرفوع کی تقویت ہوگئی اور حدیث مرفوع اور موقوف سے حنفیہ کا مسلک بخوبی ثابت ہو گیا کہ کتے کے منہ ڈالنے سے برتن کا سات (۷) یا آٹھ (۸)

دفعہ دھونا واجب نہیں بلکہ اس کی طہارت کے لئے تین بار دھولینا کافی ہے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ متفرد نہیں بلکہ حضرت عطاء جو جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے بھی سات دفعہ دھونے کو واجب نہیں سمجھا چنانچہ ابن جریج سے مروی ہے کہ عطاء نے مجھ سے فرمایا کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو دھویا جائے ''قال کل ذالک سبعًا وخمسًا، وثلاث مرات'' فرمایا کہ سب درست ہے سات دفعہ بھی اور پانچ دفعہ بھی اور تین دفعہ بھی، رواه عبد الرزاق فی مصنفه واسناده صحيح۔(آثار السنن)

اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت مرفوعہ میں تو ''فليغسله سبعًا'' آیا ہے جس سے شوافع وغیرہ نے استدلال کیا ہے جیسا کہ ماقبل میں اس کا بیان ہو چکا ہے پھر حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سات دفعہ دھونے کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے اس کا کیا جواب ہے حضرات حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بیشک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''فليغسله سبعًا'' کی روایت ثابت ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جب خود راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس نص صریح کے خلاف تثلیث کی روایت فرمائی تھی اور فتویٰ بھی تین دفعہ دھونے کا دیا تھا تو کیا اسوقت سبع والی روایت بھول گئے تھے کیا وہ روایت مرفوعہ ان کے سامنے موجود نہیں تھی، اگر کوئی کہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تین مرتبہ دھونے کا فتویٰ دیتے وقت سبع والی روایت بھول گئے ہوں اس لئے تثلیث کا فتویٰ دیا تھا، تو ہم کہیں گے کہ اول تو نسیان کی نسبت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا ان کی شان کے خلاف ہے اور بلاوجہ بدگمانی ہے دوسرے یہ احتمال بلا منشاء قائم کیا گیا ہے لہٰذا اس کا کوئی وزن نہیں ہے بے دلیل کسی کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ شاید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت بھول گئے ہوں گے اس لئے تثلیث کا فتویٰ دیا تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے راوی نہیں جو روایت کو بھولا کرتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس قدر ٹھوس اور پختہ قوۃ حافظہ انہیں عطا فرمایا گیا تھا جس کی مثال نہیں ملتی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ جو کوئی اپنا کپڑا پھیلائے رکھے اور برکت اس کی جو اس کے کپڑے میں آوے گی اپنے سینہ کی طرف ملاوے تو جو کچھ میری حدیثوں میں سے یاد ہوں ہرگز نہیں بھولے گا پس میں نے اپنی کملی کھولی کہ سوائے اس کے مجھ پر کوئی کپڑا نہ تھا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات یعنی دعا تمام فرمائی ''ثم جمعتها الیٰ صدری فو الذی بعثهٗ بالحق مانسیت من مقالته ذالک الیٰ یومی هذا'' یعنی سمیٹا اور لگایا میں نے اس کملی کو اپنے سینے کی طرف پس قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث فراموش نہیں کی، اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو قوۃ حافظہ میں امتیازی مقام حاصل تھا اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ''ابوهريره رضی اللہ عنہ احفظ من روی الحدیث فی دهره'' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں ''لا اعرف احد امن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم احفظ لحدیثه منی'' تو اس حفظ بدیع کے باوجود نسیان کی نسبت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تثلیث کا فتویٰ دیتے وقت تسبیع والی روایت بھو گئے ہوں گے یا انہوں نے یہ فتویٰ اس لئے دیا ہو کہ

سات بار دھونے کو استحباب سمجھتے ہوں نہ کہ واجب اور جب احتمال موجود ہے تو تین بار دھونے کا فتویٰ دینے سے سبع والی روایت کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں تو حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول غیر موجہ ہونے کے ساتھ ساتھ بلا وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگمانی ہے ہم نے ابھی دلیل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کو بھولنے والے راوی نہ تھے اس لئے جب انہوں نے تین دفعہ دھونے کا فتویٰ دیا تھا تو اس وقت ''فلیغسلہ سبع مرات'' کی روایت بھول نہیں گئے تھے لیکن اس کے باوجود اس کے خلاف یہ فتویٰ بھی خود دے رہے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سبع والی روایت کے منسوخ ہونے کا علم ہو چکا تھا اس لئے تثلیث کا فتویٰ دے رہے ہیں اور یہ صورت بالکل ایسی ہے جیسے امام شافعیؒ نے حدیث الماء من الماء کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ علامہ حازمی نے الاعتبار (۳۲) میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بلاشبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث الماء من الماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اس کے خلاف نہیں جب ہی تو ابتداء میں اس حدیث کی بناء پر انزال نہ ہونے کی صورت میں عدم وجوب غسل کے قائل تھے پھر بعد میں ان کا اس حدیث کو چھوڑ دینا اور اپنے قول سابق سے رجوع کر لینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو قطعی طور پر اس حدیث کے حکم کو منسوخ کر دینے والی روایت پہونچ چکی ہے جس کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد میں سنا تھا اور امام بیہقیؒ نے بھی بعینہٖ اسی طرح فرمایا ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ نے بھی اپنے قول سابق سے رجوع فرمالیا ہے۔

تو جس طرح سے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور بیہقیؒ کے قول کے مطابق روایات ناسخہ کے ثبوت کے بعد (یعنی وہ روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہیں جن کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض دخول سے غسل واجب ہوتا ہے انزال ہو یا نہ ہو) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث الماء من الماء پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اسی طرح یہاں بھی یعنی سؤر کلب کے مسئلہ میں جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سات مرتبہ دھونے کی روایت سنی تو روایت بھی اسی کی فرمائی اور فتویٰ بھی اسی کا دیا پھر جب کچھ عرصہ بعد تین دفعہ دھونے کی روایت سنی تو روایت بھی اس کی فرمائی اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق دیتے رہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ تسبیع کی روایت کو منسوخ مانتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، یا تو ان کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ وہ تثلیث کی روایت کو وجوب پر اور سات مرتبہ دھونے کی روایت کو استحباب پر محمول کرتے ہوں اس توجیہ کے مطابق دونوں قسم کی روایتوں میں تطبیق ہو گئی، اور حنفیہ استحباب کے قائل ہیں چنانچہ تحریر الاصول لابن امیر الحاج کی شرح تقریر میں وبری نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ آپ سبع مرات یعنی سات دفعہ دھونے کو مستحب فرماتے ہیں اور فقہائے حنفیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ تین بار دھونے کو ضروری قرار دیتے ہیں جس طرح دوسری نجاستوں کے ازالہ کا عام ضابطہ اور طریقۂ تطہیر ہے لیکن چونکہ شارع علیہ السلام نے سات مرتبہ دھونے کے لئے بھی فرمایا ہے اس لئے احتیاط کی بناء پر سات بار تک دھو لینا مستحب ہوگا۔ (واللہ اعلم)

الامر باراقة مافی الاناء اذا ولغ فیه الکلب

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کے اندر جو کچھ ہے اُسے ڈال دینے کا بیان

اخبرنا علی ابن حجر اخبرنا علی بن مسھرٍ عن الاعمش عن ابی رزین وابی صالح عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقه ثم لیغسله سبع مرات ،قال ابو عبد الرحمن لااعلم احدًا تابع علی مسھر علی قوله فلیرقه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کے اندر جو کچھ ہے اس کو گرا دے پھر اس کو سات دفعہ دھولیا کرے۔

تشریح: اس روایت میں بجائے شرب کے ولغ کا لفظ وارد ہوا ہے ولغ ولوغ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کتے کا پانی میں زبان ڈالنا اور طرف زبان سے پانی پینا، اور اس میں فلیرقہ کی زیادتی ہے جو ماقبل کی روایت میں نہیں ہے لیکن اس لفظ کے متعلق امام نسائی لا اعلم احدً الخ فرما رہے ہیں کہ میں تو نہیں جانتا کہ لفظ فلیرقہ کی روایت میں علی بن مسہر کی اور کسی نے متابعت کی ہو، حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ اعمش کے اصحاب میں سے سوائے علی بن مسہر کے ابو معاویہ اور شعبہ جیسے حفاظ حدیث نے اس لفظ کا ذکر ہی نہیں کیا اور حمزہ کنانی نے کہا کہ یہ لفظ غیر محفوظ ہے، کذا فی الفتح مگر حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں فرمایا کہ دار قطنی نے اسنادِ حدیث باب کی تحسین کی ہے اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور حافظ نے فتح الباری میں فرمایا کہ امر بالاراقہ یعنی پانی وغیرہ ڈال دینے کا حکم بطریق عطاء عن ابی ہریرۃ مرفوعاً بھی وارد ہوا ہے جس کی تخریج ابن عدی نے کی ہے ''لکن فی رفعه نظر والصحیح انه موقوف'' اسی طرح حکم اراقہ کا ذکر حماد بن زید بھی بواسطہ ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ موقوفاً کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے دار قطنی وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے لہٰذا امام نسائیؒ وغیرہ کا یہ کہنا کہ علی بن مسہر کی کسی اور نے متابعت نہیں کی قابلِ تسلیم نہیں۔

سابقہ ترجمہ کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ مالکیہ سؤر کلب کو پاک کہتے ہیں ان کے نزدیک برتن کا دھونا نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ امر تعبدی کی بناء پر ہے حالانکہ نسائی کی روایت میں ''فلیرقه ثم لیغسله سبع مرات'' اور بعینہ یہی الفاظ صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہیں کہ شارع علیہ السلام کا حکم ہے کہ پانی بہا دیں اور برتن کو سات بار دھولیں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر پانی پاک اور اس کا استعمال درست ہوتا تو ہرگز گرا دینے کا حکم نہیں دیا جاتا کیوں کہ شریعت نے اضاعت مال سے منع فرمایا ہے تو پانی وغیرہ گرا دینے کا اور برتن کو تین یا سات مرتبہ دھونے کا پھر بعض روایات میں مٹی سے مانجھنے کا حکم واضح طور پر بتلا رہا ہے کہ برتن کے دھونے کا حکم سؤر کلب کی نجاست کی وجہ سے دیا گیا ہے اور نسائی اور صحیح مسلم کی روایت مذکورہ سے حضرات حنفیہ اور شوافع کی تائید ہوتی ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور شریعت نے برتن کے دھونے کا حکم ناپاکی کی وجہ سے دیا ہے نیز صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''طھور اناء

احدکم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسله سبع مرات الخ ''اس روایت سے بھی مسلک احناف اورشوافع کی تائید ہوتی ہے کہ برتن کے دھونے کا حکم نجاست کی وجہ سے ہے کیوں کہ اس روایت میں طہور اناء احدکم کی تصریح ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے ورنہ پھر طہور کے کیا معنی؟ اوراگرسؤرکلب پاک ہوتا تو طہور الخ کا لفظ استعمال نہ فرماتے اور نہ دوسری روایت میں برتن کے اندر جو کچھ ہے اس کے گرادینے کا حکم فرماتے مالکیہ کی طرف سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ''طہور اناء احدکم الخ '' کی روایت میں جولفظ طہور استعمال ہوا ہے وہ بمقابلہ نجاست نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ لفظ نجاست طہارۃ کو مقتضی ہے لیکن لفظ طہارت نجاست کو مقتضی نہیں لہٰذا طہور اناء احدکم والی روایت سے سور کلب کی نجاست پر استدلال درست نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب الفاظ شرع حقیقت لغویہ اورشرعیہ کے درمیان دائر ہوں تو حقیقت شرعیہ پر محمول ہوتے ہیں البتہ اگر کوئی دلیل موجود ہو تو اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن یہاں لفظ طہور کا استعمال بمقابلہ نجاست ہوا ہے کیوں کہ امر بالغسل بظاہر دلیل نجاست ہے دھونے کا حکم تب ہی دیا جاتا ہے جب ایک چیز واقع میں ناپاک ہوجائے نیز فلیرقہ کی روایت اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی مؤید ہے کہ طہور اناء احدکم میں لفظ طہور حقیقت شرعیہ پر محمول ہے اور نجاست کے بالمقابل واقع ہوا ہے کیوں کہ شارع علیہ السلام نے فلیرقہ کا لفظ ارشاد فرمایا اور جس چیز کو گرادینے کا حکم دیا ہے وہ کیا چیز ہے اس کی کہیں تصریح نہیں ہے لہٰذا اس سے عام چیز مراد ہوگی کہ پانی ہو یا گھی یا تیل ہو بہت سی قیمتی اشیاء ہوتی ہیں ان کے گرادینے کا حکم اضاعت مال ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو جب کتے کا جھوٹا طاہر ہے تو پھر گرادینے کا حکم کیوں دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ گرادینے کا حکم نجاست کی بناء پر ہے نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ان الغسل من ولوغ الکلب بانہ رجس '' کہ ولوغ کلب سے برتن کے دھونے کا حکم اس بناء پر ہے کہ اس کا لعاب ناپاک ہے اور وہ برتن کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے اس کو محمد بن نصر مروزیؒ نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اور کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے تو اس سے واضح ہوگیا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور یہ روایات اس بات کی مؤید ہیں کہ حدیث مذکور میں لفظ طہور بمقابلہ نجاست وارد ہوا ہے اور حضرات حنفیہ اور شوافع دونوں اس بات پر متفق ہیں۔

باب تعفیر الاناء الذی ولغ فیہ الکلب بالتراب

جس برتن میں کتا نے منہ ڈالا ہے اس کو مٹی سے مل کر دھونے کا بیان

اخبرنا محمد بن عبد الاعلی الصنعانی قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن ابی التیاح قال سمعت مطرفا عن عبد اللہ ابن المغفل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب ورخص فی کلب الصید والغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنة بالتراب.

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا پھر شکاری

کتے اور بکریوں کی حفاظت کے کتے پالنے کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات دفعہ دھولو اور آٹھویں دفعہ اس کو مٹی سے ملو۔

عن ابی التیاح: یہ حدیث باب کے راویوں میں سے ہیں ان کا اصل نام یزید بن حمید بصری ہے اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں محدثین نے ان کی توثیق وتوصیف کی ہے چنانچہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ مستعد اور ثقہ ہیں اور ابن معین وابوزرعہ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ ہیں اور ابن سعدؒ اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، ان کا انتقال ۱۲۸ھ میں ہوا۔

مطرف: آپ ابوالتیاح کے استاد ہیں ان کے والد کا نام عبداللہ بن الشخیر ہے شین کے زیر اور خاء کے تشدید کے ساتھ ہے صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں اور ابن حبان اور ابن سعد وغیرہ سب نے ان کی توثیق کی ہے حضور اکرم ﷺ کی حیاۃ مبارکہ کے دور میں پیدا ہوئے اور عباد وزہاد اہلِ بصرہ میں سے تھے اور بھی ان کے بہت سے مناقب ہیں جن کا ذکر ابن سعد وغیرہ نے کیا ہے، ان کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔

عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ: آپ صحابی اور مدنی ہیں اور اصحاب شجرہ میں سے تھے مدینہ میں سکونت اختیار کی پھر وہاں سے منتقل ہوکر بصرہ چلے گئے اور وہاں مسجد جامع کے قریب اپنا مکان بنالیا آپ سے تابعین کی ایک جماعت نے روایتِ حدیث کی ہے لیکن ان سے سب سے زیادہ حسن بصریؒ نے روایت کی ہے حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ان دس اشخاص میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارے پاس علم دین کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا اور حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ اس جماعت کے قائد تھے، بہت گریہ وزاری کیا کرتے تھے اس لئے احد البکائین کے لقب سے موصوف ہوئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو کی تھی اس لئے انہوں نے پڑھائی بصرہ میں ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حدیث باب کی سند بے غبار ہے اور اس کی صحت اسناد پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے، اس حدیث میں آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھ کر دھونے کا حکم ہے حسن بصریؒ اسی کے قائل ہیں اور حرب کرمانی نے امام احمدؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں ابن دقیق العید نے اس کو امام احمد کا قول راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

مالکیہ نہ آٹھویں بار دھونے کے قائل ہیں اور نہ تعفیر کے کیوں کہ امام مالکؒ کی روایت میں تعفیر یعنی مٹی سے ملنے کا کوئی ذکر نہیں آیا نیز مالکیہ کہتے ہیں کہ محل ترتیب میں اضطراب ہے چنانچہ بعض روایات میں اولا ہن اور بعض میں اخراہن کسی میں احداہن اور کسی میں السابعۃ بالتراب اور کسی میں الثامنۃ بالتراب کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اب اس قدر اختلاف کی صورت میں کس پر عمل کیا جائے اور کس کو چھوڑ دیا جائے اسی لئے مالکیہ باوجودیکہ وہ کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھونے کے قائل ہیں مگر تعفیر کے قائل نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ترتیب کو واجب کہتے ہیں لیکن علیحدہ نہیں بلکہ غسلات سبعہ میں داخل ہے اب سوال یہ

ہے کہ غسل کے کون سے مرتبہ پر ترتیب اختیار کی جائے کیونکہ اس کے متعلق تو مختلف الفاظ بیان کئے گئے ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو امام مسلم اپنی صحیح میں لائے ہیں اس میں ہشام بن حسان نے اپنے استاد ابن سیرین سے اولاہن کا لفظ روایت کیا ہے اور اس کو ابن سیرین کے اکثر شاگردوں نے ان سے روایت کیا ہے اور بعض روایات میں اولاہن او احداہن کے الفاظ آئے ہیں اور بعض میں احداہن آیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں السابعۃ بالتراب آیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات میں جمع کی صورت نکالی ہے کہتے ہیں کہ احداہن مبہم ہے اور اولاہن اور السابعۃ متعین ہیں اب اولاہن او احداہن والی روایت میں اگر لفظ ''او تخییر'' کے لئے ہے تو اس کو حمل المطلق علی المقید کے قاعدہ کے مطابق ان دونوں محل متعین میں سے کسی ایک پر حمل کیا جائے گا جیسا کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی تصریح کی ہے اور ان کے شاگرد مرعشی وغیرہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور اگر لفظ ''او'' شک راوی کے لئے ہے تو جن راویوں نے بدون شک کے تعین کے ساتھ روایت کی ہے ان کی روایت اولی اور راجح ہوگی ان راویوں کی روایت سے جنہوں نے ابہام یا شک کے ساتھ روایت کی ہے، اب رہی یہ بات کہ اولاہن اور السابعۃ والی روایت میں کس کو راجح قرار دیا جائے گا تو حافظ ابن حجرؒ نے اولاہن کو ترجیح دی ہے کیوں کہ کثرت سے اولاہن کی روایت ہے لہٰذا یہی راجح ہوگی اور معنی کے اعتبار سے بھی قابل ترجیح ہے کیوں کہ اگر آخری دفعہ میں برتن کو مٹی سے مل لیا جائے تو بعد تعفیر بھی اس کو صاف ستھرا کرنے کے لئے علیحدہ ایک دفعہ اور دھونے کی ضرورت پڑ یگی جس سے آٹھواں غسلہ نکل آئے گا جو مسلک شافعیہ کے خلاف ہے لیکن اگر ترتیب شروع میں اختیار کی جائے تو غسلات سبعہ سے آگے بڑھنا نہیں ہوگا۔

(واللہ اعلم)

حضرات حنفیہ تثلیث والی روایت کو وجوب پر اور تسبیع اور تعفیر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں لہٰذا حنفیہ کا عمل سب روایات پر ہے بخلاف مالکیہ اور شافعیہ کے مالکیہ نے تعفیر کے عمل کو چھوڑ دیا اور حالانکہ حدیث صحیح ہے اور شافعیہ نے آٹھویں بار مٹی سے مل کر دھونے کا عمل ترک کر دیا حالانکہ حدیث صحیح ہے اب چونکہ حدیث باب شوافع وغیرہ جو تسبیع کے قائل ہیں ان کے خلاف ہے اس لئے انہوں نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں لیکن سب مخدوش ہیں مثلاً امام شافعیؒ سے ایک جواب یہ نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اس حدیث کی صحت سے واقف نہیں ہوں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ عذر ان لوگوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا جو اس حدیث کی صحت سے واقف ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن مندہ نے بواسطۂ شعبہ روایت کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اسناد مجمع علی صحتہ، کہ اس حدیث کی صحت اسناد پر سب کا اتفاق ہے۔ (الجواهر النقی :۲٤۱) وھکذا فی النیل ، امام بیہقی ترجیح کے قائل ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ احفظ تھے اس لئے ان کی روایت کو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت پر ترجیح ہوگی۔

علامہ عینیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر ترجیح کا قول کیا جائے تو بیہقی نے جیسا کہا ویسا نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت کو حق ترجیح زیادہ حاصل ہے کیوں کہ وہ ان دس اشخاص میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

دین کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا اور وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے افقہ تھے''فکان الاخذ بروایته احوط ''لہٰذا انہی کی روایت زیادہ لائق ترجیح ہے، اور مقتضی احتیاط یہی ہے کہ انہی کی روایت پر عمل کیا جائے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی بیہقی کے اس جواب کو رد کر دیا ہے انہوں نے کہا کہ ترجیح کے قول کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہاں جمع کی صورت ممکن ہے کہ حدیث ابن مغفل رضی اللہ عنہ پر عمل مستلزم ہے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر عمل کرنے کو لیکن اس کے برعکس کی صورت میں نہیں اور ''والزیادۃ من الثقة مقبولة'' کے ضابطہ کے مطابق''وعفروا الثامنة بالتراب'' صحیح ہے اور اگر اس باب میں ہم ترجیح کے طریقہ پر چلتے تو ہم بالکل تتریب کے قائل نہ ہوتے کیوں کہ امام مالکؒ کی روایت بدون تتریب کے وارد ہوئی ہے جو ان لوگوں کی روایت سے زیادہ راجح ہے جنہوں نے تتریب کا اثبات کیا ہے حالانکہ ہم اس مسئلہ میں زیادۃ ثقہ کو قبول کرتے ہوئے تتریب کے قائل ہوئے۔

امام نووی وغیرہ نے جمع بین الحدیثین کا ایک اور راستہ نکالا ہے کہ مراد یہ ہے کہ''اغسلوه سبعا واحدة منهن بالتراب مع الماء ''یعنی برتن کو سات دفعہ دھولیں ان میں سے ایک بار مٹی کے ساتھ مع پانی کے دھولیں تو مٹی سے مانجھنا غسلہ واحدہ کے قائم مقام ہو جائے گا اور جب مٹی سے ملنا ایک بار دھونے کے قائم مقام ہوا تو گویا آٹھویں بار دھونا ہوا تو اب تسبیع اور تثمین کی دونوں روایتیں جمع ہو گئیں ہم اس تاویل کا جواب آگے دیں گے بظاہر خود حافظ ابن حجر بھی اس تاویل سے خوش معلوم نہیں ہوتے وہ کہتے ہیں کہ ابن دقیق العید نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا کہ ارشاد مبارک''وعفروه الثامنة بالتراب'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں بار مٹی سے مل کر دھونا مستقل طور سے ہونا چاہئے جو غسلات سبعہ سے علیحدہ ہے پھر ابن دقیق العید نے اپنی طرف سے ایک تاویل کی ہے کہ اگر تعفیر یعنی مٹی سے مانجھنا غسلات سبعہ سے پہلے شروع میں واقع ہو تو اس صورت میں آٹھ مرتبہ دھونا متحقق ہوگا اور غسلہ کا اطلاق تتریب پر بطور مجاز کے ہوگا۔

شارح ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام نوویؒ اور ابن دقیق العید کی تاویل ضعیف اور بے معقول ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر قول والثامنۃ رد کر رہا ہے کیوں کہ اس کی مراد یہ ہے کہ''وفي الغسلة الثامنة عفروه بالتراب ''یعنی آٹھویں بار کے غسل میں برتن کو مٹی سے مانجھ لیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بدون پانی کے دھونا ممکن ہی نہیں اس لئے آٹھویں بار کا غسل پانی کے ساتھ ہونا اور اسی کے ساتھ تعفیر کا ہونا ضروری ہے، یہ تو ہوا امام نوویؒ کی تاویل کا جواب اب رہا ابن دقیق العید کی تاویل کا جواب تو پہلے انہوں نے نووی پر گرفت کی پھر خود ہی اپنی طرف سے ایک تاویل کی ہے جو پیچھے کی عبارت مذکورہ میں گذر چکی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاویل مذکور حدیث کے مقتضی کے خلاف ہے مقتضی لفظ حدیث تو یہ ہے کہ تتریب غسلہ ثامنہ کے ساتھ ہو جو غسلات سبعہ سے علیحدہ ہے لہٰذا اس قسم کی تاویلات حدیث کے صریح خلاف ہیں۔

امام طحاویؒ کا ارشاد

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سات مرتبہ کے بعد آٹھویں دفعہ مٹی سے ملنے

کا حکم ہے اور اس کو کسی نے بھی واجب نہیں کہا حالانکہ حدیث کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے تو امام طحاویؒ نے اس حدیث سے خصم کو الزام دیا ہے کہ اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سبع والی روایت سے سات دفعہ دھونا واجب ہوسکتا ہے تو اس حدیث سے آٹھ دفعہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور یہ اس سے اولیٰ ہے کیوں کہ اس میں زیادت ہے والزیادۃ اولیٰ من الناقص، کہ زائد ناقص سے اولیٰ ہوتا ہے تو جو لوگ (شوافع) حنفیہ کو سات بار والی حدیث کے چھوڑنے کا الزام دیتے ہیں ان پر ہماری طرف سے یہ الزام ہے کہ وہ آٹھ دفعہ والی حدیث کو ترک کرتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے اس الزام کا جواب ابن دقیق العید کے قول کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ شافعیہ پر ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی ظاہر حدیث کے قائل نہ ہونے سے بالکل ترک عمل بالحدیث کا الزام نہیں آتا کیوں کہ شافعیہ کی طرف سے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کا جو عذر بیان کیا گیا ہے اگر وہ درست ہے تو ہم اس الزام سے بری ہیں ورنہ اس حدیث کے چھوڑنے میں دونوں فریق یعنی ہم اور تم برابر کے ملزم ہیں۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۴۲)

اس کا جواب علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے استدراک الحسن (۱/ ۹۵) میں یہ دیا ہے کہ حنفیہ نے قطعاً ترک عمل بالحدیث نہیں کیا بلکہ حنفیہ نے تسبیع اور تتریب کے حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے اور تثلیث کے حکم کو وجوب پر اور کہتے ہیں کہ اس اختلاف روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سات دفعہ کی حدیث سے اس عدد خاص کو واجب کرنا مقصود نہیں ورنہ عدد میں اختلاف نہ ہوتا، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مبالغہ کے ساتھ خوب اچھی طرح پاک کرلیا کرے جس سے نجاست زائل ہوجائے اس مبالغہ کو آپ نے کبھی سات مرتبہ سے تعبیر کیا کبھی آٹھ دفعہ سے پس یہ روایات تو ندب اور مبالغہ پر محمول ہیں اور تین دفعہ والی روایت وجوب پر محمول ہے کیوں کہ اس سے کم عدد کسی روایت میں نہیں آیا تو وہ متیقن ہوا باقی میں احتمال ہے لہٰذا اس کو وجوب پر محمول نہیں کرسکتے۔

اور علامہ عینیؒ نے بھی حافظ ابن حجرؒ کے اس الزام مذکور کو رد کردیا ہے اور کہا کہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو زائد عبارت واقع ہوئی ہے وہ ایک ثقہ خصوصاً فقیہ صحابی کی زیادتی ہے لہٰذا بلاشبہ مقبول ہے اور اس کے چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو دونوں حدیث واقع میں مثل ایک حدیث کے ہیں اب بعض حدیث پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا درست نہیں ہے اور شافعیہ نے ترک عمل بالحدیث کا جو عذر بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے لہٰذا ترک حدیث کا الزام انہی پر آتا ہے نہ کہ حنفیہ پر کیوں کہ حنفیہ حدیث ناسخ و منسوخ سے بخوبی واقف ہیں اس لئے انہوں نے تثلیث والی حدیث مرفوع اور موقوف کی بناء پر تسبیع اور تثمین والی روایت پر عمل بطور وجوب کے چھوڑ دیا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث بتلارہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ دفعہ دھونے کا حکم اس وقت دیا تھا جبکہ کتوں کے بارے میں تشدید کا معاملہ کیا گیا تھا حتی کہ تمام کتوں کے مارنے کا حکم تھا لہٰذا اسی کے لحاظ سے آٹھ دفعہ دھونے کا حکم بالکل مناسب و موزون تھا اور اسی سے بعض احناف نے تسبیع کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ سات بار دھونے کا حکم ابتداء اسلام پر محمول ہے اور شارحین ہدایہ میں سے اتقانی اور عینی وغیرہ نے اس کی یہی توجیہ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتوں کے بارے میں تشدید کا حکم فرماتے تھے جبکہ ان کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ان کا ضرر زیادہ ہوگیا حتی کہ لوگوں کو ان کے پالنے اور اختلاط سے منع فرمایا پھر کچھ عرصہ کے بعد اس تشدید کو ترک فرمادیا اور فرمایا "مالی وللکلاب" یعنی ہمیں کتوں سے کیا دشمنی، کہ ان کے استیصال کی فکر رکھیں وہ بھی ایک

امت ہے امتوں میں سے حتی کہ اس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دیدی گئی جیسے شکار کے لئے شکاری کتے کی، حفاظت کے لئے حفاظتی کتے کی البتہ اس کی اجازت سے احتمال تھا کہ کہیں محبت کتوں کی لوٹ کر نہ آئے تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے اختلاط عام سے روک دیا گیا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہوتا ہے۔

بہر حال سات بار دھونے کا حکم اس وقت کے لئے موزوں ومناسب تھا جب کہ ابتداء اسلام میں کتے کے بارے میں سخت برتاؤ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا پھر جب تشدید کا معاملہ منسوخ ہو گیا تو سات مرتبہ دھونے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

باب سؤر الهرة

بلی کے جھوٹے کا کیا حکم ہے اس کے بیان میں

اخبرنا قتيبة عن مالك عن اسحق بن عبد الله بن ابی طلحة عن حميدة بنت عبيد بن رفاعة عن كبشة بنت كعب بن مالك ان اباقتادة دخل عليها ثم ذكرت كلمة معناها فسكبت لهٔ وضوءً ا فجاء ت هرة فشربت منه فاصغى لها الاناء حتى شربت قالت كبشة فرانی انظر اليه فقال أتعجبين يا ابنة اخی فقلت نعم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم والطوافات .

کبشہ بنت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ ابوقتادہ یعنی اس کے سسر میرے پاس آئے پس میں نے ان کے واسطے وضوء کا پانی برتن میں ڈالا تو ایک بلی آئی اور اس سے پانی پینے لگی، تو ابوقتادہ نے برتن اس کی طرف جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا، کبشہ کہتی ہے کہ ابوقتادہ نے مجھ کو دیکھا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہی ہوں پس انہوں نے کہا کہ اے بھتیجی کیا تم تعجب کرتی ہو میں نے کہا ہاں، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی پلید نہیں ہے وہ تم پر طواف کرنے والوں اور طواف کرنے والیوں میں سے ہیں۔

تشریح: یہ کبشہ کی روایت ہے یہ حمیدہ بنت عبید کی خالہ ہیں اور ابوقتادہ کے بیٹے عبداللہ کے نکاح میں تھیں ابن حبان نے ان کو صحابیات میں سے شمار کیا ہے وہ اپنے خسر کے واقعہ وضوء کو بیان کر رہی ہیں کہ میں وضو کے لئے برتن میں پانی ڈال کر لائی تو اس سے بلی نے پینا شروع کر دیا اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن جھکا دیا تا کہ اس کے لئے پانی کا پینا آسان ہو اور تکلیف نہ ہو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے مجھے تعجب ہوا تو انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا ''أتعجبين يا ابنة اخی'' اے میری بھتیجی (یہ کلمہ عرب کے محاورے میں بطور شفقت استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کیوں کہ وہ نسب کے اعتبار سے بھتیجی نہ تھیں) کیا تم تعجب کرتی ہو میں نے کہا ہاں کیوں کہ آپ اسی پانی سے وضو کرو گے جو بلی کا جھوٹا ہے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم والطوافات'' یہ قرآن کریم سے اقتباس ہے ارشاد قرآنی ہے ﴿طوافون عليكم بعضكم علىٰ بعض﴾ بعض روایت میں او کے ساتھ لفظ اوالطوافات

آیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ لفظ او شک کے لئے نہیں ہے کیوں کہ نسائی وغیرہ کی روایت میں لفظ واؤ کے ساتھ آیا ہے بلکہ تنویع یعنی تقسیم کرنے کے لئے ہے کیوں کہ یا نر ہیں یا مادہ اگر نر ہیں تو طوافین ہیں اور اگر مادہ ہیں تو طوافات ہیں اور طواف بمعنی خادم کے ہے بلیوں کو خادم اس لئے کہا کہ یہ بھی خدمت کرتی ہیں کہ موذی جانورں کو مارتی ہیں یا ان کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے جیسا کہ خادموں کی خبر گیری میں ثواب ہوتا ہے یا مثل خادم کے پھرتی رہتی ہیں۔

بہرحال حاصل حدیث کا یہ ہے کہ بلیاں تمہارے اردگرد بہت آمد ورفت رکھتی ہیں مثل خادموں کے تو اگر ان کے جھوٹے کی نجاست کا حکم دیدوں تو تم پر بہت دشواری اور بڑی تنگی ہوگی اس لئے اجازت دی کہ ان کا جھوٹا نجس نہیں۔

علامہ طیبیؒ نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک "انها ليست بنجس" کے بعد "انها من الطوافين عليكم" فرمانا ایسے وصف مناسب پر حکم کو مرتب کرنے کے قبیل سے ہے کہ جو اس حکم کی علت ہونے کی خبر دے رہا ہے۔

یہ حدیث بلی کے پس خوردہ کی طہارت پر دلالت کرتی ہے ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ اور احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کا یہی مذہب ہے حدیث باب اور اس کے علاوہ اور بھی ابوداؤد وغیرہ کی دوسری روایات سے ان کے مسلک کا اثبات ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے اور مشہور روایت کے مطابق امام محمدؒ بھی اس مسئلہ میں امام اعظم کے ساتھ ہیں اور خود امام محمدؒ کا کلام بھی امام اعظم کے ساتھ ہونے کی تصریح کر رہا ہے، چنانچہ امام محمدؒ نے موطاً میں فرمایا "لا بأس بان يتوضأ بفضل سؤر الهرة وغيره احب الينا منه وهو قول ابى حنيفة" اور کتاب الآثار میں فرمایا "قال ابو حنيفة غيرهٔ احب الى منه وان توضأ منه اجزاه وان شربه فلا بأس به قال محمد وبقول ابى حنيفة ناخذ" یعنی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بلی کے پس خوردہ سے غیر سؤر ہرة بہتر ہے لیکن اگر کسی نے بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرلیا تو کافی ہوجائے گا اور اگر اس کو پی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ امام اعظم کے ساتھ ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے متبعین کی دلیل ایک تو ترمذی کی روایت اس میں ہے "يغسل الاناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات اولاهن او اخراهن بالتراب واذا ولغت فيه الهرة غسل مرة" اس حدیث کو ابن سیرینؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور آپ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے امام ترمذی نے روایت حدیث کے بعد اس پر حسن اور صحیح ہونے کا حکم لگا دیا ہے بعض محدثین نے آخری جملہ یعنی اذا ولغت فیہ الخ کو مدرج من الراوی کہہ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے حالانکہ ظاہر سیاق حدیث بتلا رہا ہے کہ یہ جملہ بھی مرفوع ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی اس پر حسن اور صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے شاید انہوں نے بھی روایت مرفوعہ ہونے کو ترجیح دی ہوگی اور بیہقی وغیرہ نے بھی اذا ولغت فیہ الخ کو حدیث موقوف قرار دیا ہے اور اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے حفاظ حدیث کی ایک جماعت سے روایت موقوفہ نقل کی ہیں پھر کہا "رواية الجماعة اولى" یعنی جن حفاظ حدیث نے بطریق موقوف روایت کی ہے وہ ایک جماعت کی روایت ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

غرض کہ بیہقی حدیث مذکور کے آخری جملہ کو مدرج من الراوی یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیتے ہیں۔ علامہ

ابن الترکمانی نے ان کے دعویٰ کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ چونکہ امام ترمذی نے اس کو بواسطہ معتمر سلیمان عن ایوب مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اس لئے بیہقی کے اس دعویٰ کا کوئی وزن نہیں رہا اور خود بیہقی نے بھی اس حدیث کو بواسطہ عبدالوارث عن ایوب اور بواسطہ ابی عاصم بن قرہ اور بطریق ابن عون روایت کیا ہے تو ایوب اور قرہ اور ابن عون یہ سب حضرات بھی حفاظ کی ایک جماعت ہیں جنہوں نے اس زائد جملہ کو بطریق مرفوع ابن سیرینؒ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ثقہ رواۃ کی زیادتی مقبول ہے لہٰذا ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ زیادۃ مدرج من الراوی ہے کیوں کہ راوی کبھی چست اور پوری نشاط کی حالت میں ہوتا ہے تو حدیث مرفوعاً بیان کر دیتا ہے اور کبھی اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو بطریق موقوف بھی روایت کر دیتا ہے لہٰذا رفع کرنے والوں پر غلطی کا الزام لگانے سے یہی توجیہ بہتر ہے۔

بظاہر یہ حدیث مذکور بلی کے پس خوردہ کے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ اگر اس کا جھوٹا ناپاک نہ ہوتا تو پھر غسل کی کیا ضرورت اور حدیث میں برتن کے دھونے کا حکم کیوں دیا گیا۔

حنفیہ کی دوسری دلیل اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ''لاتوضؤوا من سور الحمار ولا الکلب ولا السنور ، رواہ الطحاوی ''اس کے رجال ثقہ ہیں اور یہ اثرِ ابن عمر رضی اللہ عنہ بلی کے جھوٹے کی نجاست پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس کے جھوٹے سے وضو کرنے سے کیوں منع فرمایا۔

تیسری دلیل حنفیہ کی ارشادِ نبوی ﷺ ہے ''السنور سبع ''یعنی بلی درندہ ہے اور درندوں کا جھوٹا نجس ہے لہٰذا بلی کا جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہئے اس حدیث کو حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور اس کو دار قطنی اور بیہقی نے بھی ایک واقعہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عیسیٰ بن مسیب ہے حاکم نے اس کے بارے میں صدوق کا لفظ کہہ کر اس کی توثیق کی ہے دار قطنی نے بھی اس کو صالح الحدیث کہا ہے یعنی وہ فن حدیث میں مستند اور قابلیت رکھنے والے تھے، اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ روایات بلی کے پس خوردہ کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں پھر تو اس کو نجس قرار دینا چاہئے حالانکہ حنفیہ اس کو مع الکراہت طاہر کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ بلی سواکن بیوت سے ہے اس سے تحرز مشکل ہے اگر اس کے جھوٹے کو نجس قرار دیا جائے تو گھر والوں کے لئے سخت تنگی ہے کہ گھر ہی میں سب چیزوں کا رہنا اور گھر ہی میں بلی کا کثرت سے چلنا پھرنا، کہاں تک کھانے پینے کی چیزوں کو ان سے بچائیں تو جس طرح گھر میں آنے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری قرار دیا پھر اس سے قرآن پاک میں بعلت طواف غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا اور وسعت دی گئی اسی طرح یہاں بھی کثرت سے آمد و رفت رکھنے کی علت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اصل میں نجاست ہے لیکن وہ صرف ضرورت کی وجہ سے معاف کر دی گئی ہے اب کراہت باقی رہی جیسا کہ چوہا وغیرہ سواکن بیوت میں توسیع کی گئی کہ ان کا جھوٹا اس واسطے مکروہ ہے کہ گوشت ان کا حرام ہے تو نجاست بسبب پھرتے رہنے کے جاتی رہی کیوں کہ اس سے حرج لازم آتا ہے اور کراہت باقی رہی اس لئے کہ بوجہ ضرورت کے سقوط نجاست سے سقوط کراہت لازم نہیں آتا اور نہ ہی اس سے کراہت کی نفی ثابت ہوسکتی ہے نیز ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے نیند سے جاگے ہوئے شخص کو اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے

اس کی وجہ احتمال نجاست ہے اور اگر بغیر دھوئے ہاتھ ڈال دیا تو پانی مکروہ ہوگا تو اسی طرح جس پانی میں بلی نے منہ ڈالا ہے وہ بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا کیوں کہ نجاست بلی کے منہ میں موجود ہونے کا توہم واحتمال زیادہ قوی ہے بہ نسبت مستیقظ کے ہاتھ کے ،غرض کہ حنفیہ کی اس توجیہ مذکور سے کہ اصل میں تو اس کا جھوٹا نجس ہے مگر بعلت طواف نجاست ساقط ہوگئی لیکن کراہت باقی رہی تمام احادیث میں تطبیق ہوگئی اور دونوں قسم کی روایات کی رعایت ہوگئی کیوں کہ تنزیہی کراہت جمع مع الجواز ہوسکتی ہے اب حدیث کبشہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔(واللہ اعلم)

باب سؤر الحمار

گدھے کے پس خوردہ کا کیا حکم ہے اس کے بیان میں

اخبرنا محمد بن عبداللہ بن یزید حدثنا سفیان عن ایوب عن محمدٍ عن انس رضی اللہ عنہ قال اتانا منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ ورسولہ ینھاکم عن لحوم الحمر فانھا رجس .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہمارے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول تم کو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرماتے ہیں کیوں کہ وہ ناپاک ہے۔

تشریح :اس حدیث سے پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت اور نجاست صراحۃً ثابت ہے،اور خچر بھی اس کے حکم میں داخل ہے کیوں کہ وہ گدھے سے ہی پیدا ہوتا ہے"**واللعاب متولد من اللحم**"یعنی لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھے اور خچر کا لعاب ناپاک ہے پس ان دونوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہئے لیکن اس کے برخلاف دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لعاب اور پسینہ پاک ہے چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے جس کے پالان پر ایک دھاری دار چادر ڈالی ہوئی تھی"**واردف وراءہٗ اسامۃ**"اور اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا، نیز بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے جنگ حنین کے قصہ میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث اس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمار ہے تھے "**انا النبی لاکذب ،انا ابن عبد المطلب**"میں نبی ہوں یہ غیر واقعی اور جھوٹی بات نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں،ان احادیث سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر اور گدھے پر سوار ہونا ثابت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک صحابی خچر کا لگام پکڑے ہوئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گدھے اور خچر پر سوار ہونا مشہور بات ہے"**وقد وردالامتنان بہ فی قولہٖ تعالیٰ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا الخ**"یعنی نص قرآنی میں اس کو لوگوں پر احسان یاد دلانے کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور اس کے جواز پر اجماع ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سواری کی حالت میں گدھے اور خچر کا پسینہ اور لعاب سے سوار کے کپڑوں اور بدن کا محفوظ رہنا دشوار ہے خصوصاً لگام پکڑنے کی صورت میں تو لعاب سے بچنا نہایت مشکل ہے اس کے باوجود کسی حدیث میں جسم یا لباس کو ان کے پسینہ سے یا لعاب سے پاک کرنے کا حکم

وارد نہیں ہوا اس سے گدھے اور خچر کے لعاب اور پسینہ کی طہارت ثابت ہوتی ہے اور حدیث باب سے نجاست ثابت ہوتی ہے اس لئے ان کے پس خوردہ سے وضو صحیح ہونے میں شک پیدا ہو گیا فتویٰ اس پر ہے کہ ان کا لعاب اور پسینہ پاک ہے اور جس پانی میں یہ منہ ڈال دیں وہ پانی بھی پاک ہے لیکن مطہر ہونے میں شبہ ہے اور مشکوک ہونے کی حالت میں اس سے وضو نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ اس سے جو طہارت حاصل کی جائے گی وہ بھی مشتبہ و مشکوک رہے گی اور جس کو گدھے اور خچر کے پس خوردہ کے علاوہ اور کوئی پانی نہ ملے تو وہ اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کر لے۔

(ملخصا من استدراک الحسن لعلامة ظفر احمد عثمانی رحمة الله عليه)

اب رہا یہ سوال کہ بعض روایات تو صراحۃً گدھے کے پس خوردہ کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اس کا کیا جواب دو گے چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے "**قال قيل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أنتوضاء بما افضلت الحمر قال نعم وبما افضلت السباع** "یعنی حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھے کے جھوٹے کئے ہوئے پانی سے وضو کر سکتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس پانی سے بھی جائز ہے جس سے درندوں نے پی کر بقیہ پانی چھوڑا ہے اس حدیث کو دارقطنی وغیرہ نے بواسطہ داؤد بن حصین عن ابیہ عن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز ابن ماجہ نے بواسطہ عطاء بن یسار حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا ان تالابوں اور حوضوں کے بارے میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور ان سے درندے کتے اور گدھے پانی پی جاتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "**لها ما حملت في بطونها ولنا ما غبر طهور** " درندے وغیرہ جو پانی اپنے پیٹ میں اٹھا کر لے گئے ہیں وہ تو ان کا ہے اور بقیہ پانی جو چھوڑ گئے ہیں وہ ہمارے لئے طہور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان روایات مذکورہ کی صحت میں کلام ہے کیوں کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی اسناد میں داؤد بن حصین ہے اور حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن زید ہے محدثین کے نزدیک دونوں متکلم فیہ ہیں اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی الدرایہ میں دونوں حدیثوں کے ضعیف ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ صحت کو پہنچی ہیں تو ان سے مراد بڑے حوضوں کا پانی ہے ان میں پانی بہت ہوتا تھا ورنہ اگر پانی اور درندے علی العموم مراد ہوں تو پھر لازم آتا ہے کہ کتے کا جھوٹا بھی پاک ہو حالانکہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس کا جھوٹا نجس نہیں ہے صاحب عنایہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں "**فتاويله ان المراد به الحمر الوحشية وسباع الطير او المراد به الماء الكثير** " یعنی حدیث مذکور میں حمار اور سباع سے مراد حمار وحشی اور سباع طیر ہے حمار وحشی حلال ہے لہٰذا اس کا جھوٹا بھی پاک ہے یا تو اس سے ماء کثیر مراد ہے تو اگر گدھے وغیرہ ماء کثیر سے پانی پی لیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

باب سؤر الحائض

حیض والی عورت کے سور کا بیان

اخبرنا عمرو بن علي قال حدثنا عبدالرحمن عن سفيان عن المقدام بن شريح عن ابيه عن

عائشة رضی اللہ عنہا قالت کنت اتعرق العرق فیضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاہ حیث وضعت وانا حائض وکنت اشرب من الاناء فیضع فاہ حیث وضعت وانا حائض.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں ہڈی چوستی تھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ اسی جگہ رکھ کر چوستے جہاں پر میں اپنا منہ رکھتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی اور میں برتن سے پانی پیتی تھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ اسی جگہ رکھ کر پانی پیتے جہاں میں رکھتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح :اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض والی عورت کے اعضاء یعنی منہ ہاتھ وغیرہ اور اس کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوتا ہے پاک ہے حائضہ کے بارے میں یہود کا طریقہ نہایت تشدد کا تھا مصلح امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل سے ہدایت فرمادی کہ تم یہود کی مخالفت کرو یہود والا طریقہ اختیار کرنا تمہارے لئے درست نہیں ہے غرض حدیث باب سے حائضہ کے پس خوردہ کی طہارت اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا سب کی اجازت معلوم ہوتی ہے سوائے جماع کے۔

باب وضوء الرجال والنساء جميعًا

مردوں اور عورتوں کے اکھٹے وضوء کرنے کا بیان

اخبرنا هارون بن عبدالله قال حدثنا معن قال حدثنا مالک ح والحارث بن مسکین قراءة علیه وانا اسمع عن ابن القاسم قال حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان الرجال والنساء یتوضئون فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم جمیعًا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرد اور عورت ایک ساتھ بیٹھ کر وضو کرتے تھے۔

تشریح :اس حدیث کی دلالت باب پر ظاہر ہے کہ جب زمانہ رسالت میں مرد اور عورت ایک ہی برتن سے ایک ساتھ وضوء کرتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر کوئی انکار نہ فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس طریقے سے اجتماعی طور پر وضو کرنے کی یہ صورت بلاشبہ درست ہے کیوں کہ اگر اس میں شرعاً کوئی کراہت ہوتی تو عہد رسالت میں ہرگز اس عمل کی اجازت نہ دی جاتی شارع علیہ السلام کی اجازت سے معلوم ہوا کہ اس طریقے سے وضوء کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے یہی مسلک تمام اماموں کا ہے اس کے برعکس اور دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ مرد کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے عورت وضو کرسکتی ہے یا نہیں؟ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ بیشک کرسکتی ہے اور یہ صورت بھی بالاتفاق درست ہے دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی کا کیا حکم ہے مرد اس کو استعمال کرسکتا ہے یا نہیں، امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ہمارے اور امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ پانی مرد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے خواہ عورت نے مرد کی غیر موجودگی میں تنہائی میں پانی استعمال کیا ہو یا اس کے

سامنے استعمال کیا ہوالبتہ اس دوسری صورت میں امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہری جمہور کے خلاف ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگرعورت نے مرد کی غیر موجودگی اور تنہائی میں پانی استعمال کیا ہوتو باقی بچا ہوا پانی مرد کے حق میں نا قابل استعمال ہے ان کا استدلال حضرت حکم بن عمرو غفاری کی حدیث سے ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان یتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة ''اس کو امام احمدؒ اور ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے البتہ ابن ماجہ اور نسائی کی روایت میں بجائے لفظ طہور کے وضوء المرأۃ آیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرد کے لئے عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی کا استعمال ممنوع ہے اس پانی سے وہ وضونہیں کرسکتا۔

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں ابن العربی نے کہا کہ اباحت والی احادیث سے نہی والی حدیث منسوخ ہو چکی ہے، یا حدیث نہی کا تعلق خاص صورت سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مرد کو اجنبیہ عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ اگر اس کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرے تو ممکن ہے درمیان وضو اس عورت کا خیال پیدا ہوا اور وہ اجنبیہ عورت یاد آ گئی ہو پھر اس کا دل اس میں مشغول رہا ہو تو اس سے نفسانی وساوس پیدا ہوں گے اس لئے وضو اور غسل کے اندر اس کے استعمال سے منع کیا گیا ہے، علامہ خطابی نے حدیث نہی کو اعضاء وضوء سے ٹپکنے والے پانی پر محمول کیا ہے جس کو ماء مستعمل کہا جاتا ہے اور احادیث جواز کا تعلق بقیہ اس پانی سے ہے جو برتن میں بچا ہوا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے حدیث نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے اور علامہ طیبیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور کہا کہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ نہی تنزیہی ہے اور علامہ شوکانیؒ نے بھی اس جواب کو پسند کیا ہے اس جواب سے تمام روایات میں تطبیق ہوگئی کیوں کہ کراہت تنزیہی جواز کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں حضرت شاہ صاحبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت حکم بن عمرو غفاری وغیرہ کی احادیث نہی آداب معاشرت کی تعلیم کے باب سے ہیں کہ نہ مرد عورت کے لئے جھوٹا چھوڑے اور نہ عورت مرد کے لئے جھوٹا چھوڑے بلکہ دونوں ایک ساتھ چلو بھر بھر کر استعمال کریں تا کہ مرد اور عورت کے درمیان نشاط اور محبت والفت پیدا ہو اور بگاڑ اور بدمزگی نہ پیدا ہو۔

حدیث باب میں جمیعًا کا لفظ وارد ہوا ہے یعنی مرد اور عورت اجتماعی طور پر وضو کیا کرتے تھے اگر عورتوں میں تعمیم کیجائے کہ محارم ہوں یا غیر محارم سب عورتیں مردوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں وضو کرلیتی تھیں تو نزول حجاب سے پہلے کی بات ہوگی اور اگر حکمِ حجاب کے بعد کی بات ہے تو پھر روایت میں جو نساء کا لفظ وارد ہوا ہے وہ بیوی اور محارم کے ساتھ خاص رہے گا۔

(ایضاح البخاری)

باب فضل الجنب

جنبی کے بقیہ پانی کا کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا قتیبة بن سعید قال حدثنا اللیث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة رضی الله عنها انها اخبرته انها

کانت تغتسل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاناء الواحد .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ کو بتایا کہ میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

تشریح: باب سابق میں گذر چکا ہے کہ جس طرح سے مرد اور عورت ایک ساتھ ایک برتن سے وضو کر سکتے ہیں اسی طرح دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ غسل بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ اس باب کی حدیث صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے طحاوی کی روایت میں من اناء کے بعد" یغترف قبلها و تغترف قبله "کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے پانی لے لیتے تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں پہلے ہاتھ ڈال دیا تو وہ پانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے فضل جنب ہو گیا اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برتن میں پہلے ہاتھ ڈال دیا تو بقیہ پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فضل جنب ہو گیا اب اگر دونوں میں سے کسی کا فضل یعنی بقیہ پانی ناقابل استعمال یا ناجائز ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہرگز یہ عمل اختیار نہ فرماتے جو حدیث باب میں مذکور ہے اس عمل مذکور فی الحدیث سے صاف معلوم ہوا کہ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کا فضل یعنی بچا ہوا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔

(ایضاح البخاری)

باب القدر الذی یکتفی به الرجل من الماء للوضوء

پانی کی اس مقدار کا بیان جو ایک شخص کے وضو کے لئے کافی ہے

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحییٰ حدثنا شعبة قال حدثنی عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر قال سمعت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتوضأ بمکوک ویغتسل بخمسة مکاکی.

عبداللہ بن عبداللہ بن جبر کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو فرماتے اور پانچ مد پانی سے غسل فرماتے تھے۔

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد ثم ذکر کلمةً معناها قال حدثنا شعبة عن حبیبٍ قال سمعت عباد ابن تمیم یحدث عن جدتی وهی ام عمارة بنت کعب ان النبی صلی اللہ علیه وسلم توضاء فاتی بماء فی اناء قدر ثلثی المد. قال شعبة فاحفظ انه غسل ذراعیه وجعل یدلکهما ویمسح اذنیه باطنهما ولا احفظ انه مسح ظاهرهما.

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کے سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن جو دو تہائی مد کی مقدار کا تھا پیش کیا گیا۔

تشریح: باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ ایک مکوک سے وضو اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے تھے، لفظ مکوک میم کے زبر اور اول کاف کے پیش اور تشدید کے ساتھ ہے اس کی جمع مکاکیک و مکاکی آتی ہے ایک معروف پیمانہ ہے، جو ڈیڑھ صاع کے برابر ہوتا ہے، امام نوویؒ اور بغویؒ نے کہا کہ یہاں مکوک سے مراد مد ہے اسی طرح نہایہ میں بھی ہے کہ مکوک سے مراد مد ہے، امام قرطبیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ بدلیل دوسری روایت کے صحیح یہی ہے کہ یہاں مکوک سے مراد مُد ہے اور مُد ایک پیمانہ ہوتا ہے جو دو رطل کے برابر ہوتا ہے، شوافع اس کے خلاف کہتے ہیں اس کی بحث آگے آرہی ہے۔

اب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ایک مُد پانی سے وضو اور پانچ مد سے غسل فرماتے تھے یعنی کبھی کبھی پانچ مد سے بھی غسل فرماتے تھے لیکن اکثر اوقات میں ایک صاع یعنی چار مد سے غسل فرماتے تھے اور گاہ بگاہ پانچ مد پانی استعمال فرماتے یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری میں ہے اس سے معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''**كان يغتسل بالصاع الى خمسة امداد ويتوضاء بالمد** '' کہ رسول اکرم ﷺ غسل فرماتے تھے ایک صاع سے لے کر پانچ مد تک کے پانی سے اور وضو ایک مد سے فرماتے تھے یعنی آپ ﷺ اکثر اوقات میں ایک صاع یعنی چار مد سے غسل فرماتے تھے لیکن کبھی کبھی پانچ مد سے بھی غسل فرمایا ہے۔

ترمذی میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد سے وضو فرماتے تھے، بہر حال دوسری روایت کو پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ غالب احوال میں ایک صاع یعنی چار مد پانی سے غسل فرماتے اور ایک مد وضو میں استعمال فرماتے تھے اور بعض اوقات میں پانچ مد پانی سے بھی غسل فرمایا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ پانچ مد سے غسل اور ایک مد سے وضو فرماتے وضو میں اکثر ایک مد پانی استعمال فرماتے لیکن ایک مد سے کم پانی استعمال کرنے کی روایت بھی ہے جو آپ کے سامنے نسائی میں موجود ہے چنانچہ ام عمارہ بنت کعب فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو تہائی مد سے وضو فرمایا ہے اس سے کم کی مقدار کسی صحیح روایت میں نہیں آئی ہے اور بعض روایات میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ ''**ان النبی صلی الله علیه وسلم توضأ بنصف المد** '' کہ حضور ﷺ نے نصف مد سے وضو فرمایا اس کی اسناد میں صلت بن دینار ہے اور وہ متروک ہے (متروک اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو) لہٰذا وہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حدیث باب اور دوسری احادیث میں وضو کے لئے ایک مد اور غسل کے لئے ایک صاع کا جو وزن بیان کیا گیا ہے اس کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟ حنفی حضرات میں سے امام محمدؒ نے اس کی رعایت کی ہے فرماتے ہیں کہ غسل ایک صاع سے اور وضو ایک مُد سے مستحب ہے امام شافعیؒ امام احمدؒ و اسحٰق بن راہویہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ احادیث میں وضو اور غسل کے لئے پانی کی جو مقدار بیان کی ہے کہ حضور ﷺ ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے وہ تحدید کے لئے نہیں

ہے کہ اس سے زیادہ یا کم پانی استعمال کی گنجائش نہ ہو روایات میں قدر ما یکفی کا بیان ہے امام نسائیؒ نے جو ترجمہ رکھا ہے اس سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وضو اور غسل کے لئے جو وزن پانی کا بیان کیا گیا ہے وہ تحدید حقیقی کے لئے نہیں، روایات میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وضو اور غسل کا عمل احتیاط سے کیا جائے تو اس قدر پانی کافی ہو جاتا ہے اس سے زیادہ پانی کی ضرورت نہ ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس مقدار مذکور سے زیادہ یا کم پانی استعمال کرنے پر شریعت کی طرف سے پابندی لگادی گئی ہے اگر اس طرح کی پابندی لگادی جاتی تو امت مشقت اور دشواری میں پڑ جاتی جس کی وجہ ظاہر ہے کمی زیادتی کے بارے میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے اسراف سے اجتناب کرتے ہوئے بقدر ضرورت اس وزن سے کم یا زیادہ پانی استعمال کی اجازت ہے۔ (ایضاح البخاری)

ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ اس بات میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ وضو اور غسل کے پانی میں کوئی مقدار معین شرط نہیں لیکن سنت یہ ہے کہ وضو کے لئے ایک مد سے اور غسل کے لئے ایک صاع سے کم نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ مد اور صاع کی مقدار کیا ہے ہم ماقبل میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے لیکن مد کی مقدار میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ اور اہل عراق کے نزدیک ایک مد دو رطل کے برابر ہے اس اعتبار سے ان کے ہاں صاع آٹھ رطل کا ہوگا اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک مد ایک رطل اور ثلث رطل کا ہوگا تو اس اعتبار سے ان کے یہاں صاع پانچ رطل اور ایک تہائی کا ہوگا امام ابو یوسفؒ بھی اسی کے قائل ہیں پہلے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے موافق تھے پھر حج سے واپس آنے کے بعد اس سے رجوع کر لیا ان کا واقعہ علامہ عثمانیؒ نے شرح مسلم فتح الملہم میں نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو اہل مدینہ سے صاع کی مقدار دریافت کی انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں جس صاع کا رواج ہے وہ رسول اکرم ﷺ کا صاع ہے میں نے ان سے پوچھا اس کا کیا ثبوت ہے تو انہوں نے کہا کہ کل پیش کریں گے، دوسرے دن صبح کے وقت تقریباً پچاس آدمی مہاجرین وانصار کی اولاد میں سے اپنے اپنے صاع لے کر آئے ہر شخص اپنے باپ اور اہل بیت سے نقل کرتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا صاع ہے پھر میں نے ان کو غور سے دیکھا تو سب برابر تھے پھر میں نے ان کو تولا تو معلوم ہوا کہ ان کی مقدار پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر تھی امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں "**فرأيت امراً قوياً فتركت قول ابی حنيفة فی الصاع واخذت بقول اهل المدينة هذا هو المشهور**" اور یہ بھی منقول ہے کہ امام مالکؒ نے ان سے بحث کی اور ان پر ان صاعوں کی بدولت جو لوگ لے کر آئے تھے غالب آگئے پھر قول امام مالکؒ کی طرف رجوع کیا، اس واقعہ کو بیہقیؒ نے سند صحیح کے ساتھ حسین بن ولید قریشی سے نقل کیا ہے۔

(السنن الكبرى للبيهقی :۴/ ۱۷۱)

لیکن شیخ ابن ہمامؒ نے اس واقعہ کو فتح القدیر میں روایت و درایت دونوں اعتبار سے مخدوش اور کمزور قرار دیا ہے جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس واقعہ کو مجہول لوگوں سے نقل کیا گیا ہے محدثین کے ضابطہ کے مطابق ایسے واقعہ سے استدلال صحیح نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا عام و شائع ذائع مسئلہ کا امام محمدؒ کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی ذکر نہیں حالانکہ کوئی بھی مختلف فیہ

مسئلہ ہوا امام محمدؒ اسے نقل کرتے ہیں تو اگر اس واقعہ کے بعد امام ابو یوسفؒ کا قول امام اعظمؒ کو چھوڑ کر قول امام مالکؒ کی طرف رجوع کرنا امر واقعی ہوتا تو امام محمدؒ سے پوشیدہ نہ رہتا بلکہ ان کا امام ابو یوسفؒ کی مخالفت کا سرے سے ذکر ہی نہ کرنا اصل واقعہ کی سخافت اور ضعافت کی دلیل ہے۔

شیخ ابن ہمامؒ نے بعض ائمہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ درحقیقت ہمارے ائمہ حنفیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ امام ابو یوسفؒ نے جب صاع عراقی کو تولا تو اس کی مقدار اہل مدینہ کے رطل سے پانچ رطل اور ایک تہائی کے برابر پائی اور اہل مدینہ کا رطل اہل بغداد کے رطل سے کچھ بڑا ہوتا ہے ان کے رطل کے تیس استار ہوتے ہیں اور اہل بغداد کے بیس استار تو اگر آٹھ رطل بغدادی کو پانچ اور ثلث رطل مدنی سے موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوں گے شیخ ابن ہمامؒ کے قول کی تائید وتقویت شیخ مسعود بن شیبہ سندیؒ کے قول سے ہوتی ہے جو معارف السنن (۲۰۷/۱) میں نقل کیا گیا ہے شیخ موصوف مقدمہ کتاب التعلیم (مخطوط) میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے بجز وزن رطل کے، امام اعظمؒ کے نزدیک ایک رطل بیس استار کا ہوتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیس استار کا۔

نیز محقق علامہ کوثریؒ کے قول سے بھی شیخ ابن ہمامؒ کا قول مذکور وزنی اور پختہ معلوم ہوتا ہے ان کے اس قول کو معارف السنن صفحہ مذکورہ میں بحوالہ احقاق الحق نقل کیا ہے، علامہ موصوف نے اس کتاب کے صفحہ ۱۳ میں فرمایا ہے کہ بیہقی نے حسین بن ولید قریشی کی سند سے امام ابو یوسفؒ کے رجوع کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس کے رواۃ ورجال مجہول ہیں تمام کتب طبقات میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس جیسے واقعہ سے امام حدیث اور ماہر فن رجال امام ابو یوسفؒ کا تمسک نہایت بعید بات ہے علاوہ اس کے اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو پھر صرف ایک غیر مذہب حنفی کا فرد اس کی روایت میں منفرد نہ ہوتا اور نہ ان لوگوں کے علم سے مخفی رہتی جن کے سامنے امام ابو یوسفؒ نے اس کو بیان کیا تھا اسی طرح امام محمدؒ جیسے وسیع النظر بلند درجہ محدث اور فقیہ سے پوشیدہ نہ رہتا بلکہ ایسا واقعہ تو شائع وذائع ہو جاتا حالانکہ صورت حال اس کے برعکس ہے تو یہ ایسی علت ہے جو صحت خبر کے منافی ہے اور بعض اوقات سند مرکب ہوتی ہے اس لئے اگرچہ ابن الولید ثقہ ہے لیکن ممکن ہے کہ اس واقعہ کی سند مرکب ہو اور اس صورت میں صرف انکا ثقہ ہونا کافی نہ ہو، پھر آگے چل کر علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ آپ کے ساتھ ابراہیم نخعی، موسیٰ بن طلحہ، شعبی، ابن ابی لیلی اور شریکؒ وغیرہ ہیں جیسا کہ ابو عبید نے الاموال میں مع سند کے ذکر کیا ہے اور بعض صحابہ کے قول صاعنا اصغر الصیعان سے ۵ ۱/۳ کے صاع پر احتجاج اس لئے درست نہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ شارع ﷺ کے مبارک زمانہ میں صاع مختلف قسم کے تھے جیسا کہ الفاظ حدیث اس پر دال ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض صحابہ کی مراد اصغر صاع سے آٹھ رطل والا صاع ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا بلکہ ظاہر یہی ہے کہ کیوں کہ وہ صاع ہاشمی سے چھوٹا تھا آگے چل کر محقق کوثریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صاع کی مقدار کے بارے میں اہل مدینہ کا قول تعامل عہد امام مالکؒ پر مبنی ہے اس کے لئے کوئی صریح مسند حدیث نہیں ہے بخلاف قول اہل عراق کے ان کا قول حدیث صحیح مسند آثار معتبرہ اور عمل متوارث سے ثابت ہے لہٰذا صاع کے بارے میں

اہل عراق کا قول اختیار کرنا بہتر ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص صاع عراقی سے انکار نہیں کرسکتا کیوں کہ وہ بھی یقینی طور پر حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں مستعمل تھا ہمارے پاس اس سے متعلق مضبوط دلائل ہیں ہم یہاں کچھ دلائل نقل کرتے ہیں، مثلاً ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مسلم کی شرط پر ہے اس میں آیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ایک ایسے برتن سے وضو فرماتے تھے جس میں دو رطل سماتے اور غسل ایک صاع سے فرماتے تھے اور بخاری و مسلم کی روایت سے حضور ﷺ کا ایک مُد سے وضو کرنا ثابت ہے۔

نسائی شریف میں موسیٰ جہنی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجاہد کے پاس ایک برتن لایا گیا اور مجھے دکھایا میں نے اس کی پیمائش کی تو وہ آٹھ رطل کا نکلا اور مجاہد نے کہا کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ اس جیسے برتن سے غسل فرماتے تھے۔

طحاوی میں بسند صحیح ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاع کا اندازہ کیا تو اس کو صاع حجاجی کے برابر پایا اور صاع حجاجی آٹھ رطل بغدادی کا تھا۔

نیز ابن شیبہ نے بواسطہ یحییٰ بن آدم حسن بن صالح سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''صاع عمر ثمانیة ارطال'' کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صاع آٹھ رطل کا تھا، ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ صاع عراقی زمانہ رسالت میں موجود تھا اور استعمال ہوتا تھا اس لئے اس کے ثبوت سے انکار کرنا جیسا کہ اہل حجاج کرتے ہیں بڑی ناانصافی کی بات ہوگی، انصاف کی بات یہ ہے کہ عہد رسالت میں دونوں قسم کے صاع یعنی عراقی وحجازی موجود تھے البتہ صاع حجازی کا استعمال بکثرت اور صاع عراقی کا کم تھا جس کی وجہ بظاہر اشیاء ضرورت اناج وغیرہ کی کمی تھی پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو فتوحات کی کثرت ہوئی جس کی وجہ سے ضروریات زندگی میں ارزانی اور کشادگی پیدا ہوگئی تو صاع عراقی غالب آگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کو قبول کیا جس کی وجہ سے صاع عمری مشہور ہوا پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے بھی اسی کو رواج دیا اس کے بعد حجاج بن یوسف نے اس کو اس کے گم ہوجانے کے بعد نکالا اور اس کو خوب رائج کیا اس لئے وہ اس پر فخر کیا کرتا تھا اور اپنے خطبہ میں اہل عراق سے کہتا تھا ''الم اخرج لکم صاع عمر رضی اللہ عنہ'' کیا میں نے تمہاری سہولت اور فائدے کے لئے صاعِ عمر رضی اللہ عنہ نکال نہیں دیا اسی لئے اس کو صاعِ حجاجی بھی کہتے ہیں لیکن ہمیں حافظ ابن حجرؒ کے طرز وطریق سے تعجب ہوا کہ انہوں نے صاع عمری کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف منسوب کردیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کیا یہ بات ان کی جلالتِ شان کے خلاف ہے۔

غرض کہ صاع حنفیہ سے انکار کی کوئی مجال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی ہمارے صاع کا اعتراف کیا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ وضو اور غسل کے لئے آٹھ رطل کا صاع اختیار کیا جائے اور صدقہ فطر میں ۵⅓ رطل کا، حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتضی احتیاط یہی ہے کہ تمام مواضع میں آٹھ رطل کا صاع اختیار کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

باب النية فی الوضوء

وضو میں نیت کرنے کا بیان

اخبرنا يحيىٰ بن حبيب بن عربی عن حماد والحارث بن مسكين قراءةً عليه وانا اسمع عن ابن القاسم حدثنی مالک ح واخبرنا سليمان بن منصور قال اخبرنا عبد الله بن المباک واللفظ له عن يحيىٰ ابن سعيد عن محمد بن ابراهيم عن علقمة بن وقاص عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنية وانما لامرئ مانوىٰ فمن كانت هجرتهٗ الى الله والىٰ رسوله فهجرتهٗ الى الله والى رسوله ومن كانت هجرتهٗ الىٰ دنيا يُصيبها او امرأةينكحها فهجرتهٗ الىٰ ما هاجر اليه.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا معتبر ہونا نیت کے ساتھ ہے اور ہر شخص کے واسطے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور جس نے ہجرت حصول دنیا کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے کی ہو تو اس کی ہجرت اپنی نیت کے مطابق اسی کے لئے ہوگی۔

تشریح: الفاظ حدیث کئی طرح سے وارد ہوئے ہیں نسائی شریف میں ''انما الاعمال بالنية'' ہے امام بخاریؒ کی رویت میں ''انما الاعمال بالنيات'' کے الفاظ ہیں بعض روایات میں ''والاعمال بالنية'' اور بعض میں ''والعمل بالنية'' کا لفظ وارد ہوا ہے، یہ حدیث مشہور ہے اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، ابن ماکولا وغیرہ نے جو اس حدیث پر کلام کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بعض علماء نے اس کو متواتر کہا لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ بطریق صحیح اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ان کے علاوہ اور کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوائے علقمہ کے اور کسی نے روایت نہیں کی اور علقمہ سے بجز محمد بن ابراہیم تیمی کے کسی اور نے روایت نہیں کی اور ان سے یحییٰ بن سعید الانصاری نے روایت کی ہے ان کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی پھر یحییٰ بن سعید الانصاری سے بطریق تواتر لوگوں نے اس حدیث کو بیان کیا ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ان سے سو (۱۰۰) سے زیادہ لوگوں نے جن میں اکثر ائمہ تھے اس حدیث کو نقل کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ حفاظ کی ایک جماعت نے کہا کہ ان سے سات سو اشخاص نے روایت کیا ہے جن میں امام مالکؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابن المبارکؒ، لیث بن سعدؒ، حماد بن زیدؒ، اور ابن عیینہ سرفہرست ہیں، بہرحال یہ حدیث بہ نسبت آخری درجہ کے مشہور ہے اور بہ نسبت اول درجہ کے غریب ہے اور اس کی صحت پر تمام ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔

حدیث باب میں فرمایا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور اعمال سے مراد ایسے عمل ہیں جو مقصود ہوں جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج تو

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس طرح کے عمل کے لئے نیت شرط ہے بدون نیت کے صحیح نہیں ہوگا اور نہ قبول ہوگا اور یہاں نیت سے مراد تقرب خداوندی کا قصد کرنا یعنی جو عمل کرے اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور اس کے حکم کی بجا آوری کے ساتھ دل میں رضاء حق کا قصد اور ارادہ کرے مثلاً اگر کوئی بدون نیت کے نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور نہ قبول ہوگی اسی طرح سے زکوٰۃ وغیرہ کا حال ہے لیکن بعض اعمال وسائل اور ذرائع مقصود کے لئے ہوتے ہیں جیسے وضو اور غسل وغیرہ اس میں نیت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اختلاف ہے علماء کا شرح نقایہ میں ہے کہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک وضو میں نیت فرض ہے ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ اس میں فرمایا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور چونکہ عموم اعمال وضو کو بھی شامل ہے اس لئے وضو بدون نیت کے شرعاً درست نہیں ہوگا۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک وضو میں نیت ضروری نہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم ﷺ سے وضو کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے اس کو وضو کی تعلیم دی مگر اس میں نیت کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اگر نیت وضو میں ضروری ہوتی تو حضور ﷺ اس کو بالکل نہیں چھوڑتے بلکہ اس کی بھی تعلیم دیتے اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں ضرورت کے درجہ کی چیز نہیں ہے نیز وضو کا عمل شرائط میں سے ہے تو جس طرح نماز کی دوسری شرائط مثلاً طہارت ثوب وطہارت بدن کے لئے نیت ضروری نہیں ہے اسی طرح وضو میں بھی ضروری نہیں ہے اور حدیث باب میں اعمال سے مراد عبادات ہیں کیوں کہ بہت سی مباح چیزیں مثلاً طلاق اور نکاح اور دوسرے معاملات بلحاظ شرع بدون نیت کے معتبر ہیں بلکہ عبادات سے بھی عبادات مستقلہ مراد ہیں نہ کہ وہ شرائط جو عبادات سے متعلق ہیں اور وسیلہ کے درجہ میں ہیں جیسے طہارت ثوب وستر عورت وغیرہ اور معرفت قبلہ تو اگر ان چیزوں میں نیت کرے گا تو اس کو ثواب ملے گا اور اس کا عمل عبادت بن جائے گا اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ نماز کے لئے ایسا وضو ہونا شرط ہے جو عبادت ہو تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ دلیل پیش کرے اور حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ان صورتوں میں ثابت ہوگا کہ مثلاً بارش برسنے سے ایک آدمی کے اعضاء بھیگ گئے لیکن اس نے وضو کی نیت نہیں کی یا اپنے اختیار سے حصول برودۃ کے قصد سے نہالیا یا صرف میل دور کرنے کی نیت سے یا صرف وضو کی تعلیم دینے کے قصد سے کسی نے وضو کیا تو ان سب صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک وضو ہو جائے گا اور شوافع کے یہاں درست نہ ہوگا۔

بہر حال اس تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل اختلاف شافعیہ سے صرف اس مسئلہ میں ہے کہ وضو بغیر نیت کے عبادت کے درجہ میں آئے گا یا نہیں اور ایسے وضو سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ شوافع کہتے ہیں کہ بغیر نیت کے وضو ہی درست نہیں ہوگا احناف کہتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ وضو کے عبادت بننے کے لئے نیت شرط ہے لیکن وضو کے درست ہونے اور اس کے مفتاح صلوٰۃ یعنی نماز کی کنجی بننے کے لئے نیت شرط نہیں اس کی تائید آیت وضوء سے ہو رہی ہے کہ آیت وضو نیت کے شرط ہونے پر بالکل دلالت نہیں کرتی ہے جیسا کہ علامہ ابن کمال نے شرح ہدایہ میں اس کو ثابت کیا ہے نیز مبسوط میں ہے کہ اس میں کوئی کلام ہی نہیں کہ ایسا وضو جو مامور بہ ہے وہ بدون نیت کے حاصل نہیں ہوتا ہے لیکن صحت صلوٰۃ اس پر موقوف نہیں ہے اس لئے

کہ وضوء مامور بہ غیر مقصود ہے اصل مقصود تو طہارۃ ہے اور وہ مامور بہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے اور غیر مامور بہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے کیوں کہ پانی بالطبع مطہر ہے جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے ﴿وانزلنا من السماء ماءً طهورا﴾ اور ہم نے آسمان سے پانی کو پاک کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، سورۂ انفال میں فرمایا ﴿وينزل عليكم من السماء ماءً ليطهركم به﴾ اور آسمان سے پانی برساتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کردے ان آیات سے معلوم ہوا کہ پانی بالطبع مطہر ہے لیکن مٹی بالطبع مطہر نہیں ہے بلکہ مطہر بالجعل ہے یعنی مطہر بنادی گئی جیسا کہ ارشاد مبارک ہے ''جعلت لی الارض مسجداً وطھورًا'' میرے لئے زمین کو عبادت کی جگہ اور مطہر بنادیا گیا ہے اور لفظ جعل کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں چیز اپنی حقیقت سے ہٹ جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ زمین بالطبع مطہر نہیں بلکہ ضرورت کے وقت بطور کرامت اس امت کے لئے طہور بنادی گئی بخلاف پانی کے کہ وہ طہور بالجعل نہیں ہے بلکہ طہور کی صفت پر بھیجا گیا ہے اسی لئے اس فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے حنفیہ کہتے ہیں تیمّم میں نیت شرط ہے اور وضو میں نیت شرط نہیں ہے ہاں وضو کے عبادت بننے کے لئے نیت ضروری ہے اس کے بغیر وہ عبادت کے درجہ میں نہیں آئے گا لیکن یہ کہ وہ مفتاح صلوٰۃ بھی نہیں بن سکے گی اس پر حدیث باب بالکل دلالت نہیں کرتی، بلکہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو غیر منوی صحیح ہے گو اس پر ثواب مرتب نہ ہو اور ایسے وضوء سے نماز بھی ہوسکے گی لیکن شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے جو تحقیق کی ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے وضو پر ثواب بھی ملے گا چنانچہ علامہ شامیؒ نے شیخ موصوف کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں طاعت قربت عبادت، طاعت اس عمل کو کہتے ہیں جس پر ثواب دیا جاتا ہے اس میں نیت اطاعت بھی شرط نہیں خواہ نیت پر موقوف ہو یا نہ ہو اور اس ذات کی معرفت بھی ضروری نہیں جس کے لئے عمل کررہا ہے خواہ اس کی معرفت ہو یا نہ ہو جیسے کوئی شخص وجود خالق اور اس کے دلائل توحید میں غور وفکر کررہا ہو جو معرفت الٰہی کی طرف پہنچانے والا ہو تو یہ طاعت ہے اور قربت اس نیک کام کو کہتے ہیں جس پر ثواب دیا جاتا ہے اس میں متقرب الیہ کی معرفت ضروری ہے مگر نیت ضروری نہیں جیسے تلاوت قرآن وقف عتق اور صدقہ وغیرہ تو تلاوت قرآن وغیرہ میں ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونا ضروری ہے جس کا تقرب ان اعمال سے مقصود ہے مگر نیت شرط نہیں، عبادت اس عمل کو کہتے ہیں جس پر ثواب دیا جاتا ہے اس میں نیت کے ساتھ ساتھ اس ذات کی معرفت بھی ضروری ہے جس کا تقرب اس عبادت سے مقصود ہے جیسے نماز روزہ زکوٰۃ اور حج۔

اب اگر حدیث باب کو ہم عبادات کے ساتھ خاص کردیں جیسا کہ دونوں فریق کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے تو ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ وضو کا عمل بغیر نیت کے عبادت نہیں بن سکے گا لیکن یہ کہ وہ مفتاح صلوٰۃ بھی نہ بن سکے گا اور ایسے وضو سے نماز کا شروع کرنا بھی درست نہیں ہوسکے گا اس کو ہم ہرگز تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ وضو امر حسی ہے جس میں وصف طہور کا موجود ہے جو ظاہر بات ہے لہٰذا وہ بلاشبہ مفتاح صلوٰۃ واقع ہوسکے گا اور اگر شوافع یہ دعویٰ کریں کہ صحت صلوٰۃ کے لئے ایسا وضو ہونا ضروری ہے جو عبادت کے درجہ میں آگیا ہو تو ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک عبادت سے کیا مراد ہے اگر وہ دعویٰ کریں کہ اس سے مراد وہی عبادت ہے جو شیخ زکریا انصاریؒ کے کلام میں گذر چکی ہے تو شوافع کے ذمہ ضروری ہے کہ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس سے واضح طور پر ثابت ہوجائے کہ صحت صلوٰۃ کے لئے ایسا وضو ہونا شرط ہے جو اسی صفت کے ساتھ متصف

ہواور اگر عبادت سے مطلق عبادت مراد لیں جس پر ثواب دیا جاتا ہے تو ہم اس کو مانتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارے وضو پر اجر وثواب ملے گا، اگر چہ وہ شیخ موصوف کی تفسیر مذکورہ کے مطابق عبادت نہ ہولیکن قربات وطاعات بھی تو عبادت ہیں اس لئے کہ ان پر اجر وثواب ملتا ہے اور شیخ موصوف کی تحقیق کے مطابق قربات وطاعات میں نیت ضروری نہیں۔

علامہ سندھیؒ نے اس حدیث کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے جو حاشیہ میں مذکور ہے آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر چہ فقہاء وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عبادات میں نیت کے شرط ہونے کو بتلا رہی ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ نہیں ہے جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے شرح مصابیح میں اس کی تصریح کی ہے اس لئے کہ ارشاد مبارکہ ''**وانما لامرئ مانوی**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو وہی چیز دی جائے گی جو اس کی نیت میں ہے اگر خیر کی نیت ہے تو وہی دی جائے گی اور اگر شر کی نیت ہے تو وہی چیز دی جائے گی اسی طرح ''**فمن کانت هجرته الخ**'' میں فاء تفریعیہ لاکر اس کو کلام سابق پر مرتب کر کے اس سے جو نتائج اور فروع نکالے ہیں وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہاں نیت کو نیت شرعیہ کے ساتھ مخصوص کرنا موزون ومناسب نہیں ہے بلکہ وہ تقاضا کرتے ہیں کہ حدیث میں نیت سے مراد مطلق قصد ہے خواہ نیت خیر ہو یا نیت شر، چنانچہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ از روئے لغت کے نیت قصد کو کہتے ہیں اور شریعت میں نیت کہتے ہیں قلب کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے امتثال اور اس کی رضا طلب کرنے کے لئے فعل کی طرف متوجہ کر دینا لیکن یہاں پر نیت معنی لغوی پر محمول ہے تا کہ کلام سابق کی اس کے مابعد کے کلام کے ساتھ جس میں فمن کانت ہجرتہٗ الخ سے مہاجرین کے احوال کی تقسیم کی گئی ہے بہترین تطبیق ہو سکے اب انما الاعمال بالنیۃ کے یہ معنی ہوں گے کہ افعال اختیار یہ بدون نیت اور قصد کے جو فاعل کو فعل کی طرف داعی ہو وجود میں آتے نہیں۔

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ نحوی اعتبار سے شرط اور جزاء کے درمیان حصول فائدہ کے لئے تغایر ضروری ہے لیکن یہاں ''**فمن کانت هجرتهٗ الی الله ورسوله فهجرتهٗ الی الله ورسوله**'' میں شرط اور جزاء دونوں ایک ہو گئے جو نحوی قاعدہ کے اعتبار سے درست نہیں اس کا جواب بعض شارحین نے یہ دیا ہے کہ ''**فمن کانت هجرتهٗ الی الله ورسوله فی الدنیا فهجرتهٗ الی الله ورسوله فی العقبیٰ**'' اب دونوں میں تغایر ہو گیا یعنی جس کی ہجرت دنیا میں اللہ اور رسول کی طرف ہوئی تو اس کی ہجرت آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ جملہ جزائیہ یعنی **فهجرتهٗ** کنایہ ہے مقبولۃ یا صحیحۃ سے پس سبب کو مسبب کے قائم مقام کر دیا گیا، بعض نے کہا جزاء کی جانب میں خبر مقدر ہے، ''**ای فهجرتهٗ الی الله ورسوله مقبولة**'' یعنی اپنی نیت صادقہ کی بنا پر اس کی ہجرت مقبول ہے خواہ راستہ میں مرجائے یا منزل مقصود تک پہنچ جائے جیسا کہ آیت قرآنی ''**ومن یخرج من بیته مهاجرا الخ**'' اس پر شاہد ہے بعض نے کہا مبالغہ کے لئے شرط اور جزاء دونوں کو ایک ہی انداز پر لایا جاتا ہے جیسے ''**انا ابو النجم وشعری شعری**'' کہ میں ابو النجم ہوں میرے اس وقت کے اشعار وہی تو ہیں جو پہلے کہے تھے بڑھاپے نے میری زبان کو نہیں بدلا، اسی طرح یہاں ارشاد ہوا کہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہے

پھر مقبول نہ ہونے کی کیا وجہ وہ تو مقبول ہی ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے کسی فائدہ کی غرض سے حتی کہ نکاح کی غرض سے کیوں نہو کہ وہ ایک سنت عظیمہ ہے اور نیک مقصد ہے مگر اس کو ہجرت الی اللہ نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر صحیح ہجرت کے نتائج مرتب ہوں گے۔

حضرت امام شافعیؒ سے اس حدیث کی فضیلت میں منقول ہے کہ اس حدیث میں نصف علم آ گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نیت قلب کے تابع ہے اور عمل قالب کے تابع ہے یا یہ کہ دین یا تو ظاہر ہے اور وہ عمل ہے یا باطن ہے اور وہ نیت ہے تو یہ امر ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''تعلموا الفرائض فانها نصف العلم '' کہ علم المیراث کو سیکھو اس لئے کہ وہ نصف علم ہے اس حدیث میں علم فرائض کو اس لئے نصف علم فرمایا ہے کہ اس کا تعلق موت سے ہے جو حیاۃ کے مقابل ہے اور امام شافعیؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ حدیث باب ربع علم ہے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے یہ اشعار فرمائے ہیں۔

عمدة الخير عندنا كلمات   اربع قال هن خير البريه

اتق الشبهات واز هد ودع ما   ليس يعنيک واعمل بنية

ہمارے نزدیک دین کے ستون چار کلمات ہیں جن کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ (۱) شبہات سے پرہیز کرو۔ (۲) دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔ (۳) بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دو۔ (۴) اور نیت کے ساتھ عمل کرو۔

اس رباعی سے احادیث اربعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک تو حدیث باب ہے جس کو ربع علم قرار دیا ہے باقی تین حدیثیں وہ ہیں جو شبہات سے پرہیز کرنے اور زہد اختیار کرنے اور فضول چیزوں کے چھوڑنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

نیز امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے منقول ہے کہ یہ حدیث ثلث اسلام یا ثلث علم ہے امام بیہقیؒ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ بندے کے کسب کا تعلق قلب سے ہے جیسے نیت یا زبان سے ہے یا باقی اعضاء سے ہے بلکہ اول ان میں سے زیادہ راجح ہے اور وزنی ہے کیوں کہ صرف اکیلی نیت بھی عبادت ہے یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ ''نية المؤمن خير من عمله '' وجہ اس کی یہ ہے کہ نیت میں ریاء کا احتمال نہیں ہے اور عمل میں ریاء کی آمیزش ہو سکتی ہے۔

الوضوء من الاناء

برتن سے وضو کرنے کا بیان

اخبرنا قتيبة عن مالک عن اسحق بن عبد الله بن ابى طلحة عن انس رضی اللہ عنہ قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وحانت صلوٰة العصر فالتمس الوضوء فلم يجدوه فاتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوضوء فوضع يدهٗ فى ذالک الاناء وامر الناس ان يتوضؤ وافرأيت الماء ينبع من تحت اصابعه حتى توضؤا من عند آخرهم.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا کرشمہ اس حال میں دیکھا کہ جب نماز عصر کا وقت ہو گیا لوگوں نے پانی تلاش کیا مگر پانی نہیں ملا پھر ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھوڑا سا وضو کا پانی پیش کیا گیا ہے آپ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو وضوء کرنے کا حکم دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے چشمہ کی طرح ابل رہا ہے یہاں تک کہ شروع سے لیکر آخر تک سب نے وضو کر لیا۔

حدثنا اسحق بن ابراهيم قال اخبرنا عبد الرزاق اخبرنا سفيان عن الاعمش عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله رضی اللہ عنہ قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم فلم يجدوا ماء فاتي بتور فادخل يدهٗ فلقد رأيت الماء يتفجر من بين اصابعه ويقول حيَّ على الطهور والبركة من الله عزّوجل قال الاعمش فحدثني سالم بن ابى الجعد قال قلت لجابر كم كنتم يومئذٍ قال الف وخمسمائةٍ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اتفاق سے ایسی حالت پیش آ گئی) کہ لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا پس ایک برتن لا یا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس میں داخل کیا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے دیکھا کہ پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جلدی آؤ پاک کرنے والے پانی کے پاس اور برکت اللہ جل شانہٗ کی طرف سے، راوی حدیث اعمش کہتے ہیں کہ سالم بن ابی الجعد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس دن تم کتنے آدمی تھے آپ نے جواب دیا ایک ہزار پانچ سو۔

تشریح: ترجمہ کے ماتحت دو حدیث لائے ہیں پہلی روایت میں اناء کا لفظ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس ایک برتن لا یا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے اس کے اندر دست مبارک رکھ دیا جس سے پانی میں عظیم الشان برکت نمودار ہوئی اس کی تعبیر فرأیت الماء ینبع الخ الفاظ سے فرمائی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے پانی کے چشمے ابلتے ہوئے دیکھا اور اس موقع پر جتنے صحابہ موجود تھے سب نے اس کے پانی سے وضو کیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”حتى توضؤا من عند آخرهم“ یہ کلام من اولہم الی آخرہم سے اختصار کیا گیا ہے اور اس سے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنے صحابہ تھے سب نے وضو کیا، اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ جو واقعہ بیان فرما رہے ہیں وہ شہر مدینہ کے باہر کا واقعہ ہے فی الواقع یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا کرشمہ اور معجزہ تھا، قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو کثرت سے ثقہ اور معتبر راویوں نے بڑی جماعت سے روایت کیا ہے اور صحابہ تک روایت اس طرح متصل ہوگئی اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف روایت نہیں کی اور نہ ان میں سے کسی نے بھی اس واقعہ سے انکار کیا جبکہ راوی نے اس کے سامنے اس کو نقل کیا بلکہ سکوت کیا ہے تو ان کا سکوت اختیار کرنا گویا بیان کرنے والے کے بیان کی طرح ہے کیوں کہ وہ حضرات باطل پر سکوت اور جھوٹ پر مداھنت سے بالکل اجتناب کرتے تھے لہٰذا یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی

معجزات میں سے ہے۔

دوسری حدیث میں تور کا لفظ آیا ہے تور ایک قسم کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جس میں تھوڑا سا پانی تھا جب اس میں پیغمبر علیہ السلام نے اپنا دست مبارک رکھ دیا تو اس میں عظیم الشان برکت آ گئی چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''فلقد رأیت الماء یتفجر من بین اصابعه '' بخدا میں نے دیکھا کہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پھوٹ رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے ''حیَّ علی الطھور والبرکة من اللہ عزوجل '' ابوالبقاء نے کہا کہ لفظ البرکۃ کا عطف الطھور پر ہے اس لئے اس کو جر کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اس عطف کو عطف الوصف علی الشئی کہتے ہیں جیسا کہ اعجبنی زید علمہ میں وصف علم کا عطف شئی یعنی زید پر ہوا ہے اسی طرح کلام مذکور میں سمجھ لیں اور انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو برکۃ سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ پہلے وہ پانی تھوڑا تھا پھر اس میں زیادۃ اور کثرت پیدا ہوگئی اور اس لفظ کو رفع کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں یہاں اس کا کوئی مطلب نہیں بنے گا۔

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ اس جیسے مقام میں ایسی عظیم الشان برکۃ کے ایجاد پر غیر کی قدرت کے وہم اور خیال کو دفع کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف اور شکر کے قصد سے اظہار نعمت کے لئے برکت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور اس کی طرف سے واقع ہونے کی خبر دینے میں کوئی اشکال کی بات نہیں لہٰذا لفظ والبرکۃ کو رفع کے ساتھ پڑھنے سے منع کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہوا کہ برتن اور لوٹے وغیرہ سے وضو کرنا جائز ہے ان لوگوں کی تعداد میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اختلاف ہے بعض روایات میں ہے کہ ایک سو آٹھ آدمی تھے اور بعض میں آیا ہے کہ تین سو کے قریب صحابہ تھے اور بعض میں اسّی اور اس سے کچھ زیادہ اور بعض میں ستر اور اَسّی کے درمیان کی تعداد کا بیان آیا ہے، سالم بن ابی الجعد کے سوال کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پندرہ سو تھے جیسا کہ باب کی دوسری روایت کے اخیر میں مذکور ہے حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے۔

باب التسمیة عند الوضوء

وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کا بیان

اخبرنا اسحٰق بن ابراهیم قال اخبرنا عبد الرزاق قال حدثنا معمر عن ثابتٍ وقتادة عن انس رضی اللہ عنہ قال طلب بعض اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وضوءًا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هل مع احدٍ منكم ماء فوضع يدهٗ في الماء ويقول توضؤوا بسم الله فرأيت الماء يخرج من بين اصابعه حتی توضؤا من عند آخرهم قال ثابت قلت لانس كم تراهم قال نحوًا من سبعين.

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے وضو کا پانی تلاش کیا تو رسول

اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے (کسی نے ایک برتن میں تھوڑا سا پانی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا) تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک پانی میں رکھ دیا اور فرمایا کہ وضو کرو اللہ کے نام سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی حضور اکرم ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا تھا یہاں تک کہ سب لوگوں نے وضو کیا، راوی حدیث ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے خیال میں کتنے لوگ موجود تھے تو انہوں نے جواب دیا تقریباً ستر (۷۰) کے قریب صحابہ تھے۔

تشریح: تسمیہ عندالوضوء کے مسئلہ میں محدثین کے نزدیک معروف ومشہور یہی حدیث ہے "**لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ**" اس سے ہٹ کر امام نسائیؒ یہ حدیث لائے ہیں جو باب کے تحت مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سناد میں کلام ہے جس کی وجہ سے وہ صحت کے درجہ میں نہیں پہنچتی ہے اسی لئے ترجمہ کے ذیل میں اس کو قابل ذکر نہیں سمجھا اور بجائے اس کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں، اس حدیث کو بیہقیؒ، ابن مندہؒ، ابن خزیمہؒ اور دار قطنیؒ نے بھی روایت کیا ہے بیہقی نے روایت حدیث کے بعد فرمایا "**ھذا اصح مافی التسمیۃ**" کہ وضو کے وقت تسمیہ کے بارے میں جتنی حادیث وارد ہوئی ہیں ان میں یہ حدیث زیادہ صحیح ہے، امام نوویؒ نے کہا اسنادہ جید، کہ اس حدیث کی اسناد عمدہ اور جید ہے، اسی لئے تو امام نسائیؒ نے لاوضوء الخ متکلم فیہ حدیث کو چھوڑ کر یہ حدیث ترجمہ کے ماتحت نقل فرمائی ہے۔

وضو کے شروع میں تسمیہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے ابن قدامہ نے المغنی (۱/ ۸٤) میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابو عبیدؒ، ابن المنذرؒ، اور جمہور علماء اور اہل فتویٰ کے نزدیک وضو کے شروع میں تسمیہ سنت ہے اور امام احمدؒ سے ظاہر روایت میں یہی منقول ہے، داؤد ظاہریؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک وضو کی ابتداء میں تسمیہ یعنی بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے تفصیل وہاں ملاحظہ کیجئے۔

ابن قدامہؒ کے قول سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ عندالوضوء تسمیہ کو سنت سمجھتے تھے لیکن قاضی ابو بکر ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں اس سے انکار کیا ہے انہوں نے کہا کہ امام مالکؒ تو استحباب کے بھی قائل نہ تھے چہ جائیکہ وہ سنت ہونے کے قائل ہوں ور انہوں نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ وضو کے وقت تسمیہ پڑھنا کیسا ہے تو آپ نے جواب دیا تریدان تذبح، اس سے اشارہ کیا ہے کہ تسمیہ تو ذبح کے وقت مشروع ہے نہ کہ وضو کے وقت اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے جیسا کہ علامہ عینیؒ نے اس کو نقل کیا ہے، احناف میں سے شیخ ابن ہمامؒ بھی مثل داؤد ظاہری وغیرہ کے تسمیہ کے وجوب کے قائل ہیں یہ بھی ان کے تفردات میں سے ہے جو تقریباً دس (۱۰) مسائل ہیں لیکن ان کے شاگرد محقق حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ کے تفردات قابل تمسک نہیں ہیں تفصیل کے لئے فتح القدیر ملاحظہ ہو۔

داؤد ظاہری وغیرہ لاوضوء الخ حدیث سے استدلال کرتے ہیں، امام احمدؒ کا قول ترمذی میں موجود ہے "**لا اعلم فی ھذا الباب حدیثا لہ اسناد جید**" کہ تسمیہ کے مسئلہ میں مجھے کسی ایسی حدیث کا علم نہیں ہے جس کی اسناد جید ہو لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک تسمیہ واجب ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ عندالوضوء تسمیہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اگر چہ وہ کلام اور

عیب سے محفوظ نہیں ہیں لیکن کثرت طرق کی بناء پر مجموعہ احادیث سے ایک ایسی قوت پیدا ہوگئی جو اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اس کے لئے اصل ہے اس لئے وہ قابل استدلال ہیں۔

جمہور علماء کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ لا وضوء الخ حدیث میں نفی وضوء سے مراد فضیلت اور کمال کی نفی ہے نہ کہ جواز اور صحت کی جیسا کہ ارشاد مبارکہ ''**لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد**'' میں کمال صلوٰۃ کی نفی فرمائی گئی ہے نہ کہ جواز اور صحت کی علامہ طیبیؒ نے قاضی عیاضؒ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لفظ لا اصل شئی کی نفی میں بطور حقیقت مستعمل ہے لیکن بطور مجاز کے اس کا اطلاق کسی چیز کے صحیح نہ ہونے کی صورت میں اعتبار شئی کی نفی پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشار ''**لاصلوٰۃ الا بطھور**'' کہ بدون طہارت کے نماز صحیح نہیں ہے اس میں یہی معنی یعنی نفی اعتبار شئی مراد ہے جس کی تعبیر اس ارشاد مذکور سے کی گئی ہے یا اس کا اطلاق کمال شئی کی نفی پر ہوتا ہے جیسے'' **لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد** '' اور '' **ومن سمع النداء فلم یجب فلا صلوٰۃ لہٗ** '' وغیرہ ارشادات نبوی میں جو طرز تعبیر اختیار فرمایا ہے اس سے مراد کمال شئی کی نفی ہے نہ کہ اصل شئی کی لیکن اول معنی زیادہ شائع وذائع اور اقرب الی الحقیقۃ ہے اس لئے جب تک کوئی مانع نہ ہو وہی متعین ہوگا اور اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اس سے عدول درست نہ ہوگا لیکن یہاں لا وضوء الخ میں چونکہ صارف موجود ہے اس لئے نفی کمال پر محمول ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ یہاں کونسا صارف اور مانع موجود ہے جس کی وجہ سے نفی کمال پر محمول کیا گیا ہے تو ہم کہیں گے کہ صاحب بحر الرائق یہ حدیث یعنی لا وضوء الخ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدون تسمیہ کے وضو صحیح نہیں ہوگا لیکن چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لئے کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں اس کا مقتضی وجوب ہے لیکن اگر مانع موجود ہو تو پھر وجوب پر محمول نہیں ہوسکتی پھر چند سطور کے بعد فرمایا کہ مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہاں مانع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ایک اعرابی شخص کو وضو کی تعلیم فرمائی تو اس موقع پر آپ نے اس کو تسمیہ کی تعلیم نہیں دی اگر وضو کے شروع میں تسمیہ ضروری ہوتا تو آپ ﷺ موضع تعلیم میں اس کے بیان کو ترک نہ فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ ضرورت کے درجہ کی چیز نہیں ہے اس حدیث اعرابی کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اس پر اللہ کا نام بھی لے یعنی بسم اللہ کہے تو اس کا یہ وضوء اس کے تمام بدن کو پاک کرنے والا ہوگا اور جو شخص وضو کرے (ولم یذکر اسم اللہ علیہ) اور اللہ کا نام نہ لے یعنی بسم اللہ نہ کہے تو اس کا یہ وضو صرف اس کے اعضاء وضو کو پاک کرنے والا ہوگا، اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اگر بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہوتا تو بدون اس کے کچھ بھی پاک نہ ہوتا کیوں کہ وضو ہی نہ ہوتا چہ جائیکہ اعضاء وضوء گناہ سے پاک ہوں نیز اکثر صحابہ نے جو وضو کی روایات اور حضور اکرم ﷺ کے وضو کے حکایت کی ہے پھر کہا کہ ہٰذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں نے تم کو یہ رسول اکرم ﷺ کے وضو کی تعلیم دی ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی وضو کے شروع میں تسمیہ کا ذکر نہیں کیا اور اگر تسمیہ واجب ہوتا تو وضو کی حکایت کرنے والے حضرات ضرور اس کا تذکرہ فرماتے اور

جس طرح اعضاء مفروضہ کی طہارت کیفیت معلومہ کے ساتھ نقل متواتر کے طریقے سے بیان کی گئی ہے اسی طرح اگر تسمیہ بھی فرض اور واجب ہوتا تو اس کو بھی اسی طرز وطریقہ پر نقل کیا جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ناقلین میں سے کسی نے بھی اس کا بیان نہیں کیا، غرض کہ حنفیہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث لا وضوء الخ اپنے ظاہر اور حقیقت پر محمول نہیں ہے جیسا کہ مخالف نے سمجھا بلکہ اس سے مقصود نفی کمال ہے اصل وضو کی نفی مقصود نہیں لہٰذا اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ''**لا وضوء له متكا ملاً في الثواب و مطهراً للبدن من الذنوب**'' یعنی ترک تسمیہ کی وجہ سے اس کا وضو سنت کے مطابق نہیں ہوا اس لئے اس کے تمام بدن کا پاک کرنے والا نہیں ہوگا، اور نہ اس طرح کے وضو سے ثواب کامل کا مستحق ہوگا۔

شریعت میں اس کی نظیریں بہت ہیں جیسے ''**لا صلوٰة لجار المسجد الافي المسجد، لاصلوٰة بحضرة طعام، لاصلوٰة لملتفت، لااجر الاعن حسبة**'' وغیر ذالک تو جس طرح ان روایات میں لا نافیہ سے کمال صلوٰۃ اور کمال اجر کی نفی کی گئی نہ کہ اصل شئی کی اسی طرح لا وضوء الخ ارشاد مبارکہ میں کمال وضو کی نفی کی گئی، آخر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تحقیق نقل کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ وضوء اور طہور دونوں ایک ہیں یا کچھ فرق ہے جو حضرات ترادف کے قائل نہیں ان کے نزدیک یہی فرق ہے کہ طہور کے معنی ہیں ''**مايتطهر به**'' جس سے نجاست کا ازالہ ہوتا ہے اور وضوء وضاءت سے مشتق ہے جس کے معنی چمکدار اور روشن ہونے کے ہیں وضوء کا لفظ ثبوت اور اثباتی معنی پر دال ہے اور طہور کا لفظ ازالہ پر وہ تحصیل پر اور یہ ازالہ پر تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو طہور بنایا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿**وانزلنا من السماء ماءً طهورًا**﴾ تو یہ پانی کے اوصاف میں سے ہوا اب ہم نے محل نجاست میں جب استعمال کیا تو وہ محل پاک ہو جائے گا، نہ بسم اللہ کہنے کی ضرورت اور نہ نیت کی امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جس طرح کپڑے کے پاک کرنے میں بسم اللہ یا نیت کی ضرورت نہیں اس طرح وضوء میں بھی ضرورت نہیں مگر یہ طہور کا مرتبہ ہے اور اس کا کمال وحسن اس کو وضوء سے تعبیر کیا جاتا ہے تو طہور کے معنی ازالہ کے ہوئے اور وضوء کے معنی تزیین وتحسین وغیرہ تو یہ باتیں وضو میں حاصل ہوں گی اب غور کرو فرمایا ''**مفتاح الصلوٰة الطهور**'' الوضوء نہیں فرمایا کیوں کہ نماز کا قفل کھولنے کے لئے طہور کافی ہے لیکن یہاں حدیث باب میں فرمایا ''**لا وضوء الخ**'' طہور نہیں فرمایا طہور کھولنے کے لئے کافی ہے لیکن اس میں کمال وحسن اور نورانیت بدون اسم الٰہی کے پیدا نہیں ہوسکتی وہ اس وقت ہوگی جب وضو کے شروع میں بسم اللہ کہے اس دقیق فرق کی طرف توجہ کرنا راویوں کا کام نہیں اس لئے بکثرت طہور کی جگہ وضوء کا لفظ اور بالعکس استعمال ہوتا ہے۔

صب الخادم الماء على الرجل للوضوء

وضو کرنے کے لئے خادم کا پانی ڈالنا مرد یعنی مخدوم پر

اخبرنا سليمان بن داؤد والحارث بن مسكينٍ قراءةً عليه وانا اسمع واللفظ له عن ابن وهب عن مالك ويونس وعمرو بن الحارث ان ابن شهاب اخبرهم عن عباد بن زياد عن عروة بن المغيرة انه

سمع اباه يقول سكبت على رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توضأ فى غزوة تبوك فمسح على الخفين. قال ابو عبدالرحمن لم يذكر مالك عروة بن المغيرة.

عروہ اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک میں رسول اکرم ﷺ وضوفرمانے لگے تو میں نے آپ پر پانی ڈالنا شروع کیا اور آپ نے دونوں موزوں پر مسح کیا۔

تشریح: امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو میں استعانت جائز ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ کسی شخص سے وضو کرنے کے لئے پانی منگالیا تو یہ صورت بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ خادم پانی ڈالتا جائے لیکن وضو کا عمل خود متوضی انجام دے، تیسری صورت یہ ہے کہ وضو کے عمل میں مدد طلب کی جائے یعنی پانی کا ڈالنا اور اعضاء کا غسل و مسح بھی سب کچھ کوئی دوسرا شخص کرتا رہے اس طرح کی استعانت اگر بغیر ضرورت کے ہو تو بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر کسی حاجت اور مجبوری کی بناء پر ہو تو جائز ہے۔

حاصل بحث کا یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں استعانت فی الوضوء بلا کراہت جائز ہے اور تیسری صورت میں بدون عذر اور مجبوری کے مکروہ ہے چنانچہ تاتر خانیہ میں ہے''**ومن الادب ان يقوم بامر الوضوء بنفسه ولو استعان بغير جائز بعد ان لا يكون الغاسل غيرهٗ بل يغسل بنفسه**''اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''**انا لا استعين فى وضوئى باحد**''یعنی بیشک میں اپنے وضو کے سلسلہ میں میں کسی سے مدد نہیں لیتا کہ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کے دونوں دست مبارک پر پانی ڈالنے کے لئے سبقت کی تھی امام نوویؒ نے شرح المہذب میں فرمایا''**هذا حديث باطل لا اصل لهٗ يعنى انا لا استعين الخ**''حدیث باطل ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

مسح علی الخفین کی بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

الوضوء مرة مرة

اعضاء وضو کو ایک ایک دفعہ دھونے کا بیان

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا يحيى عن سفيان قال حدثنا زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الااخبركم بوضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم فتوضأ مرة مرة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کیا میں تم کو رسول اکرم ﷺ کے وضو کی خبر نہ دوں یہ فرما کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے وضو میں اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھویا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے اعضائے وضو کو ایک ایک بار دھویا یہ فرض کا درجہ ہے جو صرف ایک ایک مرتبہ دھونے سے پورا ہو جاتا ہے بشرطیکہ اعضائے وضو کا استیعاب ہو یعنی ایک ایک بار دھونے کا عمل پورے

اعضائے وضو کا احاطہ کرے ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے اور ایسے وضوء سے بلاشبہ نماز کی ادائیگی درست ہے دو دو مرتبہ دھونے کا عمل بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے یہ سنت کا درجہ ہے اس سے اصل سنت ادا ہو جاتی ہے مگر کمال سنت کا درجہ تین مرتبہ غسل کی صورت میں حاصل ہوگا بغیر اس کے حاصل نہیں ہوسکتا اس کے اثبات کے لئے امام نسائیؒ نے اگلے عنوان کے ماتحت تثلیث کی روایت لائے ہیں۔

باب الوضوء ثلاثا ثلاثا

اعضائے وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبدالله بن المبارک قال حدثنا الاوزاعی قال حدثنی المطلب بن عبد الله بن حنطب ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ توضأ ثلاثاً ثلاثاً یُسند ذالک الی النبی صلی الله علیه وسلم.

راوی حدیث اوزاعی کہتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی مطلب بن عبداللہ بن حنطب نے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وضو میں اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے جو متعدد طریقے مروی ہیں دراصل وہ مختلف حالات پر محمول ہیں اور سب درست ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیشہ کی تین تین مرتبہ غسل کی تھی اس پر کثرت سے روایات دال ہیں گو بعض اوقات ایک ایک بار اور دو دو بار دھونے پر بھی اکتفاء فرماتے مگر اس کا مقصد بیان جواز تھا اور وہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں افضل تھا کیوں کہ امر جواز کو بیان کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ واجب تھا، اگر کوئی کہے کہ بیان تو قول سے بھی ہوسکتا ہے فعل سے کیوں اس کی تعلیم دی تو جواب یہ ہے کہ دراصل عملی تعلیم جس قدر موثر اور اطمینان بخش ہوتی ہے قولی تعلیم اس درجہ میں نہیں ہوتی ہے اسی لئے حضرات صحابہ میں یہ بات تھی کہ جب کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کرتا تو وہ حضرات وضو کر کے دکھا دیتے تھے۔

صفة الوضوء

غسل الكفين

دونوں ہتھیلوں کے دھونے کا بیان

اخبرنا محمد بن ابراهيم البصرى عن بشربن المفضل عن ابن عون عن عامر الشعبى عن عروة بن المغيرة عن المغيرة وعن محمد بن سيرين عن رجل حتى رده الى المغيرة قال ابن عون ولا احفظ حديث ذامن حديث ذاان المغيرة قال كنامع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر فقرع ظهرى بعصاً كانت معهٗ فعدل وعدلت معهٗ حتى اتى كذا وكذا من الارض فاناخ ثم انطلق قال فذهب حتى توارىٰ عنى ثم جاء فقال أمعك ماء ومعى سطيحة لى فاتيته بها فافرغت عليه فغسل يديه ووجههٗ وذهب ليغسل ذراعيه وعليه جبة شامية ضيقة الكمين فاخرج يدهٗ من تحت الجبة فغسل وجههٗ وذراعيه وذكر من ناصيته شيئا وعمامته شيئاً قال ابن عون لااحفظ كما اريد ثم مسح علىٰ خفيه ثُم قال حاجتك قلت يارسول الله ليست لى حاجة فجئنا وقد أمَّ الناس عبد الرحمن بن عوف وقد صلّى بهم ركعة من صلوٰة الصبح فذهبت لاوذنه فنهانى فصلينا مادركنا وقضينا ماسبقنا.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ کے ساتھ ایک چھڑی تھی اسے میری پیٹھ پر رکھا (آگاہ کرنے کے لئے) پھر راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف تشریف لے جانے لگے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ آپ ایک جگہ تشریف لائے پھر اپنی سواری کو بٹھایا اور قضائے حاجت کے لئے چلے گئے یہاں تک کہ چھپ گئے پھر تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ پانی کی مشک تھی میں نے اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اور میں نے پانی ڈالنا شروع کیا آپ نے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے اور منہ دھویا اور جب دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا ارادہ کیا تو نہیں دھو سکے کیوں کہ آپ تنگ آستین والا شامی جبہ پہنے ہوئے تھے پھر دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے اور کہنیوں تک دھو لئے ، اس روایت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے بالوں کے کچھ حصہ پر مسح کیا اور پگڑی کے کچھ حصہ پر بھی کیا، راوی حدیث ابن عون کہتے ہیں کہ میں اپنے ارادہ کے مطابق یاد نہیں رکھ سکا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح کیا پھر فرمایا اے مغیرہ! تم اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاؤ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو کوئی حاجت کا تقاضا نہیں پھر ہم آئے اس حال میں کہ لوگ نماز میں تھے اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امامت کر رہے تھے اور نماز فجر کی ایک رکعت پڑھا دی میں نے چاہا کہ ان کو اطلاع

دوں مگر حضور اکرم ﷺ نے مجھ کو روک دیا پھر ہم نے ان کے پیچھے دوسری رکعت ادا کی اور ان کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت جو ہم سے چھوٹ گئی تھی ادا کر لی۔

تشریح: اس حدیث میں جس سفر کا ذکر ہے اس سے غزوۂ تبوک کا سفر مراد ہے جو آخری غزوہ ہے ۹ھ میں ماہ رجب میں واقع ہوا حضور اکرم ﷺ بذات خود اس جہاد میں شریک ہوئے اور تیس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ تھے اس سفر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خدمت کی سعادت حاصل ہوئی جس کا بیان حدیث میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی وضو کروا دے تو جائز ہے اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

اس حدیث میں راوی نے دونوں ہاتھوں اور منہ کے دھونے کا تو ذکر کیا مگر کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ راوی نے عمل وضو کے بیان میں اختصار سے کام لیا یا نسیان کی بناء پر چھوڑ دیا یا اس لئے ذکر نہیں کیا ہوگا کہ وہ منہ کی حد میں داخل ہے جب منہ دھونے کا ذکر کیا تو ظاہر ہے کہ کلی بھی کی ہوگی اور ناک میں پانی بھی چڑھایا ہوگا۔ اور پگڑی پر مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد ادائے سنت کے لئے بجائے تمام سر کے پگڑی پر مسح کر لیا اس کے متعلق اور کچھ تفصیلی بحث ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل شخص کی اقتداء مفضول یعنی کم درجے والے کے پیچھے جائز ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ افضل ہونے کے باوجود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے اقتداء کی حدیث باب میں ہے "فصلینا ما ادرکنا الخ" اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا معصوم ہونا شرط نہیں اس میں فرقۂ امامیہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے اور آخری جملہ حدیث یعنی "وقضینا ماسبقنا" سے معلوم ہوا کہ جس کی کوئی رکعت رہ جائے اسکی ادا کے لئے اس وقت اٹھے جب امام سلام پھیرلے ابوداؤد میں ہے "ثم سلم عبدالرحمن فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰته" یعنی حضور اکرم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلام نہ پھیرا بلکہ بغیر سلام کے ایک رکعت کے لئے جو رہ گئی تھی کھڑے ہوگئے اور ادا فرمائی چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے اٹھنا جائز ہی نہیں اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے مگر جس صورت میں اس کو اس کا یقین ہو جائے کہ اگر نہ اٹھوں گا تو نماز فاسد ہو جائے گی مثلاً صبح کی نماز میں اگر امام کے سلام کا انتظار کرے تو طلوع آفتاب کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں سلام سے پہلے کھڑا ہونا جائز ہے۔

یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز میں اپنی جگہ پر ثابت رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے تھے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں کو اشارہ سے برقرار رہنے کے لئے فرمایا تھا اس میں کیا فرق ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ کمال ادب کی رعایت امتثال امر سے جو وجوب کے لئے نہیں ہے افضل ہے اسی لئے پیچھے ہٹ گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ امتثال امر اولیٰ ہے اس لئے قائم رہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اول اکمل ہے کیوں کہ طریقۂ ادب کی ترجیح میں حال آمر کی رعایت اور حال مامور سے اعراض کا اظہار

پوری طرح ہوتا ہے۔

دوسرا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے مسجد میں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت اس قدر خوش ہوئے جس کی کوئی حد نہیں اس فرط مسرت کی وجہ سے اپنے آپ کو پیچھے ہٹنے سے نہ روک سکے، ملا علی قاریؒ نے یہ جوابات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جواب اول بہت اچھا ہے۔ (واللہ اعلم) (مرقات)

کم تغسلان

کفین کو کتنی دفعہ دھونا چاہئے اس کا بیان

اخبرنا حميد بن مسعدة عن سفيان وهو ابن حبيب عن شعبة عن النعمان بن سالم عن ابن ابى اوس عن جده قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم استوكف ثلاثاً.

نعمان بن سالم عمرو بن اوس بن ابی اوس سے اور عمرو بن اوس اپنے دادا ابی اوس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا رسول اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو کلائی تک تین مرتبہ دھویا۔

تشریح: ''**استوكف ثلاثا**'' ''بیہقی'' میں ہے کہ راوی حدیث شعبہ نے کہا کہ میں نے نعمان بن سالم سے پوچھا کہ لفظ استوکف کا کیا مطلب ہے تو جواب دیا غسل کفیہ ثلاثا یعنی دونوں ہاتھوں کو کلائی تک تین مرتبہ دھویا، علامہ ابن الترکمانیؒ کہتے ہیں کہ اس کلام سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ لفظ استوکف مشتق ہے کف سے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ مشتق ہے وکف البیت سے جس کے معنی چھت ٹپکنے کے ہیں، لہٰذا حدیث کی توجیہ جو بعض علماء نے کی ہے وہ ٹھیک ہے کہ استوکف بمعنی استقطر الماء کے ہے یعنی تین دفعہ دھویا اور اچھی طرح پانی ڈالا حتیٰ کہ قطرے ٹپکنے لگے اب یہ حدیث صرف غسل یدین کے ساتھ خاص نہیں ہوگی۔

المضمضة والاستنشاق

کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا بیان

اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبد الله عن معمر عن الزهرى عن عطاء بن يزيد الليثى عن حمران بن ابان قال رأيت عثمان بن عفان رضى الله عنه توضأ فافرغ على يديه ثلاثا فغسلهما ثم تمضمض واستنشق ثم غسل وجهه ثلاثا ثم غسل يده اليمنى الى المرفق ثلاثا ثم اليسرى مثل ذلك ثم مسح برأسه ثم غسل قدمه اليمنى ثلاثا ثم اليسرى مثل ذلك ثم قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ نحو وضوئى ثم قال من توضأ نحو وضوئى هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث نفسه فيهما بشيئى غفرله ماتقدم من ذنبه.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران بن ابان سے روایت ہے کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور سب سے پہلے آپ نے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا پھر بائیں ہاتھ کو اسی طرح دھویا پھر سر کا مسح کیا پھر داہنے

پاؤں کو تین مرتبہ دھویا پھر بائیں پاؤں کو اسی طرح دھویا پھر کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اس کے دل سے بھی بات نہ کی تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں مضمضہ اور استنشاق کا بیان ہے مضمضہ نام ہے منہ کے اندر پانی کو حرکت دے کر باہر پھینک دینے کا اور استنشاق نشوق سے مشتق ہے ناک میں پانی چڑھانے کا نام ہے، تیسری چیز استنثار ہے جو استنشاق کی فرع ہے اور ناک میں داخل کئے ہوئے پانی کو نکالنے کا نام ہے، امام نسائی اسکے لئے آگے الامر بالاستنثار کا عنوان قائم کریں گے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو مقدم کیا گیا اور غسل وجہ کو ان دونوں عملوں کے بعد رکھا گیا ہے اس میں کیا حکمت ہے، محققین علماء نے اس کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ وضو کرنے والا شخص جس پانی کو استعمال کر رہا ہے وہ قابل طہارت ہے یا نہیں اس کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جانا چاہئے اور یہ پانی کے اوصاف کے اعتبار سے سے حاصل ہو سکتا ہے کیوں کہ دیکھنے سے پانی کا رنگ معلوم ہو جاتا ہے اور کلی سے اس کا ذائقہ معلوم ہو جائے گا اور ناک میں پانی چڑھانے سے اس کی بو معلوم کی جا سکتی ہے، تو اس حکمت کے پیش نظر شریعت نے چہرہ دھونے سے پہلے مضمضہ پھر استنشاق کا حکم دیا ہے تاکہ متوضی اطمینان حاصل کر کے اپنے وضو کی تکمیل کر سکے۔ (واللہ اعلم)

دوسری بحث یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق فرض ہے یا سنت اس میں اختلاف ہے امام احمدؒ اور اسحٰق وغیرہ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق وضو اور غسل جنابت دونوں میں واجب ہیں مگر امام احمدؒ نے فرمایا کہ الاستنشاق اوکد من المضمضہ یعنی ناک میں پانی چڑھانا زیادہ مؤکد ہے کلی کرنے سے ممکن ہے اس کی بناء ارشاد نبوی "وبالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائماً" ہو اور اگر کوئی وضو میں ان دونوں کو چھوڑ دے اور اس وضو سے نماز پڑھ لے تو بقول ان کے اعادہ کرے۔

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں غسل جنابت میں فرض اور وضو میں سنت ہیں غسل میں ترک سے اعادہ ضروری ہے وضو میں اعادہ نہیں، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق وضو اور غسل جنابت دونوں میں سنت ہیں لہٰذا جس نے ان کو چھوڑ دیا اس پر اعادہ ضروری و لازم نہیں، امام احمدؒ وغیرہ فعلی روایات سے استدلال کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق پر مواظبت فرمائی تو بطور دوام مواظبت وجوب کو چاہتی ہے کیوں کہ بعضوں کے نزدیک صرف مواظبت دلیل وجوب ہے نیز آگے عنوان اتخاذ الاستنشاق کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پھر المبالغۃ فی الاستنشاق کے ذیل میں حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی جو قولی روایت آرہی ہے اس سے استدلال کرتے ہیں ہم اس کا جواب وہاں دیں گے۔

اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سب اس پر متفق ہیں کہ استنشاق وضو میں سنت ہے، ان کی دلیل حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "مسیئ الصلوٰۃ" یعنی نماز کے فرائض و آداب میں کوتاہی کرنے والے شخص کو کیفیت نماز کی تعلیم دی پھر اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز کامل نماز نہیں ہوگی جب تک کہ وضو کامل نہ کرے یعنی جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ویسا وضو نہ کرے اور وہ یہ ہے "**فیغسل وجھہ ویدیہ الی**

الـمرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين (رواه الطحاوى) ''ابن حبان اور ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذیؒ اور طوسیؒ نے اسکو حسن کہا ہے تو دیکھئے شارع علیہ السلام نے وضوء کے کامل ہونے کو ان اعضاء کے غسل اور مسح سے وابستہ فرمایا جن کا بیان آیت وضو میں ہوا ہے لیکن اس میں مضمضہ اور استنشاق کو بیان نہیں فرمایا لہذا وہ دونوں وضو میں واجب نہیں ہوں گے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''عشرة من الفطرة '' میں مضمضہ اور استنشاق کا بھی ذکر آیا ہے. علامہ خطابیؒ نے کہا کہ اکثر علماء لفظ فطرۃ سے سنت مراد لیتے ہیں لہذا کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا دونوں سنت ہوں گے نہ کہ واجب، نیز حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ابن المنذرؒ نے بیان کیا ہے کہ بعض روایات میں استنشاق کے بارے میں صیغہ امر وارد ہونے کے باوجود امام شافعیؒ اس کے وجوب کے اس لئے قائل نہیں ہوئے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین میں سے کسی کا اختلاف نہیں دیکھا کہ اگر کوئی شخص استنشاق کو چھوڑ دے تو اعادہ ضروری ہے، ہاں عطاء اس کو ضروری سمجھتے تھے اور اعادہ کراتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرمالیا، چنانچہ ابن منذر فرماتے ہیں ''وثبت عنه انه رجع عن ايجاب الاعادة '' امام جصاصؒ نے مضمضہ اور استنشاق کے عدم وجوب پر دوسرے طریقہ سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا کہ چہرے کی حد طول میں پیشانی پر بال اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نچلے حصے تک ہے اور عرض میں ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور بظاہر لفظ وجہ کا مقتضی بھی یہی ہے کیوں کہ وہ مواجہہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایک دوسرے کے روبرو ہونے کے ہیں اسی مجموعہ حدود مذکورہ سے متحقق ہو سکتے ہیں اب آیت وضو میں وجہ کا ذکر ہے اور فقہاء نے اس کی جو حد بیان کی ہے اس کی روشنی میں مضمضہ اور استنشاق کا عدم وجوب ثابت ہوتا ہے کیوں کہ باطن منہ اور باطن ناک وجہ میں داخل نہیں بوجہ غیر ظاہر اور غیر مواجہ ہونے کے ورنہ آنکھ کا باطن بھی داخل ہو جائے گا حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور جب آیت وضو ناک اور منہ کے باطنی حصے کے وجوب غسل کی مقتضی نہیں بلکہ چہرے کی اس حدود مقررہ تک وجوب غسل کا تقاضا کرتی ہے۔

تو پھر بعض حضرات جو وضو میں مضمضہ اور استنشاق کے وجوب کے قائل ہیں انہوں نے فرض مقررہ میں ایسی چیز کی زیادتی کی ہے جو اس میں سے نہیں ہے اور یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ زیادت فرض قطعی کے نسخ کو ثابت کرتی ہے جو خبر واحد سے جائز نہیں، انتہی مختصراً۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر چہ مضمضہ اور استنشاق کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ظاہری نظر کے اعتبار سے ان کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری احادیث ان کے معارض ہونے کے ساتھ ساتھ اس چیز کے بھی خلاف ہیں جس پر آیت وضو دلالت کرتی ہے اور وہ مضمضہ اور استنشاق والی روایات اس درجہ تک نہیں پہنچیں جو آیت قرآنی کے قطعی حکم کو منسوخ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں لہذا حدیث مضمضہ اور استنشاق کو سنیت پر محمول کیا جائے گا تاکہ حکم قرآنی اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے ورنہ ان احادیث سے وجوب کا اثبات مشکل ہے اب رہی یہ بات کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے متبعین فرق کیوں کرتے ہیں کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت اور غسل میں فرض کے قائل ہیں اس کی کیا وجہ

ہے اور کس دلیل کی بناء پر کہتے ہیں، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وان کنتم جنبًا فاطھروا ''یعنی اگر تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو، تو بقول صاحب ہدایہ وغیرہ کے لفظ اطہر وا مبالغہ کا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہاں تک پانی پہونچانا بلا حرج ممکن ہو وہاں تک پہونچایا جائے لہٰذا فاطہر و کے حکم میں مضمضہ اور استنشاق بھی داخل ہیں کیوں کہ آیت میں بدن کو خوب اچھی طرح پاک کرنے کا حکم دیا ہے اور لفظ بدن ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے اس کا ایک لطیف ماخذ اور بھی ہے جو مجتہد سمجھتے ہیں نہ کہ مقلد وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جنبی کو تلاوت قرآن سے کیوں منع فرمایا اور محدث کے لئے کیوں ممنوع نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جنابت بہ نسبت حدث اصغر کے باطن منہ میں سرایت کرتی ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے اپنی دقت نظر سے اس پر بھی غور کیا کہ جب نجاست باطن منہ میں حلول کرتی ہے تو ضرور جنابت میں مضمضہ فرض ہونا چاہئے رہا استنشاق تو وہ یوں ثابت ہے کہ قائل بالفصل کوئی نہیں البتہ اتنی بات ہے کہ استنشاق اوکد یعنی زیادہ مؤکد ہے مضمضہ سے کما قال الامام احمد مگر اس کا کوئی قائل نہیں کہ مضمضہ ہو اور استنشاق نہ ہو بلکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ دونوں ہوں۔

یہاں پر اگر کوئی اشکال کرے کہ خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہوسکتا تو اسکا جواب حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ معترض کی یہ بات درست نہیں اس لئے کہ خبر واحد سے فرض ثابت ہوسکتا ہے مگر وہ قطعی نہیں ہوتا ہے اور ہر فرض قطعی ہونا کوئی ضروری نہیں ہاں وہ فرض جو کتاب اللہ سے ثابت ہے بے شک قطعی ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا ثم صلی رکعتین الخ پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اپنے دل میں بھی بات نہیں کی تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی ہیں ان کو حضور قلب سے ادا کرے خیال ادھر اُدھر پراگندہ نہ ہو ''لایحدث فیھما شیئی ''اسی کی طرف مشیر ہے یہاں لایحدث کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو باب تفعیل سے مشتق ہے یعنی اپنے نفس سے خود بات شروع نہ کرے بلکہ خشوع سے پڑھے خشوع ایک اختیاری عمل ہے اور یہی مطلوب ہے تو یہ صیغہ بتلا رہا ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے جس عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے اس کا تعلق نمازی کے اختیاری عمل یعنی خشوع سے ہے اور جو حدیث النفس کمال صلوٰۃ میں خلل ڈالنے والا ہے وہ یہ ہے جو قصد اور اختیار سے ہو جیسا کہ یحدث کا لفظ اس پر دال ہے کیوں کہ تحدیث اور ہے اور تحدث اور ہے، پھر وہ حدیث النفس اختیاری بھی علی الاطلاق مذموم نہیں بلکہ وہ مذموم ہے جو دنیا کی قبیل سے ہو اور جو خیر یعنی دین کی قسم سے ہو وہ مذموم نہیں اس سے اس اشکال کا جواب نکل آیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں ''انی لاجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ ''کہ میں اپنے لشکر کی تیاری کیا کرتا ہوں جبکہ نماز کی حالت میں ہوا کرتا ہوں حاصل جواب کا یہی ہے کہ یہ حدیث النفس گو اختیاری ہو مگر دین اور ضروری ہے لہٰذا مذموم نہیں اور اس کا مذموم نہ ہونا من الدنیا اور الا بخیر کی قید سے معلوم ہوتا ہے جو بعض روایات میں واقع ہوئی ہے۔

بہر حال وضو کے بعد اگر جمعیت قلب اور خشوع سے نماز ادا کی تو گذشتہ گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال کے بارے میں یہاں اسی طرح دیگر روایات میں جس مغفرت کا ذکر ہے اس سے صغائر یعنی چھوٹے گناہ مراد

ہیں نہ کہ کبائر یعنی بڑے گناہ کیوں کہ بعض روایات میں مالم یوت کبیرۃ کی قید وارد ہوئی ہے جبکہ بڑے گناہوں سے بچارہا ہو مطلب یہ ہے کہ بڑے گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے مگر چھوٹے گناہ دوسرے نیک کام نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ کرنے سے بھی معاف ہو جاتے ہیں نیز نص قرآن میں بطریق حصر وارد ہوا ہے کہ کبائر کی معافی توبہ سے ہوتی ہے بغیر توبہ کے نہیں ہوتی لہٰذا حدیث میں مغفرت سے چھوٹے گناہوں کی معافی مراد ہے اور ظاہر حدیث اگرچہ بڑے اور چھوٹے سب گناہوں کو شامل ہے لیکن نص قرآن اور حضور اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات کی روشنی میں اس کو صغائر کے ساتھ مخصوص ماننا پڑے گا۔

بای الیدین یتمضمض

کس ہاتھ سے کلی کرنی چاہیے

اخبرنا احمد بن محمد بن المغیرة قال حدثنا عثمان هو ابن سعید بن کثیر بن دینار الحمصی عن شعیب هو ابن ابی حمزة عن الزهری اخبرنی عطاء بن یزید عن حمران انه رأی عثمان دعا بوضوء فافرغ علی یدیه من انائه فغسلها ثلاث مرّات ثم ادخل یمینه فی الوضوء فتمضمض واستنشق ثم غسل وجههٗ ثلاثًا ویدیه الی المرفقین ثلاث مرات ثم مسح برأسه ثم غسل کل رجل من رجلیه ثلاث مرات ثم قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ وضوئی هذا ثم قال من توضاء مثل وضوئی هذا ثم قام فصلّی رکعتین لا یحدث فیهما نفسهٗ بشیئی غفر الله لهٗ ما تقدم من ذنبه.

حمران سے روایت ہے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک برتن میں پانی منگایا پھر اس برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر اپنے چہرہ کو تین بار دھویا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں کو تین بار دھویا پھر کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر فرمایا جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اپنے دل سے بھی بات نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی اور ناک میں پانی داخل کرتے وقت داہنے ہاتھ کا استعمال مسنون طریقہ ہے، یعنی داہنے ہاتھ میں پانی لیں اور کلی کرتے وقت اسی کو استعمال کریں اسی طرح ناک میں پانی داخل کرتے وقت بھی داہنے ہاتھ کو استعمال کریں حدیث کے الفاظ ''ثم ادخل یمینه فی الوضوء الخ'' اسی پر دلالت کرتے ہیں بائیں ہاتھ سے یا دونوں ہاتھ سے کلی اور ناک میں پانی چڑھانا خلاف سنت ہے لیکن منہ دھوتے وقت مسنون طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کے ساتھ بایاں ہاتھ بھی استعمال کرے بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هکذا اضافها الی یده الاخری فغسل بها وجهه'' کے الفاظ آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ پانی داہنے ہاتھ سے لیا جائے لیکن منہ دھوتے وقت اس کے ساتھ بایاں ہاتھ بھی لگا لیا جائے اور دونوں ہاتھ سے دھولیں یہی مسنون طریقہ ہے۔

اتخاذ الاستنشاق

ناک میں پانی چڑھانے کا بیان

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفیان قال حدثنا ابو الزناد ح واخبرنا الحسین بن عیسٰی عن معن عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضأ احدکم فلیجعل فی انفہ ماءً ثم لیستنثر.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو ناک میں پانی چڑھائے پھر اس کو جھاڑ لے۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ مضمضہ اور استنشاق کے وجوب کے قائل ہیں اور وہاں اشارہ کر چکا ہوں کہ ان کی دلیل آگے آرہی ہے اب وہ آپ کے سامنے موجود ہے کہ اس حدیث مذکور میں ''فلیجعل فی انفہ ماء'' فرمایا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناک مین پانی داخل کرنا واجب ہے کیوں کہ اس کے متعلق صیغۂ امر ارشاد فرمایا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس سے امام احمد وغیرہ کا مسلک ثابت ہو گیا کہ استنشاق وضو میں واجب ہے ہم اس کا جواب آگے دیں گے۔

المبالغة فی الاستنشاق

مبالغہ کے ساتھ ناک میں پانی داخل کرنا

اخبرنا قتیبۃ بن سعیدٍ قال حدثنا یحییٰ بن سلیم عن اسماعیل بن کثیر ح واخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا وکیع عن سفیان عن ابی ہاشم عن عاصم بن لقیط ابن صبرۃ عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ اخبرنی عن الوضوء قال اسبغ الوضوء وبالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائماً.

عاصم اپنے والد لقیط بن صبرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھ کو وضوء کی خبر دیجئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکمل وضو کیا کرو اور ناک میں خوب اچھی طرح پانی پہنچاؤ مگر یہ کہ تم روزہ دار ہو۔

تشریح: حضرت لقیط بن صبرہ نے وضو کے متعلق سوال کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اسبغ الوضوء'' کہ کامل وضو کیا کرو وضو کامل اس کو کہتے ہیں جس میں وضو کے فرائض وسنن اور آداب کی رعایت کی جائے ورنہ وضوء ناقص ہے اس کے بعد فرمایا کہ ناک میں خوب اچھی طرح پانی داخل کرنا اور ناک میں پانی چڑھانے کی حد یہ ہے کہ پانی نرمۂ ناک تک پہنچ جائے اور مبالغہ اس کا یہ ہے کہ اس سے آگے تک پہنچایا جائے تو اگر روزہ سے نہ ہو تو اس کا اہتمام کرو مگر روزہ دار کے لئے مکروہ ہے کیوں کہ روزہ فاسد ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی لئے شارع علیہ السلام نے اس کو حکم مذکور سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

دولابی نے احادیث ثوری کو جمع کیا ہے ان کے نزدیک یہی حدیث لقیط بن صبرہ کی ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے ''بالغ فی

المضمضة والاستنشاق الاان تکون صائماً ''ابن قطان نے کہا وہذا اسند صحیح، یہ حدیث بھی امام احمد وغیرہ کی دلیل ہے کہ اس میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے جس سے بقول ان کے مضمضہ اور استنشاق کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

الامر بالاستنثار

ناک جھاڑنے کا حکم دینا

اخبرنا قتیبة عن مالک ح واخبرنا اسحق بن منصور قال حدثنا عبد الرحمن عن مالک عن ابن شهاب عن ابی ادریس الخولانی عن ابی هریرة ﷛ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من توضأ فلیستنثر ومن استجمر فلیوتر.

حضرت ابو ہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کرے پس چاہئے کہ ناک جھاڑے اور جو شخص ڈھیلوں سے استنجاء کرے تو طاق عدد لے۔

اخبرنا قتیبة حدثنا حماد عن منصور عن هلال بن یساف عن سلمة بن قیس ﷛ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا توضأت فاستنثروا ذا استجمرت فاوتر.

حضرت سلمہ بن قیس ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے سلمہ جب تم وضو کرنے لگو تو ناک جھاڑ لیا کرو اور جب ڈھیلوں سے استنجاء کرو تو طاق عدد لیا کرو۔

تشریح: استنثار مصدر استفعال ہے ماخوذ ہے نثر سے جس کے معنی ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑنے کے ہیں اور یہ فرع ہے استناق کی ان روایات میں صیغۂ امر استعمال فرمایا ہے اس لئے امام احمد اور اسحٰق وغیرہ مثل استنشاق کے استنثار کے وجوب کے قائل ہوئے اور استدلال ان روایات سے کرتے ہیں۔

باب الامر بالاستنثار عند الاستیقاظ من النوم

نیند سے جاگنے کے بعد وضو کرنے کے وقت ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑنے کے حکم دینے کے بیان میں

اخبرنا محمد بن زنبور المکی قال حدثنا ابن ابی حازم عن یزید بن عبد الله ان محمد بن ابراهیم حدثه عن عیسیٰ بن طلحة عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا استیقظ احدکم من منامه فتوضأ فلیستنثر ثلاث مرات فان الشیطان یبیت علیٰ خیشومه.

حضرت ابو ہریرہ ﷛ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے جاگے پھر وضو کرنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ ناک میں پانی چڑھا کر تین بار جھاڑے کیوں کہ شیطان اس کی ناک کے بانسے پر رات گذارتا ہے۔

تشریح: ''فان الشیطان یبیت علی خشومه ''اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ شیطان کے ناک کے

بانسے پررات گذارنے اوراس جگہ پراپنی نشست گاہ بنالینے کی حقیقت اوراس کی کیفیت کا علم صرف اللہ اور رسول ہی کو ہے ہماری عقلیں اس کے اسرار دریافت کرنے سے قاصر ہیں اس قسم کے واقعہ میں افضل طریقہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے اس لئے اس پر ایمان لائے اور اس کی بیان کیفیت سے سکوت کرے۔

امام طیبیؒ وغیرہ نے ایک تاویل یہ کی ہے کہ جب آدمی سوجاتا ہے تو بخارات اور ناک کا رینٹ اور غبار ناک کے اوپر کے حصہ میں جو دماغ کے قریب ہے جمع ہوتے ہیں اور چونکہ شیطان کو گندگی سے مناسبت ہے اس لئے اس مقام پر اپنی نشست گاہ بنا لیتا ہے اور بیٹھ کر دماغ پر فاسد خیالات ڈالتا ہے اسی لئے شارع علیہ السلام نے بصیغۂ امر ارشاد فرمایا کہ جب تم نیند سے بیدار ہو جاؤ پھر وضو کرنے لگو تو تین بار استنثار کرو تاکہ شیطانی اثرات اور گندگی سے خیشوم یعنی ناک کے اوپر کا حصہ پاک صاف ہو جائے اسی اہمیت کے پیش نظر امام احمدؒ اور اسحٰقؒ بن راہویہ وضو میں استنثار کو واجب کہتے ہیں نیز استنثار کی ہدایت بصیغۂ امر فرمائی جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ حضرات وجوب کے قائل ہوئے۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ وغیرہ جمہور علماء کے نزدیک مضمضہ واستنشاق اور استنثار وضو میں سنت ہیں، دلائل عنوان المضمضہ والاستنشاق کے ماتحت مذکور ہو چکے ہیں وہاں ملاحظہ ہو۔

امام احمدؒ وغیرہ کے مستدلات کا جواب یہ ہے کہ ایک تو انہوں نے فعلی روایات سے استدلال کیا ہے جیسا کہ ماقبل میں اس کا بیان ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق پر مواظبت فرمائی جو دلیل وجوب ہے تو جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی مواظبت دلیل سنیت ہے نہ کہ دلیل وجوب کیوں کہ آپ عبادات مسنونہ پر مواظبت فرماتے تھے نیز یہ کہ مواظبت بہت سے ایسے امور پر ثابت ہے جن کو بالاتفاق مستحب قرار دیتے ہیں مثلاً تیامن وغیرہ اور ان روایات قولیہ کا جو مذکورہ تراجم کے ماتحت ابھی گذر چکی ہیں اور جن میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے جواب یہ ہے کہ ہر امر کا وجوب کے لئے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے بھی آتا ہے اور یہ شائع وذائع ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے مزاج میں تخفیف پائی اور نماز کے لئے تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ مگر بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ ہٹ گئے اور حضور ﷺ نے نماز پڑھادی اختتام نماز کے بعد دریافت فرمایا "**ما منعک ان تثبت**، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا **ما کان لابن ابی قحافة ان یتقدم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم**" بہرحال حضور ﷺ نے اشارے سے حکم تو دیا تھا نیز دریافت فرماتے ہیں کہ جب میں نے امر کیا تو کیوں ہٹ گئے، معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں۔

دوسری مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب حضور ﷺ نے قرطاس طلب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "حسبنا کتاب اللہ" اور کاغذ خدمت مبارکہ میں پیش نہیں کیا اب یہاں امر تو ہے مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں اور اس کا درست ہونا بھی ثابت ہے کیوں کہ جب حضور ﷺ نے کتاب لکھ دینے کے لئے کاغذ

طلب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں لائے تھے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا لکھ دینا ضروری تھا تو دوسرے صحابہ لا سکتے تھے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک سکتے تھے اب یہاں کیا قرینہ تھا سوائے وجدان یعنی احساس لطیف اور قوۃ فراستہ کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امر استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اسی طرح صلح حدیبیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جبکہ قریش نے کہا کہ ہم اگر آپ کو رسول مان لیں تو پھر ہمارے اور آپ کے درمیان جھگڑا کس بات کا لہٰذا آپ محمد بن عبداللہ لکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اُمـــح یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹا دو تو غور کیجئے کہ یہ امر اگر وجوب کے لئے ہوتا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کیوں کی اس سے معلوم ہوا کہ ہر امر کا وجوب کے لئے ہونا ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ناراض ہونے کا اظہار نہیں فرمایا ان واقعات سے معلوم ہوا کہ مجتہدین اصول وضوابط کا تابع نہیں ہوتے وہ حقیقت امر پر نظر رکھتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ مامور بہ واجب بننے کے لائق ہے یا سنت یا مستحب اصول وقواعد تو بقول حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے اندھے کی لاٹھی ہیں یہ مقلدین کے لئے ہیں مجتہدین ان کے پابند نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجتہدین کو ظاہر پر اس قدر جمود نہیں ہونا چاہئے کہ جہاں لفظ امر وارد ہو واجب کہہ دیا جائے، اب دیکھنا ہے کہ مضمضہ واستنشاق اور استنثار کس میں داخل کرنے کے قابل ہے واجب میں یا سنت میں تو جمہور ائمہ ان قرائن کے پیش نظر روایات مذکورہ کو جن میں مضمضہ وغیرہ کے بارے میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے استحباب پر محمول کرتے ہیں اور ان کو وضو میں سنت کا درجہ دیتے ہیں لہٰذا یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ خلاف ظاہر کیوں کیا۔

بابٌ الیدین یستنثر

ناک میں پانی چڑھانے کے بعد کس ہاتھ سے جھاڑنا چاہئے اس کا بیان

اخبرنا موسیٰ بن عبد الرحمن قال حدثنا حسین بن علی عن زائدة حدثنا خالد ابن علقمة عن عبد خیر عن علی رضی اللہ عنہ انہٗ دعا بوضوء فمضمض واستنشق ونثر بیده الیسریٰ ففعل هٰذا ثلاثًا ثم قال هذا طهور نبیّ الله صلی الله علیه وسلم.

عبد خیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک برتن میں پانی منگایا پھر کلی کی اور ناک کو بایاں ہاتھ سے جھاڑا اس کے اندر پانی چڑھانے کے بعد اور یہ تین مرتبہ کیا پھر فرمایا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یعنی میرا یہ وضو آپ کے وضو کی طرح ہے۔

تشریح: راوی حدیث عبد خیر بن یزید جس کی کنیت ابو عمارہ ہے انہوں نے زمانہ رسالت تو پایا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے ثقہ اور معتبر تھے کوفہ میں سکونت کی، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وضو کی حکایت کرتے ہیں لفظ ہٰذا سے تمام وضو کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اس موقع پر کیا تھا مگر راوی حدیث نے اختصار سے کام لیا پورے وضو کو بیان نہیں کیا مقصود راوی کا یہ تھا کہ کلی اور ناک میں پانی داخل کرنے میں کونسا ہاتھ استعمال کرنا چاہئے اور مسنون طریقہ

کے مطابق کس ہاتھ سے ناک صاف کرنا چاہئے اس کی کیفیت بیان کی ہے اور باقی وضو سامعین کو معلوم تھا اس لئے بیان نہیں کیا۔

باب غسل الوجه

غسل وجہ کا بیان

اخبرنا قتيبة قال حدثنا ابو عوانة عن خالد بن علقمة عن عبد خير قال اتينا على بن ابى طالب رضى الله عنه وقد صلّى فدعا بطهور فقلنا مايصنع به وقد صلّى مايريد الا ليعلمنا فاتى باناءٍ فيه ماء وطست فافرغ من الاناء على يديه فغسلها ثلاثاً ثم تمضمض واستنشق ثلثا من الكف الذى يأخذ به الماء ثم غسل وجهه ثلاثا وغسل يده اليمنى ثلاثاً ويده الشمال ثلاثا ومسح برأسه مرةً واحدة ثم غسل رجله اليمنى ثلاثاً ورجله الشمال ثلاثا ثم قال من سرّه ان يعلم وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو هذا.

عبد خیر سے روایت ہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے درآنحالیکہ وہ صبح کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے پھر ایک برتن میں پانی منگایا ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی کیوں منگایا اس کو کیا کریں گے جبکہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں عبد خیر کہتے ہیں کہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم کو وضو کی تعلیم دینا چاہتے ہیں بہر حال ایک پانی سے بھرا ہوا برتن لایا گیا اور اس کے ساتھ ایک تانبے کا چھوٹا برتن بھی پھر برتن سے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور تین مرتبہ دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی داخل کیا تین مرتبہ یہ عمل اس ہاتھ سے کیا جس ہاتھ سے پانی لیا تھا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور داہنے ہاتھ کو تین بار اور بائیں کو تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا پھر اپنے داہنے پیر کو تین بار دھویا اور بائیں پیر کو بھی تین بار دھویا پھر کہا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی مانند وضو سیکھنا چاہے تو میرا یہی وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف میں عملی تعلیم کا رواج رہا ہے کیوں کہ عملی تعلیم جس طرح اوقع فی النفس اور اطمینان بخش ہوتی ہے قولی تعلیم اس درجہ میں نہیں ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین کو عملی تعلیم دینے کے لئے ایک برتن میں پانی منگایا اور پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا پھر آپ نے تمام وضو کا طریقہ عمل کر کے دکھایا کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین بار دھویا پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی چڑھایا روایت میں ''من الكف الذى ياخذ به الماء '' کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد داہنا ہاتھ ہے یعنی داہنے ہاتھ سے پانی لیتے تھے اور کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل اسی ہاتھ سے کرتے تھے معلوم ہوا کہ یہی مسنون طریقہ ہے لیکن ناک میں داخل کئے ہوئے پانی کو نکالنے کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال مسنون ہے اس کا ذکر دوسری روایت میں ہے غرض کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوائے مسح سر کے ہر ایک عضو کو تین تین مرتبہ اور سر کا مسح ایک بار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ وضو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے کامل مشابہ تھا اس لئے تکمیل وضو کے بعد فرمایا ''من سرّه ان يعلم الخ '' کہ جو شخص وضو نبوی سیکھنا چاہے تو یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے جو میں نے تمہیں کر کے دکھایا ہے اب اس کے بعد جو شخص اس کے خلاف وضو کرے گا اس کا یہ عمل خلاف سنت ہوگا۔

عدد غسل الوجه

غسل وجہ کی تعداد کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبد الله وهو ابن المبارک عن شعبة عن مالک بن عرفطة عن عبد خیر عن علی رضی اللہ عنہ انهٗ اتی بکرسیٍ فقعد علیه ثم دعا بتور فیه ماء فکفأ علی یدیه ثلاثاً ثم مضمض واستنشق بکف واحد ثلاث مرات وغسل وجهه ثلاثًا وغسل ذراعیه ثلاثا ثلاثا واخذ من الماء فمسح برأسه واشار شعبة مرةً من ناصیته الی مؤخر رأسه ثم قال لا ادری اردّهما ام لا وغسل رجلیه ثلاثا ثلاثا ثم قال من سرّہ ان ینظر الی طهور رسول الله صلی الله علیه وسلم فهذا طهوره. وقال ابو عبدالرحمن هذا خطاء والصواب خالد بن علقمة لیس مالک بن عرفطة.

عبد خیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل وضو نقل کرتے ہیں کہ ایک تخت لایا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھ گئے پھر ایک پانی سے بھرا ہوا برتن منگایا پھر انڈیل کر دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا اور ان کو تین بار دھویا پھر ایک ہاتھ سے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا اور اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین مرتبہ کہنیوں تک دھویا اور تھوڑا سا نیا پانی لیا پھر اس سے اپنے سر کا مسح کیا راوی حدیث شعبہ نے اس کی یہ کیفیت بتائی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کا مسح ایک مرتبہ پیشانی سے لے کر اپنے سر کے پچھلے حصے یعنی گدی تک کیا تھا پھر شعبہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ نے پھر دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر سامنے کی طرف لائے تھے یا نہیں اور دونوں پیروں کو تین تین مرتبہ دھویا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی طرح وضو کرنے کو پسند کرے تو وہ دیکھ لے یہی ہے وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

تشریح: اس حدیث نے وضو میں چہرے کو کتنی دفعہ دھویا جائے اس کو بتلا دیا کہ تین مرتبہ دھولیں وغسل وجہہ ثلاثا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور یہ کمال سنت کا درجہ ہے فرض تو ایک بار دھونے سے پورا ہو جاتا ہے، امام ابوبکر جصاص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ''فاغسلوا وجوهکم الخ '' فرمایا ہے اور فاغسلوا صیغۂ امر ہے جو ایک مرتبہ غسل وجہ کو مقتضی ہے کیوں کہ اس آیت میں عدد کا ذکر نہیں ہے اور جب عدد کا ذکر نہیں تو ظاہر لفظ سے تکرار فعل کو ثابت نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ امر بالشئی تکرار کو نہیں چاہتا ہے لہذا جس شخص نے وضو میں چہرے وغیرہ کو ایک ایک مرتبہ دھولیا ہے اس نے فرض کو ادا کر لیا اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے دلالت کر رہا ہے تو جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہے کہ اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھولیا جائے وہ تو وضو میں فرض ہے، فرض اس کو کہتے ہیں جو نص قطعی سے ثابت ہو جس میں بالکل شک نہ ہو اور منکر اس کا کافر ہے، اور وضو میں مسنون چیزیں بھی ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے مثلاً چہرے وغیرہ کو تین تین مرتبہ دھونا سنت میں داخل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت کرتے ہوئے ان اشیاء مسنونہ کی رعایت فرمائی ہے۔

بہر حال حضور اکرم ﷺ سے جو تثلیث کا عمل ثابت ہے وہ اصابۃ فضیلت کے لئے تھا نہ کہ اداء فرض کی غرض سے کیوں کہ فرض تو ایک ایک بار دھونے سے اداء ہو جاتا ہے لیکن تحصیل سنت کے لئے تثلیث ضروری ہے۔

احادیث میں غسل کا لفظ آیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ دلک ہونا چاہئے کیوں کہ اہل عرب غسل اور غمس کے درمیان فرق کرتے ہیں غسل میں اعضاء کو مل کر دھویا جاتا ہے غمس میں یہ چیز نہیں ہوتی ہے، امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ دلک واجب ہے لیکن ابن عبد الحکم اور ابو الفرج عدم وجوب کے قائل ہیں اور یہی قول طراطری نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک دلک بدلیل مواظبت سنت میں داخل ہے فرض نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بدون قید دلک کے مطلقاً غسل کا حکم دیا ہے اور غسل کی صفت یہ ہے کہ پانی پیشانی کے اوپر سے بہادے چھوڑ نہ دے جیسا کہ اکثر عوام کرتے ہیں کہ پانی کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں پھر دھو لیتے ہیں کیوں کہ یہ مسح ہے نہ کہ غسل۔

اس حدیث میں مسح رأس کا بیان بدون ذکر عدد کے آیا ہے فرمایا ''فمسح برأسه'' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کا مسح کیا کتنی دفعہ کیا اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن دوسری روایات میں اس کا ذکر ہے چنانچہ ابھی پچھلے عنوان کے ذیل میں ابوعوانہ کی روایت گذر چکی ہے اس میں ''ومسح برأسه مرة واحدة'' کا لفظ آیا ہے اور آگے باب صفة الوضوء کے ذیل میں حضرت حسین بن علی کی مفصل روایت آرہی ہے اس میں ''ثم مسح برأسه مسحة واحدة'' کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح ابوداؤد میں خالد بن علقمہ سے روایت کرنے والے زائدہ بن قدامہ کی روایت میں بھی مرۃ کا لفظ وارد ہوا ہے اور میرے ناقص خیال کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جو صفت وضو نبوی بیان کر رہی ہے واحد ہے جو طرق متعددہ سے مروی ہے کسی روایت میں عدد مسح کا ذکر ہے اور کسی میں نہیں ہے جیسا کہ اس روایت میں راوی نے عدد کا ذکر نہیں کیا ہے صرف ''فمسح برأسه'' کا لفظ روایت کر دیا مگر شعبہ نے بتلایا کہ سر کا مسح ایک ہی بار ہوا ہے جس کی صورت وہ بتلاتے ہیں کہ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر آگے سے پیچھے گدی تک لے گئے پھر دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر پیچھے سے مقدم رأس تک لائے یا نہیں وہ مجھے معلوم نہیں ''ثم قال ای شعبة لاادری اردهما ام لا'' تو اگر چہ اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے اور شعبہ فرما رہے ہیں لاادری الخ کہ اقبال یعنی دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر پیچھے سے سامنے کی طرف لائے یا نہیں اس بارے میں مجھے علم نہیں لیکن انکا عدم علم اس کے ثبوت کی نفی نہیں کرتا ہے کیوں کہ دوسری روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ آگے حضور اکرم ﷺ کے وضو کی حکایت کرنے والے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے اس میں ''ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما و ادبر الخ'' الفاظ آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سر کا مسح ادبار اور اقبال کے ساتھ فرمایا ہے، نیز ابوداؤد میں حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے وہ حضور ﷺ کے مسح رأس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''وضع كفيه علىٰ مقدم رأسه فامرهما حتى بلغ القفاء ثم ردهما الى المكان الذي منه بدأ'' اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ مسح رأس میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر سامنے سے پیچھے کی طرف لے جائے پھر دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر پیچھے سے اس جگہ کی طرف لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔

قال ابو عبد الرحمن الخ :امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ شعبہ کا قول عن مالک بن عرفطۃ صحیح نہیں ہے انہوں نے تمام حفاظ حدیث کے خلاف بجائے خالد بن علقمۃ کے مالک بن عرفطۃ کہہ دیا ہے حالانکہ صحیح خالد بن علقمۃ ہے اس لئے امام ترمذی وابوداؤد اور امام احمد وغیرہ تمام حفاظ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ شعبہ سے اس حدیث کی سند میں اسم راوی کے بیان میں غلطی واقع ہوگئی، متن حدیث میں کوئی غلطی نہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

غسل الیدین

دونوں ہاتھوں کے دھونے کا بیان

اخبرنا عمروبن علی وحمید بن مسعدة عن یزید وهو ابن زریع قال حدثنی شعبة عن مالک بن عرفطة عن عبد خیر قال شهدت علیًا دعا بکرسی فقعد علیه ثم دعا بماء فی تور فغسل یدیه ثلاثا ثم مضمض واستنشق بکف واحد ثلاثاثم غسل وجهه ثلاثا ویدیه ثلاثا ثلاثا ثم غمس یده فی الاناء فمسح برأسه ثم غسل رجلیه ثلاثا ثلاثا ثم قال من سره ان ینظر الی وضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم فهٰذا وضوؤه.

عبد خیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے کرسی منگائی اور اس پر بیٹھ گئے پھر ایک برتن میں پانی منگایا پھر دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین مرتبہ دھویا پھر ایک ہاتھ سے تین مرتبہ کلی اور ناک میں پانی داخل کیا پھر چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو تین تین مرتبہ دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈبو کر تازہ پانی لیا اور سر کا مسح کیا پھر تین تین مرتبہ دونوں پیروں کو دھویا پھر فرمایا کہ جو شخص پیغمبر علیہ السلام کے وضو کو دیکھنا چاہے وہ دیکھ لے کہ یہی وضو ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

تشریح :اس ترجمہ کے ذیل میں جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ کوئی دوسری حدیث نہیں حدیث وہی ہے جو عنوان سابق کے ذیل میں ابھی آچکی ہے پھر اس کو یہاں کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ دوسرے طریق سے بیان فرمارہے ہیں جس کا مقصد استنباط مسئلہ ہے جو ظاہر ہے۔ ہمارے خیال میں وضو کے چار فرائض میں امام شافعیؒ جس ترتیب کے فرض ہونے کے قائل ہیں امام نسائیؒ ان ترتیب وار تراجم سے جو انہوں نے قائم کئے ہیں کہ سب سے پہلے غسل وجہ کا عنوان رکھا پھر غسل یدین کا پھر صفۃ مسح رأس کا پھر آخر میں غسل رجلین کا ترجمہ منعقد فرمایا اسی ترتیب کی طرف اشارہ فرمارہے جو آیت قرآنی میں مذکور ہے۔

(والله اعلم بالصواب)

باب صفة الوضوء

صفت وضو کے بیان میں

اخبرنا ابراهیم ابن الحسن المقسمی قال حدثنا حجاج قال قال ابن جریج حدثنی شیبة ان محمد بن علی اخبره قال اخبرنی ابی علی عن حسین بن علی قال دعا نی ابی علیٌّ بوضوء فقربته له فبدأفغسل

كفيه ثلاث مرات قبل ان يدخلهما في وضوئه ثم مضمض ثلاثًا واستنثر ثلاثا ثم غسل وجههٔ ثلاث مرات ثم غسل يده اليمنىٰ الى المرفق ثلاثا ثم اليسرىٰ كذالك ثم مسح براسه مسحة واحدة ثم غسل رجله اليمنى الى الكعبين ثلاثا ثم اليسرىٰ كذالك ثم قام قائماً فقال ناولني فناولته الاناء الذي فيه فضل وضوئه فشرب من فضل وضوئه قائما فعجبت فلمّا رأني قال لا تعجب فاني رأيت اباك النبي صلى الله عليه وسلم يصنع مثل مارأيتني صنعت يقول لوضوئه هذا وشرب فضل وضوئه قائماً.

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے وضو کا پانی لانے کے لئے کہا میں نے وضو کا پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے سب سے پہلے دونوں ہاتھوں کو پانی میں داخل کرنے سے پہلے گٹے تک تین مرتبہ دھویا پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک کو صاف کیا پھر تین مرتبہ چہرہ کو دھویا پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا پھر بائیں ہاتھ کو بھی تین مرتبہ کہنی تک دھویا پھر اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا پھر داہنے پیر کو تین مرتبہ دونوں ٹخنوں تک دھویا پھر بائیں پیر کو اسی طرح دھویا پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ وضو کا برتن مجھے دیدو میں نے وہ برتن جس میں وضو کا بقیہ پانی تھا ان کے ہاتھ میں دے دیا پھر وہ بقیہ پانی کھڑے کی حالت میں پی لیا ان کے اس عمل سے مجھے تعجب ہوا پھر جب آپ نے مجھ کو متعجب دیکھا تو فرمایا تعجب مت کر اس لئے کہ میں نے تمہارے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا جیسا کہ تو نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے اس جملہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس وضو اور کھڑے ہو کر وضو کا بقیہ پانی پینے کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: اس حدیث میں صفت وضو کا مفصل بیان ہے اور اس سے مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے اس کے اخیر میں "فشرب من فضله وضوئه قائماً الخ" الفاظ وارد ہوئے ہیں یہاں فضل وضوء سے برتن میں بچا ہوا پانی مراد ہے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تکمیل وضو کے بعد کھڑے ہو کر پی لیا آپ کے اس عمل سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا چنانچہ وہ فرماتے ہیں **فعجبت** کہ میں اپنے والد صاحب کے کھڑے ہو کر پانی پینے کی وجہ سے تعجب میں پڑ گیا دراصل سبب اس کا یہ تھا کہ آپ کا دستور بیٹھ کر پینے کا تھا اور احادیث میں اسی کا حکم دیا گیا ہے، اب چونکہ اس موقع پر فضل وضو یعنی برتن میں جو پانی بچ گیا تھا اس کو خلاف عادت کھڑے ہو کر پی لیا اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو محسوس کر لیا تو فرمایا بیٹا تعجب کی کیا بات میں نے تمہارے نانا صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے، جس طرح میں نے کیا ہے تو میرے اس عمل کی اصل ہے اور میں نے اتباع سنت کی نیت سے یہ عمل کیا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ وضو کے بقیہ پانی کو کھڑے ہو کر پینا اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کو مستحب قرار دیا ہے، صاحب برہان نے کہا کہ فضل وضو کو بحالت قیام پینا مستحبات وضو میں سے ہے اور آپ زم زم کو بھی کھڑے ہو کر پینے کی اجازت احادیث سے ثابت ہے ان دونوں قسم کے علاوہ باقی پانی کو بحالت قیام پینا مناسب نہیں کیوں کہ ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے پانی کے علاوہ دوسری قسم کا پانی بھی کھڑے ہو کر پینے کی

اجازت روایات سے ثابت ہے لہٰذا جو ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے اور اس کی بنیاد امر طبی پر ہے نہ کہ امر دینی پر امر طبی پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے نہی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کسی طبی نقصان سے بچانا مقصود ہو اور جن روایات سے کھڑے ہو کر پینے کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہ بیان جواز پر محمول ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ملا علی قاریؒ نے کہا کہ شاید ان دونوں کی وجہ تخصیص یہ ہو کہ آپ زم زم سے مقصود سیرابی اور اس کی برکت کو تمام اعضاء تک پہونچانا ہوتا ہے اسی طرح فضل وضو کے شرب سے ظاہری اور باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ یہی مقصود ہوتا ہے اور یہ دونوں فائدے کھڑے ہو کر پینے کی صورت میں بدرجۂ اتم ارفع واکمل حاصل ہوتے ہیں۔

عدد غسل اليدين

دونوں ہاتھوں کو کتنی دفعہ دھویا جائے اس کا بیان

اخبرنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحٰق عن ابی حيّة وهو ابن قيس قال رأيت عليًّا رضی الله عنه توضاء فغسل كفيه حتی انقاهما ثم تمضض ثلاثًا واستنشق ثلاثًا وغسل وجهه ثلاثًا وغسل ذراعيه ثلاثًا ثم مسح برأسه ثم غسل قدميه الی الكعبين ثم قام فاخذ فضل طهوره فشرب وهو قائم ثم قال احببت ان اريكم كيف طهور النبی صلی الله عليه وسلم.

ابو حیہ بن قیس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے جب وضو کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کو گٹے تک دھویا اور خوب صاف کیا پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا اور تین مرتبہ چہرے کو دھویا اور تین مرتبہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا پھر کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی لیا بحالت قیام پھر فرمایا کہ میں نے چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا وہ تم کو دکھلا دوں۔

تشریح: راوی حدیث ابو حیہ بن قیس کی حدیث کو ابن السکن وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن الجارود نے الکنیٰ میں لکھا ہے کہ ابن نمیر نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

یہ بات کہ دونوں ہاتھوں کو کتنی بار دھونا چاہئے اگر چہ سابق احادیث کے ضمن میں گذر چکی ہے لیکن امام نسائیؒ نے الگ عنوان منعقد کر کے اس حکم کو مستقل طور پر بیان کر دیا اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کفین یعنی دونوں ہاتھوں کو دھویا کتنی بار دھویا اس کا ذکر نہیں، صرف حتی انقاھما کا لفظ وارد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ ان کو صاف کیا اس کے بارے میں علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ لفظ انقی انقاء سے مشتق ہے اور انقاء باعتبار عادۃ تین مرتبہ دھونے سے حاصل ہوتا ہے اور روایات سابقہ میں اس کی تصریح آ چکی ہے تو چونکہ حتی انقاھما اس معنی کا فائدہ دے رہا ہے، اس لئے مصنفؒ نے اس حدیث کو اس ترجمہ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ مصنفؒ نے غسل الیدین سے غسل ذراعین مراد لیا ہو بہر حال مناسبت حدیث کی ترجمہ سے ظاہر ہے۔

ثم مسح برأسه: مسح رأس اور غسل رجلین میں عدد کا ذکر نہیں کیا مگر روایات سابقہ میں اس کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ یہ روایت مجمل ہے لہٰذا قواعد اصول کے مطابق اس کو مفصل روایات پر حمل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تکمیل وضو کے بعد فرمایا ''احببت ان اریکم الخ'' مطلب یہ ہے کہ مجھے وضو کی کوئی حاجت نہ تھی اور نہ میں نے نماز کا ارادہ کیا تھا کہ اس کے لئے میں وضو کروں لیکن میں نے چاہا کہ تم کو رسول اکرم ﷺ کی صفت وضو کی تعلیم دوں اور وہ یہ ہے جس کا تم نے مشاہدہ کیا۔

باب حد الغسل

غسل کی حد کا بیان

اخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراءةً عليه وانا اسمع واللفظ له عن ابن القاسم قال حدثني مالك عن عمرو بن يحيىٰ المازني عن ابيه انه قال لعبدالله بن زيد ابن عاصم وكان من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهو جد عمرو بن يحيىٰ هل تستطيع ان تريني كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ قال عبدالله بن زيد نعم فدعا بوضوء فافرغ علىٰ يديه فغسل يديه مرتين مرتين ثم تمضمض واستنشق ثلاثًا ثم غسل وجهه ثلاثًا ثم غسل يديه مرّتين مرتين الى المرفقين ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر بدأ بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاه ثم ردّهما حتى رجع الى المكان الذي بدء منه ثم غسل رجليه.

عمرو بن یحیی مازنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبد اللہ بن زید ابن عاصم سے پوچھا وہ اصحاب رسول میں سے تھے اور عمرو بن یحیی کے دادا ہیں، کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، چنانچہ انہوں نے پانی منگایا پھر اپنے ہاتھ پر ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ بند دست تک دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا تین مرتبہ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ کہنیوں تک دھویا پھر اپنے سر کا دونوں ہاتھوں سے مسح کیا اور اس میں اقبال بھی کیا اور ادبار بھی یعنی اپنے سر کی اگلی جانب سے شروع کیا یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر ان کو اسی جگہ لے گئے جہاں سے شروع فرمایا تھا پھر اپنے دونوں پیر دھوئے۔

تشریح: عن عمرو بن يحيىٰ المازني: حدیث باب کے راوی عمرو بن یحییٰ ابن عمارۃ بن ابی حسن انصاری مازنی مدنی صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ابو حاتم نے ان کو ثقہ کہا اور امام نسائیؒ اور عجلی اور ابن نمیر نے بھی ثقہ کہا ہے اور ابن سعد نے کہا کہ ثقہ اور کثرت سے حدیث روایت کرنے والے تھے اسی طرح ابن حبان وغیرہ نے بھی ثقات میں شمار کیا ہے۔

عن ابيه: ان کے والد یحییٰ بن عمارۃ ابن ابی حسن انصاری رواۃ ستہ میں سے ہیں ابن اسحٰق اور امام نسائیؒ اور ابن خراش نے ان کو ثقہ کہا اور ابن حبان نے بھی ثقات میں سے ذکر کیا ہے۔

عبد اللہ بن زید بن عاصم: آپ صحابی ہیں اور انصاری ہیں غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے ابو احمد حاکم اور ابن مندہ شریک ہونے کے قائل ہیں لیکن ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ غزوۂ بدر کے علاوہ جنگ احد وغیرہ میں شریک ہوئے تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے حدیث وضو اور اس کے علاوہ چند اور احادیث روایت کی ہیں، مسیلمہ نے ان کے بھائی حبیب بن زید کو قتل کیا تھا پھر اس کے بعد جب لوگ جنگ یمامہ کے لئے نکلے تو حضرت عبد اللہ بن زید حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کے قتل میں شریک ہوئے اور وہ ۶۳ھ میں یوم الحرۃ کو مارا گیا۔

(کذافی الاصابہ)

امام مالکؒ کی اس روایت سے جس کو امام نسائیؒ نے اپنے استاد محمد بن مسلمہ اور حارث بن مسکین سے بواسطہ ابن قاسم روایت کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے یحییٰ بن عمارۃ ہیں اور اس میں عتبہ بن عبد اللہ نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے جو اگلے عنوان کے ذیل کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے نیز ابوداؤد میں ہے کہ امام مالکؒ سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن مسلمہ نے اور طحاوی میں امام مالکؒ سے روایت کرنے والے ابن وہب نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے، کہ سائل یحییٰ بن عمارۃ ہیں موطأ کے اکثر راویوں نے سائل کو مبہم طور پر یعنی ان رجلا قال لعبد اللہ بن زید ذکر کیا ہے اور جہاں تعیین کی گئی ہے وہاں یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں سوال کی نسبت یحییٰ بن عمارۃ کی طرف کی گئی ہے اور امام محمدؒ کی روایت میں سائل ابوحسن کو قرار دیا گیا ہے اسی طرح معن بن عیسیٰ کی روایت میں بھی سائل انہی کو بتلایا گیا ہے، لیکن امام بخاریؒ کے نزدیک وھیب کی روایت میں یہ سوال عمرو بن ابی حسن کی طرف منسوب ہے اسی طرح دارقطنی کی روایت میں بھی جو بواسطہ محمد بن فلیح بن سلیمان مروی ہے سائل عمرو بن ابی حسن کو قرار دیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کے جمع کی صورت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زید کی مجلس میں تین آدمی تھے ایک ابوحسن انصاری دوسرے ان کے بیٹے عمرو بن ابی حسن تیسرے ان کے پوتے یحییٰ بن عمارۃ بن ابی حسن، ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا لیکن درحقیقت سوال ان میں سے عمرو بن ابی حسن نے کیا اب جہاں سوال کی نسبت عمرو بن ابی حسن کی طرف ہے تو وہ بطور حقیقت کے کی گئی ہے اور جہاں ان کے والد ابوحسن کی طرف سوال کی نسبت ہوئی ہے وہاں بطور مجاز کے ہے کیوں کہ وہ بڑے تھے اور وہاں موجود تھے اور چونکہ یحییٰ بن عمارہ اس حدیث کے راوی ہیں اور سوال کے وقت موجود تھے اس لئے سوال کی نسبت بطور مجاز کے ان کی طرف بھی کر دی گئی ہے، تطبیق کی یہ صورت بہت ہی اچھی ہے اس سے اختلاف دفع ہو جاتا ہے اور اتفاق حاصل ہو جاتا ہے۔

وھو جد عمرو بن یحیی: بظاہر ضمیر ھو کا مرجع عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہے یعنی وہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اور یہ غلطی اسی روایت سے پیدا ہوئی ہے صحیح وہی ہے جو بخاری میں ہے اس میں اس طرح ہے عن ابیہ ان رجلا قال لعبد اللہ بن زید وھو جد عمرو بن یحییٰ اب اس روایت کے مطابق ضمیر کا مرجع وہی ہے جو درحقیقت سائل ہے اور وہ عمرو بن ابی حسن ہیں جو یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن کے چچا ہیں تو ابوحسن کے دو بیٹے ہیں ایک عمرو اور دوسرے عمارہ اب سوال یہ ہے کہ اس تفصیل

سے معلوم ہوا کہ سائل عمرو بن ابی حسن ہیں لیکن وہ تو کسی اعتبار سے بھی عمرو بن یحییٰ کے دادا نہیں ہیں بلکہ ان کے دادا عمارہ بن ابی حسن ہیں تو جس طرح عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا دادا ہونا عمرو بن یحییٰ کا صحیح نہیں ہے اسی طرح عمرو بن ابی حسن بھی اس کا دادا ہونا صحیح نہیں ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ عمرو بن ابی حسن حقیقی دادا عمرو بن یحییٰ کے نہیں ہیں لیکن عمرو بن یحییٰ کے مجازی دادا تو ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے دادا کے بھائی ہیں اور اپنے باپ کے چچا ہیں اس لئے کہ عمرو بن یحییٰ کا حقیقی دادا عمارہ اور عمرو بن ابی حسن دونوں آپس میں سگے بھائی ہیں لہٰذا لفظ جد کا اطلاق عمرو بن ابی حسن پر بطور مجاز کے ہے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

حدیث باب میں آیا ہے کہ ''**ثم مضمض و استنشق ثلاثا** '' کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا تین بار، یہ حدیث عبداللہ بن زید ایک ہی ہے بخاری اور مسلم وغیرہ میں بھی موجود ہے مگر اختلاف صرف تھوڑے تھوڑے لفظوں کا ہے، بخاری و مسلم کی روایت میں فمضمض واستنشق کے بعد من کف واحدۃ کا لفظ بھی آیا ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی داخل کیا ایک ہی چلو سے اور یہ کام تین مرتبہ کیا، نسائی کی روایت میں ثلاثا اور بخاری و مسلم کی روایت میں ففعل ذالک ثلاثا کا لفظ وارد ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی چلو سے دونوں عمل کئے اور آپ نے تین مرتبہ یہ کام کیا تو کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا تین تین مرتبہ ہوا مگر غرفات تین لئے جو وصل کی صورت ہے یہی مسلک امام شافعیؒ کا ہے اس کا بیان کتاب الام میں ہے اور مزنی شافعی نے اس کی تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک وصل افضل ہے کہ دونوں کو تین چلو میں کرنا اس طرح کہ ایک چلو لے کر پہلے تھوڑے پانی سے کلی کرے پھر اس کا بقیہ پانی ناک میں داخل کرے تینوں بار یونہی کرے یہ جمع کی صورت ہے۔

قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت وصل کی نقل کی ہے اور المغنی میں ہے کہ امام احمدؒ کا قول مختار یہی ہے، احناف فصل کو افضل کہتے ہیں یعنی کلی اور ناک میں پانی چڑھانا ہر ایک کو تین تین چلو سے کرے اور امام مالکؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی منقول ہے اور اسی کو امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کلی اور ناک میں پانی چڑھانا دونوں عمل اکٹھے ایک چلو سے کرے تو جائز ہے ''**وان فرقهما فهو احب الينا** '' لیکن نئے پانی کے ساتھ ہر ایک کا جدا جدا کرنا میں زیادہ پسند کرتا ہوں یہ امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے جو قول احناف کے موافق ہے اور یہ روایت زعفرانی کی ہے امام شافعیؒ سے اور بویطی جو امام شافعی کے شاگرد ہیں ان کی روایت بھی زعفرانی کی طرح ہے کہ امام شافعی تفریق کو افضل کہتے ہیں، یہاں زعفرانی سے مراد ابو علی حسن بن محمد بن صباح ہے جو امام شافعیؒ کے قول قدیم کے ناقلین میں سے ایک ہیں، اور ایک زعفرانی حنفی بھی ہے، یعنی ابو عبداللہ حسن ابن احمد ہیں انہوں نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب جامع الصغیر اور زیادات ترتیب دی ہے۔

بہر حال امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق تو حنفیہ اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں مگر کتب شوافع میں قول مشہور جو امام شافعیؒ کا قول جدید ہے وصل کی افضلیت کا ہے فصل کی صورت کو بھی جائز کہتے ہیں مگر وصل کو افضل کہتے ہیں کہ تین چلو سے کلی اور ناک میں پانی داخل کرنا دونوں کام کرے۔

شوافع کی ایک دلیل تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نسائی کی روایت میں ''**ثم تمضمض واستنشق**

ثلاثا ''اور بخاری وغیرہ کی روایت میں'' فمضمض واستنشق من کف واحدۃ ففعل ذالک ثلثا ''کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں عمل ایک ہی چلو سے کئے ہیں اور آپ نے تین بار یہ عمل کیا۔

شیخ ابن ہمامؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس کی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ راوی من کف واحدۃ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی داخل کرنے کے لئے دونوں ہاتھ استعمال نہیں کئے بلکہ دونوں کام ایک ہاتھ سے کئے یا نفی تعاقب مقصود ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ کلی دائیں ہاتھ سے کرے اور ناک میں پانی چڑھانا بائیں ہاتھ سے تو اس کی نفی مقصود ہے کہ جس ہاتھ سے کلی کی ہے اسی دائیں ہاتھ سے استنشاق بھی کیا بائیں ہاتھ سے نہیں کیا۔

ابن ملک نے کہا کہ یہ تنازع فعلین کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ''تمضمض من کف واستنشق من کف ''اور واحدۃ کی قید احترازی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ تثنیہ کا رد کیا جائے یعنی کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا عمل صرف ایک ہاتھ سے کیا دوسرا ہاتھ نہیں ملایا۔ (قالہ القاری فی المرقاۃ)

شیخ ابن ہمامؒ نے جو توجیہ کی ہے وہ حدیث مذکور میں تو چل سکتی ہے لیکن بعض روایات جن سے شوافع استدلال کرتے ہیں ایسی ہیں کہ ان میں کوئی تاویل نہیں چلے گی چنانچہ نسائی میں آگے ''مسح الاذنین ''کے عنوان کے ماتحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''ثم تمضمض واستنشق من غرفۃ واحدۃ'' کی تصریح آئی ہے نیز مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث موجود ہے اس میں ہے ''وجمع بین المضمضۃ والاستنشاق ''۔

نیز ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں جس کے راوی عبد خیر ہیں صراحۃً بماء واحد کا لفظ وارد ہوا ہے ان روایات میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس لئے صاف بات یہ ہے کہ وصل ثابت ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ حدیث مذکور کی تاویل نہ کی جائے اور یہ کہا جائے کہ اصل سنت جمع کی صورت میں بھی ادا ہو جاتی ہے مگر کمال سنت جب ادا ہوگی کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ تین تین چلو سے کرے اسی لئے حافظ عینیؒ نے اس عمل مذکور فی الحدیث کو جواز پر محمول کیا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جس صفت وضو کو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا اور وہ اپنے مشاہدہ کے مطابق جمع کی صورت بیان کر رہے ہیں اس کے متعلق جو کچھ میرے نزدیک واضح ہوا، (واللہ اعلم) وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کو ایک واقعہ جزئیہ سے لیا ہے اور ایک جزئی فعل کو نقل کیا ہے جس میں عموم کی گنجائش نہیں چنانچہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی روایت جو بخاری میں باب الغسل من المخضب کے ماتحت نقل کی گئی ہے اس پر دلالت کرتی ہے اس میں آیا ہے ''اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخرجنا لہٗ ماء فی تور من صفر فتوضأ الخ ''اور غالباً یہ وہی واقعہ ہے جس کو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ام عمارہ بنت کعب نے روایت کیا ہے (ام عمارہ کا نام نسیبہ ہے اس کے شوہر کا نام زید بن عاصم ہے اس کے دو بیٹے ہیں ایک کا نام حبیب دوسرے کا نام عبداللہ ہے۔

(کما فی الاصابۃ للحافظ ابن حجر)

ام عمارہ کی روایت میں آیا ہے کہ ''ان النبی صلی اللہ علیھو سلم توضاء بماء فی اناء قدر ثلثی المد الخ ''

یہ روایت نسائی میں ''باب القدر الذی یکتفی به الخ '' کے ماتحت گذر چکی ہے تو حضرت عبداللہ بن زید ﷛ کی حدیث میں وہ جس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں ان شاء اللہ وہ عادت کریمہ کی حکایت نہیں بلکہ فعل جزئی کی حکایت ہے اس کو جواز پر محمول کیا جا سکتا ہے نہ کہ اتمام اور اکمال پر جیسا کہ آگے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھونے پر اکتفاء فرمایا ہے حالانکہ دو بار دھونے کو کسی امام نے بھی سنت نہیں کہا بلکہ تین تین بار دھونے کی سنت پر سب کا اتفاق ہے تو دو بار دھونے کا عمل بتلا رہا ہے کہ اس موقع پر جو وضوء فرمایا تھا اس کو وضوء کامل پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ وضوء خفیف اور بیان جواز پر محمول کیا جانا چاہئے اور ممکن ہے کہ پانی کی کمی کے باعث حضور ﷺ نے وصل کی صورت پر اکتفاء فرمایا ہو جیسا کہ حدیث ام عمارہ میں اسی طرف اشارہ موجود ہے کہ جب حضور ﷺ نے وضو کا ارادہ فرمایا تو قدر ثلثی المد یعنی مد کی دو تہائی مقدار پانی پیش خدمت کیا گیا اور حضور ﷺ کی عادۃ مبارکہ تھی کہ ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے تو پانی کی وہ مقدار کم ہے کہ اتنی کم مقدار سے بطریق مسنون وضوء کرنا مشکل ہے لہٰذا ایسی صورت میں دونوں عمل ایک چلو سے کرنے میں جو وصل کی صورت ہے کوئی مضائقہ نہیں اور ہم نے جو کہا کہ حضرت عبداللہ بن زید ﷛ ایک فعل جزئی کی حکایت کر رہے نہ کہ دائمی فعل کی اس کی تائید حافظ ابن حجرؒ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کے وہ امام مالکؒ کی روایت میں قائل ہوئے ہیں امام مالکؒ کی یہ روایت عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابیہ کی سند سے ہے اس میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن زید ﷛ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کس طرح وضو کیا کرتے تھے آپ مجھے دکھا سکتے ہیں حضرت عبداللہ نے جواب دیا'' **نعم فدعا بماء الخ** ''اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ وھیب کی روایت میں'' **فدعا بتور من ماء** ''اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی روایت میں'' **اتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخرجنا له ماء في تور من صفر** '' کے الفاظ آئے ہیں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں ممکن ہے یہ تور مذکور (ایک قسم کا چھوٹا برتن) وہی ہو جس سے حضرت عبداللہ بن زید ﷛ نے حضور اکرم ﷺ کے وضوء کی طرح وضو کر کے دکھلایا تھا جبکہ ان سے حضور ﷺ کی صفت وضوء کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ حنفیہ فصل کے قائل ہیں جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے ان کے پاس کیا دلیل ہے تو اس کے ثبوت کے لئے ہمارے پاس بھی دلائل ہیں چنانچہ نسائی میں عدد غسل الیدین کے ماتحت میں بواسطہ ابوحیہ حضرت علی ﷛ کی روایت میں ''**ثم تمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا** '' کے الفاظ آئے ہیں امام ترمذیؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اس سے فصل کا ثبوت ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد میں ابن ابی ملیکہ نے حضرت عثمان ﷛ سے روایت کی ہے ''**فمضمض ثلاثا واستنثر ثلاثا**'' علامہ نیمویؒ نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

تیسری یہ ہے کہ طبرانی نے اوسط میں بواسطہ راشد حضرت انس ﷛ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں آیا ہے ''**ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا** '' علامہ ہیثمیؒ نے کہا اسناد حسن اس کی سند حسن ہے۔

چوتھی یہ کہ طبرانی میں ہے کہ انہوں نے حدیث طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کی ہے'' **ان رسول**

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فمضمض ثلاثًا واستنشق ثلاثًا یا خذ لکل واحدۃ ماء جدیدًا "نیز اس کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر باب الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق کا عنوان قائم کیا ہے اس میں " یفصل بین المضمضۃ والاستنشاق " کے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی داخل کرنا دونوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے تھے۔

پانچویں دلیل حنفیہ کی جو سب سے زیادہ صحیح ہے ابن السکن کی روایت ہے جس کو وہ اپنی صحیح میں لائے ہیں اس میں ہے کہ شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وضو کا عمل دیکھا کہ تین تین مرتبہ اعضاء کو دھویا اور اسی روایت میں ہے "وافرد المضمضۃ من الاستنشاق، اور مضمضہ اور استنشاق دونوں علیحدہ علیحدہ کئے اور تین تین چلو سے کئے ہیں پھر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہم نے دیکھا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کو تلخیص الحبیر میں نقل کیا ہے مگر نہ تو اس پر ضعف کا کوئی حکم لگایا اور نہ حسن ہونے کا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح اور مقبول ہے کیوں کہ اگر اس میں کوئی ضعف ہوتا تو اس پر تنبیہ کئے بغیر سکوت نہ فرماتے جیسا کہ ان کی مشہور عادۃ ہے کہ اگر کسی حدیث میں کوئی علت ہوتو اس کو ظاہر کر دیتے ہیں جب یہ حدیث غیر مقلدین کے سامنے آئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اس کو کیوں کر صحیح تسلیم کر لیں جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر صحیح ہونے یا حسن ہونے کا حکم نہیں لگایا مگر غیر مقلدین کی یہ بات بے معقول ہے وہ کچھ بھی کہیں بہر حال حدیث ثابت اور معتبر ہے کیوں کہ اول تو ابن السکن نے التزام صحت کیا ہے، دوسرے حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں نقل کی ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ سکوت کیا ہے حالانکہ ان کی معروف عادت ہے کہ سقم وغیرہ کو ظاہر کر دیتے ہیں تو یہ سب باتیں شاہد ہیں کہ حدیث ان کے نزدیک معتبر ہے بلکہ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث سے ابن الصلاح کا رد کر رہے ہیں ابن الصلاح نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فصل ثابت نہیں ہے تو اس حدیث کو بطور احتجاج پیش کر کے ان کے دعویٰ کی تردید کی ہے کہ فصل ثابت ہے تو یہ اس بات کے لئے دلیل قوی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ثابت اور صحیح تسلیم کیا ہے اس لئے غیر مقلدین کا انکار کرنا بے دلیل نا قابل توجہ ہے۔

بہر حال ان احادیث مذکورہ سے فصل ثابت ہوتا ہے اور وصل بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں اس کا بیان آیا ہے اب کلام صرف ترجیح میں رہا تو جو حدیث قیاس کے موافق ہوگی وہ راجح ہوگی جیسا کہ یہی اصولِ فقہ کا ضابطہ ہے تو حنفیہ نے فصل کی صورت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ وہ قیاس کے موافق ہے کیوں کہ ناک اور منہ الگ الگ عضو ہے لہٰذا ان میں جمع نہ کیا جائے جس طرح دوسرے اعضاء میں جمع نہیں کیا جاتا ہے غرض کہ تمام احادیث میں گہری نظر ڈالنے کے بعد از روئے حدیث اور قیاس کے انشاء اللہ مسلک حنفیہ ہی زیادہ مضبوط اور مستحکم دیکھو گے۔

باب صفة مسح الرأس

مسح رأس کی کیفیت کا بیان

اخبرنا عتبة بن عبد الله عن مالک هو ابن انس عن عمرو بن یحییٰ عن ابیه انه قال لعبدالله بن زید

ابن عاصم وهو جد عمرو بن يحيىٰ هل تستطيع ان تريني كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ قال عبدالله بن زيدٍ نعم فدعا بوضوء فافرغ على يده اليمنى فغسل يديه مرتين ثم تمضمض واستنشق ثلثا ثم غسل وجهه ثلثا ثم غسل يديه مرتين مرتين الى المرفقين ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر بدأ بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه ثم غسل رجليه.

تشریح: حدیث وہی ہے جو ابھی عنوان سابق کے ذیل میں آچکی ہے اس کو دوسرے طریق سے اس باب میں لائے ہیں امام نسائیؒ کی عادت ہے کہ ایک حدیث کو متعدد جگہ مکرر لاتے ہیں لیکن ہر جگہ عنوان صرف اس مسئلہ کے لحاظ سے قائم کرتے ہیں جس کے استنباط کا ارادہ ہوتا ہے تو چونکہ اس حدیث میں سر کے مسح کی کیفیت کا بیان آیا ہے اس لئے اس کو پیش نظر رکھ کر یہ ترجمہ قائم کیا ہے۔

اس حدیث میں آیا ہے "ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما الخ" یعنی حضور اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا ہے اس میں اقبال بھی کیا اور ادبار بھی پھر راوی حدیث نے اقبال اور ادبار کی تفسیر کی ہے اپنے قول "بدأ بمقدم رأسه الخ" سے یعنی حضور ﷺ نے مسح سر کے آگے کی جانب سے شروع کیا یہاں تک کہ پیچھے کی طرف گدی تک لے گئے پھر دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر جہاں سے شروع فرمایا تھا اسی جگہ لے گئے، یہی طریقہ ہے سر کے مسح کرنے کا جو حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے بظاہر یہ قول کہ "بدأ بمقدم رأسه" الفاظ حدیث میں سے ہے نہ کہ مدرج من الراوی یعنی امام مالک کا کلام نہیں جو عمرو بن یحییٰ سے اس حدیث کے راوی ہیں اور اس قبال و ادبار کے ساتھ جو مسح آپ ﷺ نے کیا ا۔ کا مقصد سر کے دونوں جانب کا استیعاب ہے یعنی پورے سر کا مسح فرمایا، حنفیہ بھی سنت کی حد تک اس کے قائل ہیں مگر فرض کی ادائیگی کے لئے چوتھائی کا مسح کرنا ضروری ہے اس سے کم مقدار میں مسح کا فرض ادا نہ ہوگا، اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایات دلالت کرتی ہیں جو نسائی اور مسلم میں ہیں۔

حدیث باب میں آیا ہے "ثم غسل رجليه" کہاں تک دھویا ہے اس کا ذکر نہیں ہے مگر وہیب کی روایت میں الی الكعبين آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا ہے، حدیث کی باقی تشریحات عنوان سابق کے ذیل میں ہو چکی ہیں اس حدیث میں چہرہ مبارک کو تین اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھونے کا جو بیان آیا ہے اس کی توجیہ امام نوویؒ نے یہ کی ہے کہ حدیث باب سے معلوم ہوتا کہ ایک ہی وضو میں مختلف صورتیں غسل اعضاء کی جمع ہو سکتی ہیں یعنی بعض اعضاء کو تین مرتبہ دھونا اور بعض کو دو مرتبہ اور بعض کو ایک مرتبہ اور اس طریقہ سے وضو کرنا بلاشبہ درست ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ تمام اعضاء کو تین تین مرتبہ دھولیا جائے اور بعض اوقات اس طریقہ سے جو حدیث باب میں مذکور ہے، نبی کریم ﷺ کا وضو فرمانا بیان جواز کے لئے تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات میں بیان جواز کی غرض سے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا ہے اور وہ عمل اس وقت حضور ﷺ کے حق میں افضل تھا کیوں کہ حد جواز کے درجہ کی چیزوں کا بیان کر دینا بھی حضور ﷺ کے ذمہ واجب تھا۔ (والله اعلم)

عدد مسح الرأس

مسح رأس کتنی مرتبہ کرنا چاہئے اس کا بیان

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفیان عن عمرو بن یحییٰ عن ابیه عن عبد الله بن زید الذی اُری النداء قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ فغسل وجهه ثلاثا ویدیه مرتین وغسل رجلیه مرتین ومسح برأسه مرّتین.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے کہ آپ نے چہرہ مبارک کو تین مرتبہ دھویا ہے اور دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ اور دونوں پاؤں کو دو دو مرتبہ دھویا ہے اور سر کا مسح دو مرتبہ کیا۔

تشریح: محدثین کرام نے کہا کہ اس حدیث میں ''الذی اری النداء'' کا اضافہ کر کے خواب میں کلمات اذان دیکھنے کی جو نسبت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے وہ غلط ہے کیوں کہ حدیث وضو کے جو راوی ہیں وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بن عاصم زمانی ہیں اور کلمات اذان کے راوی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بن عبدربہ ہیں لہٰذا رؤیت نداء کی نسبت حدیث باب کے راوی کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ (کذا قال العلامة السندھیؒ)

ومسح برأسه مرتین: امام نسائیؒ ترجمہ کے ذیل میں سفیان بن عیینہ کی حدیث لائے ہیں وہ مسح کے بارہ میں مرتین کا لفظ نقل کر رہے ہیں حالانکہ دوسرے حفاظ حدیث نے اس کے خلاف روایت کی ہے چنانچہ بیہقی نے کہا کہ امام مالکؒ، وھیب، سلیمان بن بلال، اور خالد واسطی وغیرہ نے سفیان بن عیینہ کے خلاف عمرو بن یحیٰی سے مسح سر کے بارے میں ''ثم مسح رأسه بیدیه فاقبل بهما و ادبر'' کے الفاظ نقل کئے ہیں اور وہیب کی روایت میں تو مرة واحدة کی تصریح آئی ہے یعنی اقبال وادبار کے ساتھ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کیا ہے نہ کہ دو مرتبہ لیکن راوی حدیث سفیان مرتین کہہ رہے ہیں جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تکرار مسح ہوا ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں مسح کا عمل ایک ہی بار ہوا ہے البتہ اس کی حرکتیں دو ہوگئیں ایک اد بار دوسری اقبال کی پہلے دونوں ہاتھوں کو سامنے سے کی طرف سے گدی تک لے گئے پھر لوٹا کر پیشانی کی طرف لائے تو یہ رد یعنی پیچھے سے دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر آگے کی جانب لے جانے کی حرکت کو مسح ثانی کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ مسح اول کی تکمیل اور اس کا استیعاب ہے کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ مسح اول سے پورے سر کا مسح حاصل نہیں ہوسکتا اس کے لئے رد یعنی پچھلی طرف سے دونوں ہاتھوں کو لوٹا کر سامنے کی طرف لانے کی ضرورت ہے اس دوسری حرکت سے استیعاب حاصل ہو جاتا ہے غرض کہ مسح کے عمل میں کوئی تعدد نہیں وہ ایک ہی بار ہوا ہے مگر یہ حرکتیں دو ہوگئیں یہ ایسا ہے جیسا کہ ''انفلق القمر فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم مرتین'' تو یہ بات مسلم ہے کہ فلق قمر صرف ایک مرتبہ ہوا ہے مگر تعبیر دو سے یوں کر دی گئی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے تو ایسا ہی مسح کے مسئلہ میں بھی سمجھ لیں کہ ایک مرتبہ سر کا مسح کیا لیکن اس کے دو ٹکڑے اس طرح ہو گئے کہ شروع ناصیہ سے کیا اور دونوں

ہاتھ گدی تک لے گئے پھرلوٹا کر ناصیہ (ماتھے کے بال) تک لائے یہی مسح کا اعادہ ہے جس کو راوی مرتین سے تعبیر کر رہا ہے حالانکہ اقبال واد بار کی دونوں حرکتیں مسح رأس کے استیعاب کے لئے تھیں اور بدون اس کے مسح کا استیعاب نہیں ہوسکتا لیکن راوی نے صورت مسح پر نظر رکھ کر اس مسح کو'' ومسح برأسه'' مرتین سے تعبیر کیا ہے۔

بہر حال اس تقریر مذکور سے ثابت ہوا کہ مسح رأس میں تکرار نہیں ہے سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہے یہی مسلک حنفیہ اور جمہور علماء کا ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے کہا کہ مذہب جمہور جیسے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا یہ ہے کہ مسح رأس میں تکرار مستحب نہیں ہے لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تکرار مستحب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک قول اسی طرح کا منقول ہے حضرت امام شافعیؒ نے صحیح مسلم کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت نہ بتادوں؟ اس میں ہے ''ثم توضأ ثلاثا'' اس سے معلوم ہوا کہ تین بار کرنا ثابت ہے اور یہ عام ہے جس میں مسح بھی آ گیا نیز سنن ابوداؤد میں ہے ''انه مسح برأسه ثلاثا'' کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح بھی تین مرتبہ کیا۔

نیز وہ اعضاء وضوء میں سے ایک عضو ہے لہٰذا دوسرے اعضاء کو جس طرح تین بار دھویا جاتا ہے اسی طرح مسح بھی تین بار ہونا چاہئے، امام شافعیؒ کی اس دلیل نقلی وعقلی کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ پہلا مذہب جو جمہور کا ہے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ صحیح احادیث جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان سے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا ثابت ہوتا ہے اسی لئے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث صحیحہ بتلاتی ہیں کہ مسح رأس ایک بار کیا ہے تو گویا وہ اپنے اس قول سے تثلیث والی روایت کو غیر صحیح قرار دے رہے ہیں کیوں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحیح احادیث کی بنا پر صاف کہہ رہے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر مسح ایک ہی مرتبہ کیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث نے مجمل حدیث کی مراد کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ تین مرتبہ دھونا ان اعضاء کے ساتھ مخصوص ہے جو دھوئے جاتے ہیں لہٰذا سر کے مسح میں تکرار نہیں ہے وہ ایک ہی مرتبہ ہے اور اس کو یوں سمجھ لیں جیسا کہ فرمایا جب تم اذان کے کلمات سنو تو ''فقولوا مثل مایقول ای المؤذن'' یہ مجمل ہے اس کی تفسیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نے کر دی کہ حیعلہ یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ لیا کرو تو پہلی حدیث میں اجمال ہے اس کی وضاحت اور تفسیر دوسری خاص روایت سے ہوگئی۔ نیز عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسح میں تکرار مسنون نہیں ہونا چاہئے جیسے مسح خف ومسح فی التیمم اور جبیرہ میں تکرار نہیں ہے اور مسح کو غسل کے ساتھ ملحق کرنے سے (جیسے امام شافعیؒ نے کیا ہے) مسح کو مسح کے ساتھ ملحق کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیوں کہ اگر مسح میں تکرار ہو تو وہ بھی غسل کی طرح ہو جائے گا۔

(فتح الملهم: ۱/ ۳۹۱)

امام بیہقیؒ باوجود اس کے کہ وہ مذہب امام شافعیؒ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں مگر اس موقع پر کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے تکرار مسح کے اثبات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث یعنی ''توضأ ثلاثًا ثلاثًا'' کو متدل بنایا ہے حالانکہ روایت مطلق ہے اور حُمران (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) سے جتنی روایات مفسرہ مروی ہیں سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تکرار مسح سر کے علاوہ دوسرے اعضاء وضو میں واقع ہوا تھا مگر مسح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا ''وانه

مسح برأسه مرّة واحدةً'' کہ آپ نے سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کیا۔

دلائل جمہور ائمہ سے یہ بھی ہیں کہ امام نسائیؒ نے باب غسل الوجہ کے ذیل میں بواسطہ عبد خیر حضرت علی ﷺ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم ﷺ کے وضو کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے اس میں ''ومسح برأسه مرة واحدة'' پھر باب صفة الوضوء کے تحت حدیث حسین بن علی عن ابیہ کی سند سے روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں ''ثم مسح برأسه مسحة واحدة'' پھر ''باب مسح المرأة رأسها'' کے ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے اس میں آیا ہے'' ثم مسحت رأسها مسحة واحدة '' کہ آپ نے سر کا ایک ہی بار مسح کیا، نیز حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سر کا مسح ایک بار کیا اور طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اس میں ''ومسح برأسه مرة '' کا لفظ وارد ہوا ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا ''اسنادهٔ صالح '' کہ اسناد اس حدیث کی ٹھیک ہے، امام ترمذیؒ نے حضرت ربیع کی حدیث روایت کی ہے اس میں'' مرة واحدة'' کا لفظ آیا ہے اور اس کو حسن اور صحیح کہا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ مختلف طریقوں سے نبی کریم ﷺ سے ''انهٔ مسح برأسه مرة '' کا لفظ نقل کیا گیا ہے اور اکثر اصحاب کرام اور تابعین وغیرہ کا عمل اسی پر ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں سر کا مسح تین بار کرنا منقول ہے جیسے دار قطنیؒ نے بواسطۂ امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے اور آپ نے خالد بن علقمہ سے اور انہوں نے عبد خیر کے طریق سے حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں ''ومسح رأسه ثلثاً '' آیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسکا جواب دیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے جو تثلیث کی روایت مروی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ ایک ہی پانی سے تین بار کیا جائے اور یہ مشروع ہے جیسے حسنؒ نے اس کو امام اعظمؒ سے نقل کیا ہے بار بار پانی نہ لیا جائے تا کہ غسل کی صورت نہ بن جائے بخلاف امام شافعیؒ کے وہ تو ہر مرتبہ ماء جدید کے ساتھ تین بار مسح کے قائل ہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے، دوسرے یہ کہ بقول علامہ عینیؒ کہ اگر چہ امام اعظمؒ سے ایک روایت ایسی بھی مروی ہے لیکن حنفیہ کا مختار مذہب تو افراد ہی ہے، تثلیث نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں مع الدلائل آ چکی ہے، اور صاحب ہدایہ نے روایت تثلیث کو جس پر محمول کیا ہے اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو صفت وضوء سے متعلق ہے اور جس کو طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں روایت کیا ہے اس میں ہے''ومسح رأسه ثلاثا بماء واحد'' حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ تثلیث مسح کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو ان کو ارادۂ استیعاب پر محمول کیا جا سکتا ہے ان کو پورے سر کے لئے مستقل مسحات پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس توجیہ سے جمع بین الادلہ حاصل ہوتا ہے۔

باب مسح المرأة رأسها

عورت کا اپنے سر پر مسح کرنے کا بیان

اخبرنا الحسين بن حريث قال حدثنا الفضل بن موسىٰ عن جعيد بن عبدالرحمن قال اخبرني عبد

الملک بن مروان بن الحارث بن ابی ذباب قال اخبرنی ابو عبداللہ سالم سبلان قال وکانت عائشة ﷺ تستعجب بامانته وتستاجرهٗ فأرتنی کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضاء فتمضمضت واستنثرت ثلاثا وغسلت وجهها ثلاثا ثم غسلت یدها الیمنیٰ ثلاثا والیسریٰ ثلاثا ووضعت یدها فی مقدم رأسها ثم مسحت رأسها مسحة واحدة الی موخرہ ثم امرت یدیها باذنیها ثم امرت علی الخدین قال سالم کنت آتیها مکاتبا ماتختفی منی فتجلس بین یدی وتتحدث معی حتی جئتها ذات یوم فقلت ادعی لی بالبرکة یاأم المؤمنین قالت وماذاک قلت اعتقنی اللہ قالت بارک اللہ لک وارخت الحجاب دونی فلم ارها بعد ذالک الیوم۔

عبدالملک بن مروان کہتے ہیں کہ مجھ کوابوعبداللہ سالم سبلان (سبلان اس کالقب ہے وہ اس سے مشہور تھا جیسا کہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے) نے خبر دی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ﷺ اسکی یعنی میری امانت سے بہت خوش تھیں اور مجھ سے اجرت پر خدمت لیا کرتی تھیں تو حضرت عائشہ ﷺ نے مجھ کو دکھلایا نبی کریم ﷺ کس طرح وضو کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ ﷺ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھا کر اس کو جھاڑا اور اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا پھر دائیں ہاتھ کو تین مرتبہ اور بائیں ہاتھ کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنا ہاتھ سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر ایک بار سر کا مسح گدی تک کیا پھر دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف سے گذار کر سامنے کی طرف لے گئیں پھر دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیر لئے ،سالم کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ ﷺ کے پاس آمد ورفت رکھتا تھا درآنحالیکہ میں اس وقت مکاتب تھا وہ مجھ سے باتیں کرتی تھیں اور میرے سامنے بیٹھتی تھیں ، بہر حال میں ایک دن ان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ام المؤمنین میرے لئے برکت کی دعا کیجئے حضرت عائشہ ﷺ نے کہا کہ کیا بات پیش آئی میں نے کہا کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو آزاد ہونے کی توفیق دے حضرت عائشہ ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے لئے برکت عطا فرمائے سالم کہتے ہیں اس کے بعد میرے سامنے پردہ ڈال دیا پھر میں نے اس دن کے بعد حضرت عائشہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

تشریح :اس باب کے انعقاد سے امام نسائی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسح رأس کے حکم میں عورت مرد کی طرح ہے دونوں کے مسح میں کوئی فرق نہیں چنانچہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ ﷺ نے اقبال وادبار کیساتھ پورے سر کا مسح کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اقبال وادبار کی کیفیت کے ساتھ سر کا جو مسح ہوتا ہے اس کو ایک ہی مسح سمجھا جاتا ہے اسی لئے راوی حدیث اس کو ''مسحة واحدة'' کہتا ہے یہ حدیث بھی جمہور ائمہ کی دلیل ہے کہ مسح رأس میں تکرار نہیں ہے سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہے۔

ثم امرت علی الخدین :یعنی مسح رأس کے بعد حضرت عائشہ ﷺ نے دونوں ہاتھ رخساروں پر پھیر لئے شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ بعض اوقات چہرہ دھونے کے بعد کچھ پانی رخساروں پر باقی رہتا ہے تو آدمی خالی ہاتھ دونوں رخساروں پر پھیر لیا کرتا ہے یا پانی کی رطوبت دور کرنے کے لئے خصوصاً سردی کے موسم میں دونوں ہاتھ پھیر لئے جاتے ہیں۔

کنت آتیها مکاتبا :سالم کا یہ قول کہ میں حضرت عائشہ ﷺ کے پاس آمد ورفت رکھتا تھا حالانکہ مکاتب تھا اس بات پر مبنی ہے کہ مکاتب غلام ہی رہے گا جب تک کہ اس کے ذمہ بدل کتابت سے ایک درہم بھی باقی رہتا ہے اور شاید کہ وہ

حضرت عائشہ ؓ کے بعض رشتہ داروں کا غلام تھا اور حضرت عائشہ ؓ کی رائے یہ تھی کہ وہ غلام کی آمدورفت کو اپنی مالکہ اور اس کے رشتہ داروں کے پاس جائز سمجھتی تھیں۔(واللہ تعالیٰ اعلم کذا قالہ العلامۃ السندھیؒ)

اور ارخاء حجاب یعنی پردہ ڈال دینے کا معاملہ بدل کتابت ادا کرنے کے بعد واقع ہوا ہے اس کے بعد سے حضرت عائشہ ؓ سالم سے پردہ کرتی تھیں۔

مسح الاذنین

دونوں کانوں کا مسح کرنا

اخبرنا الھیثم بن ایوب الطالقانی قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد قال حدثنا زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس ؓ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فغسل یدیہ ثم تمضمض واستنشق من غرفۃ واحدۃ وغسل وجھہٗ وغسل یدیہ مرۃ مرۃ ومسح برأسہ واذنیہ مرۃ ،قال عبد العزیز واخبرنی من سمع من ابن عجلان یقول فی ذالک وغسل رجلیہ.

ابن عباس ؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ دونوں ہاتھوں کو کلائی تک دھویا پھر ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی بھی داخل کیا اور چہرہ مبارک کو دھویا اور دونوں ہاتھوں کو ایک ایک مرتبہ دھویا اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح ایک ہی بار کیا، راوی حدیث عبدالعزیز کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا ہے جس نے ابن عجلان سے سنا وہ کہتے تھے اس حدیث میں ہے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

تشریح :اس سے معلوم ہوا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا دونوں کام ایک چلو سے کئے ہیں یہ وصل کی صورت ہے جس کو شافعیہ افضل کہتے ہیں اور احناف بھی اس کو جائز کہتے ہیں مگر افضل ان کے نزدیک فصل ہے کہ دونوں عمل چھ غرفات سے کئے جائیں اس کی تفصیل مع دلائل پیچھے گذر چکی ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے شرح نقایہ میں وصل اور فصل دونوں قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان روایات کی صحت کے بعد تطبیق یہ ہے کہ ہر راوی نے جو کچھ دیکھا اس کی حکایت کی ہے تو درحقیقت اصل سنت کے حصول میں ان روایات کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے البتہ زیادہ فضیلت میں اختلاف ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے ظہیریہ میں یہ مسئلہ پایا ہے کہ اگر پہلے کلی کرے اور پھر ناک میں پانی داخل کرے ایک ہی چلو سے تو پانی مستعمل نہیں ہوگا لیکن اس کے برعکس کی صورت میں مستعمل ہوجائے گا لہٰذا بہتر قول یہی ہے کہ اگر کوئی وصل کے ساتھ تین چلو سے دونوں کام کرے تو بلا کراہت اصل سنت ادا ہوجائے گی کیوں کہ اس کا ثبوت متعدد احادیث میں آیا ہے اور شیخ ابن ہمامؒ بھی اسی کے قائل ہیں البتہ کمال سنت صرف فصل یعنی چھ غرفات سے حاصل ہوسکتی ہے۔

(معارف السنن :۱/ ۱۶۷)

مرّة مرّة: علامہ قسطلانیؒ نے کہا کہ یہ دونوں لفظ مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہیں اور بیان کیت کے لئے ہیں، علامہ کرمانیؒ نے کہا کہ مصدریت کی بناء پر منصوب ہیں "ای غسل کل عضوٍ مرة واحدة" یعنی ہر ایک عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا، علامہ عینیؒ نے کہا کہ ابن التین نے اس حدیث سے تخلیل لحیہ کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے کیوں کہ جب چہرہ کو ایک مرتبہ دھویا تو حضور ﷺ کے پاس زائد اس قدر پانی موجود نہیں تھا جس سے خلال کر سکیں اور ابن التینؒ نے یہ بھی کہا کہ اس حدیث سے ان لوگوں کا قول رد ہوتا ہے کہ جو تین دفعہ دھونے کو فرض کہتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جس وضو کی حکایت کر رہے ہیں اسی وضو میں اس وقت ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا تھا ورنہ بے شمار صحیح روایات میں اس سے زیادہ مرتبہ دھونے کا ذکر آیا ہے اور اس وقت حضور اکرم ﷺ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے کیا تھا۔

بہر حال اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نبی اکرم ﷺ کی عادت کریمہ اور دائمی عمل کی حکایت نہیں کر رہی بلکہ فعل جزئی کی حکایت کر رہی ہے جس سے مقصد بیان جواز یا بیان فرض ہو سکتا ہے اس روایت میں اگر چہ غسل رجلین کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسری روایت میں اس کا ذکر آیا ہے جیسا کہ عبدالعزیز بن محمد راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی ہے جس نے ابن عجلان یعنی محمد بن عجلان سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "وغسل رجليه" بھی آیا ہے چنانچہ اگلے عنوان کے ماتحت کی حدیث میں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

باب مسح الاذنين مع الرأس ومايستدل به على انهما من الرأس

دونوں کانوں کا سر کے ساتھ مسح کرنے اور جس چیز سے دونوں کان سر میں سے ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اس کے بیان میں

اخبرنا مجاهد بن موسىٰ قال حدثنا عبد الله بن ادريس قال حدثنا ابن عجلان عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن ابن عباس قال توضأ رسول الله صلى فغرف غرفةً فمضمض واستنشق ثم غرف غرفةً فغسل وجههٗ ثم غرف غرفةً فغسل يدهٗ اليمنىٰ ثم غرف غرفةً فغسل يده اليسرىٰ ثم مسح برأسه واذنيه باطنهما بالسباحتين وظاهر هما بابهاميه ثم غرف غرفةً فغسل رجله اليمنى ثم غرف غرفةً فغسل رجله اليسرىٰ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے وضو کیا (اس طور پر) کہ ایک چلو پانی لیا اس سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر ایک چلو لیا اس سے اپنا منہ دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کے اندر کا مسح دونوں شہادت کی انگلیوں سے کیا اور اپنے

دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر یعنی اوپر کے حصہ کا مسح کیا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا داہنا پیر دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا بایاں پیر دھویا۔

اخبرنا قتیبة بن سعید و عتبة بن عبدالله عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبدالله الصنابحی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا توضأ العبد المؤمن فتمضمض خرجت الخطایا من فیه فاذا استنثر خرجت الخطایا من انفه فاذا غسل وجههٗ خرجت الخطایا من وجهه حتی تخرج من تحت اشفار عینیه فاذا غسل یدیه خرجت الخطایا من یدیه حتی تخرج من تحت اظفار یدیه فاذا مسح برأسه خرجت الخطایا من رأسه حتی تخرج من اذنیه فاذا غسل رجلیه خرجت الخطایا من رجلیه حتی تخرج من تحت اظفار رجلیه ثم کان مشیه الی المسجد و صلاتهٗ نافلة ،قال قتیبة عن الصنابحی ان النبی صلی الله علیه وسلم قال .

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندۂ مؤمن وضو کا ارادہ کرتا ہے اس کے بعد جب کلی کرتا ہے تو تمام گناہ اس کے منہ کے راستہ سے نکل جاتے ہیں پھر جب ناک میں پانی چڑھانے کے بعد اس کو جھاڑتا ہے تو تمام گناہ ناک کے راستہ سے نکل جاتے ہیں پھر جب اپنے چہرہ کو دھوتا ہے تو تمام گناہ دونوں آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے خارج ہو جاتے ہیں پھر جب دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو تمام گناہ دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے خارج ہو جاتے ہیں پھر جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو تمام گناہ اس کے دونوں کانوں کے راستے سے نکل جاتے ہیں پھر جب دونوں پیروں کو دھوتا ہے تو تمام گناہ اس کے دونوں پیروں سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں پیروں کے ناخنوں کے نیچے سے خارج ہو جاتے ہیں پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا زائد چیز ہے اس کے واسطے۔

تشریح: عبد الله الصنابحی رضی اللہ عنہ: امام ترمذیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ صنابحی تین ہیں ایک تو عبد اللہ صنابحی ہیں یہ صحابی ہیں، دوسرے عبدالرحمن صنابحی ہیں یہ تابعی ہیں، تیسرے صنابح ہیں بدون یائے نسبت کے اور کبھی انکو صنابحی بھی کہتے ہیں یہ بھی صحابی ہیں ان کے والد کا نام اعسر احمسی ہے، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ صنابح ایک بطن ہے مراد کا اور امام ترمذیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ نے کہا کہ عبدالرحمن صنابحی کا سماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ صنابحی اور ابوعبداللہ صنابحی دو الگ الگ شخص ہیں (اصابہ) تقریب میں ہے کہ عبد الرحمن بن عسیلہ مرادی وہی ابوعبداللہ صنابحی ہے جو ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہے وہ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے پانچ دن بعد پہنچا تھا اور یہ بات بخاری کی روایت سے معلوم ہوتی ہے بخاری کی کتاب المغازی کے آخر میں (٦٤٢) میں ہے کہ ابوالخیر نے صنابحی سے پوچھا کہ "متی هاجرت" تم نے کب ہجرت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بقصد ہجرت یمن سے نکلا اور مقام جحفہ (یہاں سے اہل شام احرام باندھتے ہیں) تک پہنچا اتفاق سے ایک سوار میرے سامنے آ گیا میں نے اس سے پوچھا کیا خبر ہے بتاؤ اس نے جواب دیا "دفنا النبی صلی الله علیه وسلم منذ خمس" اس سے

معلوم ہوا کہ ابوعبداللہ صنابحی شرف زیارت سے محروم رہے، انکا انتقال عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ صنابحی اور ابوعبداللہ صنابحی دو الگ الگ شخص ہیں اول صحابی ہیں دوسرے تابعی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خرجت الخطايا من فيه : متوضی جب کلی کرتا ہے تو تمام گناہ منہ کے راستے سے خارج ہوجاتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب کلی کے ساتھ تمام گناہ منہ کے مسام یعنی سوراخ سے نکل گئے تو پھر بقیہ اعضاء سے کیا خارج ہوں گے کیوں کہ کوئی گناہ ہی باقی نہیں رہا، حالانکہ بعد کے جملے بتلا رہے ہیں کہ دوسرے اعضاء کو بھی دھونے اور مسح کرنے کے ساتھ ساتھ گناہ خارج ہوجاتے ہیں، جواب یہ ہے کہ الخطایا میں لام تعریف مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے " **ای خطايا الفم من فيه وخطايا الانف من انفه على هذا القياس** " یا بقرینۂ کلام مابعد الف لام عہدی ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ ہر عضو انفرادی طور پر گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے کیوں کہ عضو سے خطایا کا خارج ہوجانا بذات خود اس عضو کی طہارت کی فرع ہے لہٰذا ہر عضو کی تطہیر کے ساتھ اسی سے متعلق تمام گناہ خارج ہوجاتے ہیں، اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

ایک روایت میں " **خرت** " آیا ہے جس کے معنی جھڑ جانے کے ہیں، بہر حال حدیث باب سے معلوم ہوا کہ وضو کی بدولت تمام گناہ اعضاء وضوء سے خارج ہوجاتے ہیں لیکن اختلاف اس میں ہے کہ آیا صرف صغائر کا خروج ہوتا ہے یا صغائر وکبائر دونوں کا؟ متاخرین نے کہا کہ فقط صغائر کا خروج ہوتا ہے کیوں کہ قرآن کریم میں ہے " **ان الحسنات يذهبن السيأت** " نیز دوسری احادیث میں " **ما اجتنب الكبائر** " اور " **مالم يغش الكبائر** " یا مثل اس کے الفاظ کی قید بھی لگی ہوئی ہے جس سے بطور ضابطہ کلیہ کے معلوم ہوا کہ صغائر کی معافی ضرور ہوگی اب رہے کبائر تو وہ توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں بغیر توبہ کے نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وضو سے صغائر معاف ہونے کے لئے ترک کبائر شرط ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کے یہ معنی نہیں جو بظاہر مفہوم ہورہا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وضو سے ان تمام گناہوں کا خروج تو ضرور ہوگا جو پہلے ہوچکے ہیں لیکن اگر ماتقدم کبائر ہوں تو وہ وضو سے خارج نہ ہوں گے وہ توبہ سے معاف ہوں گے یا اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں تو معاف ہوسکتے ہیں لیکن متقدمین کی رائے اس کے برخلاف ہے وہ صغائر کے ساتھ مقید کرنے کے قائل نہیں ہیں جیسے متاخرین قائل ہیں متقدمین نے صغائر وکبائر میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید کئے بغیر مغفرت ذنوب کا معاملہ باری تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پر چھوڑ دیا ہے وہ چاہے تو معاف فرمادے خواہ صغائر ہوں یا کبائر، یا سزا دے، اس مقام پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں " **خرجت الخطايا** " آیا ہے خروج چاہتا ہے کہ خارج شئی مجسم ہو لیکن یہاں خطایا معانی اور اعراض میں سے ہیں ان کا خروج کیوں کر متحقق ہوسکتا ہے، شارحین نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں امام نوویؒ نے کہا کہ یہاں خروج کے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں کیوں کہ گناہ غیر مجسم ہیں بلکہ خروج خطایا سے مجازاً مغفرت مراد لی گئی ہے۔

ابن العربی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ خطایا افعال اور اعراض ہیں جو باقی نہیں رہتے اور جب غیر قار الذات یعنی ثابت وقائم نہیں رہتے ہیں تو پھر ان کا اتصاف دخول یا خروج سے کیوں کر ہوسکتا ہے لہٰذا ارشاد نبوی ﷺ " **خرجت الخطايا** " سے مراد " **غفرت الخطايا** " لی جائے گی ہاں جب باری تعالیٰ نے مغفرت کو عضو کی طہارت کاملہ پر موقوف کیا تو اس کو سمجھانے کے

لئے بطور تمثیل لفظ خروج کا استعمال کیا گیا ہے یعنی جس طرح شئی مجسم نکل جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی خارج ہو جاتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس میں تاویل وتوجیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں شارع علیہ السلام کا قول علی العین والرأس آپ نے جیسا فرمایا اسی طرح اس کو مان لیں پھر اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ ''خرجت الخطایا'' اپنی حقیقت پر محمول ہے کیوں کہ گناہ سے ظاہر و باطن پر سیاہ دھبے لگ جاتے ہیں جن پر صاحب احوال اور اہل کشف مطلع ہوتے ہیں اور طہارت انکا ازالہ کرتی ہے اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے اور قلب صاف ہو جاتا ہے ورنہ لگاتار گناہوں سے وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ قلب پر غالب آجاتا ہے اور یہ وہی رَین (میل وزنگار) ہے جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾۔

نیز امام احمد اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنت کا سفید یاقوت ہے وہ پتھر برف سے بھی زیادہ سفید تھا ''وانما سودته خطایا المشرکین'' کہ مشرکین کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے، تو علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب گناہوں نے پتھر پر اثر ڈالا ہے تو ان کے کرنے والے کے جسم پر بطریق اولیٰ اثر ڈالیں گے اس لئے یا تو حدیث میں لفظ خطایا سے پہلے مضاف محذوف مانا جائے گا اور تقدیر عبارت یوں ہے ''خرجت آثار الخطایا من فیه'' کہ گناہوں کے اثار اس کے منہ سے خارج ہو جاتے ہیں یا یہ کہا جائے کہ گناہ بذات خود بدن کے ساتھ قائم ہے اور متلبس رہتا ہے مگر یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ اور ایک عالم مثال ثابت کیا جائے چنانچہ اہل حقائق اس کو ثابت مانتے ہیں اور علامہ سیوطیؒ نے کہا کہ میں بھی اسی کا قائل ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کیوں کہ بہت سی احادیث اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں (حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ البالغہ میں بہت سی احادیث کی روشنی میں اس کو ثابت کیا ہے وہاں ملاحظہ کیجئے) تو اس عالم میں وہ خطایا جوہر اور جسم ہیں عرض نہیں اور ہر وہ چیز جو اس عالم عنصری میں عرض ہے اس کے لئے عالم مثال میں ایک صورت ہے جو وہاں جوہر بن جاتی ہے اسی لئے تو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے عالم مثال میں پھر فرشتوں کے سامنے اعراض کو پیش کرنے کا قول صحیح ہے، اسی بناء پر صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ خطایا جو عالم مثال میں جوہر اور جسم ہیں وضوء سے انہی کا خروج ہوتا ہے۔

یہاں پر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ماقبل کی تقریر سے معلوم ہوا کہ وضو کی بدولت گناہوں کا اثر خارج ہو جاتا ہے، ہم اسے کیسے اعتبار کریں کیوں کہ ہم نے تو کبھی دیکھا ہی نہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ اثر ہماری ان ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں تردد ہوتا ہے حالانکہ ہمیں کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے عدم ثبوت کے لئے دلیل نہیں بہت سی چیزیں واقع میں موجود ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتیں مثلاً ایک دو قطرے کا پانی ہے اس میں خوب گہری نظر ڈال کر دیکھ لو کوئی چیز نظر نہیں آتی لیکن اگر اس کو خوردبین سے دیکھو تو اس میں بہت سے چھوٹے کیڑے نظر آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ بدون اس

کے نظر نہ آنا ان کے عدم کو مستلزم نہیں تو جس طرح یہاں خوردبین سے کیڑے نظر آتے ہیں اسی طرح اہل بصیرت حقیقت شناس آنکھ سے خروج ذنوب کو دیکھ لیتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص آیا جو راستے میں کسی اجنبی عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں جب کہ راستہ میں آنکھوں کے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس گناہ کا اثر اس کی آنکھوں میں موجود تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بصیرت سے معلوم کرلیا تو یہ قیام اثر کا واقعہ معلوم ہوا جس کا آپ نے مشاہدہ کیا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کوفہ کی جامع مسجد کے وضوخانہ میں تشریف لے گئے اور لوگ وضو کر رہے تھے آپ نے ایک جوان شخص کے اعضاء وضوء سے جو پانی ٹپک رہا تھا اس کو دیکھ کر فرمایا "**یا ولدی تب عن عقوق الوالدین**" اس نے کہا "**تبت الی اللہ عن ذالک**" کہ میں نے اس گناہ سے توبہ کرلی ہے۔

اور دوسرے ایک شخص کا غسالہ دیکھ کر فرمایا اس سے "**یا اخی تب من الزناء**" اس نے کہا کہ میں نے اس سے توبہ کرلی اور ایک تیسرے شخص کا غسالہ دیکھ کر فرمایا "**یا اخی تب من شرب الخمر وسماع آلات اللھو**" اس نے کہا "**تبت منھما**" تو یہ امور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مثل اشیاء محسوسہ کے تھے کہ آپ نے پانی میں جو بدن سے گزر رہا تھا گناہوں کے اثرات دیکھے تھے اور معلوم کرلیتے تھے کہ اس کا استعمال کرنے والا کس گناہ کا مرتکب ہے اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ گناہوں کے اثرات خارج ہوجاتے ہیں لیکن اس کے لئے چشم بصیرت کی ضرورت ہے ہرکس وناکس کی بات نہیں غالباً یہی وجہ ہوگی کہ امام اعظمؒ سے ماء مستعمل کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں جہاں خروج کبائر دیکھا وہاں نجاست غلیظہ فرمایا اور جہاں خروج صغائر دیکھا وہاں نجس بنجاسۃ خفیفہ کا حکم دیا اور جہاں ترک اولیٰ کا اثر دیکھا وہاں طاہر غیر مطہر کا فتویٰ دیا اس سے معلوم ہوا کہ کشف کی حالت میں امام اعظمؒ کا قول ماء مستعمل کے متعلق گناہوں کے ان اثرات کے تابع تھا جن کو آپ غسالہ میں دیکھتے تھے لیکن بعد میں وہ کشف اٹھالیا گیا چنانچہ منقول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ یا الٰہی مجھ سے یہ کشف اٹھالے اور حجاب فرمادے کیوں کہ اس سے لوگوں کے عیوب منکشف ہوتے رہیں گے جو احترام اور اکرام مسلم کے خلاف ہے اور یہ دعا مقبول ہوئی پھر آپ کسی متوضی کے عیب پر متنبہ نہیں ہوئے (**واللہ اعلم بالصواب**)(**فتح الملھم: ۱/ ۴۰۹**)

حتی تخرج من اذنیہ: اس سے امام نسائیؒ نے استدلال کیا ہے کہ دونوں کان داخل سر ہیں کیوں کہ مسح رأس کی وجہ سے دونوں کانوں سے گناہوں کا خروج اس وقت درست ہوگا جب کہ وہ سر میں سے ہوں سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے کہ دونوں کان داخل سر ہیں اور ان کا مسح سر کے ساتھ کیا جاتا ہے حدیث مشہور موجود ہے اور وہ "**الاذنان من الرأس**" ہے، تو امام نسائیؒ اس حدیث سے ہٹ کر حدیث باب کو کیوں اختیار کیا، علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ حدیث مشہور سے ہٹ کر یہ حدیث اس لئے اختیار کی ہے کہ اس حدیث مشہور کے متعلق حماد نے تردد کیا ہے کہ آیا وہ مرفوع ہے یا موقوف اور اس کی اسناد مضبوط نہیں اس میں کلام کیا گیا ہے ہاں اگرچہ اس کا جواب محدثین نے دیا ہے کہ یہ حدیث "**الاذنان من الرأس**" طرق متعددہ سے بطریق مرفوع نقل کی گئی ہے جس سے اس کے مرفوع ہونے کو تقویت حاصل ہے اور حدیث ضعف سے خارج ہوگئی ہے تاہم مصنفؒ نے

جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ نہایت عمدہ اور بہتر ہے جو امام نسائیؒ کی دقت فہم اور وسعت نظر کا نتیجہ ہے۔

یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اس لئے کہ جب مسح سے اس کے تمام گناہ کانوں کے راستے خارج ہوجاتے ہیں تو یہ اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ دونوں کان سر کے تابع ہیں لہٰذا کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا مسنون نہیں بلکہ وہ پانی کافی ہے جو مسح رأس کے لئے لیا گیا ہے اور اکثر احادیث قولیہ اور فعلیہ سے یہی حکم ثابت ہوتا ہے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالکؒ و امام احمدؒ سے ایک اور قول بھی نقل کیا گیا ہے جو مذہب امام شافعیؒ کے موافق ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کانوں کا مسح الگ پانی سے کرنا سنت ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث مرفوع وارد ہوئی ہے حاکم نے اس کو بسند حرملہ عن ابن وہب عن عمرو بن الحارث عن حبان بن واسع عن ابیہ عن عبداللہ بن زید روایت کیا ہے اس میں آیا ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے "**فاخذ ماء لاذنيه خلاف الماء الذى مسح برأسه**" حاکم نے کہا کہ یہ حدیث علی شرط الشیخین صحیح ہے اس سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں کیوں کہ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے مسح کے لئے ماء جدید لیا ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت شاید ہاتھ میں تری باقی نہ رہی ہو اس لئے نیا پانی لیا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک ہی پانی سے سر اور کانوں کا مسح کرتے تھے۔ بہر حال تجدید ماء ہاتھ میں تری باقی نہ رہنے کی صورت میں صرف جواز بتانے کے لئے اختیار فرمائی تھی اور اس روایت کو جس میں دونوں کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کا ذکر آیا ہے اسی پر محمول کیا جائے گا اسی سے دونوں قسم کی احادیث میں مطابقت ہوجاتی ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر دونوں ہاتھ میں تری باقی ہے تو کانوں کا مسح سر کے بچے ہوئے پانی سے کرے نیا پانی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ ماء جدید لینا جائز ہے، جیسا کہ شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کی تصریح کی ہے۔

وصلاتہ نافلة لہ: یعنی اس کا مسجد کی طرف چلنا اور اس کا نماز پڑھنا اس کے واسطے زائد چیز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو سے تو وہ تمام گناہوں سے پاک ہو چکا اب نماز کا عمل زائد ہے جو سبب ہوتا ہے بلندی درجات کا، قالہ الطیبیؒ۔ یا اس کی نماز زائد ہے اعضاء وضوء کے گناہوں کی تکفیر سے اب نماز کی بدولت بقیہ خطایا معاف ہوجائیں گے۔ **(واللہ اعلم)**

باب المسح على العمامة

عمامہ پر مسح کرنے کا بیان

اخبرنا الحسين ابن منصور قال حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش ح واخبرنا الحسين بن منصور قال حدثنا عبد الله بن نمير قال حدثنا الاعمش عن الحكم عن عبد الرحمن بن ابى ليلى عن كعب بن عجزة عن بلال قال رأيت النبى صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين والخمار .

کعب بن عجرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں موزوں اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

واخبرنا الجسین بن عبدالرحمن الجرجرائی عن طلق بن غنّام قال حدثنا زائدة وحفص بن غیاث عن الاعمش عن الحکم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب عن بلال قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین.

براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اخبرنا هناد ابن السری عن وکیع عن شعبة عن الحکم عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن بلال قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخمار والخفین.

عبدالرحمن بن ابی لیلی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ اور دونوں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

تشریح: روایت میں آیا ہے"**یمسح علی الخمار الخ**" یہاں خمار سے مراد عمامہ ہے، عمامہ پر مسح جائز ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور ثوری وابن مبارک رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ مسح رأس کا فریضہ صرف عمامہ پر مسح کرنے سے ادا نہیں ہوگا اسی کو خطابیؒ اور ماوردیؒ نے اکثر علماء کا مذہب نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا کہ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ جمہور علماء باری تعالیٰ کے قول"**وامسحوا برؤسکم**" سے تمسک کرتے ہیں اس میں صراحۃً مسح رأس کا حکم ہے جو غسل رجلین سے بھی زیادہ صریح ہے کیوں کہ وہاں تو دو قراتین ہیں لیکن یہاں مسح رأس کے حکم میں یہ احتمال نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ مسح رأس بدون حائل کے ہونا چاہئے اور ہاتھ کی تری سر پر پہونچ جانی چاہئے اور چونکہ عمامہ سر نہیں اس لئے جس طرح موزے پر مسح کرنے والے کو پاؤں پر مسح کرنے والا کہنا صحیح نہیں ہے اسی طرح عمامہ پر مسح کرنے والا کو ماسح رأس کہنا صحیح نہیں ہے، بہرحال مسح رأس کا حکم نص قطعی سے ثابت ہے اسی طرح سنت متواترہ سے بھی ثابت ہے لیکن مسح علی العمامہ کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے اس لئے وہ احادیث متواترہ کا مقابلہ کیسے کرسکتی ہیں نیز یہ کہ سر اعضاء وضو میں سے ہے اس کی طہارۃ مسح ہے اس لئے بغیر سر کے تنہا حائل (عمامہ) پر مسح جائز نہیں ہے، جیسے تیمم میں کسی نے چہرہ اور ہاتھ پر مسح کرلیا مگر بلا حائل نہیں حائل پر مسح کیا تو باتفاق ائمہ اس کا مسح درست نہیں ہے۔

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ صرف عمامہ پر جواز مسح کا قول درست نہیں ہے اسی لئے امام محمدؒ نے موطأ میں فرمایا ہے کہ ہمیں امام مالکؒ نے بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ خبر دی ہے کہ جب ان سے مسح عمامہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا"**لاحتی یمس الشعر الماء**" کہ جب تک بالوں کو پانی نہ چھولے مسح درست نہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ صرف مسح عمامہ کافی نہیں کیوں کہ قرآن کریم مسح رأس کا حکم دے رہا ہے نہ کہ مسح علی العمامہ کا اور حضرت

جابر ؓ کا یہ فتویٰ بالکل قرآن کے موافق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مسح رأس کے مقدار مفروض جو حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک دو تین بال ہیں، تو اس مقدار مفروض پر مسح کرنے کے بعد پھر اس کی تکمیل عمامہ پر کر لی جائے یہ درست ہے یا نہیں؟

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقدار مفروض پر مسح کرنے کے بعد اگر مسح کی تکمیل عمامہ پر کر لی جائے تو سنت استیعاب ادا ہو جاتی ہے مگر یہ بھی اس وقت ہے جب کہ عمامہ کھولنے میں تکلیف ہوتی ہے ورنہ تکمیل بھی سر پر ہی کی جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ سے اصل مذہب میں کوئی قول منقول نہیں ہے امام محمدؒ سے صرف یہ بات نقل کی گئی ہے کہ عمامہ پر مسح ابتداء میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا البتہ احناف میں سے بعض شارحین حدیث نے مسح علی العمامہ کی احادیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دراصل حضور اکرم ﷺ نے بقدر ناصیہ سر کا مسح کیا تھا اور اس کی تکمیل عمامہ پر فرمائی گویا یہ حضرات شارحین تکمیل کے درجہ میں جواز کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔

امام اوزاعیؒ امام احمدؒ واسحٰقؒ اور ابوثورؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مسح عمامہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے پھر ان میں سے بعض حضرات تو بدون شرائط کے جائز کہتے ہیں مگر امام احمد وغیرہ کچھ شرائط کے ساتھ جائز کہتے ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عمامہ محنک ہو یعنی پگڑی کو ٹھوڑی کے نیچے سے لاکر باندھا گیا ہو جو نہ اٹھانے سے اٹھے اور نہ کھولنے سے کھلے دوسرے یہ کہ عمامہ طہارۃ کاملہ کے بعد باندھا گیا ہو، تیسرے یہ کہ وہ عمامہ پورے سر کو چھپانے والا ہو اور سر کا کوئی حصہ مکشوف نہ ہو ان شرائط کے ساتھ امام احمدؒ صرف عمامہ کا مسح جائز فرماتے ہیں، ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جو حضرت بلال ؓ سے مروی ہے اس میں "یمسح علی الخمار" کا لفظ آیا ہے اور خمار سے مراد عمامہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے عمامہ پر مسح کیا۔

علامہ سندھیؒ نے کہا کہ چونکہ جمہور علماء مسح عمامہ کے قائل نہیں اس لئے اس حدیث باب کا جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے اس لئے کتاب اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیوں کہ قرآن کریم میں ﴿وامسحوا برؤسکم﴾ فرمایا ہے اس سے مسح رأس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور مسح عمامہ کو مسح رأس کہنا صحیح نہیں ہے علاوہ ازیں حدیث باب میں حکایت حال کا بیان ہے اس لئے ممکن ہے کہ وہ عمامہ جس پر حضور اکرم ﷺ نے مسح کیا تھا چھوٹا اور پتلا ہو جس سے تری سر تک سرایت کرتی ہے جیسے لفظ خمار سے اس کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ خمار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بالوں کے ڈھانکنے کے لئے عورت اپنے سر پر باندھتی ہے اور وہ حسب عادت ایسا ہوتا ہے جس سے تری سرایت کرتی ہے جبکہ ہاتھ میں تری زیادہ ہو تو گویا راوی نے بوجہ چھوٹا ہونے اس عمامہ کے مثل خمار کے اس کو لفظ خمار سے تعبیر کیا ہے علاوہ اس کے ایک اور جواب یہ بھی ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ حدیث کا نزول آیت مائدہ سے پہلے کا ہو اور آیت مائدہ کے نزول سے منسوخ ہو گیا ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

علامہ سندھیؒ کے ان دونوں جوابات کی تائید میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جواب اول کی تائید حضرت بلال ؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمدؒ نے بطریق عبدالرحمٰن بن عوف نقل کیا ہے اس میں ومسح علی خفیہ وعلی خمار العمامۃ کے الفاظ آئے ہیں نیز امام احمد نے مسند میں حضرت ثوبان ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے "ومسح علی

الخفین وعلی الخمار ثم العمامة ''ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ خمار عمامہ کے علاوہ دوسرا کپڑا ہے اور شاید اس سے وہ کپڑا مراد ہے جو سر پر عمامہ کے نیچے لپیٹا جاتا ہے جس سے عمامہ تیل وغیرہ کے اثر سے محفوظ رہتا تھا اور وہ بحسب عادت باریک اور پتلا ہوتا تھا اگر ہاتھ میں تری زیادہ ہوتو اس سے تری سرتک سرایت کرتی اب جب اس میں اس کا احتمال موجود ہے تو اس سے مسح عمامہ پر استدلال باطل ہے اور جواب ثانی کی تائید امام محمدؒ کے قول سے ہوتی ہے جو موطأ میں ہے فرمایا'' بلغنا ان المسح علی العمامة کانت فترک '' کہ عمامہ پر مسح پہلے جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

اور یہی جواب حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور محمد بن راشد کی حدیث قولی میں بھی جاری ہوگا بشرطیکہ ان احادیث کی صرف عمامہ کے مسح پر اکتفاء کرنے پر صراحۃً دلالت (یہ حدیث ثوبان کی طرف اشارہ ہے جو ابوداؤد میں ہے) کو اور باعتبار اسناد اس کی صحت کو (یہ اشارہ ہے حدیث محمد بن راشد امسحوا علی الخفین والخمار کی طرف جو مسند احمد میں ہے) تسلیم کرلیا جائے۔

(استدراک الحسن: ۱/۱۱،۱۲)

علامہ خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ اصل حکم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کو فرض کیا ہے اور اس حدیث باب میں تاویل کا احتمال ہے اس لئے حکم قطعی کو احتمال والی حدیث کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتے۔

علامہ ماردینیؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو اس کی اسناد میں اضطراب کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے چنانچہ بعض نے اس کو بلا واسطہ عن ابن ابی لیلیٰ عن بلال روایت کیا ہے، اور بعض نے بواسطہ روایت کیا ہے پھر اس واسطہ میں اختلاف ہوگیا بعض راویوں نے ابن ابی لیلیٰ اور حضرت بلال کے درمیان کعب بن عجرہ کو داخل کیا ہے اور بعض نے براء بن عازب کو داخل کیا ہے اور بعض نے اس کو عن علی بن ابی طالب عن بلال کے عنوان سے روایت کیا ہے، استدراک الحسن (۱/۵) میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ بعض نے اس کو بواسطۂ عبدالرحمٰن بن عوف عن بلال روایت کیا ہے جیسے مسند احمد (۶/۱۲) میں ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کو محمد بن راشد نے بواسطہ مکحول عن نعیم بن حمار عن بلال قولا روایت کیا ہے علاوہ اس کے متن حدیث میں بھی اضطراب ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کبھی تو کہتے ہیں'' مسح رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی الخفین والخمار '' جیسے صحیح مسلم میں ہے اور کبھی کہتے ہیں'' رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یمسح علی الخفین والخمار کما هو عند النسائی '' اور کبھی کہتے ہیں'' مسح علی خفیه وعلی خمار العمامة (کما هو عند احمد بطریق عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ) '' اور کبھی کہتے ہیں'' کان یمسح علی الخفین والخمار '' یہ روایت بھی مسند احمد میں ہے۔

ان تمام روایات میں باوجود اختلاف متون اور اضطراب اسناد کے فعل کی حکایت ہے شارع کا قول نہیں کیوں کہ تمام حفاظ حدیث جنہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان سب نے صرف فعل شارع ہونے کی حکایت کی ہے مگر محمد بن راشد کی ایک روایت جو تمام ثقہ راویوں کے خلاف ہے مسند احمد (۶/۱۳) میں لفظ امر کے ساتھ نقل کی گئی ہے اس کی روایت میں آیا ہے'' امسحوا علی الخفین والخمار ''۔

بہر حال اس بیان مذکور سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حدیث باب کی سند اور متن میں بہت اضطراب ہے اور ایسی مضطرب روایت سے بدون رفع اضطراب کے استدلال صحیح نہیں ہے امام نوویؒ نے کہا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح مسلم میں جیسی ہے اکثر راویوں نے ویسی ہی روایت کی ہے تو شاید اس حدیث کے تمام طرق اور متن میں سے وہ طریق راجح اور محفوظ ہو جس کو امام مسلم نے اختیار کیا ہے اس لئے کہ اس کو اپنی صحیح میں داخل کیا ہے اب اس بات میں کوئی خفا نہیں ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے کیوں کہ تمام ثقہ راویوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فعل شارع ہونے کو بیان کیا ہے صرف محمد بن راشد کی روایت مذکورہ میں قول ہونے کو بیان کیا گیا ہے مگر محفوظ وہی حدیث فعلی ہے جس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے فعلی حدیث کا جواب بعد میں دیں گے قولی حدیث جس کو محمد بن راشد نے روایت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے کہا کہ یہ حدیث منقطع ہے کیوں کہ محمد بن راشد جس مکحول سے روایت کرتے ہیں اس کا سماع نعیم بن حمار سے ثابت نہیں ہے دونوں کے درمیان ایک واسطہ کثیر بن مرۃ کا حذف ہے لہذا حدیث منقطع ہے، اور باوجود اس عیب انقطاع کے احتمال ہے کہ وہ حدیث خاص معذور لوگوں کے لئے وارد ہوئی ہو جیسے حضرت ثوبان کی حدیث جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے خاص ضرورت اور عذر کی حالت میں معذور لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بطور عام سب کے لئے فرمایا ہو اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فعلی حدیث جو امام مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے اسی کو بعض راویوں نے تصرف کر کے قول سے بیان کر دیا ہو۔ (**واللہ اعلم**)

اب کلام فعلی حدیث میں ہے کہ بدون سر کے صرف عمامہ پر مسح درست ہے یا نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اگر عمامہ پر مسح جائز ہوتا تو اس بارے میں بطریق نقل متواتر احادیث وارد ہوتیں جیسے مسح خفین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نسخ قرآن سنت سے جائز ہے بشرطیکہ وہ نقل میں مسح علی الخفین کی حدیث کے برابر ہو، مگر عمامہ کا مسح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تواتر ثابت نہیں ہے اس لئے اس پر مسح دو وجہ سے جائز نہیں ہے ایک تو یہ کہ قرآن پاک کی آیت ﴿**وامسحوا برؤسکم**﴾ مسح رأس کو بتلاتی ہے اس لئے جب تک کوئی قطعی حدیث جو موجب یقین ہو مثل مسح علی الخفین کے سامنے نہ آجائے مسح رأس کے حکم قطعی سے عدول کرنا جائز نہیں ہے اور مسح عمامہ سے متعلق جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہوں یا اور کسی راوی کی ان کی سندوں میں اضطراب ہے اور بقول حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ کے سب معلول ہیں اور اگر ان کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی وہ کتاب اللہ کی آیت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں کیوں کہ وہ اخبار احاد ہیں جن میں تاویل کا احتمال موجود ہے لہذا ان کو قرآن کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی نے عمامہ پر مسح کیا ہے تو عرف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے کیوں کہ سر تو حقیقت میں عضو معروف کو کہتے ہیں جو بالوں سے ڈھکا ہوا ہے اور وہ عمامہ کے مغائر ہونا بالکل ظاہر بات ہے اب عمامہ پر مسح کرنے کو در حقیقت مسح رأس نہیں کہا جا سکتا اس لئے وہ آیت کے مفہوم میں داخل نہیں ہوگا۔

امام بیہقیؒ وغیرہ محدثین نے کہا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہذا میں اختصار ہو گیا ہے مفصل روایت میں ناصیہ اور

عمامہ دونوں پر مسح کا ذکر آیا ہے اس لئے مجمل روایت میں بھی وہی مراد ہے اس تاویل کی صحت بیہقیؒ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ حدیث بلال رضی اللہ عنہ کے بعض طرق میں دونوں کا ذکر ہے چنانچہ امام بیہقیؒ نے بواسطہ ادریس حدیث بلال رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے "مسح علی الخفین وناصیته والعمامة" روایت حدیث کے بعد انہوں نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے اور یہ مثل حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ کے ہے جس میں عمامہ اور ناصیہ دونوں پر مسح کرنے کی تصریح آئی ہے۔

اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے حنابلہ کا اس بات پر استدلال درست نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون مسح رأس کے صرف عمامہ کے مسح پر اکتفاء فرمایا تھا بلکہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سر اور عمامہ دونوں پر مسح کا ذکر کیا ہے لیکن راویوں نے صرف مسح عمامہ پر اقتصار کیا ہے اس لئے کہ وہ غیر متعارف چیز تھی اور بعض نے دونوں کا ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف مسح رأس کا ذکر کیا ہے مسح عمامہ کا ذکر ہی نہیں کیا جیسا کہ آگے باب المسح علی الخفین کے ماتحت ایک روایت آرہی ہے اس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں "ومسح برأسه ومسح علی الخفين ثم صلی" اور غالباً یہ وہی واقعہ ہے جو وہاں بیان کیا گیا ہے۔

بہر حال حدیث باب مجمل ہے اس کے تمام طرق کے الفاظ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے اور واضح ہو جاتی ہے کہ اس واقعہ میں ضرور مسح رأس ہوا ہے اگر پورے سر کا نہیں تو بقدر ناصیہ یعنی چوتھائی سر کا مسح ضرور ہوا ہے جس کو راوی کبھی ذکر کر دیتا ہے اس لئے اس حدیث سے حنابلہ وغیرہ کا تنہا مسح عمامہ کے جواز پر استدلال درست نہیں ہے جب تک کہ کوئی ایسی دلیل پیش نہ کریں کہ جس سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون مسح رأس کے صرف عمامہ پر مسح کیا تھا۔

اس موضوع پر تفصیلی، کافی، شافی بحث اعلاء السنن جلد اول میں کی گئی ہے۔

باب المسح على العمامة مع الناصية

پیشانی کے ساتھ عمامہ پر مسح کرنے کا بیان

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا يحيى بن سعيد قال حدثنا سليمان التيمي قال حدثنا بكر بن عبدالله المزني عن الحسن عن ابن المغيرة بن شعبة عن المغيرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ فمسح ناصيتهٔ وعمامتهٔ وعلى الخفين قال بكر وقد سمعته من ابن المغيرة بن شعبة عن ابيه.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ناصیہ کی طرف سے چوتھائی سر کا مسح کیا اور عمامہ پر بھی مسح کیا اور دونوں موزوں پر بھی۔

اخبرنا عمرو بن علی وحميد بن مسعدة عن يزيد وهو ابن زريع قال حدثنا حميد قال حدثنا بكر بن عبدالله المزني عن حمزة بن المغيرة بن شعبة عن ابيه قال تخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم

فتخلفت معهُ فلما قضٰی حاجتهُ قال أمعک ماء فاتیتهُ بمطهرة فغسل یدیه وغسل وجههُ ثم ذهب یحسر عن ذراعیه فضاق کُمّ الجبة فالقاه علی منکبیه فغسل ذراعیه ومسح بناصیته وعلی العمامة وعلی خفیه.

حمزہ اپنے والد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے (لشکر سے) پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے رہ گیا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہارے پاس پانی ہے پس میں نے ایک برتن پانی کا آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور اپنے چہرہ کو دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو کھولنے لگے مگر جبہ کی آستین تنگ تھی اس لئے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکال لئے اور آستین کو دونوں مونڈھوں پر ڈال دیا پھر دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنی پیشانی پر یعنی چوتھائی حصہ سر پر مسح کیا اور عمامہ پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

تشریح:عن ابن المغیرة بن شعبة :عروہ اور حمزہ دونوں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور دونوں سے حدیث مروی ہے لیکن اس روایت میں ابن مغیرہ سے مراد حمزہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے، قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ابن حمزہ سے مراد اس حدیث میں حمزہ ابن مغیرہ رضی اللہ عنہ ہے اور محدثین کے نزدیک یہی صحیح ہے البتہ عروہ ابن مغیرہ دوسری احادیث کے راوی ہیں اور یہ دونوں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور دونوں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن بکر بن عبد اللہ المزنی کی روایت ابن المغیرہ غیر مسمّٰی اور حمزہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے ہے اس لئے وہ عن ابن المغیرہ یا عن حمزة بن المغیرة رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عن عروة نہیں کہتے اور جس نے بکر بن عبداللہ عن عروة کہا اس سے غلطی واقع ہوگئی۔

فمسح ناصیة وعمامته وعلی الخفین :حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مسح رأس کا عمل نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ناصیہ سر مبارک کا مسح کیا پھر اس کے بعد عمامہ پر مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا، پچھلے باب میں گذر چکا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک بغیر سر کے صرف عمامہ پر مسح جائز نہیں ہے تفصیل وہاں گذر چکی ہے، اس حدیث میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مسح ناصیہ کو مسح عمامہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے یہ صورت درست ہے یا نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بقدر واجب سر پر مسح کے بعد باقی مسح عمامہ پر کر لینے سے سنت استیعاب ادا ہو جاتی ہے یہ بات امام خطابیؒ کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہے آپ نے کہا کہ مسح عمامہ کا انکار اکثر فقہاء نے کیا ہے اور ان حضرات نے حدیث مسح عمامہ کی یہ تاویل کی ہے کہ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر کے کچھ حصہ کے مسح پر اکتفاء فرماتے سامنے اور پیچھے کی طرف سے پورے سر کا مسح نہیں فرماتے تھے اور نہ عمامہ کو سر سے اتارتے اور نہ اس کو کھولتے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اسی صورت کی تفسیر مانا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا حال بیان کرتے ہوئے کہا "**فمسح ناصیتهُ وعمامته**" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ناصیہ سر مبارک کا مسح کیا اس کے بعد عمامہ پر مسح کیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مسح ناصیہ کو مسح عمامہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے تو اس کیفیت سے مسح کی صورت میں جتنی مقدار کا مسح واجب ہے وہ مسح ناصیہ کے برابر سر پر مسح کرنے سے ادا ہو گیا کیوں کہ ناصیہ بھی سر کا جزء ہے اور عمامہ پر مسح بالتبع کیا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا اور بالتبع اس کے نچلے

حصہ پر بھی کیا۔(معالم السنن :۱/ ۵۷)

بہر حال اس سے شوافع کے نزدیک سنت استیعاب مسح رأس یعنی پورے سر پر مسح کی سنت ادا ہو جاتی ہے بشرطیکہ ان کے مسلک کے مطابق بقدر مفروض سر پر مسح کرلیا ہو۔

اب رہی یہ بات کہ حنفیہ کیا کہتے ہیں تو اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی منقول نہیں نیز اکثر احناف مطلقاً مسح عمامہ کا انکار کرتے ہیں البتہ امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں تصریح کی ہے کہ اگر بقدر ناصیہ سر پر مسح کیا پھر تکمیل عمامہ پر کرلی تو ہمارے نزدیک جائز ہے اگر اس صورت میں استیعاب مسح رأس کی سنت ادا نہ ہوتی تو جواز کا قول بظاہر بے فائدہ ہے لہٰذا جواز کا قول اختیار کرنا دلیل ہے سنت استیعاب ادا ہونے کی۔

بہر حال اگر دونوں کا مسح ثابت ہو جائے تو بقول امام جصاصؒ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں لیکن بدون مسح رأس کے صرف مسح عمامہ پر اکتفاء کا انکار کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک مسح ناصیہ کافی نہیں اور نہ وہ عمامہ پر مسح کو جائز کہتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک مسح رأس میں استیعاب بدون حائل کے ضروری ہے اور اصحاب مالکؒ اسی حدیث کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کے سر میں تکلیف تھی اس لئے عمامہ پر مسح کیا تھا قاضی ابوالولید محمد بن رشدؒ نے کہا کہ امام مالکؒ کے نزدیک حائل پر مسح جائز نہیں الا لعلۃ مگر عذر کی وجہ سے اور ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسی حدیث باب سے حنفیہ اور شافعیہ نے استیعاب مسح رأس کی عدم فرضیت پر استدلال کیا ہے اور اسی حدیث سے حنفیہ نے ناصیہ یا چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت پر استدلال کیا ہے اس لئے یہ حدیث مالکیہ اور شافعیہ پر حجت ہے امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ یہ بات تو یقینی ہے کہ حضور اکرم ﷺ مقدار مفروض کو نہیں چھوڑتے تھے اور ممکن ہے کہ غیر مفروض حصہ کا بطور سنت کرتے ہوں گے اب جب دونوں عمل حضور ﷺ سے منقول ہیں کہ بعض اوقات مقدار ناصیہ کے مسح پر اقتصار مروی ہے اور دوسری روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا ہے تو ہم نے دونوں قسم کی احادیث پر عمل کیا ہے کہ مقدار ناصیہ کو فرض قرار دیا ہے کیوں کہ اس سے کم مقدار پر مسح کی کوئی روایت منقول نہیں ہے اور ناصیہ سے زائد حصہ پر مسح کو ہم نے سنت قرار دیا ہے نیز اگر مقدار ناصیہ سے کم مفروض ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس مقدار مفروض کو بیان کردینے کی غرض سے بعض اوقات اس پر اکتفاء فرماتے جیسا کہ بعض احوال میں مسح ناصیہ پر اکتفاء فرمایا ہے تو جب آپ ﷺ سے مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں تو یہ عدم ثبوت اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ مقدار ناصیہ ہی مفروض ہے۔

ابن رشد نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ احتمال ہے کہ ناصیہ کا مسح کسی عذر کی بناء پر کیا ہو یا بغیر حدث کے وضوء علی الوضوء کی حالت میں کیا ہوگا، امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے ان کے جواب کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس موقع پر کوئی عذر ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا جیسے مسح عمامہ وغیرہ کو نقل کیا گیا ہے اور اس کا قائل ہونا کہ مسح ناصیہ وضوء علی الوضوء کی حالت میں ہوا ہوگا ہم اس کو تسلیم

نہیں کرتے یہ ایسی تاویل ہے جو نا قابل اعتبار ہے کیوں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء حاجت کی پھر وضو فرمایا اور ناصیہ پر مسح کیا اس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو بعد حدث کے کیا تھا اور اگر مسح ناصیہ کے بارے میں اس تاویل مذکور کو جائز مان لیا جائے تو پھر مسح خفین میں بھی یہی تاویل کرو کیوں کہ اس وضو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر بھی مسح کیا تھا تو کیا یہاں بھی مالکیہ اس کے قائل ہوں گے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح ضرورۃ اور عذر کی وجہ سے کیا ہوگا یا بغیر حدث کے وضو علی الوضوء کی حالت میں کیا ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، غرض یہ کہ جب ربع رأس یعنی چوتھائی سر سے کم کی کوئی روایت موجود نہیں تو اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو آیت مبارکہ ﴿وامسحوا برؤسکم﴾ کے اجمال کا بیان قرار دیکر مراد متعین کی گئی کہ وہ ربع رأس ہے جس کو ناصیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ناصیہ آگے کی جانب سے چوتھائی حصہ سر کو کہتے ہیں ابوداؤد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مقدار ربع رأس بیان کی گئی ہے ''فمسح مقدم رأسه ولم ينقض العمامة'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اور جس جگہ سند سے سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک قابلِ تسلیم ہوتی ہے اب آیت کریمہ کی مراد متعین ہوگئی کہ وہ ربع رأس ہے اور جن روایات میں پورے سر پر مسح کا ذکر آیا ہے وہ سنت اور کمال پر محمول ہیں۔

باب كيف المسح على العمامة

عمامہ پر کس طرح مسح کیا جائے اس کا بیان

اخبرنا يعقوب بن ابراهيم قال حدثنا هشيم قال اخبرنا يونس ابن عبيد عن ابن سيرين قال اخبرني عمرو بن وهب الثقفي قال سمعت المغيرة بن شعبة قال خصلتان لا أسأل عنهما احداً بعد ما شهدت من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنا معه في سفر فبرز لحاجته ثم جاء فتوضأ ومسح بناصيته وجانبي عمامته ومسح على خفيه قال وصلوة الامام خلف الرجل من رعيته فشهدت من رسول الله صلى الله عليه وسلم انهٔ كان في سفر فحضرت الصلوٰة فاحتبس عليهم النبي صلى الله عليه وسلم فاقاموا الصلوٰة وقدموا ابن عوف رضی اللہ عنہ فصلّى بهم فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى خلف ابن عوف رضی اللہ عنہ مابقي من الصلوٰة فلمّا سلم ابن عوف قام النبي صلى الله عليه وسلم فقضٰى ما سُبق به .

عمرو بن وہب ثقفی کہتے ہیں کہ میں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا کہ دو عمل ایسے ہیں کہ جب میں نے خود ہی ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اور کسی سے نہیں پوچھوں گا ایک تو یہ کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ حاجت پوری کرنے کے لئے تشریف لے گئے پھر فارغ ہونے کے بعد تشریف لائے اور وضو فرمایا اور ناصیہ کا مسح کیا اور پگڑی کے دونوں کناروں پر بھی مسح کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا دوسرا عمل یہ کہ امام کا اپنی رعایا میں سے ایک شخص کے پیچھے اقتداء کرنا ہے پس میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے صبح کی نماز کا وقت ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے

لئے گئے تھے آپ ﷺ کی تشریف آوری میں دیر لگی تو لوگوں نے نماز پڑھانے کے لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا اور وہ لوگوں کو نماز پڑھانے لگے پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے جو نماز مل گئی وہ پڑھ لی پھر جب ابن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور جو رکعت گذر گئی تھی اس کو ادا کیا۔

تشریح: کنا معه فی سفر الخ :اس سفر سے مراد غزوۂ تبوک کا سفر ہے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں عباد بن زیاد کی روایت میں اس کی تصریح ہے اور یہ غزوہ ۹ ھ میں ہوا تھا اور حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ سفر سے واپس آنے کے وقت واقع ہوا تھا حضرت مغیرہ کی یہ حدیث طرق کثیرہ سے مروی ہے یہاں تک کہ بزار نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضرت مغیرہ کی حدیث کو ان سے ساٹھ راویوں نے روایت کیا ہے مگر الفاظ مختلف ہیں پچھلے باب کی روایت میں ''فمسح ناصیته وعمامته'' کے الفاظ آئے ہیں بعض روایات میں ''وضع یدہٗ علی عمامته'' اور بعض میں ''ومسح فوق العمامة'' جیسے ابوداؤد میں ہے اور حدیث باب میں ''ومسح جانبی عمامته'' آیا ہے وغیر ذالک۔

بہرحال حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وضو میں تمام سر کا مسح نہیں فرمایا بلکہ سر کی اگلی جانب سے بقدر ناصیہ یعنی چوتھائی سر کا مسح فرمایا پھر ادائے سنت کے واسطے بجائے تمام مسح سر کے پگڑی پر مسح کر لیا عمامہ پر مسح کس طرح کیا اس کا بیان اس حدیث میں ہے جس کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ''وجانبی عمامته'' کے عنوان سے ذکر فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عمامہ کے دونوں کناروں پر مسح فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تمام سر کا مسح فرض نہیں ہے، فتح الباری اور عینی میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چوتھائی سر کا مسح کافی ہے اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب سر کا مسح کرنا چاہتے ''رفع القلنسوة ومسح مقدم رأسه'' تو ٹوپی اٹھا کر سر کے اگلے حصہ کا مسح کرتے تھے اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور تعلیق المغنی میں ہے سندہٗ صحیح کہ اس کی سند صحیح ہے اور ان کے اس عمل پر صحابہ کرام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا جیسے ابن حزمؒ نے کہا۔

تو معلوم ہوا کہ استیعاب مسح رأس سلف کے نزدیک بھی فرض نہیں تھا۔

اس حدیث سے متعلق بعض دوسرے مسائل ماقبل میں صفۃ الوضوء کے ماتحت گذر چکے ہیں۔

باب ایجاب غسل الرجلین

غسل رجلین کے واجب ہونے کا بیان

اخبرنا قتیبة بن سعید قال حدثنا یزید بن زریع عن شعبة ح واخبرنا مؤمل بن هشام حدثنا اسماعیل عن شعبة عن محمد بن زیاد عن ابی هریرة قال قال ابو القاسم صلی الله علیه وسلم ویل للعقب من النار.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ایڑی کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان ح واخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا عبدالرحمن قال حدثنا سفیان واللفظ له عن منصور عن هلال بن یساف عن ابی یحیی عن عبد اللہ بن عمرو قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوماً یتوضؤن فرای اعقابھم تلوح فقال ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کررہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایڑیاں خشک دیکھ کر فرمایا بڑی ہلاکت ہے ایڑیوں کے واسطے آگ سے وضوخوب اچھی طرح کیا کرو۔

تشریح: حدیث باب کی دلالت مقصود پر ظاہر ہے کہ وضو میں دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے امام نسائیؒ نے اسی غرض سے اس باب کو قائم کیا ہے تاکہ روافض کا قول رد ہو جائے جو کہتے ہیں کہ وضو میں رجلین کا فریضہ مسح ہے غسل نہیں۔

دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نسائی کی روایت میں اختصار ہے امام مسلمؒ نے پوری حدیث روایت کی ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**قال رجعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکة الی المدینة حتی اذا کنا بماء الطریق الخ**'' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ لوٹے یہاں تک کہ ہم پانی پر پہنچے جو راستہ میں تھا ایک قافلہ آگے بڑھ گیا اس وقت عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا ان لوگوں نے بوجہ تنگی وقت کے جلدی جلدی وضو کیا پھر ہم ان کے پاس پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا یہ عمل دیکھا کہ انہوں نے وضو کامل نہیں کیا اور جلدی میں ان کی ایڑیاں خشک رہ گئیں تھیں کہ ان کو پانی نہیں پہنچا تھا اسی موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید سنائی ''**ویل للاعقاب من النار الخ**''۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور راجح یہی ہے کہ انکا یہ سفر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں ہوا تھا اس لئے کہ وہ اگرچہ غزوۂ فتح مکہ کے سفر میں بھی شریک تھے مگر اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف نہیں لوٹے بلکہ جعرانہ سے لوٹے تھے اور یہاں وہ خود کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹے ''**من مکة الی المدینة**'' اس لئے تحقیقی بات وہی ہوگی جو مذکور ہو چکی ہے اور اس کا احتمال بھی ہے کہ وہ سفر عمرۃ القضاء کا ہو کیوں کہ ان کی ہجرت اسی وقت یا اس کے قریب زمانہ میں ہوئی تھی۔

لفظ ویل دھمکی اور ناخوشی کا کلمہ ہے علماء نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعضوں نے کہا کہ اس کے معنی شدت عذاب کے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ وہ ایک پہاڑ ہے پیپ اور لہو کا دوزخ میں اور بعض علماء نے کہا کہ وہ کلمہ عذاب ہے جو ان لوگوں کو آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہونے کی خبر دے رہا ہے، قاضی عیاضؒ نے کہا کہ وہ ایک وادی (نالہ) ہے دوزخ میں حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اس کے معنی میں زیادہ صحیح قول وہی ہے جو ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حدیث حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ویل ایک وادی ہے دوزخ میں۔

ترکیب کے لحاظ سے ویل مبتداء ہے اور للاعقاب خبر ہے اور لفظ ویل اگرچہ نکرہ ہے پھر بھی چونکہ وہ دعا کے قبیل سے ہے

اس لئے اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہے اور پہلی حدیث میں عقب مفرد اور دوسری حدیث میں جمع کا لفظ اعقاب آیا ہے تو اول میں عقب سے جنس مراد ہے اور دوسری میں صیغۂ جمع اس لحاظ سے ہے کہ یہ حدیث ایک قوم کے بارے میں وارد ہوئی ہے جنہوں نے غسل رجلین میں غفلت اور کوتاہی کی تھی اب جمع کو معنی تثنیہ پر محمول کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ ہے کہ عذاب الیم اس شخص کو دیا جائے گا جس کی ایڑی خشک رہ گئی تھی یا صرف ایڑی کو عذاب دیا جائے گا الفاظ حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عذاب ایڑی کو ہوگا، قاضی عیاضؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دردناک عذاب دوزخ کا صرف ایڑیوں کو ہوگا یا بوجہ خشک چھوڑ دینے ایڑی کے ایڑی والے کو ہوگا یا عذاب پوری ایڑی کو بھی نہیں دیا جائے گا بلکہ دھوئے ہوئے پیروں میں سے ایڑیوں کی طرف سے جتنا حصہ خشک رہے گا اسی کو عذاب ہوگا باقی مواضع وضو کو آگ نہیں لگے گی جیسا کہ حدیث میں موضع سجود کے متعلق آیا ہے کہ دوزخ کی آگ اس پر حرام کردی گئی ہے جبکہ انسان کے باقی جسم کو آگ کھا جائے گی احمد بن نصر بھی اسی کے قائل ہیں، زین العرب نے کہا کہ دوزخ کی آگ انسان کی ایڑیوں میں سے انہی مواضع تک پہونچے گی جن کو پانی نہیں پہونچا تھا، اس تقریر سے معلوم ہوا کہ عذاب ان ایڑیوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جن کے دھونے میں کوتاہی واقع ہوئی مگر امام بغویؒ نے کہا کہ ارشاد مبارکہ کے معنی یہ ہیں "**ویل لاصحاب الاعقاب المقصرین فی غسلها**" کہ انہی ایڑی والوں کے لئے ہلاک عظیم ہے جو غسل اعقاب میں کوتاہی کرنے والے ہیں، اس قول کی بناء پر عذاب انسان کے پورے بدن کو دیا جائے گا تو گویا ایک جزء کا ذکر کیا گیا لیکن مراد کل ہے جیسے نصوص میں رقبہ کا لفظ آیا ہے مگر اس سے مراد کل عبد یعنی غلام ہے۔

زرقانیؒ نے کہا کہ اعقاب کے ساتھ دوسرے ان اعضاء کو بھی شامل کیا جائے گا جن کو لوگ غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے پوری طرح نہیں دھوتے لیکن اس روایت میں خاص طور سے اعقاب کا ذکر صورۃ سبب کی بناء پر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایڑی کے علاوہ بھی اگر کسی عضو مغسول میں ناخن کے برابر بھی خشک جگہ رہ گئی تو اس وعید مذکور کا مستحق ہوگا اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کو امام طحاویؒ نے روایت کیا ہے اس میں "**ویل للاعقاب وبطون الاقدام من النار**" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اب جو شخص روافض کی طرح وضو کرے یعنی اپنی ایڑی اور دونوں پیروں کے باطنی حصے کو نہیں دھویا بلکہ بالائی حصہ پر مسح کیا تو اس کی ایڑی اور باطن قدم کو یا اس کے فاعل کو دوزخ کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔

بہر حال حدیث باب اور اس جیسی دوسری احادیث اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے اور اس کے چھوڑنے پر سخت وعید ہے مسح کافی نہیں یہی جمہور صحابہ کرام اور فقہاء کا مذہب ہے اور اس کے خلاف سوائے فرقۂ امامیہ کے کسی امام سے ثابت نہیں ہے، اور جن صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو بیان کیا ہے جیسے حضرت علی، حضرت عثمان، عبداللہ بن زید، جابر، ابو ہریرہ، اور عبداللہ بن عمرو وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں مبارک کو دھوتے تھے اگر موزہ پہنے ہوئے نہ ہوتے، اور اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہوئی ہیں جو مرتبۂ تواتر کو پہونچتی ہیں اور خود راوی حدیث باب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ بھی بتلاتے ہیں کہ خالی پیروں کا حکم غسل ہے اور اس میں تمام

پاؤں کا دھونا ضروری ہے بخلاف پاؤں کے مسح کے جس کے شیعہ لوگ قائل ہیں اس میں کوئی بھی فرضیت استیعاب کا قائل نہیں، نیز وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ وضو میں پیروں کا وظیفہ مسح ہے ان کے نزدیک مسح پاؤں کے بالائی حصہ پر ہے وہ ایڑی پر مسح کو واجب نہیں کہتے اس لئے حدیث باب ان پر حجت ہے کیوں کہ ان حضرات صحابہ کی کوتاہی پر سختی کے ساتھ انکار فرمانے اور سخت وعید کا تعلق ایڑی کی جانب ترک غسل سے ہے جس کی'' ویل للاعقاب من النار '' کے الفاظ وعید جو تقریباً دس صحابہ کرام سے مروی ہیں خبر دے رہے ہیں کہ ان لوگوں نے پیروں کو بے شک دھویا تھا مگر اہتمام کے ساتھ نہیں دھویا بوجہ تنگی وقت کے نماز فوت ہو جانے کے اندیشہ سے جلدی جلدی دھویا تھا جس کا انجام یہ ہوا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ گئیں تھیں پھر شاید عدم اصابۃ ماء کا ان کو علم نہ ہوا ہوگا یا انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ اکثر کو کل کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس لئے اکثر قدم کے غسل پر اکتفاء کیا ہو جیسا کہ حضرت علامہ خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں فرمایا تو اس پر حضور ﷺ نے وعید کے الفاظ ارشاد فرمائے جو بلاشبہ غسل رجلین پر دلالت کرر ہے ہیں اور غسل میں استیعاب فرض ہے۔

نیز یہ کہ اگر دونوں پیروں پر مسح جائز ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کم از کم بیان جواز کی غرض سے اپنی پوری زندگی میں ایک ہی مرتبہ سہی ضرور اس عمل کو کرتے اور ضرور آپ ﷺ سے نقل کیا جاتا حالانکہ اس کو کسی صحابی نے بھی سوائے مسح خفین کے بالکل نقل نہیں کیا تو یہ ساری باتیں اس کی طرف رہنمائی کررہی ہیں کہ خالی پیروں پر مسح قطعی طور پر جائز نہیں ہے اور اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے مگر روافض خلاف عقل و نقل اس کے جواز کے قائل ہوئے ہیں اور وہ ارجلکم کی قرأۃ جر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے استدلال درست نہیں کیوں کہ قرأۃ نصب اس کے معارض ہے اور جر وارجلکم پر مجاورۃ کی وجہ سے آیا ہے نہ اس وجہ سے کہ پاؤں کا حکم بھی مثل سر کے مسح ہے جیسے اہل زبان کے نزدیک مشہور مثال ہے جحر ضب خرب، ماء شن بارد، خرب جحر کی صفت ہے اور بارد ماء کی صفت ہے لیکن ضب کی مجاورۃ اور شن کی مجاورۃ کی وجہ سے لفظ خرب اور بارد کو مکسور پڑھا گیا ہے، نیز قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿عذاب یوم الیم﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿عذاب یوم محیط﴾ یہاں الیم عذاب کی صفت ہے اور عذاب مفعول ہونے کی وجہ بناء پر منصوب ہے اس لئے ضابطہ کے اعتبار سے لفظ الیم بھی منصوب ہونا چاہئے لیکن یوم کی مجاورۃ کی وجہ سے اس پر جر پڑھا گیا ہے اسی طرح دوسرے ارشاد میں محیط صفت ہے عذاب کی لیکن اس پر جر جو آگیا ہے وہ لفظ یوم کی مجاورۃ کا اثر ہے۔

غرض کہ اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ وارجلکم کا کسرہ لفظی جر جوار کا اثر ہے یعنی ارجلکم کا ماقبل مجرور ہے اس لئے اس کے ساتھ اتصال اور مجاورۃ کی بناء پر ارجل کو بھی مجرور پڑھا گیا ہے ورنہ اصلی اعراب کے اعتبار سے وہ منصوب ہے اور اس سے اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اور اس کی تائید صحیح احادیث متواترہ اور مشہورہ سے ہوتی ہے جن میں غسل رجلین کا بیان آیا ہے۔

(بذل المجهود: ١/ ٦٢)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ ان روافض کے دل و دماغ میں خواہش نفسانی گھس گئی ہے اس لئے انہوں نے ظاہر آیت سے حجت پکڑتے ہوئے غسل رجلین کا انکار کردیا وہ کچھ بھی کہیں اس کا کوئی بھی اعتبار نہیں ہے اور میرے نزدیک غسل

رجلین کا جھٹلانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص غزوہ بدر اور غزوہ احد کا انکار کردے حالانکہ وہ الشمس فی رابعة النهار کی طرح ایک واضح حقیقت ہے۔

بعضوں نے دونوں قرأتوں کو دو حالتوں پر رکھا ہے ارجلکم فتح کے ساتھ بلاخفین پر اور کسرہ کے ساتھ موزے پہنے ہوئے ہونے کی حالت پر محمول کیا ہے جیسا کہ آلم غلبت الروم کو معروف اور مجہول دونوں قرأت کے ساتھ پڑھا گیا ہے دو حالتوں کے اعتبار سے ایسا ہی یہاں بھی دو حالتوں پر مبنی ہے۔

باب بأی الرجلین یبدأ بالغسل

اس بیان میں کہ دونوں پیروں میں سے کونسا پاؤں پہلے دھونا چاہیے

اخبرنا محمد بن عبدالاعلى قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة قال اخبرني الاشعث قال سمعت ابي يحدث عن مسروق عن عائشة رضي الله عنها وذكرت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن ما استطاع في طهوره ونعله وترجله، قال شعبة ثم سمعت الاشعث بواسط يقول يحب التيامن فذكر شانه كلّه ثم سمعته بالكوفة يقول يحب التيامن ما استطاع.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں اور جوتا پہننے میں اور کنگھی کرنے میں حتی الامکان داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

تشریح: حدیث کی دلالت مقصود باب پر ظاہر ہے کہ ترتیب وار وضو کرتے ہوئے جب پاؤں تک پہنچیں تو پہلے دائیں پاؤں کو دھولیں پھر بائیں پاؤں کو اس لئے کہ حدیث میں تیامن کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی داہنی جانب سے شروع کرنے کے ہیں اور دائیں کو بائیں پر فوقیت اور اولویت ہے اس لئے ابتداء کا حق بھی اسی کو حاصل ہے اور اس تیامن کی رعایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق تمام اچھے کاموں میں فرماتے تھے خواہ وہ طہارت سے متعلق ہو یا جوتے پہننے سے یا کنگھی کرنے وغیرہ سے متعلق ہو البتہ وہ امور جن میں شمال یعنی بائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو مقدم کیا جاتا ہے مثلاً ناک صاف کرنا بیت الخلاء میں جانا وغیرہ ان میں تیامن کی رعایت نہیں کی جائے گی ان میں شمال کا استعمال مطلوب ہے شرح وقایہ میں ہے کہ تیامن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بن گئی تھی پھر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے اس لئے استحباب ثابت ہوا، فیض الباری میں ہے کہ حضرت انور شاہ کشمیری صاحبؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی کسی قوم میں تیامن کی رعایت نہیں یہاں تک کہ اکثر غیر اقوام کا لکھنا بھی بائیں جانب سے ہوتا ہے۔

مشکوۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پسند کرنے کا اختیار دیا تو آپ نے یمین کو انتخاب کیا'' وكلتا يدى الرحمن يمين '' اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں، بہرحال حضرت آدم علیہ السلام کا یہ انتخاب نہایت اچھا تھا پھر آپ کا یہ اختیار آپ کی اولاد میں بھی جاری ہوگیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سلام کیا اور فرشتوں نے ان کو

سلام کا جواب پیش کیا تو سنت کا یہ طریقہ بھی ان کی اولاد میں جاری ہو گیا اسی طرح اور بھی بہت سی چیزیں میرے علم میں آئیں جن کو باری تعالیٰ کے مقربین نے اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف قبولیت کا درجہ عطا فرمایا پھر وہ شرائع انبیاء علیہم السلام کی سنتیں بن گئیں۔

غرض کہ ہر پسندیدہ اور اچھے کام کو تیامن یعنی داہنی جانب سے شروع کرنا مسلمانوں کا امتیازی اور مذہبی شعار بن گیا ہے مگر افسوس ہے کہ عام لوگوں کا کیا کہنا بہت سے علماء اور طلباء بھی تیامن کا اہتمام نہیں کرتے ہیں۔

قال شعبة سمعت الاشعث بواسط الخ: شعبہ کہتے ہیں کہ میرے شیخ اشعث بن عبداللہ نے ما استطاع کا لفظ بھی روایت کیا ہے جب وہ شہر واسط میں تھے وہاں ان سے صرف ''یحب التیامن فی شانہ کلہ فی طھورہ الخ'' کہتے ہوئے سنا پھر جب وہ کوفہ پہنچے تو یحب التیامن کے بعد ما استطاع کا لفظ بھی روایت کرتے ہوئے سنا ہے تو لفظ ما استطاع سے تیامن کی اہمیت اور قابل توجہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب تک ہو سکتا تھا یعنی کوئی خاص عذر مانع نہ ہوتا تو پیغمبر علیہ السلام طہارت وغیرہ میں داہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، حدیث میں تین چیزیں بطریق تمثیل بیان کی ہیں ورنہ حضور اکرم ﷺ وضو اور غسل میں کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں، غرض کہ ہر اس کام میں جو تکریم اور زینت کے باب سے ہے داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اور جو امور باب تکریم سے نہیں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے مثلاً مسجد سے نکلنا پاخانہ اور پیشاب خانہ میں جانا جوتا اتارنا وغیرہ۔

اور اس تقریر مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شرافت والی چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے اس صورت میں ہے جبکہ کوئی امر مانع نہ ہو لیکن اگر کوئی مشکل اور تکلیف مانع ہو تو تیامن کی رعایت چھوڑ دے جیسے رکوب کا معاملہ ہے کہ سوار ہونے کے لئے رکاب میں بایاں پاؤں پہلے رکھنے سے زیادہ آسانی اور سہولت ہوتی ہے۔

غسل الرجلین بالیدین

دونوں پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے دھونے کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد قال حدثنا شعبة قال اخبرنی ابو جعفر المدنی قال سمعت ابن عثمان بن حنیف یعنی عمارة قال حدثنی القیسی انه کان مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فأتی بماء فقال علٰی یدیه من الاناء فغسلهما مرة وغسل وجههٗ وذراعیه مرة مرة وغسل رجلیه بیمینه کلتیهما.

عمارہ بن عثمان کہتے ہیں کہ قیسی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ایک سفر میں وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا آپ کی خدمت مبارکہ میں پانی پیش کیا گیا برتن سے دونوں ہاتھ پر پانی ڈالا اور ان کو ایک مرتبہ دھویا اور چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو (کہنیوں) تک ایک ایک مرتبہ دھویا اور دونوں پاؤں کو اپنے داہنے ہاتھ سے دھویا۔

تشریح: بعض نسخ میں" وغسل رجلیه بیدیه کلتیهما "کے الفاظ ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے اس وضو میں پیروں کو دونوں ہاتھوں سے دھویا تھا مطلب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پاؤں کو دائیں ہاتھ سے دھویا البتہ بائیں ہاتھ کو پاؤں کے نیچے لگا لیا تھا تا کہ اس کو سہارا مل جائے اور اس کو اٹھائے رکھے ورنہ بائیں ہاتھ کو غسل رجلین میں کوئی دخل نہیں لیکن راوی نے خیال کیا کہ پاؤں دھونے کے عمل میں بایاں ہاتھ بھی شریک رہا اس لئے بیدیہ کلتیہما نقل کر دیا۔ (و الله اعلم بالصواب)

الامر بتخليل الاصابع

انگلیوں میں خلال کرنے کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم قال اخبرنا يحيى بن سليم عن اسماعيل بن كثير وكان يكنى اباهاشم ح واخبرنا محمد بن رافع قال حدثنا يحيى بن آدم قال حدثنا سفيان عن ابى هاشم عن عاصم بن لقيط عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا توضأت فاسبغ الوضوء وخلل بين الاصابع.

عاصم اپنے والد لقیط بن صبرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم وضو کرنے لگو تو کامل وضو کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔

تشریح: **وخلل بين الاصابع**: اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری روایات سے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہیں تخلیل اصابع کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور چونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لئے ہاتھ اور پاؤں دونوں کی انگلیوں کو شامل ہے اس مسئلہ میں تو کوئی خفا ہی نہیں ہے کہ اگر بغیر تخلیل کے پانی اعضاء تک نہ پہنچے تو فرض غسل ادا کرنے کے لئے تخلیل واجب ہے اور اگر بغیر خلال کرنے کے پانی پہونچ جائے تو وہ کوئی ضروری نہیں مستحب ہے ابن رشد مالکیؒ نے مقدمات میں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا مستحبات وضو میں سے شمار کیا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مستحب ہے جیسا کہ شرح المہذب للنووی میں ہے۔

بدائع اور بحرالرائق میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلال کرنا ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا سنت ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی سنت ہے جیسا کہ المغنی لابن قدامہ میں اس کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے کہا کہ ہاتھ کے مقابلہ میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال زیادہ مؤکد ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پاؤں کی انگلیوں میں اکثر انضمام ہوتا ہے بہر حال احناف اور اکثر علماء تخلیل اصابع کو سنت کہتے ہیں اور حدیث میں جو صیغۂ امر آیا ہے وہ یہاں وجوب کے لئے نہیں استحباب کے لئے ہے اس لئے کہ صارف اور مانع موجود ہے اور وہ تعلیم اعرابی ہے اس کو وضو کی جو تعلیم دی گئی اس میں تخلیل کا ذکر نہیں ہے اس لئے صیغۂ امر کو استحباب پر محمول کیا جائے گا نیز یہ کہ حضرت رفاعہ بن رافع کی حدیث جو طحاوی میں موجود ہے اس سے بھی وجوب تخلیل کی نفی ہوتی ہے لہٰذا قاضی شوکانی وغیرہ نے ظاہر حدیث کی بناء پر وجوب تخلیل کا دعویٰ جو کیا ہے وہ غیر موجہ ہے۔ (و الله اعلم بالصواب)

خلال کرنے کی کیفیت فقہاء کرام نے یہ بتائی ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اس طرح کیا

جائے کہ دائیں پاؤں کی خنصر سے شروع کرے تاکہ تیامن پر عمل ہو جائے اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے اور یدین کے اصابع کا خلال تو اس میں تشبیک یعنی بعض انگلیوں میں بعض کو داخل کرے۔

(هكذا في البحر وشرح المهذب والمغنى وفتح القدير)

عدد غسل الرجلين

وضو میں پیروں کو کتنی مرتبہ دھونا چاہئے اس کا بیان

اخبرنا محمد بن آدم عن ابن ابی زائدة قال حدثنی ابی وغيره عن ابی اسحق عن ابی حية الوادعی قال رأيت عليا توضأ فغسل كفيه ثلثا وتمضمض ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجهه ثلثا وذراعيه ثلثا ثلثا ومسح رأسه وغسل رجليه ثلثا ثلثا ثم قال هذا وضوءُ رسول الله صلى الله عليه وسلم.

عن ابی زائدة: ان کا نام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدة ہمدانی کوفی ہے ہمدانی سکون میم کے ساتھ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے وہ ثقہ اور کامل الضبط ہیں ان کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا، یہاں ان کو اپنے دادا ابی زائدہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن وہ اپنے دادا سے نہیں بلکہ اپنے والد زکریا سے راوی ہیں ان کے والد کا سماع ابواسحٰق سے ثابت ہے اور وہ ثقہ ہیں۔

روایت تو وہی ہے جو عنوان ''عدد غسل اليدين'' میں گذر چکی ہے باقی ترجمہ دوسرا رکھا ہے حدیث کی تشریح اور ترجمہ وہاں ملاحظہ ہو۔

باب حدالغسل

غسل اعضاء کی حد کا بیان

اخبرنا احمد بن عمروبن السرح والحارث بن مسكين قراءة عليه وانا اسمع واللفظ له عن ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب ان عطاء بن يزيد الليثى اخبره ان حمران مولى عثمان اخبره ان عثمان دعا بوضوءٍ فتوضأ فغسل كفيه ثلث مراتٍ ثم تمضمض واستنشق ثم غسل وجهه ثلث مراتٍ ثم غسل يده اليمنى الى المرفق ثلث مراتٍ ثم غسل يده اليسرى مثل ذلك ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى الى الكعبين ثلث مراتٍ ثم غسل رجله اليسرى مثل ذلك ثم قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ نحو وضوئى هذا ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ نحو وضوئى هذا ثم قام فركع ركعتين لايحدث فيهما نفسه غُفرله ما تقدم من ذنبه.

یہاں بھی روایت وہی ہے جو عنوان '' المضمضة والاستنشاق '' کے ماتحت آچکی ہے باقی ترجمہ بدل دیا ہے ترجمۂ حدیث اور تشریح کے لئے وہاں ملاحظہ کیجئے

باب الوضوء فی النعل

جوتے پہنے ہوئے ہونے کی حالت میں پیروں کا حکم غسل کا ہے

اخبرنا محمد بن العلآء قال حدثنا ابن ادریس عن عبیداللہ ومالک وابن جریج عن المقبری عن عبید بن جریج قال قلت لابن عمر رأیتک تلبس هذه النعال السبتیة وتتوضأ فیها قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یلبسها ویتوضأ فیها.

عبید بن جریج سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ سبتی چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں اور بغیر اتارے اسی کے اندر آپ پاؤں کو دھوتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اس قسم کے جوتے پہنتے تھے جن میں بال نہ ہوں اور ان میں وضو فرماتے تھے۔

تشریح: امام نسائیؒ نے لفظ وضو سے غسل رجل یعنی پاؤں دھونا مراد لیا ہے کیوں کہ ترجمہ میں لفظ وضو لائے ہیں جو دھونے کے معنی میں متعارف اور متبادر ہے نہ کہ مسح کے معنی میں اور فی النعل کا مطلب یہ ہے کہ اگر وضو کرنے والے جوتے پہنے ہوئے ہوں اور پاؤں موزے میں نہ ہوں تو غسل متعین ہے اور اس متوضی پر دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے مسح خفین کی طرح جوتوں اور چپلوں پر مسح ہرگز درست نہیں اور کوئی بھی ان پر مسح کے جواز کے قائل نہیں اب وضو کرنے والے کو اختیار ہے خواہ جوتے اتار کر اپنے پیروں کو دھولیں یا جوتے اتارے بغیر انہی کے اندر دھولئے جائیں بشرطیکہ وہ جوتے عرب کے جوتوں کی ترکیب اور ساخت پر ہوں اور چونکہ عرب کے جوتوں اور چپلوں میں تسمہ اور چمڑہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے اس لئے پاؤں کے پورے حصے پر پانی پہنچانے میں کوئی مشکل اور دشواری نہیں ہوتی اگرچہ پاؤں جوتے میں ہوں اور حدیث کے الفاظ ویتوضأ فیہا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ علامہ عینیؒ وغیرہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جوتے اتارے بغیر دونوں پاؤں جوتے کے اندر ہی دھولئے ہیں کیوں کہ لفظ فیہا ظرف ہے، یتوضأ کا اور اسی سے متعلق ہے۔

ابوداؤد میں باب صفۃ وضوء النبی ﷺ کے ماتحت ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**وفیها النعل ففتلها بها ثم الاخری مثل ذالک الخ**'' کہ حضور ﷺ جوتے پہنے ہوئے تھے ایک موقع پر اسی حالت میں وضو فرمانے لگے جب پاؤں دھونے کی نوبت آئی تو جوتے کے اندر ہی دھولئے پاؤں پر پانی ڈالا اور اس کو ادھر ادھر موڑا تاکہ پانی ہر حصہ تک پہنچ جائے اور کوئی جگہ خشک نہ رہے، اس سے معلوم ہوا کہ جوتوں پر مسح ہرگز درست نہیں اگر اس کی اجازت ہوتی تو حضور اکرم ﷺ پاؤں کو جوتے کے اندر ادھر اُدھر موڑ کر دھونے کا اہتمام نہ فرماتے۔

بہر حال حدیث باب سے جوتوں اور چپلوں کے اندر پیروں کے دھونے کا جواز ثابت ہوا، یہاں امام نسائیؒ نے اختصار کیا ہے ترجمہ کے تحت پوری حدیث روایت نہیں کی حدیث کا صرف وہ حصہ نقل کیا ہے جس سے اپنا مدعا ثابت ہوجائے کہ جناب رسول اکرم ﷺ سبتی چمڑے کے جوتے پہنتے تھے، سبت دباغت شدہ چمڑے کو کہتے ہیں کہ دباغت کی وجہ سے جس کے بال

صاف ہوگئے ہوں اور نعال سبتی کو صرف پہنا ہی نہیں بلکہ انہی کے اندر آپ ﷺ وضو بھی فرماتے تھے اور اسی عمل کا اتباع کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی سبتی جوتے استعمال کرتے تھے اور اتارے بغیر انہی کے اندر پاؤں دھوتے تھے باقی تین چیزوں کا ذکر جن کو وہ حضور ﷺ کی اتباع میں کرتے تھے بخاری میں ہے امام بخاریؒ نے پوری حدیث "غسل الرجلين في النعلين الخ "عنوان کے تحت روایت کی ہے وہاں دیکھ لیں۔

باب المسح على الخفين

دونوں موزوں پر مسح کرنے کا بیان

اخبرنا قتيبة بن سعيدٍ قال حدثنا حفص عن الاعمش عن ابراهيم عن همام عن جرير بن عبدالله انه توضأ ومسح على خفيه فقيل لهٗ أتمسح فقال قد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح وكان اصحاب عبدالله يعجبهم قول جرير وكان اسلام جرير قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بيسير.

ہمام حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جریر نے وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا ان سے کہا گیا کہ کیا آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے اور جریر کا یہ قول حضرت عبداللہ کے دوست احباب کو بہت اچھا لگتا تھا اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات سے کچھ دن پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

اخبرنا العباس بن عبد العظيم قال حدثنا عبدالرحمن قال حدثنا حرب بن شداد عن يحيى بن ابى كثير عن ابى سلمة عن جعفر بن عمرو ابن امية الضمرى عن ابيه انهٗ رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح على الخفين.

جعفر اپنے والد عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

اخبرنا عبدالرحمن بن ابراهيم دحيم وسليمان بن داؤد واللفظ له عن ابن نافعٍ عن داؤد بن قيسٍ عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن اسامة بن زيد قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبلال الاسواف فذهب لحاجته ثُم خرج قال اسامة فسألت بلالا ماصنع فقال بلال ذهب النبى صلى الله عليه وسلم لحاجته ثم توضأ فغسل وجههٗ ويديه ومسح برأسه ومسح على الخفين ثم صلّى.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دونوں اسواف میں داخل ہوئے پھر حضور ﷺ حاجت پوری کرنے کے لئے چلے گئے پھر تشریف لائے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا عمل کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے

حاجت کے لئے تشریف لے گئے تھے پھر وضو کیا اور اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا پھر نماز پڑھی۔

اخبرنا سلیمان بن داؤد والحارث بن مسکین قراءۃ علیه وانا اسمع واللفظ له عن ابن وهبٍ عن عمرو بن الحارث عن ابی النضر عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عبدالله بن عمر عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انهٔ مسح علی الخفین .

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا۔

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اسماعیل وهو ابن جعفر عن موسی بن عقبة عن ابی النضر عن ابی سلمة عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسح علی الخفین انهٔ لاباس به.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خفین پر مسح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ موزے پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اخبرنا علی بن خشرمٍ قال حدثنا عیسی عن الاعمش عن مسلم عن مسروقٍ عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه قال خرج النبی صلی الله علیه وسلم لحاجته فلما رجع تلقیتهٔ باداوة فصببت علیه فغسل یدیه ثم غسل وجههٔ ثم ذهب لیغسل ذراعیه فضاقت به الجبة فاخرجهما من اسفل الجبة فغسلهما ومسح علی الخفین ثم صلی بنا .

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلے پھر واپس تشریف لائے میں پانی کا برتن لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پانی ڈالنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر چہرہ کو دھویا پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھونے کا ارادہ کیا مگر جبہ تنگ تھا اس لئے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے نیچے کی طرف سے نکالا پھر ان کو دھویا اور موزوں پر مسح کیا پھر ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔

اخبرنا قتیبة بن سعید قال حدثنا اللیث بن سعد عن یحیی وهو ابن سعید عن سعد بن ابراهیم عن نافع بن جبیر عن عروة بن المغیرة عن ابیه المغیرة بن شعبة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه خرج لحاجته فاتبعهٔ المغیرة باداوةٍ فیها ماء فصب علیه حتی فرغ من حاجته فتوضأ ومسح علی خفیه.

عروہ بن مغیرہ اپنے والد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پانی کا برتن ساتھ لے کر چلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور خفین پر مسح کیا۔

تشریح: امام نسائی کا مقصد اس باب کے انعقاد سے مسح علی الخفین کے جواز کو ثابت کرنا اور خوارج اور فرقۂ امامیہ پر رد کرنا ہے جو خفین پر مسح کو ناجائز کہتے ہیں اس کے لئے بطور دلیل بہت سی روایات پیش کی گئی ہیں جن کی دلالت مقصد باب پر

واضح ہے کہ موزوں پر مسح سلف اور خلف کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور مسح کا یہ حکم محکم ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جیسا کہ اس پر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی روایت صاف دلالت کررہی ہے کہ جب انہوں نے وضو کیا اور موزے پر مسح کیا تو اس موقع پر جو حضرات موجود تھے انہوں نے اس عمل پر اعتراض کیا اور کہا اتمسح کیا تم خفین پر مسح کرتے ہو حالانکہ یہ قرآن کے خلاف ہے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں مسح نہ کروں کونسی چیز مسح سے مانع ہے حالانکہ میں نے حضور ﷺ کو دونوں موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے اس پر لوگوں نے کہا کہ مسح علی الخفین سورۂ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے تھا اور سورۂ مائدہ کی آیت وضو میں دونوں پیروں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے سورۂ مائدہ کے نزول سے مسح خفین کا حکم منسوخ ہوگیا حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا "**ما اسلمت الا بعد نزول المائدة** (ابو داؤد)" "میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لایا ہوں" نسائی کی روایت میں یسیر کا لفظ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے انتقال سے کچھ پہلے اسلام قبول کیا تھا، حافظ ابن عبدالبر مالکی کی روایت میں چالیس دن کا ذکر آیا ہے انہوں نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ جس سال حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا اسی سال حضرت جریر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے "**وقال جریر** رضی اللہ عنہ **اسلمت قبل موت النبی صلی اللہ علیه وسلم باربعین یوماً**"

تو حاصل جواب کا یہ ہے کہ میرا حضور ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہونا اور قبول اسلام نزول سورہ مائدہ کے بعد ہوا تھا اور میں نے حضور ﷺ کا یہ عمل بحالت اسلام سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد دیکھا ہے جس کے متعلق تم یہ خیال کررہے ہو کہ نزول سورۂ مائدہ کے بعد مسح خفین کی اجازت نہیں رہی، تو اس سے معلوم ہوا کہ مسح کا حکم باقی ہے سورۂ مائدہ کی آیت وضو کے نزول سے منسوخ نہیں ہوا جیسا کہ روافض اور خوارج کا خیال ہے جو خفین پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بہت پسند آئی کیونکہ اس سے مسح خفین سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد میں بھی ثابت ہوتا ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد تھا کہ اگر مسح خفین پہلے آیت وضو کے ہے تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے اور اگر مسح خفین نزول آیت مائدہ کے بعد بھی ہوا ہے تو اب یہ حکم محکم ہے اور باقی ہے تو اس احتمال نسخ کی بناء پر ان کو تردد تھا اور حضرت جریر بن عبداللہ چونکہ متاخر الاسلام ہیں کیوں کہ وہ خود کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لایا ہوں اور میں نے حضور اکرم ﷺ کو خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے یہ تردد دور ہوگیا اور ان کے اس قول سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب بہت خوش ہوئے "**وکان اصحاب عبداللہ یعجبهم قول جریر**" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

یہ تمام بحث مذکور اس صورت میں ہے جبکہ باری تعالیٰ کا ارشاد وارجلکم جو سورۂ مائدہ کی آیت وضو میں ہے اس کو جر کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں تخفیف یعنی موزے پہنے ہوئے کی حالت پر محمول نہ کیا جائے لیکن اگر جر کی قرأت کو تخفیف پر حمل کیا جائے تو پھر سورۂ مائدہ کی آیت بھی مسح خفین کو ثابت کرتی ہے جو حدیث کے مخالف اور معارض نہیں بلکہ توافق کی شکل ہے اب مسح

خفین کا ثبوت قرآن سے ہو گیا اور حدیث سے بھی اور احادیث بھی ایسی ہیں جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں بعض محدثین نے صحابہ کرام میں سے مسح علی الخفین کے راوی جمع کئے ہیں جو اسی (۸۰) سے زیادہ ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں، ابن المنذرؒ نے ابن مبارکؒ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ مسح خفین کے مسئلہ پر صحابہ کرام میں کوئی اختلاف نہیں تھا کیوں کہ ان میں سے جس صحابی سے عدم جواز کا قول نقل کیا گیا ہے اس سے جواز کا قول بھی نقل کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے کہا کہ میں فقہاء سلف میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے مسح خفین کا انکار کیا ہو مگر امام مالکؒ سے انکار نقل کیا گیا ہے حالانکہ صحیح روایات جو امام مالکؒ سے مروی ہیں وہ مسح خفین کو صراحۃً ثابت کرتی ہیں۔

اب مالکیہ کے نزدیک معروف ومعتبر دو قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ عام طور پر سب کے لئے مسح خفین جائز ہے، باجیؒ نے اس کو ابن وہب سے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن نافع سے بھی مبسوط میں اسی طرح ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مسافر کے لئے اس کی اجازت ہے نہ کہ مقیم کے لئے المدونہ کی عبارت سے یہی مفہوم ہو رہا ہے اور ابن حاجبؒ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر (۷۰) بدری صحابہ کو پایا کہ سب مسح علی الخفین کا اعتقاد رکھتے تھے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے مسح خفین کے جواز کے اعتقاد کو اہل سنت والجماعت کی علامتوں میں سے شمار فرمایا ہے آپ نے فرمایا کہ ہم شیخین کی فضیلت اور ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ) کی محبت اور مسح علی الخفین کے جواز کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی طرح امام مالکؒ سے بھی منقول ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اس وقت تک مسح خفین کا قائل نہیں ہوا "حتی جاء نی مثل ضوء النهار" جب تک کہ یہ معاملہ روز روشن کی طرح میرے سامنے نہیں آ گیا اسی لئے امام ابوالحسن کرخیؒ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ مجھے اس شخص پر کفر کا خوف ہے، جو مسح علی الخفین کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ مسح خفین کی احادیث مشہور ہیں اسی لئے علماء امت نے فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ مسح خفین سے انکار کرتے ہیں وہ گمراہ اور مبتدع ہیں لیکن جو شخص اعتقاد رکھتا ہے پھر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے موزے پر مسح نہیں کرتا تو اسے ثواب دیا جاتا ہے اور امام قرطبیؒ نے مثل اس کے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے موت سے پہلے اسی طرح فرمایا تھا۔

علامہ عینیؒ نے کہا کہ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح تمام اہل بدر اور اہل حدیبیہ نے کیا اور علاوہ ان کے مہاجرین اور انصار اور تمام صحابہ اور تابعین اور فقہاء مسلمین نے خفین پر مسح کیا۔

اب اس میں علماء کو اختلاف ہے کہ موزہ پر مسح کرنا افضل ہے یا اس کو اتار کر پاؤں کو دھونا افضل ہے بعض نے کہا کہ مسح کرنا افضل ہے کیوں کہ اس میں اہل بدعت یعنی خوارج اور روافض کا رد ہے کہ وہ اس پر طعن کرتے ہیں چنانچہ امام احمدؒ کا مختار مذہب یہی ہے۔

امام نوویؒ نے کہا کہ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ غسل افضل ہے بشرطیکہ سنت سے اعراض کرتے ہوئے مسح کو ترک نہ کرے یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے اس مسئلہ کی تفصیل شرح المہذب (۱/ ٤٧٨) میں دیکھ لیں۔

تیسری روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ مدینہ کا ہے اور حضر کا ہے کیوں کہ اس میں آیا ہے "دخل رسول الله

صلی اللہ علیه وسلم وبلال الاسواق الخ ''یہ لفظ اسواق قاف کے ساتھ نہیں ہے صحیح لفظ فاء کے ساتھ اسواف ہے حائط من حیطان المدینہ کہ مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مسح خفین صرف مسافر کے لئے نہیں ہے مقیم کے لئے بھی جائز ہے بعضوں نے کہا کہ مسح خفین اس امت کے خصائص میں سے ہے جس کو امت کے لوگوں کی سہولت اور آسانی کے پیش نظر جائز قرار دیا گیا ہے کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے''بعثت بالملة الحنیفة السمحاء''غرض کہ ملت اسلامیہ عزیمت اور رخصت دونوں قسم کے احکام کو جامع ہے۔

باب المسح علی الخفین فی السفر

سفر میں موزہ پرمسح کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفیان قال سمعت اسماعیل بن محمد بن سعد قال سمعت حمزة بن المغیرة بن شعبة یحدث عن ابیه قال کنت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فی سفر فقال تخلف یا مغیرة وامضوا ایها الناس فتخلفت ومعی اداوة من ماء ومضی الناس فذهب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لحاجته فلما رجع ذهبت اصب علیه وعلیه جبة رومیة ضیقة الکمین فأراد ان یخرج یدهٗ منها فضاقت علیه فاخرج یده من تحت الجبة فغسل وجههٗ ویدیه ومسح برأسه ومسح علی خفیه.

حمزہ بن مغیرہ اپنے والد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ نے فرمایا اے مغیرہ تم ٹھہر جاؤ اور اے لوگوں تم چلو پس میں پیچھے ہو گیا اور میرے ساتھ پانی کا برتن تھا اور لوگ چلنے لگے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر جب واپس تشریف لائے تو میں نے پانی ڈالنا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ آستینوں کا رومی جبہ پہنے ہوئے تھے جب جبہ سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کی تو آستین تنگ ہونے کی وجہ سے نکال نہ سکے پھر جبہ کے اندر سے نکال لئے پھر چہرہ کو دھویا اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح فرمایا اور خفین پر مسح فرمایا۔

تشریح: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے بہت ہیں بزار نے کہا کہ تقریباً ساٹھ راویوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے مگر کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ اس حدیث میں بھی اختصار کیا گیا ہے مفصل روایت پیچھے آچکی ہے وہ جس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونے کا ذکر فرمارہے ہیں وہ غزوۂ تبوک کا سفر ہے واپسی کے وقت فراغت کا تقاضا ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرایا انہوں نے پانی ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اس وضو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کیا۔

یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ کیسے زیب تن فرمایا حدیث میں ہے'' وعلیه جبة رومیة'' کیا اس سے تشبہ ممنوع لازم نہیں آتا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ لازم نہیں آتا کیوں کہ یہ ثابت نہیں کہ وہ لباس اہل روم کا خاص

تھ زوئی ہونا باعتبار ساخت کے ہے۔

باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر

مُسافر کے واسطے مسح علی الخفین میں تحدید کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا سفیان عن عاصم بن زر عن صفوان بن عسّال قال رخّص لنا النبی صلی الله علیه وسلم اذا کنا مسافرین ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالیهن.

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو اجازت دیدی جبکہ ہم مسافر ہوں تو ہم اپنے موزوں کو تین دن تین رات تک نہ اتاریں (بلکہ ان پر مسح کرلیا کریں)

اخبرنا احمد بن سلیمان الرهاوی حدثنا یحیی بن آدم قال حدثنا سفیان الثوری ومالک بن مغول وزهیر وابوبکر بن عیاش وسفیان بن عیینة عن عاصم عن زرّقال سألت صفوان بن عسال عن المسح علی الخفین فقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یأمرنا اذا کنا مسافرین ان نمسح علی خفافنا ولا ننزعها ثلاثة ایام من غائط وبول ونوم الا من جنابة.

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مسح خفین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اکرم ﷺ ہم کو حکم فرماتے تھے جب ہم مسافر ہوتے یہ کہ ہم اپنے موزوں پر مسح کریں اور یہ کہ ہم نہ نکالیں ان کو تین دن تک پاخانہ سے یا پیشاب سے یا سونے سے مگر جنابت سے یعنی غسل جنابت کے وقت اتارنے کا حکم دیتے تھے کیوں کہ اس حالت میں مسح درست نہیں۔

تشریح: ماقبل میں بتلاگیا ہے کہ امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ بھی جمہور علماء کی طرح چرمی موزوں پر مسح جائز ہونے کے قائل ہیں البتہ وہ تعیین مدت کے سلسلے میں اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسح خفین بغیر توقیت کے جائز ہے یعنی اس میں کوئی وقت مقرر نہیں جب مسافر اور مقیم نے موزہ پہن لیا تو جب تک پہنے رہیں مسح کرسکتے ہیں بشرطیکہ طہارت کی حالت پر ہوں البتہ چونکہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق جیسا کہ ابن المنذر اور خطابی نے اس کو نقل کیا ہے جمعہ کا غسل واجب ہے اس لئے غسل کے وقت موزہ ضرور نکال لیا جائے تو معلوم ہوا کہ ایک ہفتہ تک لگا تار مسح کرسکتے ہیں لیکن قاضی عیاضؒ نے کہا کہ امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب وہی ہے جو جمہور ائمہ کا ہے کہ جمعہ کا غسل سنت ہے اس لئے جمعہ کے دن موزہ اتار لینے کو مقیم کے واسطے مستحب سمجھا گیا ہے۔

بہرحال امام مالکؒ بدون تحدید کے مسح خفین کو جائز فرماتے ہیں، جمہور ائمہ کے نزدیک مسافر تین دن تین رات اور مقیم ایک دن ایک رات موزہ پر مسح کرسکتا ہے۔

امام مالکؒ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو ابوداؤد نے "باب التوقیت فی المسح" میں روایت کیا ہے

اس میں جو"ولو استزدناہ لزادنا "کی زیادت مذکور ہے اس سے استدلال کرتے ہیں، حضرت خزیمہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسح علی الخفین مسافر کے لئے تین دن تین رات ہے اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم زیادہ طلب کرتے تو حضور ﷺ زیادہ کی اجازت دیتے لیکن ہم نے زیادہ مدت طلب نہیں کی اس لئے آپ ﷺ نے نہیں بڑھائی۔

دوسری دلیل ان کی حضرت اُبی بن عمارہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابوداؤد میں موجود ہے انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ کیا ہم موزے پر مسح کر سکتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا نعم یعنی کر سکتے ہو پھر ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا مسح ایک دن کروں یا اس سے زیادہ"قال یومین قال وثلثة قال نعم ماشئت "یعنی اگر تم چاہو تین دن سے بھی زیادہ ایام تک مسح کر سکتے ہو معلوم ہوا کہ مسح میں کوئی تحدید نہیں اور ابن ابی مریم مصری کی روایت میں ذکر ثلثۃ کے بعد اسی حدیث مذکور میں"حتی بلغ سبعًا " آیا ہے پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نعم و ما بذا لک، تو ظاہر لفظ سے نبی کریم ﷺ کی مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسح خفین میں کوئی توقیت نہیں ہے۔

جمہور ائمہ کی دلیل حدیث باب ہے زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میرے دل میں تردد پیدا ہوا کہ پاخانہ پیشاب کے بعد موزہ پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں اس لئے میں نے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ صحابی رسول ہیں اس بارے میں حضور ﷺ سے کچھ سنا ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمرنا الخ "اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ مسح خفین میں تحدید ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات ہے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے پوچھا کہ مسح علی الخفین میں جو تحدید و توقیت آئی ہے اس بارے میں آپ کے نزدیک کونسی حدیث اصح ہے امام بخاریؒ نے جواب دیا کہ حدیث صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ اصح ہے، نیز حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے بھی تحدید ثابت ہوتی ہے نیز دار قطنی میں ہے کہ حضرت ابوبکرۃ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خفین پر مسح کرنے کی اجازت دی"للمسافر ثلثة ایام ولیالیهن وللمقیم یوماً ولیلة "جبکہ اس نے خفین کو وضو کر کے پہنا ہو اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غرض کہ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں جن سے جمہور علماء کا مسلک ثابت ہوتا ہے، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ آخری جملہ یعنی"لو استزدناہ لزادنا "ضعیف ہے جیسا کہ ابن دقیق العید نے کہا زیلعیؒ نے اس کو نصب الرایہ میں نقل کیا ہے لہٰذا ایسی ضعیف حدیث سے صحیح حدیث باب وغیرہ کا معارضہ نہیں ہوسکتا ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ زیادت ثابت بھی ہو پھر بھی حجت نہیں بن سکتی کیوں کہ زیادت علی التحدید کے متعلق انہوں نے جو"ولو استزدناہ لزادنا "فرمایا یہ ان کا گمان ہے کہ اگر ہم مدت مسح میں زیادہ طلب کرتے تو حضور ﷺ زیادہ مدت کی اجازت دیتے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ نہ انہوں نے طلب کی اور نہ ان کو اس کی اجازت دی گئی لہٰذا ایسی حدیث سے زیادہ مدت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے جو اس کے عدم وقوع پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کہ"لو استزدناہ لزادنا "محض ظن صحابی ہے کیا معلوم ان کا یہ گمان درست بھی ہوتا یا نہیں ممکن ہے کہ حضور ﷺ منع فرمادیتے تو اس امر مظنون

کی بناء پر فریضۂ غسل کیوں کر ساقط ہو جائے گا۔

اور ابی بن عمارہ ﷺ کی حدیث سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ابوداؤد میں، اسی لئے خود امام ابوداؤد نے ''ولیس ھو بالقوی'' کہہ کر نا قابل استدلال ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، امام بخاریؒ نے اس کے متعلق کہا کہ لایصح یہ حدیث صحیح نہیں، امام احمدؒ نے کہا کہ اس حدیث کے رجال مجہول ہیں، ابوالفتح ازدیؒ نے کہا کہ لیس بالقائم، ابن حبانؒ نے کہا لست اعتمد علی اسنادہ مجھے اس کی اسناد پر اعتماد نہیں ہے، دارقطنیؒ نے کہا لایثبت، ابن عبدالبرؒ نے کہا لایثبت ولیس لہ اسناد قائم، امام نوویؒ نے شرح المہذب میں اس کے ضعیف ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے اور جوزقانی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

(کذافی التلخیص : ٦٠، بحواله معارف السنن: ١ / ٣٣٥)

بہرحال حفاظ حدیث کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث کمزور اور غیر مستند ہے اسی لئے امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ابی بن عمارہ کی اس قسم کی حدیث کی بناء پر صحیح احادیث کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن میں توقیت کا ذکر آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسح خفین میں وقت مقرر فرمایا ہے مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حدیث ابی بن عمارہ کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دوسری حدیث کے معارض نہیں کیوں کہ اس کی مراد یہ نہیں کہ اس درمیان میں اتارے نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ یہ سلسلہ تین تین دن کا کب تک ہے کوئی مدت مقرر ہے کہ فلاں مدت تک کرو بعد کو نہیں کر سکتے اس کا جواب دیا نعم وماشئت، مگر خفین پر مسح کرنا اسی ضابطہ کے مطابق ہوگا کہ تین دن کے بعد اتار لیا جائے پھر پہن لو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں چار مہینے جمعہ پڑھا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر روز جمعہ بھی پڑھاتا تھا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جمعہ آیا تب پڑھایا جیسے کوئی کہے کہ میں ہر وقت سبق میں حاضر رہتا ہوں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے حاضر رہتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اوقات مخصوصہ میں حاضر رہتا ہے، ایسا ہی یہاں ہے کہ برابر مسح کرتے رہو جب تک چاہو نعم وماشئت فرمایا مگر شرعی ضابطہ کے مطابق ہونا چاہئے کہ ہر تین دن کے بعد اتار لیا جائے، پھر طہارت کاملہ پر پہن لیا کرو، قرآن پاک میں ہے ''والذین ھم علی صلوتھم دائمون'' تو کیا یہ مطلب ہے کہ چوبیس گھنٹے نماز ہی پڑھتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نمازوں کے اوقات میں دوام کرتے ہیں بس اسی طرح مسح خفین کے سلسلے میں جو ابی بن عمارہ کی حدیث میں آیا ہے سمجھ لیں۔

حدیث باب میں آیا ہے ''الامن جنابة'' مطلب یہ ہے کہ جنابت کے بعد موزہ اتار دینے کا حکم فرماتے کیوں کہ اس حالت میں مسح درست نہیں استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے اور متصل بھی پہلی صورت میں لفظ الّا بمعنی لٰکن یعنی ''لکن ننزع من جنابة'' لیکن جنابت کے بعد ہم موزے کو اتار لیتے تھے، دوسری صورت میں ''من غائط وبول الخ'' کے معنی ''من کل حدث الا من جنابة'' کے ہوں گے یعنی ہم تین دن تک موزوں کو پائخانہ و پیشاب وغیرہ کسی حدث کی وجہ سے نہیں اتارتے تھے بلکہ ان پر مسح کرتے تھے مگر جنابت کی وجہ سے اتارتے تھے کیوں کہ اس حالت میں موزے پر مسح درست نہیں ایسی حالت میں تو

پیروں کے دھونے کا حکم ہے۔

التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم

مقیم کے واسطے مسح علی الخفین میں توقیت ہے

اخبرنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا عبدالرزاق اخبرنا الثوری عن عمرو بن قیس الملائی عن الحکم بن عتیبة عن القاسم بن مخیمرة عن شریح بن هانی عن علی رضی اللہ عنہ قال جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسافر ثلاثة ایام ولیالیهن ویوماً ولیلة للمقیم یعنی فی المسح۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کرنے میں مسافر کے واسطے تین دن تین رات اور مقیم کے واسطے ایک دن ایک رات کا وقت مقرر فرمایا ہے۔

اخبرنا هناد بن السری عن ابی معاویة عن الاعمش عن الحکم عن القاسم بن مخیمرة عن شریح بن هانی قال سألت عائشة رضی اللہ عنہا عن المسح علی الخفین فقالت ائت علیا فانهٔ اعلم بذالک منی فاتیت علیًا فسألتهٔ عن المسح فقال کان رسول الله صلى الله عليه وسلم یامرنا ان یمسح المقیم یوماً ولیلة والمسافر ثلاثا۔

شریح بن ہانی کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسح خفین کے بارے میں دریافت کیا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا علی کے پاس جاؤ اوران سے دریافت کرو اس لئے کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں شریح کہتے ہیں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا پھران سے دریافت کیا آپ نے جواب دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے تھے کہ مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات تک موزے پر مسح کرے۔

تشریح: جمہور ائمہ کا مسلک پیچھے بیان ہو چکا ہے ترجمہ کے ذیل میں جو حدیث پیش فرمائی ہے اس سے بھی مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے اور امام مالکؒ پر حجت ہے اس لئے کہ وہ ایک قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ مسح خفین کی اجازت صرف مسافر کے لئے ہے نہ کہ مقیم کے لئے دوسرے قول میں ان کے نزدیک بھی عموم ہے یعنی مسح سب کے لئے جائز ہے مگر بغیر توقیت کے جواز کے قائل ہیں کہ اس میں کسی وقت کی تحدید نہیں ہے جتنی مدت تک موزہ پہنے رہیں مسح کر سکتے ہیں بہر صورت حدیث باب ان پر حجت ہے اس میں واضح طور پر آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک موزے پر مسح کی اجازت فرمادی ہے۔

دوسری حدیث بھی شریح بن ہانی سے مروی ہے ابن الملک نے شرح المنار میں تصریح کی ہے کہ وہ تابعی ہیں زمانہ رسالت تو پایا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت نہیں وہ حضرت علی کے اصحاب میں سے تھے امام احمدؒ اور ابن معین اور امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔

جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ائت علیا الخ'' مجھے اس کا علم نہیں اس کی تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرو آپ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ کا پورا علم نہ ہو تو اہل علم کے لئے مناسب ہے کہ کسی ایسے مستند عالم دین کی طرف رہنمائی کریں جو اس مسئلہ کے جواب کا پوری طرح علم رکھتا ہو ورنہ فسادات اور اختلاف کا راستہ کھل جائے گا، مسح خفین سے انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار مسح کیا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے صحیح مسلم اور نسائی کی اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا تھا کہ اس کی تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرو وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ واقف ہیں تو تفویض الی اعلم سے انکار کہاں لازم آیا اور محمد بن مہاجر بغدادی نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے ''لان اقطع رجلی بالموسیٰ احب الی من ان امسح علی الخفین'' مجھے موزہ پر مسح کرنے سے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اپنا پاؤں استرہ سے کاٹ دوں، یہ بالکل باطل ہے حفاظ حدیث نے اس کی تصریح کی ہے، غرض یہ کہ شریح بن ہانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کرنے کی مقیم کو ایک دن ایک رات اور مسافر کو تین دن تین رات تک رخصت دی۔

بہر حال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت سب کے لئے ہے اور توقیت وتحدید کے ساتھ ہے جس کی تعیین شارع علیہ السلام نے فرمادی۔

صفة الوضوء من غير حدث

بلاحدث وضوکا بیان

اخبرنا عمرو بن یزید قال حدثنا بهز بن اسد قال حدثنا شعبة عن عبدالملك بن میسرة قال سمعت النزال بن سبرة قال رأیت علیا رضی الله عنه صلی الظهر ثم قعد لحوائج الناس فلما حضرت العصر اُتی بتور من ماء فاخذ منه کفًا فمسح به وجههٗ وذراعیه ورأسهٗ ورجلیه ثم اخذ فضلهٗ فشرب قائماً وقال ان ناساً یکرهون هذا وقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعلهٗ وهٰذا وضوء من لم یُحدث.

نزال بن سبرہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بیٹھ گئے پھر جب نماز عصر کا وقت آ گیا تو پانی کا ایک برتن لایا گیا تو آپ نے اس سے ایک چلو لے کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھ اور سر اور دونوں پیروں کا مسح کیا پھر وضو کا بچا ہوا پانی لیا اور کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا کہ لوگ اس عمل یعنی کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور یہ اس شخص کا وضو ہے جو محدث نہ ہو۔

تشریح: نزال بن سبرہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان کو ابو مسعود اور حمیدی وغیرہ نے صحابہ میں سے شمار کیا ہے مگر امام مسلم، ابن سعد اور دارقطنی وغیرہ نے کبار تابعین میں شمار کیا ہے ابن معین نے ان کے بارے میں کہا ''ثقة

لایسئل عن مثله'' بخاری اور نسائی وغیرہ کے راویوں میں سے ہے۔

حدیث کی دلالت مقصد ترجمہ پر ظاہر ہے علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ غیر محدث کے لئے موضع غسل پر اکتفاء بالمسح جائز ہے اور بعض صحابہ سے کبھی کبھی مسح رجلین کا جو ذکر روایت میں آیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو اس کا محل حالت غیر حدث ہے۔

شیعہ لوگ خلاف عقل و نقل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ وضو میں پیروں کا حکم غسل نہیں مسح ہے، ان کا استدلال خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے غلط ثابت ہو گیا کیوں کہ آپ نے مسح کے بعد فرمایا ''ھذا وضوء من لم یحدث'' یہ اس شخص کا وضو ہے جو محدث نہ ہو آپ کا یہ ارشاد صاف بتلا رہا ہے کہ وضو محدث کے لئے اس سے استدلال کر کے یہ کہنا کہ وضو میں مسح رجلین کا حکم ہے نہ کہ غسل کا بالکل باطل ہے لیکن اگر حدث لاحق نہ ہوا ہو تو وضو میں مسح پیر سے ہم بھی منع نہیں کرتے وضوء علی الوضوء میں اس کی اجازت ہے۔

الوضوء لکل صلوٰۃ

ہر نماز کے لئے وضو کا بیان

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن عمرو بن عامر عن انس رضی اللہ عنہ انه ذکر ان النبی صلی الله علیه وسلم اُتی باناء صغیر فتوضأ قلت اکان النبی صلی الله علیه وسلم یتوضأ لکل صلوٰة قال نعم قال فانتم قال کنا نصلی الصلوات مالم نحدث قال وقد کنا نصلی الصلوات بوضوء.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چھوٹا برتن لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پانی سے وضو فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عمرو بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! پھر عمرو بن عامر نے عرض کیا آپ لوگوں کا کیا عمل تھا انہوں نے جواب دیا ہم تو جب تک حدث لاحق نہ ہوتا تو ایک ہی وضو سے متعدد نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

اخبرنا زیاد بن ایوب قال حدثنا ابن علیة قال حدثنا ایوب عن ابن ابی ملیکة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج من الخلاء فقرب الیه طعام فقالوا الانأتیک بوضوء فقال انما اُمرت بالوضوء اذا قمت الی الصلوٰة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو بعض صحابہ نے کہا کیا ہم آپ کے واسطے وضو کرنے کے لئے پانی نہ لائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جبکہ نماز کا ارادہ کروں۔

اخبرنا عبیدالله ابن سعید حدثنا یحیی عن سفیان حدثنا علقمة بن مرثدٍ عن ابن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضأ لکل صلوٰة فلما کان یوم الفتح صلّی الصلوات بوضوء واحد

فقال لہٗ عمر رضی اللہ عنہ فعلت شیئا لم تکن تفعلہٗ قال عمدًا فعلتہٗ یاعُمَر.

سلیمان اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے پھر جب فتح مکہ کا دن آیا تو ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ لیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے آج وہ کام کیا ہے جو اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔

تشریح: ترجمہ کے ذیل میں تین حدیثیں لائے ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے وقت وضو فرمایا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ تازہ وضو فرماتے تھے لیکن صحابہ کرام کا یہ معمول نہ تھا، ان کا معمول کیا تھا اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتلا دیا "**کنا نصلی الصلوات مالم نحدث**" ہم تو جب تک حدث لاحق نہ ہوتا تو ایک وضو سے متعدد وقت کی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

دوسری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے ان سے روایت کرنے والے ابن ابی ملیکہ کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ زہیر بن عبداللہ بن جدعان ابو بکر ہے ان کو ابو محمد تیمی مکی بھی کہا جاتا ہے وہ حضرت ابن زبیر کے قاضی اور موذن تھے انہوں نے تیس اصحاب کرام کو پایا تھا ثقہ اور فقیہ تھے ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

اس روایت میں آیا ہے کہ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا بعض صحابہ نے کہا کیا ہم آپ کے واسطے وضو کا پانی نہ لائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**انما امرت بالوضوء الخ**" مطلب یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے بطور وجوب کے وضو کا یعنی حدث کے بعد جبکہ نماز کے واسطے کھڑا ہونے کا ارادہ کروں اور یہ باعتبار اغلب کے ہے ورنہ وضو واجب ہے سجدۂ تلاوت کے وقت قرآن پاک کے چھونے اور طواف کعبہ کے وقت۔

بہر حال جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا کہ سائل کی نظر میں وضو شرعی کھانے سے پہلے واجب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرف حصر لا کر خوب اچھی طرح اس کی نفی فرمادی لیکن یہ منافی نہیں ہے جواز وضو کو بلکہ استحباب کو اور یہاں مراد وضو سے وضو نماز ہے نہ کہ وضو طعام اور سیاق حدیث بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

تیسری حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب کی ہے ان کے بیٹے ابن بریدہ رضی اللہ عنہ یعنی سلیمان بن بریدہ نے ان سے روایت کی ہے یہ عبداللہ بن بریدہ کے بھائی ہیں، عجلی نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی بطن سے جوڑے پیدا ہوئے تھے دونوں تابعی اور ثقہ تھے مگر سلیمان اپنے بھائی عبداللہ سے زیادہ ثقہ اور زیادہ حدیث صحیح روایت کرنے والے تھے اور ابن معین اور ابو حاتم وغیرہ نے انکو ثقہ کہا ہے۔

بہر حال اس روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کی نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے اور یہی آپ کی عادۃ مبارکہ تھی لیکن جب فتح مکہ کا دن آیا تو ایک ہی وضو سے چند نمازیں پڑھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "**فعلت شیئاً لم تکن تفعلہٗ**" آپ نے آج وہ عمل کیا جو اس سے پہلے بطور عادت کے نہیں کرتے تھے ورنہ ثابت ہے کہ آپ نے اس سے پہلے بھی بعض اوقات ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تھیں اور غزوۂ خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں عصر کی نماز

پڑھائی اس کے بعد حضور ﷺ اور صحابہ نے ستو کھایا پھر آپ ﷺ نے صرف کلی کی اور اسی وضو سے مغرب کی نماز پڑھادی ''ولم یتوضاء'' اور مغرب کی نماز کے لئے تازہ وضونہیں فرمایا اس کا ذکر حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے بہر حال استفسار کا منشا یہ تھا کہ جب آج کا عمل عام عادۃ مبارکہ جو ہر نماز کے لئے تجدید وضو کی تھی اس کے خلاف واقع ہوا تو ممکن ہے بھول گئے ہوں، لہٰذا یاد دلانا مقصود تھا حضور اکرم ﷺ نے اس احتمال کو دفع کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا ''عمداً فعلتهٗ یاعمر'' تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک وضو سے چند نمازیں ادا کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جس شخص نے قیام الی الصلوٰۃ کا ارادہ کیا ہے وہ جب تک محدث نہ ہو اس پر واجب نہیں ہے یہی جمہور ائمہ کا قول ہے بلکہ امام نوویؒ نے اس پر (یعنی نماز کے لئے عدم وجوبِ وضو پر) اجماع نقل کیا ہے، اور عام صحابہ کرام کے معمول سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے چنانچہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ہم تو جب تک حدث لاحق نہ ہوتا تو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے اس سے واضح ہوا کہ امت پر ہر نماز کے وقت بغیر حدث کے تازہ وضو کرنا ضروری نہ تھا اب رہا حضور اکرم ﷺ کا معمول کہ آپ ہر نماز کے وقت تازہ وضو فرماتے تھے ترمذی کی روایت میں طاہرًا وغیر طاہر کا لفظ آیا ہے یعنی خواہ باوضو ہوں یا بے وضو ہر نماز کے وقت تجدید وضو فرماتے تھے اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ آپ کی غالب عادت تھی جس پر حدیث سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ اور حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ شاہد ہے۔

حضرت امام طحاویؒ نے فرمایا کہ احتمال ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا خاص حضور ﷺ پر واجب تھا پھر بعد کو منسوخ ہو گیا جس پر حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث دال ہے ان کی روایت میں آیا ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمر بالوضوء لکل صلوٰۃ فلما شق علیه اُمر بالسواک '' اور ہر نماز کے لئے تازہ وضو کا وجوب آپ ﷺ سے ساقط کر دیا گیا الا من حدث البتہ اگر حدث لاحق ہو گیا تو قیام الی الصلوٰۃ کے وقت وضو فرض ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور ﷺ بطور استحباب ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے پھر جب آپ کو اندیشہ ہوا کہ امت کے لوگ کہیں اسکو واجب نہ سمجھ لیں اس لئے بیان جواز کے لئے اس کو چھوڑ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا کرنا جائز ہے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہی اقرب الی الصواب ہے یعنی احتمال نسخ سے لیکن احتمال نسخ کی بھی حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات مؤید ہیں۔

بہر حال تفصیل مذکور سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حدث لاحق ہو گیا تو ارادۂ صلوٰۃ کے وقت وضو واجب ہوتا ہے ورنہ باوضو ہونے کی صورت میں وضو ضروری نہیں جیسا کہ نسائی اور مسلم وغیرہ کی صحیح روایات اس پر دلالت کرتی ہیں البتہ وضوء علی الوضوء فضلیت کی چیز ہے اور مندوب ہے چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص وضو پر وضو کرے گا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگرچہ امام ترمذی نے اس کی اسناد کو ضعیف کہدیا کیوں کہ حدیث کے راوی افریقی ضعیف ہے، لیکن اول تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار ہوتا ہے دوسرے اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث کے ذیل میں اسی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کے طریق سے

روایت کیا ہے اور کلام سے سکوت کیا ہے اور امام ابوداؤد جس جگہ سند سے سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صالح اور قابل اعتبار ہوتی ہے اس بناء پر یہ روایت جو وضوء علی الوضوء کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہے قابل تسلیم ہے۔

لیکن علماء حنفیہؒ نے وضوء جدید کے استحباب کے لئے اختلاف مجلس یا دونوں وضو کے درمیان عبادت کی شرط لگائی ہے اور اگر پہلے وضو کے بعد نہ کوئی عبادت کی ہو اور نہ مجلس بدلی ہو تو دوسرے وضو کو مکروہ کہا ہے لیکن اس بارے میں شیخ عبدالغنی نابلسیؒ کا قول بہت اچھا ہے کہ وضو پر وضو کی فضیلت کے بارے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں تو اطلاق حدیث سے وضو علی الوضوء کی مشروعیت بدون قید توسط عبادت یا اختلاف مجلس کے مفہوم ہو رہی ہے اور جو عمل مشروع ہے اس کو اسراف میں داخل کرنا مناسب نہیں البتہ اگر اس میں مبالغہ کرے اور بار بار وضو کو تیسری یا چوتھی مرتبہ تک دھراتا ہے تو اس کی مشروعیت کے لئے فصل بالصلوٰۃ یا تبدیل مجلس کی شرط لگائی جائے گی ورنہ محض اسراف ہوگا۔

(رد المحتار : ۱/ ۳۹٤،فتح الملهم)

باب النضح

پانی چھڑکنے کا بیان

اخبرنا اسماعيل بن مسعود قال حدثنا خالد بن الحارث عن شعبة عن منصور عن مجاهد عن الحكم عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا توضاء اخذ حفنة من ماء فقال بهاهكذا ووصف شعبة نضح به فرجهٔ فذكرته لابراهيم فاعجبهٔ ،قال الشيخ ابن السنى الحكم هو ابن السفيان الثقفى رضى الله عنه .

حکم اپنے باپ سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو چلو بھر کر تھوڑا سا پانی لیتے اور اس کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک دیتے۔

اخبرنا العباس بن محمد الدورى قال حدثنا الاحوص بن جواب حدثنا عمار بن زريق عن منصور ح واخبرنا احمد بن حرب حدثنا قاسم وهو ابن يزيد الجرمى قال حدثنا سفيان قال حدثنا منصور عن مجاهد عن الحكم بن سفيان قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضاء ونضح فرجهٔ قال احمد فنضح فرجهٔ.

مجاہد حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا پانی لے کر اپنی شرمگاہ پر چھڑک دیتے وضو کے بعد اس کو بھی دیکھا ہے۔

تشریح: حدیث باب کی دلالت مقصد باب پر ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے کے بعد پانی کا ایک چلو لیا اس کو کیا کیا اور کہاں استعمال فرمایا؟ اسی کے متعلق راوی فرماتے ہیں ''فقال بها هكذا'' ای فعل بہا، یعنی اس کو اپنے ہاتھ سے

اس طرح کیا لیکن چونکہ یہ ایک مبہم بات تھی اس لئے شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کر دیا نضح بہ فرجہ، کہ اس کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک دیتے، راوی حدیث خالد بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر ابراہیم سے کیا تو ان کو یہ طریقہ پسند آیا۔

دوسری روایت حکم بن سفیان سے ہے بعض محدثین نے کہا کہ ان کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر حافظ ابن عبد البرؒ نے کہا کہ میرے نزدیک ان کا سماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مضمون حدیث وہی ہے جو پہلی روایت میں آچکا ہے علامہ خطابیؒ نے نضح فرج کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وضو سے پہلے پانی سے استنجاء کرلیا جائے تا کہ کامل صفائی اور پاکیزگی حاصل ہو جائے تو مطلب یہ ہوا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کا ارادہ کرتے تو پہلے استنجاء بالماء کیا کرتے۔

بعض حضرات کہتے ہیں یہاں نضح سے مراد غسل نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وضو کے بعد ستر کی جگہ تہبند یا پاجامہ پر چھینٹا دیا جائے اور یہی قول راجح ہے کیوں کہ امام احمدؒ کی روایت میں فنضح فرجہ آیا ہے جیسا کہ حدیث باب کی ذیل میں خود امام نسائیؒ نے ان کی روایت کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں، اور لفظ فاء کا مدلول بتلا رہا ہے کہ قول ثانی راجح ہے نیز اس کی دوسری روایت میں تصریح ہے چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو آپ کو وضو سکھلایا پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیکر شرمگاہ پر چھڑک دیا "فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرش بعد وضوئہ" پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اس تعلیم کے موافق) اپنے وضو کے بعد اس طرح چھڑک لیتے تھے۔

اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں رشدین بن سعد ایک راوی ہیں جن کو ہیثم بن خارجہ نے ثقہ کہا ہے اور ایک روایت میں امام احمد نے بھی ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے (مجمع الزوائد) لیکن اپنے موقع پر ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا اختلاف مضر احتجاج نہیں ہے لہٰذا حدیث حجت ہے (احیاء السنن: ۱/۴٤) اور اسی طرح کے مضمون کی حدیث دارقطنی وغیرہ میں بھی موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چلو بھر پانی شرمگاہ پر وضو کے بعد چھڑک لیتے تھے تا کہ وسوسہ دفع ہو جائے یعنی قطرہ کا وہم باقی نہ رہے اور یہ عمل تعلیم امت کے لئے کرتے تھے کہ اس طرح کی تدبیر سے وسوسہ کا راستہ بند ہو جائے گا ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وساوس سے پاک تھے اور وضو کے بعد نضح بعض سلف سے بھی ثابت ہے اور علماء تصوف اس کو بل السراویل کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ دفع وسوسہ کے لئے پانی چھڑکنے کو مستحب کہتے ہیں لیکن اگر سر ذکر سے قطرہ کا خروج ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی پھر از سر نو وضو کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

باب الانتفاع بفضل الوضوء

باب اس بیان میں کہ وضو کے بچے ہوئے پانی سے انتفاع جائز ہے۔

اخبرنا ابو داؤد سلیمان بن سیف قال حدثنا ابو عتاب حدثنا شعبة عن ابی اسحق عن ابی حیة قال

رأیت علیًا رضی الله عنه توضاء ثلاثا ثلاثا ثم قام فشرب فضل وضوئه وقال صنع رسول الله صلی الله علیه وسلم کما صنعت.

ابی حیۃ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے وضو میں ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا پھر کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی جو برتن میں تھا اس کو پیا اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا جیسا کہ میں نے کیا۔

اخبرنا محمد بن منصور عن سفیان حدثنا مالک بن مغول عن عون بن ابی جحیفة عن ابیه قال شهدت النبی صلی الله علیه وسلم بالبطحاء واخرج بلال فضل وضوئه فابتدره الناس فنلت منه شیأ ورکزت له العنزة فصلی بالناس والحمر والکلاب والمرأة یمرّون بین یدیه.

عون اپنے والد ابی جحیفہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں بطحاء مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ بلال رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا تو صحابہ کرام اس پانی پر ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے اور میں نے بھی اس سے تھوڑا سا پانی لیا اور آپ کے سامنے ایک چھوٹا سا نیزہ بطور سترہ گاڑ دیا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور گدھے، کتے اور عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے سترے کے پرے سے گزرتے تھے۔

اخبرنا محمد بن منصور عن سفیان قال سمعت ابن المنکدر یقول سمعت جابراً یقول مرضت فاتانی رسول الله صلی الله علیه وسلم وابوبکر یعودانی فوجدانی قد اغمی علّی فتوضأ رسول الله صلی الله علیه وسلم فصبّ علیّ وضوئه.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے تشریف لائے پس مجھے بیہوشی کی حالت میں پایا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی میرے اوپر ڈال دیا (میں ہوش میں آ گیا)۔

تشریح: دو قسم کے پانی کو فضل وضو کہتے ہیں ایک تو اس سے وہ پانی مراد ہے جو وضو سے فارغ ہونے کے بعد برتن میں باقی رہتا ہے۔

دوسرا وہ پانی جو وضو کرتے وقت اعضاء سے گرتا ہے جس کو مستعمل پانی کہتے ہیں، باب کے ذیل میں مختلف روایات لائے ہیں جن میں پہلی روایت کا تعلق اس فضل سے ہے جس کے معنی وضو کے بچے ہوئے پانی کے ہیں وہ طاہر اور قابل انتفاع ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو کھڑے ہوکر پیا اور پھر فرمایا کہ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کے بقیہ پانی کو کھڑے ہوکر پیا تھا، اور یہی مستحب طریقہ ہے لیکن حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن (۱/ ۴۳) میں افادہ الشیخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وضو کے بچے ہوئے پانی سے وہ پانی مراد ہے جس میں سے ہاتھ ڈال کر پانی لیا گیا ہے مثلاً لگن یا اور کسی ایسے ہی برتن میں پانی وضو کے لئے لیا پھر اسی میں سے چلو سے نکال کر وضو کیا تو اس برتن میں جو پانی بچ رہے گا اس کا کھڑے ہوکر پینا مستحب

ہے اور اسی کو وضو کا بچا ہوا پانی کہیں گے اور جو مثلاً چھوٹے برتن لوٹے وغیرہ سے وضو کیا اور اس کی ٹونٹی وغیرہ سے پانی نکالا ہاتھ اس میں نہیں پڑے تو اس برتن میں جو پانی وضو کے بعد باقی رہے گا وہ وضو کا بچا ہوا پانی نہ کہلائے گا اور اس کا کھڑے ہو کر پینا مستحب نہ ہوگا۔

دوسری روایت میں آیا ہے "واخرج بلال فضل وضوئه" اس کا تعلق پہلی قسم سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسری قسم سے بھی، علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جس پانی کو نکالا اور اس کو تقسیم کیا اس کے متعلق ظاہر تو یہی ہے کہ اس سے وہی پانی مراد ہے جو وضو سے فارغ ہونے کے بعد برتن میں باقی رہ گیا ہو، اور احتمال یہ بھی ہے کہ ماء مستعمل مراد ہو۔

بہرصورت وہ قابل انتفاع ہے چنانچہ تقسیم کے بعد اس پانی کو صحابہ کرام نے اپنے بدنوں پر ملنا شروع کر دیا بخاری کی روایت میں "فیتمسحون به" کا لفظ آتا ہے کہ بطور برکت کے اپنے چہروں پر ملنا شروع کر دیا اور چونکہ مصنفؒ نے انتفاع کی کوئی شکل متعین نہیں کی اس لئے اس کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں یہ لفظ انتفاع ان سب کو عام رہے گا۔

اس روایت میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور سترہ کے ایک برچھی گاڑ دی گئی بعض روایات میں ہے اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے گاڑ دیا تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں پھر عصر کی دو رکعتیں، بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے اس حال میں کہ گدھے وغیرہ سترہ کے پرے سے گذرتے تھے اس سے معلوم ہوا سترہ کے پرے سے انسان یا جانور کا گذر جانا کوئی مضر نہیں۔

تیسری حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیماری اور عیادت کا واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے اس وقت میں سخت مرض کی وجہ سے بے ہوش تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اس کا پانی میرے اوپر ڈال دیا بخاری کی روایت میں ہے "فعقلت" پھر میں ہوش میں آ گیا اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث کے بارے میں پوچھا کہ میری میراث کا مستحق کون ہوگا، میرے تو نہ باپ دادا ہیں اور نہ اولاد چنانچہ اس وقت آیت فرائض نازل ہوئی۔

علامہ سندھیؒ نے کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس فضل وضو کو ان کے اوپر ڈالنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد استعمال شدہ پانی ہونا زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ یہاں مقصود بطور تبرک استعمال کرانا تھا اور جو پانی جسد اطہر سے وضو کرتے وقت ٹپک رہا تھا اس میں شان تبرک زیادہ ہوگی اس لئے اس سے مراد ماء مستعمل ہونا ہی زیادہ ظاہر ہے (اسی کو ایک برتن میں جمع کر کے ان کے بدن پر ڈال دیا گیا)۔

باب فرض الوضوء

وضو کی فرضیت کا بیان

اخبرنا قتيبة قال حدثنا ابوعوانة عن قتادة عن ابی المليح عن ابيه قال قال رسول الله صلی الله عليه

وسلم لا یقبل اللہ صلاۃً بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول۔

ابو الملیح اپنے باپ اسامہ سے روایت کرتے ہیں ان کے والد اسامہ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے کوئی نماز قبول نہیں کرتا اور اس صدقہ کو بھی قبول نہیں کرتا جو حرام مال سے کیا جاتا ہے۔

تشریح :**عن ابی الملیح**: بعض نے کہا ان کا نام عامر ہے اور بعض نے کہا زید ہے ان کے والد کا نام اسامہ بن عمیر ہذلی بصری ہے، وہ ثقہ تھے یہ حدیث اپنے باپ اسامہ بن عمیر صحابی سے روایت کی ہے اور وہ اس میں متفرد ہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے کوئی نماز درست نہیں ہوگی صحت صلوٰۃ کے لئے طہارت کے شرط ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے شروع سے اختتام تک نماز کا کوئی حصہ بغیر طہارت کے بالکل درست نہیں البتہ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت میں ایک دو حضرات اختلاف کرتے ہیں چنانچہ شعبی اور محمد بن جریر طبری سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کو بدون طہارت کے جائز کہتے ہیں مگر چونکہ یہ قول اجماع کے خلاف ہے اس لئے باطل ہے دراصل منشاء اختلاف یہ ہے کہ ان دونوں پر صلوٰۃ کا اطلاق حقیقت قاصرہ ہے سجدۂ تلاوت تو ظاہر ہے اور صلوٰۃ جنازہ پر اس لئے ہے کہ وہ رکوع وسجدہ سے خالی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ لاتقبل معنی میں لاتصح کے ہے کیوں کہ نفی قبول یا تو نفی صحت کے معنی میں ہے جیسے یہاں حدیث باب میں ہے یا بمعنی نفی ثواب کے ہے جیسے ''من اتی عرّافا لم تقبل صلوته اربعین صباحًا'' اور ''لا تقبل صلوٰۃ آبق الخ'' وغیرہ روایات میں ہے۔

لیکن حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قبول رد کی ضد ہے اب حدیث کا ترجمہ یہ ہوگا کہ نماز بدون طہارت کے مردود ہوگی یہ معنی بے تکلف ہیں کیوں کہ قبول اور رد ایک دوسرے کے مقابل ہے اب تقسیم کی ضرورت نہیں ہے۔

فاقد الطھورین کا مسئلہ

چونکہ شارحین کی عادت ہے کہ حدیث باب کی تشریح کے ضمن میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں اس لئے بیان کیا جاتا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی ایسے ناپاک مکان میں محبوس ہے جہاں نہ پانی کا انتظام ہے اور اس کو پاک مٹی بھی نہیں ملتی تو ایسی صورت میں اس کو کیا اختیار کرنا چاہئے آیا نماز پڑھے یا نہیں اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں امام شافعیؒ سے چار اقوال امام نوویؒ نے نقل کئے ہیں مگر ان میں راجح اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کرنا اس پر واجب ہے کیوں کہ عذر نادر ہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ معذور تھا اس لئے فرض ساقط ہو گیا اب بعد میں قضاء ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب ایسی حالت درپیش ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھے پھر امام مالکؒ کہتے ہیں اس کے بعد قضاء بھی نہ کرے وہ اس کو حیض والی عورت پر قیاس کرتے ہیں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ بعد میں قضاء کرے پھر امام اعظمؒ اور صاحبین میں اختلاف ہو گیا، امام اعظمؒ فرماتے ہیں اس وقت نہ نماز پڑھے اور نہ تشبہ کرے، لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ وہ تشبہ کرے یعنی قیام ورکوع اور سجدے وغیرہ جو ایک نمازی کیا کرتا ہے، ایسا ہی یہ شخص بھی سب کچھ کرے گا لیکن نماز کی نیت

نہیں کرے گا اور نہ قرأت کرے گا پھر اس کے بعد جب پانی یا مٹی پر قدرت ہو تو طہارت حاصل کر کے قضا کرے ابن عابدین نے شامی میں لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے قول صاحبین کی طرف رجوع کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے اس مسئلہ کا مأخذ دو اجماع ہیں، اول صوم حائض پر قیاس ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اگر ماہ رمضان میں کوئی عورت حیض سے پاک ہو جائے تو وہ شام تک کچھ نہ کھائے بلکہ حرمت رمضان کے لئے روزہ دار کے ہم شکل ہو کر اپنے نفس کو روکے پھر بعد میں قضاء کرے گی اس کی نظیر سنن ابوداؤد میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے صوم عاشوراء کے متعلق قبیلہ اسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا ''صمتم یومکم ھذا'' انہوں نے جواب دیا لا یعنی عاشوراء کا روزہ نہیں رکھا پھر حضور ﷺ نے فرمایا ''فاتموا بقية يومكم واقضوه''

دوم مسئلہ حج پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر بھی تمام ائمہ کرام متفق ہیں کہ اگر احرام کی حالت میں وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا، فتح القدیر میں ہے کہ کسی نے حالت احرام میں بیوی سے جماع کر لیا تو اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا حج باطل ہو گیا، سائل نے کہا کہ اب وہ شخص کیا کرے افعال حج ادا کرے یا بیٹھا رہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ لوگوں کے ساتھ نکلے ''ويصنع مايصنعون'' اور دوسرے لوگوں کی طرح افعال حج کو جاری رکھے گا پھر اسی حج کو دوبارہ اگلے سال ادا کرے اور قربانی کا جانور مکہ شریف بھیج دے اور اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے موافقت کی ہے جیسا کہ بیہقی میں ہے اور موطأ مالک میں ہے کہ اسی طرح کے فتوے حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آئندہ سال ارکان وافعال حج کی ادائیگی تک میاں بیوی دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی تا کہ پھر فساد حج کا خطرہ پیدا نہ ہو۔

بہر حال ان دو اجماعی مسئلوں سے ثابت ہوا کہ رمضان میں جو عورت حیض سے پاک ہو جائے یا کوئی کافر ایمان لے آئے وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں کہ روزہ داروں کی طرح بقیہ دن کھانے پینے سے امساک کریں اور حج فاسد ہونے کی صورت میں اس کا مکلّف ہے کہ تشبہ بالحاج اختیار کرتے ہوئے افعال حج کو جاری رکھے گو اس سے اس کے ذمہ سے فریضۂ حج ساقط نہ ہوگا اور اگلے سال اس کی قضاء لازم ہے اسی طرح یہاں فاقد الطہورین کی صورت میں تشبہ بالمصلی اختیار کرے پھر جب پانی یا مٹی پر استطاعت ہو تو اس کی قضاء کرے۔

اب نفس مسئلہ کی دلیل تو یہی حدیث باب ہے کہ اس میں صلوٰۃ نکرہ ہے جو نفی کے تحت میں ہے اور نکرہ جب تحت النفی واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے مطلب یہ ہوا کہ کوئی نماز کسی طرح کی ہو بدون طہارت کے درست نہ ہو گی اور فاقد طہورین کی صورت میں تشبہ بالمصلی کا مأخذ دو اجماعی مسائل ہیں جس کی بحث گذر چکی ہے۔

اب رہا قضاء کا کہ پانی یا مٹی پر قادر نہ ہونے کے بعد اس نماز کی قضاء کو احناف ضروری کہتے ہیں تو اس لئے ضروری کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''دَيْنُ الله احق اَنْ يُقْضٰى'' نماز کو اللہ کا قرض فرمایا اس لحاظ سے اس کی ادائیگی کا بہت زیادہ اہتمام ہونا چاہئے اب چونکہ اس وقت اس نے نماز نہیں پڑھی اور نماز کا قرض اس کے ذمہ باقی ہے جس کی ادائیگی کا وہ مکلف ہے اس لئے قضاء اس کے ذمہ ضروری ہے، ایک اعتراض احناف پر یہ کیا جاتا ہے کہ بناء صلوٰۃ کے مسئلہ

میں جبکہ مصلی کو حدث لاحق ہو تم بھی کہتے ہو کہ بدون طہارت کے نماز درست ہوتی ہے حالانکہ حدیث مذکور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا کوئی حصہ بدون طہارت کے درست نہیں۔

دراصل یہ اعتراض سطحی ہے کیوں کہ بناء علی الصلوٰۃ کی صورت میں اس نے بلا طہارت کی حالت میں کوئی نماز نہیں پڑھی بلکہ جس قدر پڑھ چکا ہے وہ وضو کے ساتھ پڑھی اور اگر بناء بھی مع الوضوء ہوئی تو اب بغیر طہارت کے کہاں پڑھی، اب رہا صرف ایاب وذہاب یعنی وضو کے لئے آنا جانا تو وہ نماز میں بضرورت جائز ہے جیسا کہ صلوٰۃ خوف میں اس آنے جانے کو نماز سے خارج شمار کیا جاتا ہے نیز بناء علی الصلوٰۃ کے متعلق حنفیہ کے پاس حدیث مرفوع موجود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے ''من اصابهٔ قيئٌ او رعاف الخ'' اس کے آخر میں ہے ''فلينصرف فليتوضاء ثم ليبن علی صلوته و هو فی ذالک لا يتكلم رواه ابن ماجه '' یہ حدیث گو متکلم فیہ ہے کہ محدثین نے اس کے تمام طرق کو ضعیف بتلایا ہے جس کی تفصیل معارف السنن (۱/ ۳۲) میں مذکور ہے لیکن عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں، ابن ابی حاتم نے علل الحدیث میں اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اس کو بطور مرسل عن ابن ابی ملیکۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرنے کے بعد صحیح قرار دیا ہے اب حجت بن سکتی ہے کیوں کہ حدیث مرسل امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بلکہ جمہور کے نزدیک مقبول ہے خصوصاً جبکہ صحابہ کرام کے فتاویٰ اور ان کے تعامل سے اس حدیث مرسل کی تائید ہو رہی ہے تو اب اس سے صحت استدلال میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (فتح الملهم و معارف السنن)

ولا صدقة من غلول :لفظ غلول غین کے پیش کے ساتھ ہے لغت میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت سے چوری کرنے کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ''اغلّ الابل ای سرقه '' پھر اس کے معنی میں وسعت آ گئی اب مطلقاً مال حرام میں استعمال ہونے لگا یہی معنی عام یہاں مراد ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مال حرام سے صدقہ مقبول نہیں ہوتا، فرمایا گیا ہے ''ان الله طيب لا يقبل الا الطيب '' ارشاد قرآنی ہے ''و لا تيمموا الخبيث منه الخ '' حنفیہ کی کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حرام طریقہ سے کسی مال کا مالک ہو جائے اور اس کا مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کی سبیل یہ ہے کہ فقراء کو بلا نیت ثواب صدقہ کر دے ،علامہ ابن القیمؒ نے بھی بدائع الفوائد میں اسی طرح فرمایا ہے اور علامہ موصوف کہتے ہیں کہ تصدق پر ثواب دیا جائے گا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر فقہاء کے اقوال میں تعارض ہے بعض کہتے ہیں امید ثواب رکھنا حرام ہے اور بعض کہتے ہیں یثاب بالتصدق آپ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اول امر شارع کا امتثال اور اس کے ساتھ اس امتثال سے ثواب کی امید رکھنا دوم نفس مال حرام کو صدقہ کر دینا جو اس نے کمایا ہے اور اس مال سے ثواب امید وابستہ رکھنا، اب جن حضرات نے تصریح کی ہے اس جیسے مال خبیث کو صدقہ کر دینے سے ثواب دیا جاتا ہے اس سے انکا مقصد حکم شریعت کے امتثال سے اجر وثواب کا حاصل ہونا ہے اور جن حضرات نے کہا کہ امید ثواب رکھنا حرام ہے بلکہ جو امید ثواب رکھتا ہے وہ دین سے خارج ہو جاتا ہے ان کی غرض یہ ہے کہ نفس مال حرام سے امید ثواب نہ رکھنی چاہئے اور نہ وہ مقبول ہے اگر اس نے فقیر کو دیتے وقت امید ثواب رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا اب کوئی تعارض نہیں بہرحال شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ ایسا مال حرام صدقہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مال خبیث سے اپنی جان چھڑانے کی نیت کریں تاکہ اس کے وبال سے بچ جائے اور ثواب کی

امید ہی نہ رکھے البتہ امر شارع کی اطاعت سے بے شک امید ثواب رکھے بھلا مال حرام سے امید ثواب کیوں کر رکھ سکتا ہے اس کے لئے تو یہی کافی ہے کہ کسی طرح نجات پا جائے اور معاملہ برابر سرابر رہے۔

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس جملہ یعنی ''ولا صدقة من غلول'' کو باب سے کیا مناسبت ہے باب کا تعلق صرف اول جملہ سے ہے جملہ ثانیہ سے کوئی مناسبت نہیں البتہ یہ ضرور دیکھنا ہے کہ اس کا ربط پہلے جملہ کے ساتھ کیا ہے اور کس مناسبت سے اس کو یہاں بیان کیا گیا ہے گو یہ اشکال یہاں پیدا نہ ہونا چاہئے تھا کیوں کہ عبارتی ربط یہاں مقصود نہیں ہوتا بلکہ ربط حالات سے ہوا کرتا ہے بسا اوقات مختلف امور بیان کرنے ہوتے ہیں اس وقت عبارتی ربط کا لحاظ نہیں ہوتا مگر یہاں پر بحمد اللہ ایک لطیف ربط موجود ہے کہ ماقبل کی عبارت سے دو طریقہ پر ربط ہے اول یوں کہ پہلے جملہ میں صلوٰۃ سے متعلق حکم تھا اور دوسرے میں صدقہ سے متعلق حکم ہے اور دونوں کا ذکر قرآن پاک میں ساتھ ساتھ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ويقيمون الصلوٰة ومما رزقنٰهم ينفقون﴾ ﴿وقال الله تعالىٰ ويقيمون الصلوٰة ويوتون الزكوٰة﴾ وغیرہا اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے بھی اتباعاً للقرآن الکریم دو احکام کو ایک ہی ساتھ بیان فرمادیا اور عبادت بدنی اور عبادت مالی کے درمیان مناسبت ظاہر ہے دوسری مناسبت یوں ہے کہ مصنفؒ نے باب باندھا ہے فرض وضو کا اور حدیث میں جو لفظ آیا ہے طہور کا اس سے مناسبت ظاہر ہو رہی ہے کیوں کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ طہارۃ دو قسم کی ہے ایک حسی دوسری معنوی پہلے جملے سے طہارۃ حسی کی طرف اشارہ فرمادیا اور دوسرے سے طہارۃ معنوی کی طرف کیوں کہ صدقہ کرنے سے بخل اور قلت رحمت وغیرہ باطنی رذائل سے انسان پاک وصاف ہوتا ہے لہٰذا دونوں کو جمع فرمادیا۔

(كذا قال العلامة شبير احمد العثمانیؒ)

الاعتداء فی الوضوء

وضو میں حد مقررہ سے تجاوز کرنا

اخبرنا محمود بن غيلان حدثنا يعلى حدثنا سفيان عن موسىٰ ابن ابی عائشة عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال جاء اعرابیٌّ الى النبی صلى الله عليه وسلم يساله عن الوضوء فأراه الوضوء ثلاثا ثلاثا ثم قال هٰكذا الوضوء فمن زاد علىٰ هذا فقد أساء وتعدى وظلم.

عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب بن محمد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے وضو کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے اسے ہر عضو سوائے سر کے تین تین مرتبہ دھو کر دکھلا دیا پھر فرمایا کہ وضوء کامل اسی طرح ہے اس کے بعد جو شخص اس پر زیادتی کرے گا تو اس نے برا کام کیا اور حد سے گذر گیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا۔

تشریح: چونکہ قولی تعلیم سے عملی تعلیم بآسانی سمجھ میں آتی ہے اور دل و دماغ میں مضبوطی کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اعرابی کو عملی تعلیم دی کہ آپ ﷺ نے سوائے مسح سر کے ہر عضو کو وضو میں تین تین مرتبہ دھویا ہے پھر اس سائل

سے فرمایا کہ وضوء کامل اسی کو کہتے ہیں جس کا تم نے مشاہدہ کیا ہے یاد رکھو اگر کسی نے اس پر زیادتی کی تو اس نے برا کیا کیوں کہ اس نے سنت کو چھوڑ دیا اور حدود مقررہ سے گذر گیا اور ثواب کم ہو جانے کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کیا تو یہ تینوں الفاظ اساءۃ و تعدی اور ظلم مذمت کے الفاظ ہیں جو وضو میں سنت مقررہ سے تجاوز کرنے والے کے لئے وارد ہیں بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ عضو مغسول کو وضو میں تین تین مرتبہ دھونا چاہئے ثلاثا ثلاثا کا لفظ آیا ہے کیوں کہ تحدید مقررہ پر زیادتی کی صورت میں دھمکی کے کلمات مذکورہ استعمال فرمائے ہیں۔

نسائی کی روایت میں جو محمود بن غیلان کے طریق سے ہے اختصار ہے مفصل روایت ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہے اور نسائی کی روایت میں فقط فمن زاد پر اقتصار کیا گیا ہے اسی طرح امام احمد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے جیسے نسائی وغیرہ کی روایت ہے۔

بہر حال او نقص کا لفظ ان کی روایت میں نہیں ہے لیکن ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں اس لفظ کی زیادتی ہے اب اس حدیث کو جس میں او نقص آیا ہے بہت سے علماء نے اس کو مشکل جانا ہے اس لئے کہ تین مرتبہ سے کم دھونے کی صورت میں کیونکر گنہگار اور ظالم ہو سکتا ہے حالانکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے وضو میں عضو کو ایک ایک مرتبہ اور دو دو مرتبہ دھویا ہے، نیز مختلف احادیث میں آیا ہے کہ جو اپنے عضو کو دو دو مرتبہ دھوئے گا اس کو دوگنا ثواب ملے گا ادھر او نقص والی روایت بتلا رہی ہے کہ تین بار سے کم دھونے والا شخص ظالم اور مسئی ہوگا تو جو عمل احادیث سے ثابت ہے اس پر الفاظ وعید کیسے وارد ہوئے اس لئے علماء نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔

امام مسلمؒ نے تو اس حدیث کی اسناد صحیح ہونے کے باوجود اس کو عمرو بن شعیب کی منکر روایات میں داخل کیا ہے کیوں کہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے تین سے کم ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دھویا ہے اس کے لئے بھی مذمت کے الفاظ مذکورہ استعمال ہوئے ہیں حالانکہ خود نبی کریم ﷺ سے ایسا عمل ثابت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے بعض محققین کی طرف سے ایک جواب یہ نقل کیا کہ یہاں حدیث میں عبارت محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے ''من نقص شیأ من واحدۃ'' یعنی اداء فرض کا درجہ جو ایک ایک بار دھونا ہے اس میں کمی کی مثلاً ناخن کے برابر جگہ وضو میں چھوڑ دی اس پر الفاظ وعید وارد ہوئے ہیں اور اس کی تائید نعیم بن حماد کی اس روایت سے ہو رہی ہے جس کو انہوں نے بواسطہ **مطلب بن حنطب** بطریق مرفوع روایت کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں'' **الوضوء مرۃ مرۃ ومرتین وثلاثاً فان نقص من واحدۃ او زاد علی ثلاث فقد اخطأ** '' یہ حدیث مرسل ہے کیوں کہ مطلب بن حنطب تابعی صغیر ہیں اور اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں اب اس سے عمرو بن شعیب کی حدیث کی مراد واضح ہوگئی کہ تین سے زیادہ کرنا بھی تعدی ہے اور ایک سے کم کرنا بھی ظلم و اساءت ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ظلم نقصان سے متعلق ہے اور تعدی زیادت سے متعلق ہے۔

اور ایک جواب حدیث مذکورہ کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ معلول ہے کیوں کہ تمام راوی لفظ او نقص کے ذکر پر متفق نہیں بلکہ اکثر راویوں نے فقط فمن زاد پر اقتصار کیا ہے اسی طرح ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں صرف فمن زاد روایت کیا ہے اور اسی طرح

امام احمدؒ ونسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

بہر حال مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ زیادت اور نقصان دونوں قابل مذمت ہیں اور اس کی وزیادتی کا تعلق مواضع وضو سے بھی ہوسکتا ہے یعنی چار عضو ہیں اور ہر ایک کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ کتنی حدتک دھوئے جائیں گے اب اگر کوئی شخص مقدار فرض سے کم دھورہا ہے یا کوئی شخص ضروری خیال کر کے مقدار عضو میں زیادتی کررہا ہے اور اس کی اور زیادتی کا تعلق عدد سے بھی ہوسکتا ہے بہر صورت کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ ظلم وغیرہ کا مرتکب نہیں لیکن صاحب بدائع نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ وہ اعتقاد پر محمول ہے نہ کہ نفس عمل پر مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص تین پر زیادتی کریگا یا اس سے نقصان کرے گا اس خیال سے کہ وہ تین مرتبہ دھونے کو سنت نہیں سمجھتا ہے کیوں کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی سنت کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے اس نے بدعت نکالی ہے وہ مبتدع ہے لہٰذا ایسا شخص وعید کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی شخص تین پر زیادتی کرتا ہے یا اس سے کمی کرتا ہے لیکن تین مرتبہ کے غسل کو سنت سمجھتا ہے تو وہ وعید میں داخل نہ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

الامر باسباغ الوضوء

وضوء کامل کا حکم دینا

اخبرنا یحیی بن حبیب بن عربی حدثنا حماد حدثنا ابو جهضم قال حدثنی عبدالله بن عبیدالله بن عباس قال کُنا جلوسًا الی عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہ فقال والله ماخصّنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بشئی دون الناس الابثلثة اشیاء فانهٔ امرنا ان نسبغ الوضوء ولا ناکل الصدقة ولاننزء الحمر علی الخیل.

عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس سے روایت ہے عبداللہ نے کہا کہ ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے کہا کہ خدا کی قسم رسول اکرم ﷺ نے ہم کو کسی حکم کے ساتھ بغیر دوسرے لوگوں کے مخصوص نہیں فرمایا مگر تین چیزوں کے ساتھ ایک تو یہ کہ حضور ﷺ نے ہم کو کامل وضو کرنے کا حکم دیا ہے دوسری یہ کہ ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں تیسری یہ کہ ہم جفتی نہ کرائیں گدھوں سے گھوڑیوں کی۔

اخبرنا قتیبة قال حدثنا جریر عن منصور عن هلال بن یساف عن ابی یحیی عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اسبغوا الوضوء.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم کامل وضو کیا کرو۔

تشریح: حدیث کی دلالت ترجمہ پر واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو وضوء مسبغ کا امر فرمایا ہے وضوء مسبغ اس وضوء کا نام ہے جس میں وضو کے تمام فرائض وسنن اور آداب کی رعایت ہو حدیث میں ''**فانه امرنا ان نسبغ الوضوء**'' آیا ہے یہاں سے ان اشیاء ثلاثہ کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں اس بناء پر امر سے مراد امر ایجابی ہے یعنی اہل بیت کے لئے وضوء مسبغ کا حکم بطور ایجاب کے تھا ورنہ اختصاص کا کوئی مطلب حاصل نہ ہوگا کیوں کہ اسباغ وضو تو سب کے لئے مستحب

ہے یا امر استحبابی مراد ہے، مگر اہل بیت کے لئے مستحب مؤکد اور دوسروں کے لئے بلا تاکید مستحب ہے اس صورت میں بھی اختصاص کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح انزاء الحمار علی الفرس کا حال ہے کہ اگر ہم اس کو مطلقاً مکروہ کہیں تو اختصاص ظاہر نہ ہوگا لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ وہ انزاء دوسرے کے حق میں مکروہ نہیں ہے تو خصوص ظاہر ہوگا یا یہ کہیں کہ کراہت انزاء تو سب ہی کے لئے ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ بہ نسبت اہل بیت کے نہی تحریم ہو اس توجیہ پر بھی اختصاص کا اظہار ہوتا ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث مذکور میں بیان فرمارہے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ سبب کراہت قطع نسل ہے کہ گھوڑے کی نسل ختم ہو جائے گی نیز ادنی چیز (خچر) کو عمدہ اور اعلیٰ چیز (گھوڑے) کے بدلے میں لینا ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا اور موقع امتنان پر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان جتلانا اس قول سے ''والخيل والبغال والحمير الخ'' انزاء کی عدم کراہت پر دلیل ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ تصویر کی طرح ہے دیکھئے تصویر کا عمل حرام ہے مگر صورتوں کا استعمال فرش وغیرہ میں جائز ہے اسی طرح یہاں انزاء حمار علی الفرس میں سمجھ لیں کہ نفس انزاء تو مکروہ ہے مگر رکوب جائز ہے۔ (كذا في حاشية الامام السندیؒ)

اس حدیث میں شیعہ پر ردّ بلیغ ہے کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو علوم مخصوصہ کے ساتھ مختص فرمایا ہے۔

باب الفضل فی ذالک

وضوء کامل کی فضیلت کا بیان

اخبرنا قتيبة عن مالک عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابيه عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الا أُخبر كم بما يمحو الله به الخطايا ويرفع به الدرجات اسباغ الوضوء على المكاره و كثرة الخطا الى المسجد وانتظار الصلوٰة بعد الصلوٰة فذالكم الرباط فذالكم الرباط فذالكم الرباط.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسے عمل کی خبر نہ دوں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیگا اور درجات کو بلند کر دے گا وہ یہ ہیں کہ مشقتوں کی حالت میں اچھی طرح وضو کرنا اور مسجدوں کی طرف قدموں کا زیادہ رکھنا اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا پس یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔

تشریح: حدیث باب سے وضوء مسبغ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے فرمایا ''اسباغ الوضوء على المكاره'' مکارہ جمع ہے مکرہ بفتح المیم کی جو ماخوذ ہے کرہ سے اس کے معنی ہیں مشقت کے یعنی جہاں مشقت کے حالات ہوں اس وقت وضو کامل کرنا مثلاً کسی جنگل میں پانی نہ ہو اور اگر موجود بھی ہو تو قیمت زیادہ ہو تو ایسی صورت میں زیادہ قیمت خرچ کر کے پانی خرید لے اور اس سے وضوء کامل کرے یا پانی ٹھنڈا ہے جیسا کہ سردی کے موسم میں ہوتا ہے یا جسم میں درد ہے یا پیاس لگی ہے مگر

پانی سے وضو کرنے کی خاطر پیاس کا تحمل کرے، غرض کہ مکارہ اس قسم کی تمام صورتوں کو شامل ہے تو ایسی مشقت کے وقت وضوء مسبغ سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں محو خطایا کنایہ ہے مغفرت ذنوب سے یا ان خطایا کو فرشتوں کی کتابوں سے مٹا دیا جاتا ہے اور یہ مٹا دینا مغفرت ذنوب کی دلیل ہے اور درجات سے مراد جنت کے منازل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسباغِ وضوء سے وہ عطا فرمائیں گے۔

دوسری چیز کثرت خُطا بیان کی گئی ہے یہ کنایہ ہے حضور فی المسجد کا التزام اور اہتمام اور اس کی کثرت تکرار سے اس کے یہی معنی صحیح ہیں ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں زید بن ثابت کے ساتھ مسجد کی طرف جارہا تھا تو وہ زمین پر قدم چھوٹے چھوٹے رکھ کر چل رہے تھے اور انہوں نے بتلایا کہ قدم کو مسجد کی طرف زیادہ کررہا ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس سے فضیلت میں برابری لازم نہیں آتی اگرچہ الفاظ حدیث ''**وكثرة الخطا الخ**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرۃ اقدام الی المسجد کی فضیلت ہے کیوں کہ ایک شخص مسجد سے دور رہتا ہے اور ایک شخص قریب رہتا ہے تو جو شخص دور سے چل کر مسجد میں آئے گا وہ جو قدم بھی زمین پر رکھ رہا ہے وہ محنت ومشقت والے ہوں گے اور جو مسجد کے قریب رہتا ہے وہ جو قدم بھی زمین پر رکھ رہا ہے وہ سہل اور آسان ہوں گے اس لئے دونوں فضیلت اور ثواب میں برابر نہیں ہوسکتے تو ارشاد مذکور کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ بعضوں نے سمجھا ہے کہ قدموں کی تکثیر کے لئے تقارب خُطا اور تقصیر خطوات اختیار کرے بلکہ اس کے یہی معنی صحیح ہیں کہ وہ کنایہ ہے حضور مسجد کا التزام واہتمام اور اس کی کثرت سے۔

تیسری چیز جو بیان کی گئی ہے انتظار صلوٰۃ ہے اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسجد میں ہی بیٹھا رہے یا انتظار اس طریقہ سے کرے کہ گو جسم مسجد سے باہر ہو لیکن بقلبہ مسجد میں ہو یعنی دل مسجد میں لگا رہے اور بخاری کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا منجملہ اس کے ایک وہ ہے کہ ''**رجل قلبهٗ معلق فی المساجد**'' اور سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے اشغال میں لگ جاتے تھے مگر دل ان کا مسجد میں لگا رہتا تھا لہٰذا یہی بہتر توجیہ ہے۔

فذالكم الرباط: قاموس میں مرابطت اور رباط کے دو معنی لکھے ہیں ایک ملازمۃ ثغر لعدو یعنی دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان سرحد کے قریب پڑاؤ ڈالنا تاکہ دار الاسلام کی حفاظت کفار سے رہے دوسرے معنی مواظبت علی الامر یعنی مطلق احکام کی پابندی کرنا اور حدیث میں انتظار صلوٰۃ بعد صلوٰۃ وغیرہ کو رباط فرمایا ہے اس میں دونوں کا احتمال ہے یا تو معنی اول کے اعتبار سے تشبیہاً اس کو رباط فرمادیا کہ جس طرح سرحد پر دشمن کے مقابلہ میں مستعد رہتا ہے اسی طرح یہاں یعنی نماز وغیرہ کی پابندی میں بڑے دشمن نفس اور شیطان کا مقابلہ کررہا ہے جس کی عداوۃ پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا یہ جہاد اکبر ہے اسی لئے لفظ الرباط کو معرفہ لائے اور اس کی تعظیم شان کے لئے تکرار فرمایا یا معنی ثانی کے اعتبار سے بطور حقیقت فرمادیا ہے کہ یہ انتظار خود علامت ہے دوام کی جیسا کہ ظاہر ہے۔ (**واللہ اعلم بالصواب، کذا فی الحاشیۃ للشیخ السندیؒ**)

ثواب من توضأ کما أمر

جس طرح وضو کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح جو شخص وضو کرے گا اس کا ثواب

اخبرنا قتیبة ابن سعید حدثنا اللیث عن ابی الزبیر عن سفیان بن عبدالرحمن عن عاصم بن سفیان الثقفی انهم غزوا غزوة السلاسل ففاتهم الغزوُ فرابطوا ثم رجعوا الی معاویة وعندهٗ ابو ایوب وعقبة بن عامر فقال عاصم یا ابا ایوب فاتنا الغزو العام وقد اخبرنا انهٗ من صلیٰ فی المساجد الاربعة غفرلهٗ ذنبهٗ فقال یاابن اخی ادُلک علیٰ ایسر من ذالک انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من توضأ کما اُمر وصلیٰ کما اُمر غفرلهٗ ما قدم من عمل أکذالک یا عقبة قال نعم.

عاصم بن سفیان ثقفی سے روایت ہے کہ وہ اوران کے ساتھی نے جنگ سلاسل کا قصد کیا تھا مگر غزوہ ان سے فوت ہو گیا پس وہ اپنے عزم پر جمے رہے پھر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اوران کے پاس حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ موجود تھے عاصم نے کہا اے ابوایوب اس سال ہم سے جنگ فوت ہوگئی ہے اور ہم کو بتلایا گیا ہے کہ جو شخص چار مساجد میں نماز پڑھے گا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، حضرت ابوایوب نے کہا اے بھتیجا میں تم کو اس سے زیادہ آسان کام بتلاتا ہوں بے شک میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص وضو کرے گا جیسے اس کو حکم دیا گیا ہے اور نماز پڑھے گا جیسے اس کو حکم دیا گیا ہے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، کیا ایسا ہی ہے اے عقبہ؟ تو عقبہ نے جواب دیا ہاں!۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد عن شعبة عن جامع بن شداد قال سمعت حُمران بن ابان اخبر ابابردة فی المسجد انهٗ سمع عثمان یحدّث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من اتمّ الوضوء کما امرهُ الله عزوّجل فالصلوٰة الخمس کفارات لما بینهن.

جامع بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حمران بن ابان سے سنا کہ اس نے مسجد میں ابوبردہ کو خبر دی کہ اس نے (یعنی میں نے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح کامل وضو کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے تو پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لئے کفارہ ہیں۔

اخبرنا قتیبة عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عن حمران مولیٰ عثمان ان عثمان قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ما من امرئٍ یتوضأ فیحسن وضوئهٗ ثم یُصلی الصلوٰة الاّ غفرلهٗ ما بینه وبین الصلوٰة الاخریٰ حتی یُصلیها.

حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اچھی طرح وضو کرکے نماز پڑھے اس کے گناہ بخش نہ دیئے گئے ہوں بیشک اس کے وہ گناہ

بخش دیئے جائیں گے جو دوسری نماز تک ہوں یہاں تک کہ وہ اس کو پڑھ لے۔

اخبرنا عمرو بن منصور حدثنا آدم بن ابی ایاس قال حدثنا اللیث هو ابن سعد حدثنا معاویة بن صالح قال اخبرنی ابو یحیی سلیم بن عامر وضمرة بن حبیب وابو طلحة نعیم بن زیاد قالوا سمعنا ابا اُمامة الباهلی یقول سمعت عمرو بن عبسة یقول قلت یا رسول الله کیف الوضوء قال اَما الوضوء فانک اذا توضأت فغسلت کفیک فانقیتهما خرجت خطایاک من بین اظفارک وانا مِلک فاذا مضمضت واستنشقت منخریک وغسلت وُجهک ویدیک الیٰ المرافقین ومسحت رأسک وغسلت رجلیک الیٰ الکعبین اغتسلت من عامّة خطایاک فان انت وضعت وجهک لله عزوجل خرجت من خطایاک کیوم ولدتک اُمک قال ابو امامة فقلت یا عمرو بن عبسة انظر ما تقول اکل هذا یعطی فی مجلس واحد فقال اما والله لقد کبرت سنّی ودنا اجلی وما بی من فقر فاکذب علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ولقد سمعتهٗ اذ نای ووعاه قلبی من رسول الله صلی الله علیه وسلم.

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیفیت وضو کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو بن عبسہ جب تم وضو کا عمل شروع کرو اور سب سے پہلے تم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولیا اور ان کو خوب صاف کیا تو تمہارے گناہ ناخنوں کے درمیان سے خارج ہو گئے پھر جب تم نے کلی کی اور دونوں ناک میں پانی داخل کیا اور چہرے کو دھویا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا اور سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا تو تم یقین جانو کہ عام گناہوں سے پاک وصاف ہو گئے پھر اس کے بعد اگر تم نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے واسطے رکھا یعنی نماز پڑھی تو تم اپنے تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو گئے جیسے تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھے، حضرت ابوامامہ باہلی نے کہا اے عمرو بن عبسہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سوچ سمجھ کر کہو کیا یہ سب کچھ ایک ہی مجلس میں دیا جائے گا حضرت عمرو بن عبسہ نے جواب دیا سن لو خدا کی قسم میری عمر بڑی ہو گئی اور موت کا وقت نزدیک آ گیا اور مجھے کوئی تنگی محتاجی نہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں خدا کی قسم اس حدیث کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور اس کو میرے قلب نے یاد رکھا۔

تشریح: غزوۃ السلاسل: کبھی غزوہ سے مراد معنی لغوی لیتے ہیں قطع نظر اصطلاح مشہور سے کہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف رکھتے ہوں تو اس حدیث میں جس غزوہ کا بیان ہے اس سے مراد غزوہ لغوی ہے، ۸ھ میں جمادی الاخریٰ میں غزوۂ سلاسل ہوا ہے، یہ وادی القریٰ کے آگے ہے اور یہاں سے مدینہ منورہ دس دن کا راستہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تھا کہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمی کے ہمراہ اس طرف روانہ کیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ دشمن کا مجمع زیادہ ہے تو دو سو آدمی اور دیگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ لوگ بڑھتے چلے جاتے تھے کچھ دشمن ملے مسلمانوں نے حملہ کیا تو سب بھاگ کر متفرق ہو گئے لشکر اسلام ایک پانی پر ٹھہرا تھا جس کا نام سلاسل تھا اس لئے اس غزوہ کا نام

ذات السلاسل ہوااور بعض نے کہا کہ سلاسل سلسلہ وار ریگ کو کہتے ہیں وہ زمین ایسی ہی تھی۔

اس حدیث میں چار مساجد میں نماز پڑھنے سے مغفرت ذنوب کی جو بشارت آئی ہے ان سے مراد مسجد مکہ ومسجد مدینہ ومسجد قباء ومسجد اقصیٰ ہیں کہ ان میں نماز ادا کرنے کی بدولت گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جہاد فوت ہوجانے کی وجہ سے جونقصان ہوا ہے اس کی تلافی اور تدارک اس طریقہ سے ہونے کی خبر دی لیکن سفر بعید کی مشقت اختیار کئے بغیر حصول مقصد ممکن نہیں اس لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس سے آسان اور سہل طریقہ بتلا دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کے تمام فرائض وآداب اور سنن وغیرہ کی رعایت کر کے وضو کرے گا پھر سکون کے ساتھ تحیۃ الوضوء کی دو رکعت نماز پڑھے گا تو اس کے گناہ سابق معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

آخری حدیث میں ہے ''کیوم ولدتک امک'' یعنی جس طرح ایک بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا وہ گناہ سے پاک وصاف ہوتا ہے اسی طرح کامل وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی برکت سے تم گناہ سے پاک ہو جاؤ گے، یہاں پر اشکال یہ ہے کہ خروج من الخطایا فرع ہے دخول فی الخطایا کی لہٰذا ولادت کے دن اس کا تصور تک نہیں ہوسکتا نیز یہ کہ اس تشبیہ سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ مغفرۃ کبائر کی بھی ہوگی کیونکہ انسان ولادت کے وقت تمام صغائر وکبائر سے پاک ہوتا ہے حالانکہ علماء اس کے قائل نہیں صرف مغفرۃ صغائر کے قائل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ''کیوم ولدتک امک'' کا لفظ خرجت جس چیز پر دلالت کر رہا ہے اسی کے ساتھ متعلق ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے پاک ہو گئے جیسے یوم ولادت کو تم صغائر سے پاک تھے، اور یہ صحیح ہے اور قرائن وادلہ کے پیش نظر تشبیہ کو اسی پر حمل کرنا کوئی بعید بات نہیں۔ (کذا قال علامة السندھی)

فقال اما واللہ لقد کبرت سنی الخ: جب حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی جو مختصر عمل پر اس قدر ثواب عظیم کی بشارت بتلا رہی ہے تو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ اے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں سوچ سمجھ کر فرمایئے ان الفاظ سے اس لئے مخاطب ہوئے کہ سننے والے کے دل میں خیال گذر سکتا ہے کہ عمل تو بہت چھوٹا ہے اور اس پر اس قدر اجر عظیم کا وعدہ ہے اس لئے یہ بیان مبالغہ پر مبنی ہے یا یہ کہ راوی سے سہو ہو گیا ہے۔

بہر حال یہ حدیث عام لوگوں کے لئے تردد یا شبہ کا باعث ہوگی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی تاکید در تاکید کے ساتھ ''اما واللہ الخ'' الفاظ سے بتلا دیا کہ میں نے نہ مبالغہ سے کام لیا ہے اور نہ مجھ سے سہو واقع ہوا ہے خدا کی قسم میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث جیسی سنی تھی ویسی ہی اس کو محفوظ رکھا اور کتمان علم کی وعید سے بچنے کے لئے اس کو لفظ بلفظ بیان کر دیا اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا عوام کے اختیار میں ہے میں تو اپنا فریضہ پورا کر دیا۔

القول بعد الفراغ من الوضوء

وضو سے فارغ ہونے کے بعد دعا پڑھنے کا بیان

اخبرنا محمد بن علی بن حرب المروزی قال حدثنا زید بن الحباب قال حدثنا معاویة بن صالح

عن ربيعة بن يزيد عن ابى ادريس الخولانى وابى عثمان عن عقبة بن عامر الجهنى عن عمر بن الخطاب ﷺ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضاء فاحسن الوضوء ثُم قال اشهدان لااله الا الله واشهد ان محمدًا عبدهُ ورسولهُ فتحت لهُ ثمانية ابواب الجنة يدخل من ايها شاء.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر وضو سے فارغ ہو کر اشھد ان لا الہ الا اللہ آخر تک پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

تشریح: ثم قال اشهدالخ: طیبی نے کہا کہ وضو کے بعد شہادتین کے پڑھنے میں اس بات پر اشارہ ہے کہ پائخانہ پیشاب اور حدث سے اعضاء وضوء کی طہارت کے بعد اپنے قلب کو شرک اور ریاء سے پاک کر لینا اور عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص بنالینا ہے۔

امام نووی نے کہا کہ یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے کہ وضوء کے بعد شہادتین کے دونوں کلموں کو پڑھنا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ شہادتین کے ساتھ ان کلمات کو بھی ملالیا جائے جو ترمذی کی روایت میں آئے ہیں ''**اللّٰهم اجعلنى الخ**'' پھر ان کے ساتھ ان کلمات کو بھی ملالینا اچھا ہے جو امام نسائی نے عمل الیوم واللیل میں مرفوعاً نقل فرمائے ہیں ''**سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك**'' علماء احناف اس وظیفہ کو غسل کرنے والے کے لئے بھی مستحب کہتے ہیں۔

بہر حال جو شخص وضو کے بعد اس دعا کو پڑھے اس کے واسطے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اشکال یہ ہے کہ دوسری احادیث سے تقسیم ابواب جنت معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ابواب جنت تیار کئے گئے ہیں اعمال مخصوصہ کی اہلیت رکھنے والے کے واسطے مثلاً جس پر صوم کا رنگ غالب تھا وہ باب الریان سے داخل ہوگا وعلیٰ ہذا القیاس اب وضو کرنے کے بعد دعاء مذکور پڑھنے والے کے واسطے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جانے کی روایت بظاہر ان احادیث کے خلاف ہے جن میں مصلی باب الصلوٰۃ سے اور مجاہد باب الجہاد سے اور روزہ دار باب الریان وغیرہ ذالک سے جنت میں داخل ہونے کا بیان آیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بطور اعزاز واکرام اس متوضی کے لئے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے لیکن داخل اس باب سے ہوگا کہ جس عمل کا رنگ اس پر غالب تھا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا ارحم امتی بامتی ابوبکر رضی اللہ عنہ تو کیا ان کے علاوہ دوسرے صحابہ میں رحم کا وصف موجود نہیں تھا بے شک تھا مگر حضرت ابوبکر کی شان میں غلبہ کی وجہ سے ارحم امتی فرمایا گیا ہے جیسا کہ ہمارے محاورات میں شاہ ولی اللہ کہتے ہیں مولانا کوئی نہیں کہتے (شاہ اس کو کہتے ہیں جس پر صفت درویشی غالب ہو اور مولانا وہ جس پر صفت علم کا غلبہ ہو یہ عرف ہے) حالانکہ ان پر صفت علم کا کیا پوچھنا؟ وہ تو اعلیٰ مرتبہ کے علوم کے صاحب تھے مولانا قاسم ومولانا رشید احمد کہتے ہیں اس لئے کہ ان پر صفت علم کا غلبہ تھا سب میں علم ودرویشی تھی لیکن شاہ صاحب پر صفت درویشی علم پر غالب تھی اور مولانا پر صفت علم غالب تھی اسی طرح عاملین میں بھی کسی پر کسی صفت کا غلبہ ہوتا ہے ایک عابد ہے تمام رات عبادت کرتا ہے مگر

اس سے جہاد وغیرہ نہیں ہوسکتا اور ایک وہ ہے کہ گو پوری رات عبادت نہیں کرتا لیکن اگر ذرا سی بات پر بھی جو اللہ کے اور رسول کے خلاف دیکھی تو پھر جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

غرض کہ مراد یہی ہے کہ جس پر صلوٰۃ کا رنگ غالب ہے وہ باب الصلوٰۃ سے داخل ہوگا اور جس پر دوسری صفت غالب ہوگی وہ دوسرے دروازے سے داخل ہوگا اسی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کوئی ایسا بھی ہوگا جو ان سب دروازوں سے داخل ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں "وارجو ان تکون منھم" کہ میں امید کرتا ہوں کہ وہ تم ہو، متعدد دروازوں سے دخول میں صرف شرف وکمال کا اظہار ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس کی حکمت لکھی ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں اور جنت کے آٹھ اس کی حکمت کیا ہے بہت لطیف بات لکھی ہے کہ ایک جماعت وہ بھی ہوگی جو بلا حساب داخل فی الجنۃ ہوگی اور جہنم میں دخول بلا وجہ خلاف عدل ہے تو جنت میں وہ قوم اس آٹھویں دروازے سے داخل ہوگی لیکن دوزخ میں بلا وجہ اور حساب کے دخول نہیں ہوگا لہٰذا اس کے سات دروازے ہیں۔

حلية الوضوء

جنت میں مؤمن کو وضو کی بدولت زیور پہنایا جائے گا

اخبرنا قتيبة بن سعيد عن خلف وهو ابن خليفة عن ابى مالك الاشجعي عن ابى حازم قال كنت خلف ابى هريرة وهو يتوضأ للصلوٰة وكان يغسل يديه حتى يبلغ ابطيه فقلت يا ابا هُريرة ما هٰذا الوضوء فقال لى يا بنى فروخ انتم هٰهنا لو علمت انكم هٰهنا ما توضأتُ هٰذا الوضوء سمعت خليلى صلى الله عليه وسلم يقول تبلغ حلية المؤمن حيث يبلغ الوضوء.

ابی حازم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا اور وہ نماز کے لئے وضو کر رہے تھے اور جب دونوں ہاتھوں کو بغل تک دھویا تو میں نے کہا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کیسا وضو ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بنی فروخ تم یہاں ہو اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس جگہ موجود ہو تو میں اس طرح کا وضو نہ کرتا میں نے اپنے دوست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مؤمن کو جنت میں زیور پہنایا جائے گا جہاں تک وضو کا پانی پہونچتا ہے۔

اخبرنا قتيبة ابن سعيد عن مالك عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابيه عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى المقبرة فقال السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون ودِدتُ انى قد رأيت اخواننا قالوا يا رسول الله ألسنا اخوانك قال بل انتم اصحابى واخوانى الذين لم يأتوا بعد وانا فرطهم على الحوض قالوا يا رسول الله كيف تعرف من يأتى بعدك من امتك قال ارأيت لو كان لرجلٍ خيلٌ غر محجلة فى خيل بُهم دُهم الايعرف خيله قالوا بلىٰ قال فانهم ياتون يو م القيامة

غرا محجلین من الوضوء وانا فرطھم علی الحوض.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ یعنی جنت البقیع میں تشریف لائے پھر فرمایا اے مؤمنین کی جماعت تم پر سلام ہو بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تم سے ملنے والے ہیں آرزو رکھتا ہوں یہ کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں، صحابہ نے عرض کیا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے بھائی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو اب تک نہیں آئے اور میں ان کا میر سامان ہوں حوض کوثر پر صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ ان کو کس طرح پہچانیں گے جو آپ کی امت میں سے آپ کے بعد آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم بتلاؤ کہ اگر کسی شخص کے سفید پیشانی اور سفید دست وپا والے گھوڑے نہایت سیاہ گھوڑوں میں ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا صحابہ نے جواب دیا ضرور شناخت کرلے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق وہ لوگ قیامت کو اثر وضو سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کی حالت میں آئیں گے اور میں ان سے آگے حوض کوثر پر جاؤں گا۔

تشریح: فقال لی یا بنی فروخ: بعض شارحین نے لکھا ہے کہ فروخ ایک شخص کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اس کی نسل خوب پھیلی اور اس کی نسل سے عجمی پیدا ہوئے جو وسط بلاد میں رہتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ سے خطاب ابی حازم کو کیا ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا تھا جبکہ وہ وضو کر رہے تھے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھوں کو حد مقررہ سے بڑھا کر بغل تک دھویا ابوحازم نے فوراً اعتراض کردیا ''ماھذا الوضوء'' یہی معترض ابوحازم اور ابوسلیمان اعرج جو مولیٰ ہے عزۃ اشجعی کا ایک ہی شخص ہے ایک اور ابوحازم سلمہ بن دینار جو فقیہ اور زاہد تھے اور مولیٰ بنی مخزوم تھے وہ یہاں مراد نہیں دونوں سے صحیحین میں حدیث تخریج کی گئی ہے۔

بہرحال ابوحازم کے اعتراض پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بنی فروخ اگر مجھے پہلے ہی معلوم ہوتا کہ تو یہاں موجود ہے تو پھر میں اس طرز کا وضو نہ کرتا یعنی دونوں ہاتھوں کو حد مقررہ (مفروض) سے بڑھا کر بغل تک نہ دھوتا۔

قاضی عیاضؒ نے کہا کہ اس کلام سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ جو شخص قوم کا مقتدا ہو وہ اگر ضرورت کی بناء پر کسی امر میں رخصت وجواز پر عمل کرنا چاہے یا دفع وسوسہ کے لئے یا اس امر کے متعلق اس کا خاص مذہب ہونے کی وجہ سے اس میں تشدد اختیار کرے تو ایسا شخص لوگوں سے الگ تنہائی میں جاکر وہ عمل کرے عام جاہل لوگوں کے سامنے نہ کرے کیوں کہ جو لوگ اس کے معتقد ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو ہمارے مقتدا نے کیا اصل عمل تو یہی ہے لہٰذا یہی فرض لازمی ہے اور جو معتقد نہیں ہوتے ان کی طرف سے اعتراض اٹھے گا کہ دیکھو مقتدائے قوم کا حال ان کو تو وضو کے مسائل بھی معلوم نہیں دونوں ہاتھوں کو بغلوں تک دھو رہے ہیں۔

غرض کہ مقتدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ عام لوگوں کے سامنے کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے ان کے عقائد وخیالات میں فساد وخلل واقع ہوجائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دوست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا ہے کہ جنت میں مؤمن کو زیور پہنایا جائے گا تو معلوم ہوا کہ ان کے اس عمل کے باعث یہی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر

کوئی اطالہ غرہ یا تحجیل کی غرض سے عضو کو اس کی حد مفروضہ سے بڑھا کر دھوئے تو وہ ظلم وتعدی کی وعید سے مستثنیٰ رہے گا لیکن یہ ہر ایک کے لئے ضابطہ شرعی نہیں بن سکتا ضابطہ شرعی جس کا ہر شخص مکلف ہے وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہے جس کی صحابہ کرام نے بیانِ وضو کے وقت حکایت کی ہے۔

اس حدیث میں لفظ حلیہ وارد ہوا ہے اس سے مراد یہاں تحجیل (ہاتھ پاؤں کی سفیدی) ہے جو اثر وضو سے قیامت کے دن ہوگی یا اس کا اطلاق زینت پر کیا گیا ہے اور مراد اس سے وہی ہے جس کی طرف باری تعالیٰ کا قول اشارہ کر رہا ہے فرمایا ''**یحلون فیها من اساور**'' جنت میں ان کو کنگن پہنائے جائیں گے، جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے۔

(واللہ اعلم)

اس حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''**سمعت خلیلی**'' کہا ہے یہ اس کے معارض نہیں ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''**لو کنت متخذا خلیلاً لا تخذت ابا بکر خلیلاً**'' کیوں کہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کو خلیل نہیں بنایا گویا آپ کے لئے غیر اللہ کو خلیل بنانا امر ممتنع تھا لیکن اگر کسی دوسرے شخص نے حضور ﷺ کو خلیل بنالیا تو یہ امر ممنوع نہیں ہے اس بناء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سمعت خلیلی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مقبرہ یعنی جنت البقیع میں تشریف لائے اور اہل بقیع کو سلام کیا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اہل قبرستان زیارت کرنے والے کو پہچان لیتے ہیں اور ان کے سلام وکلام کو سمجھ لیتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ السلام کو علیکم پر مقدم کرنے میں زندہ ومردہ سب برابر ہیں۔

دار قوم مؤمنین :دار قوم کو اختصاص یا منادیٰ مضاف کی بناء پر نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا یا علیکم کی ضمیر سے بدل قرار دیکر جر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے اور اس سے مجازاً یا بتقدیر مضاف اہل دار مراد ہیں۔

ان شاء اللہ الخ :امام نوویؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ موت کے برحق ہونے اور واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ایسی یقینی چیز ہونے کے باوجود اس کو قید استثناء کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ایسی قطعی چیز کے ذکر میں تو قید مشیت کی حاجت ہی نہیں، اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں، قولِ راجح یہ ہے کہ یہاں پر انشاء اللہ شک کے لئے نہیں ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ نے بطور تبرک اور اللہ تعالیٰ کے قول ''**ولا تقولن لشیءٍ انی فاعل ذالک الخ**'' پر عمل کرتے ہوئے اس کو استعمال فرمایا تھا اور یہ یعنی ''**وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون**'' ایسا ہے جیسا کہ فرمایا ''**لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ**'' کہ دخولِ مسجد حرام امر واجب ہے اس کے باوجود اس کو قید استثناء کے ساتھ مقید کیا ہے جس کا مقصد صرف تبرک اور اللہ تعالیٰ کے قول ''**ولا تقولن الخ**'' بجالانا ہے کیوں کہ شک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو ہی نہیں سکتی۔

احمد بن یحییٰ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ جلّ شانہٗ باوصف اس کے کہ کائنات عالم کے ذرہ ذرہ اور تل برابر چیز کو بھی جانتا ہے مگر اس نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے استثناء کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ مخلوق ان اشیاء میں جو اس کو معلوم نہیں استثناء کا

لفظ استعمال کرے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم اپنی کتاب کی اس آیت ''ولا تقولن لشئی الخ ''میں دیا ہے نیز یہ کہ متکلم کی عادت ہے کہ جب وہ کلام کو مزین اور آراستہ کرنا چاہتا ہے تو وہ استثناء کا لفظ استعمال کرتا ہے، تو یہاں حدیث باب میں جو ''وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ''فرمایا ہے اس سے مقصود تحسین کلام ہے، یا یہ کہ استثناء راجع ہے مدینہ میں مرنے اور مکان متبرک جنت البقیع میں دفن ہونے کی طرف کیوں کہ یہ چیز مشکوک ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وما تدری نفسٌ بای ارض تموت'' یا یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس وقت کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے بارے میں نفاق کا خیال تھا تو استثناء انہی کی طرف راجع ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ قید مشیئت لفظ مؤمنین کے معنی کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوگا'' ای لاحقون فی حال الایمان ''یعنی ان شاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ بحالت ایمان لاحق ہونے والے ہیں اس لئے کہ موت کے وقت ایمان کی بڑی آزمائش ہوتی ہے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی ''واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ''اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی ''توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین''۔

اور حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی ''اللّٰھم اقبضنی الیک غیر مفتون ''غرض کہ بقول محقق ابن عبدالبر کے استثناء مؤمنین کے مدلول ومعنی کی طرف راجع ہے، بہر حال اشکال مذکور کے یہ جوابات دیئے گئے ہیں۔

اسی حدیث میں ہے ''وودت انی قد رأیت الخ ''اشکال یہ ہے کہ اوپر اصحاب قبور کا ذکر فرمایا تو اُس سے وِداد کا کیا ربط ہے یہ اشکال طیبی نے کیا ہے پھر اس کا جواب بھی خود ہی دیا ہے کہ سابقین کے تصور کے وقت لاحقین کا خیال آہی جاتا ہے تو یہاں پر جب حضور اکرم ﷺ نے اہل جنت بقیع کا جو سابقین ہیں تصور فرمایا تو لاحقین یعنی تابعین وغیرہ کا خیال دل میں آ گیا یا بطور کشف حضور ﷺ کے سامنے عالم ارواح ظاہر کر دیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے اس وقت سابقین اور لاحقین کی ارواح کا مشاہدہ فرمایا، اور جب بعد میں آنے والوں کی ارواح کا تصور یا بذریعہ کشف ان کا مشاہدہ ہوا تو ان کی رویت کا اشتیاق پیدا ہوا جس کا اظہار ان الفاظ سے فرمایا ''وودتُ انی قد رأیت اخواننا ''کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا اس سے لاحقین کی مدح کے ساتھ ان کی محبیت اور محبوبیت کا اظہار بھی ہوا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگ آپ کے بھائی نہیں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے دوست ہو اور میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی نہیں آئے بعد میں آویں گے۔

بل انتم اصحابی: کہ تم میرے اصحاب ہو اس سے اخوۃ کی نفی نہیں فرمائی ہے لیکن چونکہ صحبت کی برکت سے ان کو اصحاب ہونے کی فضیلت وفوقیت حاصل ہے جو نری اخوۃ سے حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے اس امتیازی مقام کو ظاہر کر دینے کے لئے اصحاب کا لفظ ذکر فرمایا تو مطلب یہ ہوا کہ تم بھائی بھی ہو اور صحابہ بھی ہو لیکن جو لوگ بعد کو آویں گے وہ نرا اسلام کا بھائی چارہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''انما المؤمنون اخوۃ ''یہاں پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے تو محبت میں صحابہ پر غیر صحابہ کی فضیلت لازم آتی ہے لیکن اگر غور وخوض سے کام لیا جائے تو اس طرح کا شبہ پیش نہیں آئے گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ دوست

کے ساتھ محبت کی ابتداء صحبت ہی سے ہوتی ہے اور بھائی کے ساتھ محبت ہونا رویت وصحبت کے ساتھ مقید نہیں لہٰذا صحابہ کو دوست اور بعد میں آنے والوں کو بھائی فرمانا باعتبار وقوع حالت کے ہے کہ صحابہ کی محبت کا وقوع دیدار سے ہوا اور بعد میں آنے والوں کی محبت کا وقوع بغیر دیدار کے ہوا اور اس سے صحابہ پر غیر صحابہ کی فضیلت لازم نہیں آتی کیوں کہ یقینی طور پر صحابہ کرام کی ایسی صلاحیت واستعداد تھی کہ اگر وہ حضور اکرم ﷺ کو نہ بھی دیکھتے جب بھی محبت میں ہم سے زیادہ ہوتے، یہ جواب جو نقل کیا گیا ہے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے دیا ہے۔

بہر حال جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جس شخص نے بلاواسطہ حضور اکرم ﷺ کا دیدار کیا اور آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھا گو وہ ایک ساعت ہو وہ بعد میں آنے والوں سے افضل ہے چنانچہ ''**بل انتم اصحابی**'' کا ارشاد اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ارشاد مبارکہ میں کہ میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور تم میں شامل نہیں ہوئے تمام امت قیامت تک عربی وعجمی سب آ گئے اور اشارہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فیض امت پر قیامت تک منقطع نہ ہوگا اس کلام کے سننے کے بعد کہ وہ لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے اور نہ حضور اکرم ﷺ کی عمر اُن کے موجود ہونے تک دراز ہوئی اس کے باوجود حضور ﷺ کی بات سے ان لوگوں کی ترفیع وتشریف کے ساتھ ان کا محبوب ہونا ثابت ہوتا ہے صحابہ کرام نے محسوس کر لیا کہ اگرچہ دنیا میں ان کی ملاقات ممکن نہیں البتہ بطور تمثیل رویت ہو جائے تو دوسری بات ہے لیکن آخرت میں ضرور ہوگی کیوں کہ وہ انا **فرطھم** سے سمجھ گئے تھے کہ آخرت میں ضرور پہچان لیں گے اس لئے اس کی کیفیت میں کے بارے میں سوال کیا ''**یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تعرف الخ**'' علامہ طیبی نے کہا کہ صحابہ کرام کا یہ سوال اس پر مبنی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے لاحقین کی رویت کی تمنی کا اظہار دنیا میں فرمایا اور بطور عادت جس چیز کی تمنا ہوتی ہے جب تک وہ پوری نہیں ہوتی اس کے حصول کی آرزو باقی رہتی ہے اور ہم نے کیف تعرف کو آخرت پر اس لئے محمول کیا ہے تاکہ آگے آنے والا قول ''**غرّ محجلة**'' اس کے مطابق ہو جائے کیوں کہ یہ دونوں علامتیں آخرت میں ہوں گی۔

علامہ سندھیؒ نے کہا کہ لاحقین کے لئے اخوۃ کو ثابت کیا ہے نہ کہ صحبت کو بطور عادت لہٰذا اسم اخوۃ کے ساتھ تعبیر وتسمیہ سے صحابہ سمجھ گئے کہ حضور اکرم ﷺ ان کو دنیا میں نہیں دیکھ سکیں گے اب بطور عادت تمنی اس چیز کی کی جاتی ہے جس کا حصول ممکن نہ ہو اور اگر دنیا میں ملاقات حاصل ہو جاتی تو وہ صحابہ میں شمار ہوتے لیکن بوجہ عدم صحبت کے صحابیت کا شرف حاصل نہ ہو سکا لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے قول ''**وانا فرطھم**'' سے صحابہ سمجھ گئے کہ قیامت کے دن حضور ﷺ ان کو پہچان لیں گے، اب کیسے پہچانیں گے اس کی کیفیت سے سوال کیا کہ یارسول اللہ آپ بعد میں آنے والی امت کو کس طرح پہچانیں گے حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا ''**ارأیت لو کان لرجل خیل الخ**'' غُر جمع ہے اغر کی پیشانی کو کہتے ہیں۔

محجلة: **تحجیل** سے لیا گیا ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے جانور کی ٹانگ کی سفیدی پر بولا جاتا ہے۔

بُھم: ضمۂ باء کے ساتھ بہیم کی جمع ہے کالا سیاہ ایک رنگ جس میں کوئی دھبا نہ ہو۔

دُھم: کے معنی بھی سیاہ کے ہیں ادہم کی جمع ہے اور ثانی اول کے لئے تاکید ہے اور یہاں مراد غرہ اور تحجیل سے وہ نور ہے

جو قیامت کے دن اعضائے وضو پر ظاہر ہوگا اور یہ اس امت کا امتیازی نشان ہوگا وضو اگرچہ دوسری امتوں نے بھی کیا ہے اسی طرح انہوں نے نمازیں بھی ادا کی ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض تھیں اور بخاری شریف میں حضرت سارہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ظالم بادشاہ نے اس کے ساتھ برا کام کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کھڑی ہوگئیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا عمل شرائع سابقہ میں بھی مشروع تھا وہ اس امت کی خصوصیات میں سے نہیں کیوں کہ طہارت کے بغیر نماز کسی شریعت میں قبول نہیں ہوئی، لیکن یہ وصف مشہور جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وضو کے اثر سے قیامت کے دن چہرہ اور ہاتھ پاؤں روشن اور چمکیلے ہوں گے صرف اسی امت کی امتیازی علامت ہے دوسری امتوں کے لئے یہ نشانی نہ ہوگی۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے'' **لکم سیماء لیست لاحد من الامم الخ** ''یعنی غرہ وتحجیل اس امت کا خاص نشان ہوگا، دوسری امتیں اس اعزاز واکرام والی نشانی سے محروم رہیں گی اور اسی خاص علامت سے حضور اکرم ﷺ آخرت میں اپنی امت کو پہچان لیں گے۔

غرض کہ جب حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آخرت میں آپ اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے تو آپ ﷺ نے ایک مثال دیکر سمجھا دیا کہ ایک شخص کے گھوڑے کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں وہ ایسے گھوڑوں کے ریوڑ میں داخل ہو جائے جو بالکل سیاہ ہوں تو کیا وہ شخص اپنے گھوڑے کو نہیں پہچانے گا صحابہ کرام نے کہا'' **بلیٰ** '' کہ بے شک پہچان لے گا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ میدان حشر میں اس طرح آئیں گے کہ وضو کی برکت سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکدار ہوں گے اور میں ایسی مخصوص نشانی سے ان کو پہچان لوں گا البتہ جن لوگوں نے دنیا میں وضو نہیں کیا وہ اس امتیازی علامت سے قیامت کے دن محروم ہوں گے جیسا کہ حدیث مذکور سے یہی بات مفہوم ہو رہی ہے اور چونکہ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اور حضور ﷺ نے اس کو وضو سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے'' **الصعید الطیب وضوء المؤمن اخرجهٗ النسائی بسند قوی عن ابی ذر** رضی اللہ عنہ '' اس لئے اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے مدت دراز تک تیمّم کرے تو اس کو بھی انشاء اللہ یہ امتیازی نشان حاصل ہوگا۔

باب ثواب من احسن الوضوء ثم صلیّٰ رکعتین

جو اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اس کے ثواب کا بیان

اخبرنا موسیٰ بن عبدالرحمن المسروقی قال حدثنا زید بن الحباب قال حدثنا معاویة ابن صالح قال حدثنا ربیعة بن یزید الدمشقی عن ابی ادریس الخولانی وابی عثمان عن جبیر بن نفیر الحضرمی عن عقبة بن عامر الجهنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم صلیّٰ رکعتین یقبل علیهما بقلبه ووجهه وجبت لهٗ الجنة.

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز اس طریقہ سے پڑھے کہ ان دونوں میں دل اور چہرہ یعنی باطن اور ظاہر کے ساتھ متوجہ ہو تو اس کے لئے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔

تشریح: **فاحسن الوضوء**: دوسری روایت میں جو ماقبل میں گذر چکی ہیں "اسبغوا الوضوء" یا "اسباغ الوضوء علی المکارہ" کے الفاظ آئے ہیں اس روایت میں "فاحسن الوضوء" آیا ہے تو الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن مراد میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے فاحسن الوضوء کے معنی وہی ہیں جو اسباغ وضو کے معنی ہیں وضوء محسن یا وضوء مسبغ اس کو کہتے ہیں جس میں اسراف نہ ہو اور وضو کے فرائض اور سنن وآداب کی رعایت رکھتے ہوئے یعنی تعداد کے اعتبار سے تثلیث وترتیب وغیرہ کی رعایت ہو اور اس طرح وضوء کامل کر کے اگر کوئی شخص دو رکعتیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں رکعتیں تحیۃ الوضوء کی ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو شکر الوضوء سے تعبیر کیا ہے لیکن اس ثواب عظیم کا مستحق اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ یہ دو رکعتیں ارشادِ رسول کے مطابق ادا کی جائیں کیوں کہ حدیث میں "یقبل علیھما بقلبه ووجھه" کی قید آئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ نماز اقبال بالقلب اور اقبال بالوجہ کے ساتھ ہونی چاہئے یعنی خشوع اور خضوع سے ادا کرے اقبال بالقلب سے خشوع کی طرف اشارہ ہے اور اقبال بالوجہ سے خضوع کی طرف خشوع کا تعلق قلب سے ہے اور خضوع کا تعلق اعضاء سے ہے اور خشوع کی حقیقت سکون قلب ہے یعنی حرکت فکر یہ کا انقطاع کہ نماز سے غیر متعلقہ دنیوی چیزوں کا خیال دل میں نہ لائے اور ظاہری اعضاء کو بھی اس پر لگائے ادھر ادھر التفات نہ کرے یہی خضوع کا حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز اور عبادات میں وساوس وخیالات سے نجات اور حضور قلب کی کوشش اپنے اختیار کی حد تک ضروری ہے مگر پھر بھی جو خیالات غیر اختیاری طور پر آتے جاتے ہیں وہ منافی نہیں خشوع کے بشرطیکہ ان کی طرف التفات اور قلب کی توجہ نہ ہو۔

بہرحال وضوء کامل کر کے دو رکعت نماز پڑھنے پر یہ ثواب عظیم اس وقت مرتب ہوگا جبکہ ان کو حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق خشوع وخضوع اور اخلاص سے ادا کرے اور ثواب عظیم یہ ہے کہ اس شخص کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے یہ حدیث باب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث "من توضأ نحو وضوئی الخ" جو پیچھے گذر چکی ہے اس کے لئے بمنزلہ تفسیر کے ہو اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ "فاحسن الوضوء" اور "من توضأ نحو وضوئی" مصداق کے اعتبار سے ایک ہی ہیں کیوں کہ وضوء احسن اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وضو کرنے والے شخص کا وضو حضور اکرم ﷺ کے اس وضو کی طرح ہو جس کی حکایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اس وضو میں فرائض وسنن اور عدد کے اعتبار سے تثلیث اور ترتیب وغیرہ سب کی رعایت فرمائی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو "لا یحدث نفسه فیھما" کے الفاظ آئے ہیں کہ ان دونوں رکعت میں تحدیث نفس نہ ہو اس کی تفسیر اس روایت کے

الفاظ" یقبل علیھما بقلبه و وجھه "نے کردی ہے اور اس حدیث میں جو غفرلہ الخ کے الفاظ آئے ہیں اس سے یہ معنی مراد لئے گئے ہیں کہ اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دخول اولی ثابت ہوگیا کیوں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہاں مطلق دخول جنت مراد نہیں اس کے لئے تو صرف ایمان بھی کافی ہے بلکہ مراد دخول اولی ہے اور یہ صغائر و کبائر سب کی مغفرت پر موقوف ہے ہاں شرط یہ ہے کہ موت حسن خاتمہ پر واقع ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاتمہ بالخیر کی توفیق دے۔

باب ماینقض الوضوء ومالا ینقض الوضوء من المذی

مذی کے بیان میں جو وضو کو توڑ دیتی ہے اور جو وضو کو نہیں توڑتی

اخبرنا ھناد بن السری عن ابی بکر بن عیاش عن ابی حصین عن ابی عبدالرحمن قال قال علیؓ کنت رجلاً مذاءً وکانت ابنة النبی صلی اللہ علیه وسلم تحتی فاستحییت ان اسألهٗ فقلت لرجلٍ جالسٍ الی جنبی سلهٗ فسألهٗ فقال فیه الوضوء.

ابی عبدالرحمن سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں زیادہ مذی والا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے نکاح میں تھیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دریافت کرنے سے حیاء کرتا تھا پس میں نے ایک شخص سے جو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا کہا کہ آپ مذی کے بارے میں دریافت کیجئے چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مذی میں صرف وضو واجب ہے۔

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا جریر عن ھشام بن عروة عن ابیه عن علی قال قلت للمقداد اذا بنی الرجل باھله فامذی ولم یجامع فسل النبی صلی اللہ علیه وسلم عن ذلک فانی استحیی ان اسأله عن ذلک وابنته تحتی فساله فقال یغسل مذاکیره ویتوضأ وضوءهٗ للصلٰوة.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مقداد بن اسود سے کہا اگر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرے صحبت نہیں کی اس سے مذی نکلی اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو اس لئے کہ میں خود آپ سے دریافت کرنے سے شرماتا ہوں کیوں کہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں ہے مقداد بن اسود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ اپنے عضو مستور کو دھولے اور وضو کرے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے۔

اخبرنا قتیبة حدثنا سفیان عن عمرو بن عطاء عن عائش بن انس ان علیا قال کنت رجلا مذّاءً فامرت عمار بن یاسر یسأل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من اجل ابنته عندی فقال یکفی من ذلک الوضوء.

اخبرنا عثمان بن عبداللہ قال اخبرنا امیة حدثنا یزید بن زریع ان روح بن القاسم حدثه عن ابن ابی نجیح عن عطاء عن ایاس بن خلیفة عن رافع بن خدیج ان علیاً امر عمارا ان یسأل رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم عن المذی فقال یغسل مذاکیره ویتوضأ.

اخبرنا عتبة بن عبدالله المروزی عن مالک وهو ابن انسٍ عن ابی النضر عن سلیمان ابن یسار عن المقداد بن الاسود ان علیا امره ان یسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الرجل اذا دنا من اهله فخرج منه المذی ماذا علیه فان عندی ابنته وانا استحیی ان اسأله فسالتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقال اذا وجد احدُکم ذلک فلینضح فرجه ویتوضأ وضوءه للصلوٰة.

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد عن شعبة قال اخبرنی سلیمان قال سمعت منذراً عن محمد بن علی عن علی قال استحییت ان اسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المذی من اجل فاطمة فامرت المقداد بن الاسود فسأله فقال فیه الوضوء.

تشریح: ترجمۃ الباب کے دوٹکڑے ہیں اول جزء میں بتلایا گیا ہے کہ مذی ناپاک ہے جب وہ خارج ہوتی ہے تو اس سے وضوواجب ہوتا ہے وہ موجب غسل نہیں، دوسرے جزء میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جب تک مذی عضوداخل سے خارج نہ ہو تو وہ ناقض وضونہیں۔

مذی سفید اور پتلے پانی کو کہتے ہیں جوملاعبت اور تقبیل کے وقت خارج ہوتا ہے اس کے ناپاک ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر بعض امامیہ اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ مذی کو پاک کہتے ہیں، کمافی نیل الاوطار، اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ مذی نکلنے سے وضوواجب ہوتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا اس بات پر باب کے ذیل میں طرق متعددہ سے جتنی روایات لائے ہیں سب کی دلالت ظاہر ہے۔

پہلی روایت میں ہے ''کنت رجلاً مذاءً الخ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذاء کے ساتھ رجلا موصوف کا بھی ذکر فرمادیا ہے صرف مذاء کے ذکر پر اکتفاء نہیں فرمایا یہاں موصوف کے ذکر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذی کی کثرت قوۃ رجولیت (مردانگی) کی علامت ہے چنانچہ وہ اپنا حال خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک کثیرالمذی آدمی تھا یعنی میری مذی کثرت سے نکلتی تھی ابوداؤد میں کنت رجلاً مذاء کے بعد فجعلت اغتسل کالفظ آیا ہے کہ ایک عرصہ تک میں مذی سے بھی غسل کرتا رہا ان کا مذی سے غسل کرنا اپنے اجتہاد اور خروج منی پر قیاس کرنے کی بناء پر تھا کیوں کہ منی اور مذی دونوں میں شہوت قدر مشترک ہے اس لئے وہ کچھ عرصہ تک مذی سے بھی غسل کرتے رہے حتی کہ پانی کی ٹھنڈک کی تاثیر سے ان کی پیٹھ پھٹ گئی چنانچہ ابوداؤد کی اسی حدیث میں حتی تشقق ظہری کے الفاظ آئے ہیں، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کے خارج ہونے سے صرف وضوہوتا ہے غسل نہیں اب دریافت کس نے کیا اس کے بارے میں الفاظ حدیث مختلف ہیں۔

ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود سوال کیا تھا اس میں ہے ''سألت النبی صلی الله علیه وسلم عن المذی'' اور بخاری ومسلم وغیرہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو دریافت کرنے کا حکم دیا تھا اور نسائی کی روایات مختلف ہیں۔

باب کی دوسری روایت میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے مجھے شرم آتی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مذی کا حکم دریافت کروں سو میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم مذی کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے مجھے بتلادو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر کو دھولے اور وضو کرلے۔

اس سے معلوم ہوا کہ متولی سوال حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تھے مگر تیسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ متولی سوال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے اس میں فامرت عمار بن یاسر کے الفاظ آئے ہیں۔

اب اس سلسلہ میں بظاہر جو تعارض واختلاف پیدا ہو گیا ہے اس کا کیا جواب ہے بعض شارحین نے اس کا جواب دیا ہے کہ ترمذی وغیرہ کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سوال کی جو نسبت ہوئی ہے وہ بطریق مجاز ہوئی ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آمر تھے آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دونوں میں سے ہر ایک کے ذریعہ مذی کا حکم دریافت کرایا تھا اس لئے بعض رواۃ نے سوال کی نسبت ان کی طرف کر دی اور یہ محاورہ کے مطابق درست بھی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بنی الامیر المدینۃ اس میں بناء مدینہ کی نسبت امیر کی طرف بطور مجاز کی گئی ہے اس لئے کہ وہ آمر ہیں ورنہ درحقیقت تعمیر شہر کا کام مزدور لوگ انجام دیتے ہیں تو گویا سوال کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بنی الامیر المدینہ کے باب سے ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کا حکم دریافت کر کے مجھے بتلادو اس لئے سالت کہہ دیا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ دونوں میں سے کسی ایک کو پہلے حکم دیا تھا کہ مذی کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو پھر دوسرے کو حکم دیا پھر جب دونوں سوال میں دیر کرنے لگے تو شدۃ احتیاج کی وجہ سے خود ہی دریافت فرمالیا اور ان دونوں نے بھی اوقات مختلفہ میں دریافت کیا پھر اس کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتلادیا اسی لئے جوابات مختلف ہو گئے اب سوال کی نسبت ہر ایک کی طرف بطور حقیقت صحیح ہے۔

لیکن اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بذات خود سوال کرنے کی جو نسبت کی گئی ہے وہ ان کے قول "**فانی استحیی ان اسأله عن ذالک الخ**" کے مغائر ہے اس اشکال کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغیر ذکر صاحب واقعہ کے مطلق حکم مذی کے بارے میں سوال کیا اس میں حیاء وشرم کا حجاب کوئی مانع نہیں لہٰذا سوال کی نسبت ان کی طرف ہو سکتی ہے۔

نیز یہ کہ ابتداء میں شرم وحیا مانع ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ حیاء کا حجاب مانع بنا رہا کیوں کہ احوال مختلف ہوتے ہیں اور کبھی کبھی نازک صورتیں بھی پیش آتی ہیں جن کو تغیر احوال میں بڑا دخل ہوتا ہے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بذات خود سوال کرنا کوئی بعید بات نہیں۔ (**واللہ اعلم بالصواب**)

اور ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگرچہ دوسرے کو حکم دیا ہے مذی کے بارے میں سوال کرنے

کا لیکن آپ نے حصول یقین ممکن ہوتے ہوئے ظن پر اکتفاء نہیں کیا اس لئے بذات خود سوال کیا یا ایک شخص کو حکم دیا ہے جو ان کے پہلو میں بیٹھا تھا کہ وہ ان کی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) موجودگی میں سوال کرے تا کہ نبی کریم ﷺ کا جواب بذات خود سن لیں۔

دوسرا مسئلہ جو حدیث باب سے متعلق ہے موضع نجاست کے دھونے کا ہے جب بوجہ ملاعبت وتقبیل کے مذی خارج ہو جائے اس کا کیا حکم ہے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا ''یغسل مذاکیرہ ویتوضأ وضوئہ للصلوٰۃ'' کہ اپنے مذاکیر کو دھولے اور وضو کرلے مثل وضوء نماز کے۔

علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ لفظ مذاکیر خلاف قیاس ذکر کی جمع ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ خود جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا واحد مذکار ہے اب رہا یہ کہ جمع کا لفظ کیوں استعمال فرمایا حالانکہ آلۂ تناسل جسم میں ایک ہے تو کہا جائے گا کہ صیغۂ جمع ذکر کے ساتھ ملے ہوئے اجزاء کے اعتبار سے فرمایا اور کل پر لفظ مذاکیر کا اطلاق کر دیا تو گویا کہ اجزاء مجموعہ میں سے ہر ایک جز کو حکم غسل میں مثل ذکر کے قرار دیکر صیغۂ جمع استعمال فرمایا، بظاہر اس حدیث سے ذکر اور اس کے ساتھ دونوں خصیوں کا دھونا بھی واجب معلوم ہوتا ہے بلکہ ابوداؤد میں صراحۃً ''لیغسل ذکرہٗ وانثییہ'' کے الفاظ موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضوِ تناسل کے ساتھ ساتھ خصیوں کے بھی دھونے کا حکم ہے (کذا فی الحاشیہ) ابن العربیؒ نے کہا کہ امام احمد اور اوزاعی وغیرہ ان روایات کے پیش نظر ذکر اور خصیوں کے وجوب غسل کے قائل ہیں لیکن جمہور آئمہ اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ پورے عضو مخصوص کا دھونا بھی ضروری نہیں بلکہ صرف محل نجاست کو دھونا واجب ہے اس کے علاوہ پورے ذکر اور خصیوں کا دھونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ دوسرے احداث میں مثال کے طور پر پائخانہ اور خون ہے اس کے لگ جانے سے صرف موضع نجاست دھونے کا حکم ہے اس کے ماسواء کو دھونے کا حکم نہیں ہے اسی طرح مذی کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کہ اس میں بھی صرف اس جگہ کا دھونا واجب ہے جہاں مذی لگی ہوئی ہو اس کے ماسواء کا غسل واجب نہیں ہے۔

بہر حال اصولی اعتبار سے مذہب جمہور ہی معقول ہے یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حزمؒ باوجود ظاہری ہونے کے اس مسئلہ میں جمہور کا ساتھ دیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ پورے آلۂ تناسل کا دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف مخرج مذی کے غسل پر بھی غسل ذکر کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اگر کسی نے مخرج بول کو دھویا تو وہ کہتا ہے'' غسلت ذکری من البول '' لہٰذا پورے ذکر کے غسل کو واجب کہنے پر کوئی ٹھوس دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

قسطلانی نے جمہور کی طرف سے دلیل مذکور پیش کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ قسطلانیؒ نے جو دلیل پیش کی ہے اس کی تائید اسماعیلی کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ''توضأ واغسلہ '' کے الفاظ آئے ہیں اور ضمیر کا مرجع مذی ہے احقر کہتا ہے کہ امام طحاویؒ کی روایت جو بواسطہ ابوعبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے اس میں بھی یہی الفاظ مذکورہ وارد ہوئے ہیں جس سے دلیل مذکور کی تائید ہوتی ہے۔

غرض اس تفصیل مذکور سے واضح ہو گیا کہ غسل عضو تناسل کا سبب خروج خارج یعنی مذی کا خروج ہے لہٰذا غسل کا حکم صرف

مذی لگنے کی جگہ کو شامل ہوگا غیر محل خروج کی طرف متعدی نہوگا امام احمد وغیرہ نے جوابوداؤد کی روایت مذکورہ اور حدیث باب کے الفاظ یغسل مذاکیرہ سے استدلال کیا ہے اس کا جمہور علماء کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اصل شرع کے مطابق موضعِ نجاست کا دھونا واجب ہے باقی بطور احتیاط خصیوں کا بھی دھولینا مستحب ہے کیوں کہ بعض اوقات مذی ادھرادھر پھیل جاتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ مذی خصیوں میں بھی لگ گئی ہو اس لئے بطور استحباب دھولینا چاہئے اس کو حکم وجوبی کہنا درست نہیں یا جس روایت میں عضو تناسل کے ساتھ خصیوں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ بطور تشریع نہیں بلکہ بطور علاج ہے کیوں کہ ٹھنڈے پانی کے اثر سے خصیے سکڑ جاتے ہیں جس سے مذی کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے خروج میں خفت اور کمی آجاتی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے مستحاضہ عورت کو حکم دیا ہے غسل کا اور بعض کو حکم دیا ہے لگن میں بیٹھنے کا تاکہ سیلان خون میں خفت اور کمی آجائے۔

باب کی آخری حدیث میں آیا ہے ''فلینضح فرجهٗ الخ ''ای ذکرہٗ یعنی فرج سے مراد ذکر ہے چونکہ روایات سابقہ میں یغسل کا لفظ آیا ہے اس لئے اس روایت میں فلینضح کا جولفظ آیا ہے اس کو غسل پر محمول کیا جائے گا اور بمعنی فیغسل کے ہوگا۔

باب الوضوء من الغائط والبول

پاخانہ اور پیشاب سے وضو لازم ہونے کا بیان

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال نا خالد قال حدثنا شعبة عن عاصم انهٗ سمع زربن حُبیش یحدث قال اتیت رجلاً یدعی صفوان بن عسال فقعدت علی بابه فخرج فقال ماشأ نک قلت اطلب العلم قال ان الملائکة تضع اجنحتها لطالب العلم رضًا بما یطلب فقال عن ای شئی تسأل قلتُ عن الخفین قال کُنا اذا کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر امرنا ان لا ننزعهٗ ثلاثا الا مِن جنابة ولکن من غائط وبول ونومٍ.

زربن حبیش رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص یعنی حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کے دروازہ پر بیٹھ گیا پھر آپ نکلے اور پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے میں نے کہا کہ طلب علم کی غرض سے حاضر ہوا ہوں تو انہوں نے کہا کہ بیشک فرشتے طالب علم کے مقصد سے خوش ہوکر اس کے لئے تعظیماً جھک جاتے ہیں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کونسی چیز دریافت کرنا چاہتے ہو میں نے کہا موزوں پر مسح کے بارے میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نبی کریم ﷺ ہم سے فرماتے جب ہم سفر میں ہوتے حضور ﷺ کے ساتھ یہ کہ ہم چمڑے کے موزے کو تین دن تین رات تک پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے نہ اتاریں (بلکہ ان پر مسح کرلیا کریں) البتہ ہم جنابت کی وجہ سے اتار لیتے تھے۔

تشریح: قال ان الملائکة تضع اجنحتها ''جب مقصد سفر دریافت کرنے پر حضرت زربن حبیش نے بتایا کہ علم دین کے ارادے سے حاضر ہوا ہوں تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق جو مہتم بالشان فضیلت وارد ہوئی ہے سنائی تاکہ طلب دین کی اہمیت اور مزید منافست پیدا ہو اور وہ فضیلت ان الملائکة الخ ارشاد میں بیان کی گئی ہے تو بشرط اخلاص

طلب علم دین موقوف علیہ ہے اس پر ان الملائکۃ تضع الخ کو مرتب فرمایا، دوسرے وہ علوم جن میں کوئی شرف نہیں ہے ان کو علوم میں شمار نہیں کیا گیا لہٰذا ان پر یہ فضیلت مرتب نہ ہوگی۔

لفظ تضع اجنحتھا کے یہ معنی ہیں جو ترجمہ میں کئے گئے ہیں اور یہ بات کہیں نظر سے نہیں گذری کہ فرشتے طالب کے پاؤں کے نیچے پر بچھا دیتے ہیں اگر کسی نے انہی الفاظ سے یہ سمجھا ہے تو محل کلام ہے اور اگر کوئی اور روایت ہے جو ہمیں معلوم نہیں تو بسر و چشم۔

ابن قیمؒ نے احمد بن شعیب سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم بصرہ میں بعض محدثین کے حلقۂ درس میں بیٹھے تھے تو انہوں نے یہ حدیث باب ہم سے بیان کی اور مجلس میں ایک معتزلی شخص تھا جب اس نے یہ حدیث سنی تو بطور ہنسی مذاق کہہ دیا خدا کی قسم کل جوتا پہن کر چلوں گا اور اس سے فرشتوں کے پروں کو روند ڈالوں گا جب وہ جوتا پہن کر چلنے لگا اس کے دونوں پاؤں بے کار ہو گئے اور ان میں ایسی بیماری پیدا ہو گئی جو پاؤں کو کھانے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی گستاخی سے محفوظ رکھے۔

حدیث باب میں آیا ہے ''الاّ من جنابة'' یہ استثناء مفرغ ہے تقدیر کلام یہ ہے ''ان لا ننزع خفافنا من حدث من الاحداث الامن جنابةٍ'' کیوں کہ جنابت کی وجہ سے جس پر غسل واجب ہو گیا اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا درست نہیں ہے بلکہ موزہ اتار لینے کا حکم ہے اور دوسرے اعضاء کی طرح پاؤں کا دھونا ضروری ہے اور جب ماقبل کی عبارۃ ''الا من جنابةٍ'' سے معلوم ہو گیا کہ جنابت کی وجہ سے موزہ اتار لینے کا حکم ہے تو اس کے بعد ''ولکنِ من غائط وبول ونوم'' فرما کر اس وہم کو دور فرما دیا جو کلام سابق سے پیدا ہوا تھا اور بتلا دیا کہ موزوں کے اتارنے کا حکم صرف جنابت کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ دوسرے اسباب حدث مثلاً پائخانہ وغیرہ کی وجہ سے موزوں کو اتارنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان پر مسح کرنے کا حکم ہے کہ وضو کے وقت دونوں موزوں پر مسح کر لیا کرے، اب ولکن کا عطف کلام مقدر پر ہے جس پر ''الا من جنابة'' دلالت کر رہا ہے اور ''من غائط'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہے ''فنحن ننزع من جنابة ولکن لا ننزع من غائط الخ''

غرض یہ کہ لکن کے ماقبل اور مابعد میں تضاد ہوتا ہے اور لکن کا مابعد ایک شبہ کا جواب ہوتا ہے جو لکن کے ماقبل سے پیدا ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید آ گیا لیکن اس کا بھائی نہیں آیا تو جس طرح یہاں لکن کے ماقبل اور مابعد کے حکم میں نمایاں فرق ہے اسی طرح اس حدیث میں لکن کے ماقبل اور مابعد کے حکم میں واضح فرق یہ کہ شریعت نے جنابت کی وجہ سے موزہ کو اتار لینے کا حکم دیا ہے لیکن پائخانہ و پیشاب اور نیند کی وجہ سے اتارنے کا حکم نہیں دیا بلکہ موزے پر مسح کی اجازت دیدی اب تقدیر کلام یہ ہے ''امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا سفراً ان ننزع خفافنا من الجنابة فی المدة المذکورة ولکن لا ننزع فیھا من غائط وبول ونوم وغیرھا''

باقی تشریح مسح خفین کی ماقبل میں گذر چکی ہے۔

باب الوضوء من الغائط

پائخانہ کی وجہ سے وضولازم ہونے کا بیان

اخبرنا عمرو بن علی و اسماعیل ابن مسعود قالا حدثنا یزید بن زریع قال حدثنا شعبة عن عاصم عن زر قال قال صفوان بن عسال اذا کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر امرنا ان لا ننزعهٗ ثلاثًا الّا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم.

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے کہ ہم اپنے موزوں کو تین دن تین رات تک نہ اتاریں پائخانے اور پیشاب اور سونے سے مگر جنابت سے اتار لیں۔

تشریح: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مسح خفین کے جواز کو ایسے حدث کے ساتھ خاص کیا جس سے صرف وضو واجب ہوتا ہے کیوں کہ اگر کوئی طہارت کاملہ پر موزے پہنے پھر ایسا حدث لاحق ہوا جو جنابت کو موجب ہے تو موزے پر مسح درست نہیں ہے۔

بہر حال ایسے اسباب سے جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے مثلاً پائخانہ پیشاب اور نیند وغیرہ ہیں شریعت نے موزوں کو اتار کر دونوں پاؤں کو دھونے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس پر مسح کا حکم دیا ہے''الا من جنابة'' مگر جنابت کی وجہ سے خفین کا اتار لینا ضروری ہے کیوں کہ جنابت بار بار نہیں ہوتی تو جنابت کی وجہ سے موزہ نکال کر پاؤں دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے بخلاف حدث کے کہ وہ بار بار ہوتا ہے اس لئے حدث میں بوجہ حرج کے مسح جائز رکھا گیا ہے اور وہ وجہ جنابت میں موجود نہیں ہے۔

الوضوء من الریح

ہوا خارج ہونے کی وجہ سے وضولازم ہونے کا بیان

اخبرنا قتیبة عن سفیان عن الزهری ح واخبرنی محمد بن منصور عن سفیان قال حدثنا الزهری قال اخبرنی سعید یعنی ابن المسیب وعباد بن تمیم عن عمه وهو عبداللہ بن زید قال شکیٰ الی النبی صلی اللہ علیه وسلم الرجُل یجد الشئی فی الصلوٰة قال لا ینصرفُ حتی یجدریحًا او یسمع صوتاً.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص کا حال ذکر کیا گیا کہ اس کو نماز کے دوران حدث کا وسوسہ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایسی حالت پیش آئے تو نماز سے نہ ہٹے یہاں تک کہ ہوا خارج ہونے کی آواز سن لے یا بد بو محسوس کر لے۔

تشریح: **الرجل یجد الشئی فی الصلوٰة** :ایک شخص کی شکایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذری کہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ نماز میں حدث ہو گیا حالانکہ حدث نہیں ہوا جب اس طرح کا وسوسہ نماز میں پیدا ہو تو کیا کرنا چاہئے اسی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں''لا ینصرف الخ'' جب ایسی حالت پیش آئے تو نماز سے نہ ہٹے جب تک

کہ ہوا نکلنے کی آواز نہ سن لے یا بدبو نہ معلوم ہو۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ خروج مشکوک ہو اور جو متیقن ہو تو بدبو یا آواز کا معلوم ہونا نقض وضو کے لئے شرط نہیں ہے لہٰذا جب ہوا کا نکلنا یقیناً متحقق ہوگا وضوٹوٹ جاوے گا بدبو یا آواز معلوم ہو یا نہیں ہو۔

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اصولِ اسلام میں سے ایک اصلِ عظیم ہے اور اس سے ایک بہت بڑا قاعدہ کلیہ دین کا استنباط کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اشیاء کو اپنے اپنے اصول پر باقی رکھا جائے گا جب تک کہ ان کے خلاف کا یقین نہ ہو جائے اور شک جو ان پر عارض ہوتا ہے وہ بالکل مضر نہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے جس کے بارے میں حدیث باب وارد ہوئی ہے کہ اگر کسی شخص کو طہارۃ کا یقین ہے اس کے بعد حدث کا شک عارض ہو تو حکم دیا جائے گا کہ وہ شخص بدستور اپنی طہارۃ پر باقی ہے خواہ شک نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر یہ ہمارے اور جمہور علماء سلف وخلف کا مذہب ہے، البتہ اگر اس کو حدث کا یقین ہو جائے اور طہارۃ میں شک ہو تو اس صورت میں باجماع امت اس پر وضو لازم ہوگا، اور درالمختار (۱/۱۵٦) میں ہے ''**ولو ایقن بالطهارة وشک بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین**'' حاصل بحث کا یہ ہے کہ جب تک نقض وضو کا اسی درجہ کا یقین نہ ہو جائے جس درجہ کا یقین وضو کا تھا وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ سماع صوت یا وجدان ریح سے جو تیقن حدث سے کنایہ ہیں وضوٹوٹ جائے گا کیوں کہ عام طور پر یقین سماع صوت اور وجدان ریح سے ہوتا ہے اس لئے جب ان دونوں میں کوئی بھی چیز واقع ہو جائے تو انصراف یعنی نماز سے باہر آجانے کا حکم ہے صرف شبہ اور وسوسہ کی بنیاد پر نماز کو توڑ کر باہر نکل جانا ابطال عمل ہے جس سے منع کیا گیا ہے ارشاد مبارکہ ''**لا ینصرف الخ**'' سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

الوضوء من النوم

نیند سے وضو لازم ہونے کا بیان

اخبرنا اسماعیل بن مسعود وحمید بن مسعدة قالا حدثنا یزید بن زریع قال حدثنا معمر عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا استیقظ احدکم من منامه فلا یدخل یدهٗ فی الاناء حتی یفرغ علیها ثلاث مرات فانهٗ لا یدری این باتت یدهٗ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے سو کر اٹھے وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ اس پر تین مرتبہ پانی نہ ڈالے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ کہاں رات گذاری اس کا ہاتھ یعنی پاک جگہ یا ناپاک جگہ۔

تشریح: مصنفؒ نواقض وضو بیان فرما رہے ہیں منجملہ ان کے نیند بھی ناقض وضو ہے اس کے اثبات کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، یہ حدیث کتاب الطهارة کے شروع میں بھی کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ گذری ہے اور وہاں تفصیل سے تشریح بھی کی گئی ہے۔

حدیث میں اناء کا جولفظ ہے اس سے وہ برتن مراد ہے جس میں وضوکرنے کے لئے پانی بھراہوا ہو اسی لئے بعض روایات میں فی الوضوء کالفظ آیا ہے واؤ کے زبر کے ساتھ جس کے معنی وضو کے پانی کے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی نیند سے جاگے اور وضوکرنا چاہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پانی بھرے برتن میں ڈالنے سے پہلے گٹوں تک تین مرتبہ دھولے پھر برتن سے پانی لیوے اور وضوکرے استیقظ کی قید سے کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ حدیث میں جوحکم ممانعت بیان کیا گیا ہے وہ نیند سے جاگنے والے آدمی کے ساتھ خاص ہے نیند سے جاگنے کے بعد سنت ہونا زیادہ مؤکد ہے ورنہ ہاتھ دھونا خواب سے جاگنے والے اور بیدار رہنے والے سب کے لئے سنت ہے اور اسی پر اکثر علماء ہیں پھر یہ نہی جوحدیث میں وارد ہوئی ہے تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، اس لئے اگر بغیر دھوئے ہاتھ کو پانی کے برتن میں ڈبودیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب اس کے ہاتھوں پر نجاست ظاہر نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں خطاب عاقل بالغ مسلمان کو ہے، پھر اگر جاگنے والا نیند سے چھوٹا بچہ یا مجنون یا کافر ہو اس نے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈال دیا مگر اس پر کوئی نجاست کا تحقق وتیقن نہیں تو اس کے بارے میں دوقول ہیں، ایک تو یہ کہ وہ بھی مثل عاقل بالغ مسلم کے ہے کیوں کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں رہا اور کہاں پڑا، دوسرا یہ کہ اس کے ڈبونے سے کچھ اثر نہیں ہوگا کیوں کہ عمل سے ممانعت بطریق خطاب ثابت ہوتی ہے اور ان لوگوں پر خطاب نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کیفیت وضو کی بحث میں ''فانہٗ لا یدری الخ '' کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے ہوئے کافی دیر ہوجانے اور بہت دیر تک ان سے بے خبر رہنے میں گمان ہوتا ہے کہ نجاست اور میل ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے اس کا ہاتھوں کو پانی میں ڈال دینا پانی کو ناپاک یا گدلا کردینا یا اس کو خراب دینا ہے اور پانی میں پھونک مارنے سے نبی کریم ﷺ نے جو منع فرمایا ہے اسکی وجہ بھی یہی ہے۔

باب النعاس

اونگھ ناقضِ وضو ہے یا نہیں اس کا بیان

اخبرنا بشر بن هلال قال حدثنا عبدالوارث عن ایوب عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا نعس الرجل وهو فی الصلوٰة فلینصرف لعلهٗ یدعو علیٰ نفسه وهو لا یدری.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی شخص پر نماز کی حالت میں اونگھ طاری ہو تو وہ نماز کو جلدی ختم کرکے سونے کے لئے بستر کی طرف لوٹ جائے اس لئے کہ اونگھتے ہوئے نماز جاری رکھنے کی صورت میں شاید کہ وہ بے شعوری میں اپنے حق میں بددعا کر بیٹھے۔

تشریح: اگر نماز کی حالت میں کسی شخص پر اونگھ طاری ہوجائے تو وہ کیا کرے گا نماز کو جاری رکھے گا یا کوئی اور طریقہ

اختیار کرے کا حدیث باب سے معلوم ہوا کہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ فلینصرف کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اونگھ کی حالت میں نماز کو جاری نہ رکھا جائے جس کی وجہ یہ ہے کہ اونگھنے والے کو پورا احساس وشعور نہیں رہتا اس لئے ہوسکتا ہے کہ بے خبری کی حالت میں اس کی زبان سے اپنے حق میں کوئی بددعا کا کلمہ نکل جائے اس لئے جب ایسی حالت پیدا ہوجائے تو نماز کا عمل جاری رکھنا عندالشرع پسندیدہ نہیں اور وہ مصلحت کے خلاف ہے بلکہ ایسی صورت میں تو فلیرقد کا حکم ہے یعنی سوجانا چاہئے یہاں تک کہ نیند کا اثر ختم ہوجائے لیکن ارشاد مبارکہ فلینصرف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نماز جو نا تمام حالت میں ہے اس کو توڑ کر سو جائے کیوں کہ اس میں ابطالِ عمل ہے جس سے منع کیا گیا ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت پیش آنے کے بعد نماز کو طویل نہ کرے بلکہ جلد از جلد اس نماز کو پورا کر کے سو جائے۔

معلوم ہوا کہ اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اگر اس سے وضو ٹوٹتا تو شارع علیہ السلام نماز سے روکنے کے لئے یہ علت بیان نہ فرماتے کہ شاید اونگھنے والا اپنے حق میں بددعا کر بیٹھے بلکہ آپ واضح طور پر یہ ارشاد فرمادیتے کہ اونگھ سے اونگھنے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے اس کی نماز درست نہیں مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ اونگھ ناقض وضو نہیں ہے اسی سے مصنفؒ نے ترجمہ کو نکالا ہے۔

الوضوء من مس الذكر

اپنے آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں اس کا بیان

اخبرنا هارون بن عبدالله حدثنا معن حدثنا مالك ح والحارث بن مسكين قراء ة عليه وانا اسمع عن ابن القاسم قال حدثنا مالك عن عبدالله بن ابى بكر بن محمد بن عمرو بن حزم انه سمع عروة بن الزبير يقول دخلت على مروان بن الحكم فذكر نا مايكون منهُ الوضوء فقال مروان من مس الذكر الوضوء فقال عروة ماعلمت ذالك فقال مروان اخبرتنى بسرة بنت صفوان انها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا مسّ احدكم ذكرهُ فليتوضأ.

عروہ بن زبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مروان بن حکم کے پاس گیا اور نواقض وضوء پر گفتگو کی مروان نے کہا عضو تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کے بعد وضو ضروری ہے عروہ نے کہا کہ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں کہ ذکر کو چھونے سے وضو لازم ہوتا ہے اس پر مروان نے کہا کہ مجھے بسرہ بنت صفوان نے خبر دی ہے کہ اس نے رسولِ اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو چھوئے تو وہ وضو کرلے۔

اخبرنا احمد بن محمد بن المغيرة قال حدثنا عثمان بن سعيد عن شعيب عن الزهرى قال اخبرنى عبدالله بن ابى بكر بن عمرو بن حزم انه سمع عروة بن زبير يقول ذكر مروان فى امارته على المدينة انهٗ يتوضأ من مسّ الذكر اذا افضى اليه الرّجل بيدهٖ فانكرت ذالك وقلت لا وضوء علىٰ من مسّهٗ فقال

مروان اخبرتنی بسرة بنت صفوان انها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ذکر مایتوضأ منه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ویتوضأ من مسّ الذکر قال عروة فلم ازل اماری مروان حتی دعالی رجلا من حرسه فارسلهٗ الیٰ بسرة فسألها عما حدثت مروان فارسلت الیه بُسرة بمثل الذی حدثنی عنها مروان .

عروہ بن زبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مروان نے جب وہ مدینہ کے امیر تھے کہا کہ اپنے عضوتناسل کو چھونے سے وضولازم ہوجاتا ہے عروہ کہتے ہیں میں نے اس بات سے انکار کیا اور میں نے کہا کہ اس شخص پر وضوواجب نہیں ہے جس نے اس کو چھویا ہے مروان نے کہا کہ مجھے صفوان کی بیٹی بسرہ نے بتلایا ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ سے اس چیز کا بیان سنا ہے جس کی وجہ سے وضولازم ہوتا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے ذکر کو ہاتھ لگائے وہ وضو کرے عروہ نے کہا کہ میں اس سلسلہ میں مروان سے بحث کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے ایک سپاہی کو بلایا اور اس کو حضرت بسرہ کے پاس بھیجا اس نے بسرہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا جو اس نے مروان سے بیان کی تو بسرہ نے اس حدیث کی تصدیق کی اور اس سپاہی سے وہی کہلا بھیجا جو مروان نے اس کے واسطہ سے مجھ سے بیان کیا تھا۔

تشریح :عضوتناسل کو چھونے کے مسئلہ میں علماء کرام اختلاف فرمارہے ہیں دراصل سبب اختلاف یہ ہے کہ اس کے بارے میں احادیث متعارض وارد ہوئی ہیں ،حدیث بسرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے اور اس کی وجہ سے وضو لازم ہوتا ہے اگلے باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضونہیں ہے تو منشاء اختلاف تعارض روایات ہے۔

امام نسائیؒ نے جس طرز سے باب منعقد کیا ہے وہ حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہونے کی طرف اشارہ کررہا ہے کیوں کہ انہوں نے پہلے مذکورہ عنوان کو قائم کیا پھر اس کے بعد ''باب ترک الوضوء من ذالک '' کا عنوان قائم کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث بسرہ کے مقابلہ میں حدیث حضرت طلق کو ترجیح حاصل ہے لہٰذا مس ذکر عندالمصنف بھی ناقض وضونہیں۔

قاضی شوکانیؒ نے کہا کہ امام شافعی وامام احمد واسحٰق بن راہویہ اور امام مالکؒ کی مشہور روایات کے مطابق مس ذکر ناقض وضو ہے ان کا استدلال حدیث بسرہ سے ہے تفصیل نیل الاوطار میں ہے۔

توبقول علامہ شوکانیؒ کے امام احمد اور امام مالک مس ذکر کے ناقض ہونے میں امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں لیکن تحقیق کے بعد واضح ہوتا ہے کہ مس ذکر سے امام مالکؒ کے نزدیک وضوسنت ہے واجب نہیں چنانچہ ابن رشد نے البدایہ میں لکھا ہے کہ ایک قوم مس ذکر سے وضوکوسنت سمجھتی ہے نہ کہ واجب اور حافظ ومحقق ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اہل مغرب کے نزدیک مذہب امام مالکؒ سے متعلق جو مسلک ثابت اور قائم ہوگیا ہے وہ یہی ہے کہ مس ذکر سے وضوسنت ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کا قول راجح یہی ہے کہ مس ذکر سے وضوسنت ہے اسی طرح امام احمدؒ کے فیصلہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وضوان کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے اگر چہ ان کا مذہب اس کے خلاف لکھا گیا ہے چنانچہ علامہ بنوریؒ نے معارف السنن (۱/ ۳۰۰) میں تفصیلی بحث کے بعد ''**قال الراقم یظهر بعد التحقیق الخ**'' کی عبارت سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام احمدؒ کے محاکمہ سے عدم وجوب وضو

مستفاد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی ابو بکر ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں ایک مناظرہ نقل کیا ہے جو مس ذکر کے مسئلہ میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کے درمیان واقع ہوا تھا اور اس کو دار قطنی نے اپنی سنن (۵۵) میں اور حاکم نے المستدرک (۱/۱۳۹) میں اور بیہقی نے الکبری (۱/۱۲٦) میں حافظ رجاء بن مرجئ کے طریق سے نقل کیا ہے۔

رجاء بن مرجئ کہتے ہیں کہ میں اور امام احمد بن حنبلؒ، ابن معین اور علی بن المدینی مسجد خیف میں جمع ہوئے پھر مس ذکر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا یحییٰ بن معین نے کہا کہ مس ذکر سے وضو لازم ہوتا ہے اور علی بن مدینی نے اہل کوفہ کے مطابق کہا کہ میرے نزدیک وہ ناقض وضو نہیں ہے ابن معینؒ نے حدیث بسرہ سے احتجاج کیا اور ابن المدینی نے حدیث قیس بن طلق سے اور علی بن مدینی نے ابن معین سے کہا کہ تم کس طرح اسناد بسرہ کی تقلید کرتے ہو حالانکہ مروان نے ایک شرطی کو بھیجا تھا اور اسی کے ذریعہ سے بسرہ کا جواب سنا ہے پھر یحییٰ بن معین نے کہا کہ قیس بن طلق متکلم فیہ ہے اس کی حدیث سے استدلال درست نہیں ہے جب دونوں خاموش ہو گئے تو امام احمدؒ بولے ''**کلا الامرین علی ما قلتما** ''ابن معین نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مس ذکر سے وضو کیا کرتے تھے، علی ابن المدینی نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مس ذکر کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ''**وانما بضعة من جسدک** ''یعنی ذکر جسم کا ایک ٹکڑا ہے ابن معین نے کہا کہ اس کی سند بیان کرو ابن مدینی نے سند بیان کی، سفیان ابی قیس سے وہ ہزیل سے وہ عبداللہ سے اور سب جانتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ میں اختلاف کے وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ احق واقدم ہیں پھر امام احمدؒ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے لیکن اس کی سند میں ابو قیس راوی ضعیف ہے اس کی حدیث سے استدلال درست نہیں لیکن علامہ ماردینی نے کہا کہ اسی ابو قیس کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور عجلی نے ان کو ثقہ اور مستند قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ نے ان کی روایت سے احتجاج کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے المستدرک میں انہی کی سند سے روایت بیان کی ہے لہٰذا ان کی حدیث سے استدلال درست ہے۔

حضرت امام احمدؒ کے اس قول مذکور کے بعد ابن المدینی نے پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اثر پیش کیا انہوں نے کہا کہ ''**ما اُبالی مسستهٔ او انفی** ''اس کے بعد امام احمدؒ نے کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں ہم مرتبہ ہیں اب جو چاہے اثر عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کو اختیار کرے اور جو چاہے اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار کرے۔

بہر حال امام احمدؒ کے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ان کے نزدیک مس ذکر سے وضو امور لازمہ میں سے نہیں ہے بلکہ اس امر میں ان کے نزدیک توسع ہے اب مس ذکر سے وجوب وضو کے قائل آئمہ اربعہ میں سے سوائے امام شافعیؒ کے اور کوئی نہیں تو ہمارا اختلاف شوافع سے ہے وہ کہتے ہیں کہ مس ذکر سے جبکہ وہ باطن کف سے ہو وضو واجب ہے ان کا استدلال حدیث بسرہ سے ہے باطن کف کی قید دوسری حدیث کے الفاظ ''**اذا افضیٰ الیہ الرجل بیدہ** ''سے ثابت کرتے ہیں کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ لفظ افضاء کے معنی یہ ہیں کہ مس ذکر باطن کف سے ہو ظاہر کف آلۂ مس نہیں اس لئے بلا حائل باطن کف سے چھونے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں کیوں کہ مفہوم شرط اس پر دلالت کر رہا ہے کہ غیر افضاء ناقض نہیں اس لئے پہلی حدیث باب کے عموم کو دوسری حدیث کے الفاظ ''**اذا افضیٰ الیہ الخ** ''کے مفہوم کے ذریعہ سے باطن کف کے

ساتھ مخصوص کیا جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے متبعین کہتے ہیں کہ مس ذکر کسی بھی حالت میں ناقض وضوء نہیں، دلیل ان حضرات کی حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ ہے۔

اب حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حنفیہ کی دلیل ہے اور حدیث بسرہ جو شوافع کا مستدل ہے دونوں کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا اب دلائل خارجیہ سے ترجیح ہوگی وجوہ ترجیح ہر فریق پیش کرتا ہے شوافع کی طرف سے امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ حدیث بسرہ کو حدیث طلق پر ترجیح دینے کے لئے یہ چیز کافی ہے کہ شیخین نے نہ حدیث طلق کی تخریج کی ہے اور نہ اس کے راویوں میں سے کسی راوی سے احتجاج کیا ہے لیکن حدیث بسرہ کے تمام رواۃ سے شیخین نے احتجاج کیا ہے رہا یہ سوال کہ حدیث بسرہ کو کیوں چھوڑ دیا تو بیہقی کہتے ہیں کہ عروہ جو حدیث بسرہ کے راوی ہیں ان کا سماع بسرہ سے ثابت ہے یا نہیں اسی طرح ہشام کا سماع اپنے والد عروہ سے ثابت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہوا ہے اس لئے بخاری ومسلم نے حدیث بسرہ کی تخریج نہیں کی اور ہم نے اپنی جگہ پر بیان کیا ہے کہ اس طرح کا اختلاف حدیث بسرہ کی صحت سے مانع نہیں ہے اگر چہ شیخین کی شرط کے مطابق نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ بیہقی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ حدیث بسرہ کے ضعیف ہونے پر دلالت کر رہا ہے نہ کہ اس کی صحت پر کیوں کہ جب حدیث بسرہ کے رجال شیخین کے رجال ہیں تو اس کے باوجود بخاری ومسلم نے اس حدیث سے کیوں اعراض کیا حالانکہ ایسی حدیث سے تو اعراض نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کو کتاب میں درج کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ اعراض بغیر کسی وجہ کے ممکن نہیں امام بخاری ومسلم دونوں کوئی ایسی علت پر ضرور مطلع ہوئے ہیں جو ان کے نزدیک اسقاط حدیث کے موجب ہے اسی لئے تو انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا، نیز اس حدیث کی اسناد میں مروان کا شرطی ہے اور وہ مجہول ہے جس کا حال معلوم نہیں معتبر ہے یا غیر معتبر اور یہ جو کہتے ہیں کہ عروہ نے بسرہ سے بلا واسطہ سنا ہے تو اس پر ابن المدینیؒ، ابن معینؒ اور امام احمدؒ، امام بخاریؒ ومسلمؒ وغیرہ نے اعتماد نہیں کیا اور جب ان حفاظ حدیث نے جو جرح وقدح میں فائق وماہر ہیں اس کا اعتبار نہیں کیا تو بلا واسطہ سننے کا قول مرجوح ہے۔

بہر حال بیہقی نے جو وجہ ترجیح بیان کی ہے وہ اثبات دعویٰ کے لئے کافی نہیں، حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث طلق کو حدیث بسرہ پر ترجیح ہے وجہ ترجیح یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جس مسئلہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اس سلسلہ میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں سب سے زیادہ پختہ اور سب سے زیادہ صحیح حضرت طلق بن علی کی حدیث ہے اور اس حدیث کے تمام طریقوں میں سے زیادہ بہتر طریق ملازم بن عمرو کا طریق ہے جس کو اگلے باب کے تحت انہی کے طریق سے لائے ہیں، حازمی نے ابوحفص فلاس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "**حدیث قیس بن طلق عندنا اثبت من حدیث بسرة**" حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں فرمایا کہ اس حدیث کو ابن حبان وطبرانی اور ابن حزم نے بھی صحیح کہا ہے۔

غرض کہ حدیث طلق کو علی بن مدینی، ابوحفص عمرو بن الفلاس اور امام طحاویؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے بخلاف حدیث بسرہ کے کہ وہ ضعیف ہے کیوں کہ اس کی اسناد اور متن میں اضطراب ہے جس کی تفصیل امانی الاحبار شرح معانی الآثار میں مذکور ہے ہم

نے طوالت کے خوف سے اسے چھوڑ دیا ہے۔

بہر حال جب عالی قدر حفاظ حدیث اور بڑے بڑے نقاد علی بن مدینی نے جو شیخ بخاری ہیں (اور جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا ''ما استصغرت نفسی عند احد الاعند علی ابن المدینی ''یعنی میں نے اپنے آپ کو کسی کے سامنے چھوٹا نہیں سمجھا مگر علی بن مدینی کے سامنے اور ابن معینؒ نے کہا کہ ''اعلم من ادرکت بالحدیث وعلله علی بن المدینی '') اور امام طحاویؒ، ابوحفص فلاس اور ابن حزمؒ وغیرہ نے حدیث طلق بن علی ہی کو صحیح قرار دیا ہے تو اب اس کی قوۃ سند اور اس کی صحت میں کیا کلام ہے لہٰذا حدیث طلق ہی کو ترجیح کا حق حاصل ہے حدیث بسرہ پر، امام بیہقی چونکہ حدیث طلق کو ترجیح دینے پر خوش نہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ حدیث طلق کی تخریج شیخین نے نہیں کی اور نہ اس حدیث کے رواۃ میں سے کسی راوی سے احتجاج کیا ہے بخلاف حدیث بسرہ کے راویوں کے کہ اسکے کہ تمام راویوں سے بخاری ومسلم نے احتجاج کیا ہے لہٰذا حدیث بسرہ کو حدیث طلق پر ترجیح ہوگی، ہم کہتے ہیں کہ شیخین کا کسی حدیث سے رجال کی وجہ سے اعراض کرنا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتا کیوں کہ بہت سے ثقہ اور مستند رواۃ ایسے ہیں کہ بخاری ومسلم نے ان سے احتجاج نہیں کیا مگر حاکم نے ان سے روایت لی ہے اور ان کی احادیث کو علی شرط الشیخین صحیح قرار دیا ہے چنانچہ حاکم نے مسدد سے وہ ملازم سے وہ عبداللہ بن بدر سے وہ قیس سے وہ اپنے والد طلق سے رقیہ عقرب کی حدیث روایت کی ہے اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے حالانکہ بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی اور ابوداؤد نے بواسطہ مسدد اسی اسناد مذکور سے مس الذکر سے ترک وضو کی حدیث نقل کی ہے لہٰذا اہل علم میں سے کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے حالانکہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

دوسری وجہ حدیث طلق کو حدیث بسرہ پر ترجیح دینے کی یہ ہے کہ اصول میں جہاں وجوہِ ترجیح پر بحث کی گئی ہے منجملہ ان کے ایک وجہ یہ بھی ہے کو جو موافق بالقیاس ہو اس کو ترجیح ہوگی چنانچہ صاحب الناسخ والمنسوخ حازمی نے بھی یہی وجہ لکھی ہے کہ جو حدیث موافق قیاس ہو اسی کو ترجیح ہوگی اور اس سے غیر اقیس کی طرف عدول نہیں کریں گے اس کا ذکر اہتمام کے ساتھ اس لئے کیا کہ احناف پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ قیاس پر عمل کرتے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین بھی اس پر عامل ہیں اور تعارض کے وقت جو موافق بالقیاس ہو اس پر عمل کرتے ہیں اور یہاں موافق قیاس حدیث طلق ہے اس سے انحراف خلاف اصول ہے۔

اب حدیث طلق موافق قیاس کس طرح ہے اس کو سمجھ لیں پہلی چیز جو اصولی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ کو دیکھنا ہو تو اس کو کتاب اللہ میں تلاش کرو پھر سنت رسول اللہ میں دیکھو اس اصول کے مطابق ہم بھی کتاب اللہ کو دیکھیں کہ اس میں کہ کہیں نواقض وضو کا بیان ہے یا نہیں یہ تو ناممکن ہے کہ ان کا ذکر نہ ہو بے شک اجمالی طور پر کیوں نہ ہو ضرور ذکر ہوگا چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے ''او جاء احدمنکم من الغائط '' کہ تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پائخانے کے استنجے سے فارغ ہو کر آیا ہو جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے الخ یہاں مجیئی (آنا) من الغائط باتفاق آئمہ کنایہ ہے قضائے حاجت سے تو نواقض وضو میں سے دو چیزیں معلوم ہوئیں پائخانہ اور پیشاب اور یہ دونوں ناپاک چیزیں بدن سے خارج ہوتی ہیں اس لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مناط

ومؤثر وضو کے ٹوٹنے میں صرف خروج نجس عن البدن ہے اب جہاں خروج نجس ہوگا وہاں نقض وضو کا حکم دیں گے آگے تھوڑا سا توسع کر دیا کہ خروج حقیقۃً ہو یا غالب ظن خروج کا ہو اب جتنے نواقض وضو فقہاء حنفیہ نے لکھے ہیں سب اسی میں داخل ہیں البتہ قہقہہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ قیاس کے خلاف ہے لیکن چونکہ نص موجود ہے اس لئے ہم قیاس کو چھوڑ دیں گے کوئی نص اس کے معارض بھی نہیں لہذا قیاس کو ترک کرنا پڑے گا۔

اب ہم مسئلہ متنازعہ میں شوافع سے پوچھتے ہیں کہ مس ذکر کس میں داخل ہے اگر کسی نے ایک بار چھولیا تو یہاں نہ تو خروجِ نجس ہے اور نہ اس کا غلبہ ظن ہے۔

بہرحال دو وجہیں ترجیح کی ہوگئیں ایک تو حفاظ حدیث اور بڑے بڑے نقاد ابن المدینی اور ابوحفص فلاس وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ حدیث طلق حدیث بسرہ سے اثبت واحسن ہے دوسری موافق قیاس ہے علاوہ ان کے حدیث طلق کتاب اللہ کے موافق ہے یعنی کتاب اللہ دلالت کرتی ہے کہ وضو نہیں، نیز کبار صحابہ حضرت علی، عمار، ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ، عمران بن حصین اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سب یہی کہتے ہیں کہ مس ذکر ناقض نہیں ہے ابن عبدالبر مالکی نے اس کی تصریح کی ہے اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام میں سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے بھی مس ذکر سے وضو کا فتویٰ نہیں دیا۔

یہ سب وجوہ ترجیح ہیں جس کی بناء پر حنفیہ حضرت طلق بن علی کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ حدیث بسرہ کو استحباب پر اور حضرت طلق بن علی کی حدیث کو غیر وجوب پر حمل کرلیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب ترک الوضوء من ذالک

مس ذکر سے ترک وضو کا بیان

اخبرنا هناد عن ملازم بن عمرو قال حدثنا عبد الله بن بدر عن قيس بن طلق بن علي عن ابيه قال خرجنا وفداً حتى قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه فلما قضى الصلوٰة جاء رجلٌ كانهٗ بدويٌّ فقال يارسول الله ماترىٰ في رجل مس ذكرهٗ في الصلوٰة قال وهل هو الا مضغة منك او بضعة منك.

قیس اپنے والد طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایک وفد کے ساتھ نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر ہم نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک بدّو شخص نے عرض کی کہ یارسول اللہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے نماز کی حالت میں اپنے ذکر کو چھویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ تیرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے۔

تشریح: وهل هو الا مضغة الخ: یہ شک راوی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ جس طرح بدن کے دوسرے حصے کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے اسی طرح مس ذکر سے بھی واجب نہیں ہوتا ہے، مشکوٰۃ شریف میں حضرت طلق بن

علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد امام محی السنۃ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث طلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی آمد کے بعد اسلام لائے ہیں یعنی ۷ھ میں پھر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کو ناسخ مانا ہے اس کو نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اذا افضی احدکم بیدہ الی ذکرہ لیس بینہ وبینھا شئی فلیتوضأ'' کہ جو شخص بلا حجاب باطنِ کف سے اپنے عضو مخصوص کو چھوے وہ وضو کرلے، لیکن علامہ تورپشتیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ نسخ کا دعویٰ بلا دلیل محض احتمال پر مبنی ہے جو احتیاط سے خارج ہے ہاں اگر امام موصوف یہ ثابت کردیں کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ انتقال کرگئے تھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے یا جب وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے تھے پھر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضری کا موقع ہی نہیں ہوا تو محی السنۃ کے قول کو ہم مان لیں گے، غرض کہ جب تک اس کو ثابت نہ کیا جائے ان کا قول قابلِ تسلیم نہیں شاید امام موصوف کے علم میں یہ بات نہیں کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بعد سنی ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ شیخ تورپشتی کے قول کو واقدی وغیرہ کے قول سے تائید وتقویت حاصل ہے چنانچہ واقدی اور ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی حاضری وفد بنی حنفیہ کے ساتھ ہوئی تھی اور بقول واقدی کے اس وفد میں دس سے کچھ اوپر آدمی تھے اور اس وفد کی آمد ۹ھ میں ہوئی تھی اسی کو حافظ ابن کثیر اور علامہ عینیؒ نے واقدی سے نقل کیا ہے اور اس قول کو راجح قرار دیا ہے اب اگر یہاں بقول امام محی السنۃ کے نسخ کا قول کیا جائے تو پھر حنفیہ کے مسلک کے مطابق حدیث بسرہ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو منسوخ ماننا پڑے گا کیوں کہ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا قدیم الہجرت اور قدیم الصحبۃ ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے جبکہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے دو سال بعد سنی ہے۔

بہرحال بحث کا حاصل یہ نکلا کہ اگر شوافع نسخ کی بات کریں تو حدیث بسرہ وغیرہ مقدم ہونے کی وجہ سے بذریعہ حدیث طلق منسوخ ہوچکی ہیں اور اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو کچھ تفصیل وجوہ ترجیح کی ابھی عنوان سابق کے ذیل میں گذر چکی ہے منجملہ ان کے ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ جو حضرات مس ذکر سے نقض وضو کے قائل ہیں ان کے نزدیک حدیث نقض وضو کا محمل ہی متعین نہیں ہوسکا اس کے مصداق میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے چنانچہ امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا مصداق باطن کف ہے لہٰذا اگر ہاتھ کے اوپر کے حصہ سے چھویا تو وضو نہیں ٹوٹے گا امام احمد کے نزدیک باطن کف اور ظاہر کف کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اگر حدیث نقض وضو کا مصداق دونوں کو ٹھہراتے ہیں تو پھر مذہب امام مالکؒ سے صحیح روایت میں اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں ہے کہ اگر شھوۃ کے ساتھ چھویا ہے تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں بدون شھوۃ ولذۃ کے بھی ٹوٹ جائے گا پھر بعضوں نے مس ذکر ناقض وضو ہونے میں بالقصد کی قید لگائی ہے اور بعضوں نے عام رکھا ہے وغیر ذالک۔

بہرحال جو حضرات نقض وضو کے قائل ہیں ان کے نزدیک حدیث بسرہ وغیرہ کا محمل ہی متعین نہ ہوسکا اس کے برعکس حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی حدیث صراحۃً عدم نقض وضو پر دلالت کررہی ہے اور عدم نقض وضو کے قائلین میں کوئی اختلاف بھی نہیں

ہے اسی لئے اس حدیث کو حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا پر ترجیح ہوگی اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

ان وجوہ ترجیح میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تعارض کے وقت روایت رجال کو روایت نساء پر ترجیح ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی حدیث طلق کو حدیث بسرہ پر ترجیح ہوگی۔

تیسری یہ کہ خبر احاد عموم بلویٰ میں یعنی ایسا معاملہ جو عام طور پر پیش آتا ہے اس میں غیر مقبول ہے اور حدیث بسرہ اسی کے قبیل سے ہے غرض کہ ان وجوہ ترجیح کی بناء پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اس باب میں عدم نقض وضو کے قائلین کا مذہب ہی قوی اور راجح ہے (واللہ اعلم)

ترک الوضوء من مس الرجل امرأته من غیره شهوة

مرد کے اپنی عورت کو بغیر شہوت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

اخبرنا محمد بن عبدالله بن عبد الحكم عن شعيب عن الليث قال اخبرنا ابن الهاد عن عبدالرحمن بن القاسم عن القاسم عن عائشة قالت ان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلى وانى لمعترضة بين يديه اعتراض الجنازة حتى اذا ارادان يوتر مسّنى برجله.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اس حال میں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی مثل رکھے جانے جنازہ کے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے کا قصد کرتے تو مجھے اپنے پاؤں مبارک سے مس فرماتے یعنی چھوتے۔

اخبرنا يعقوب بن ابراهيم قال حدثنا يحيى عن عبيدالله قال سمعت القاسم بن محمد يحدث عن عائشة قالت لقد رأيتنى معترضة بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فاذا ارادان يسجد غمزرجلى فضممتها الىّ ثم يسجد.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی جبکہ آپ نماز پڑھتے جب آپ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو ٹٹول کر دیکھتے پھر میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتی پھر آپ سجدہ کرتے۔

اخبرنا قتيبة عن مالك عن ابى النضر عن ابى سلمة عن عائشة قالت كنت انام بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاى فى قبلته فاذا سجد غمزنى فقبضت رجلى فاذا قام بسطتها والبيوت يومئذٍ ليس فيها مصابيح.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہی ہوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپ کے سامنے ہوتے جب سجدے کرنا چاہتے ٹٹول کر دیکھتے تو میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتی پھر جب کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں کو پھیلا دیتی اور ان دنوں میں گھروں میں چراغ وغیرہ کی سہولت نہ تھی۔

اخبرنا محمد بن عبدالله ابن المبارک ونصیر بن الفرج واللفظ له قالا حدثنا ابو اسامة عن عبیدالله بن عمر عن محمد بن یحیی بن حبان عن الاعرج عن ابی هریرة عن عائشة قالت فقدت النبی صلی الله علیه وسلم ذات لیلة فجعلت اطلبه بیدی فوقعت یدی علی قدمیه وهما منصوبتان وهو ساجد یقول اعوذ برضاک من سخطک وبمعا فاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو میں آپ کو اپنے ہاتھ سے تلاش کرنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں پر پڑا کہ وہ سجدے کی حالت میں کھڑے تھے آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے "اعوذ برضاک الخ" الٰہی میں تیری رضامندی کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیرے عذاب سے اور تیرے غضب سے بچ کر تیری پناہ میں آتا ہوں میں تیری تعریف شمار نہیں کرسکتا تو ایسا ہے جیسا تو نے خود ہی اپنی تعریف بیان کی۔

تشریح: امام نسائی نے پہلی حدیث بسند عبدالرحمن بن قاسم عن القاسم عن عائشۃ روایت کی ہے، زیلعیؒ نے کہا کہ یہ اسناد صحیح کی شرط پر ہے۔

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاؤں مبارک سے مجھ کو مس فرماتے تاکہ میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لوں اور آپ سجدے کرسکیں۔

دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو "غمز رجلی الخ" کہ ہاتھ سے میرے پاؤں کو دبادیتے پھر میں جاگ کر اپنا پاؤں سمیٹ لیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے اس کا باعث یہ تھا کہ میرے پاؤں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ پر ہوتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں دبا کر مجھے بتلادیتے تھے کہ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں تم اپنے پاؤں سمیٹ لو سوال یہ ہے کہ ہر مرتبہ غمز کی کیا ضرورت تھی کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بغیر اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے میں جانے کی خبر نہیں ہوتی تھی اس کی وجہ تیسری روایت میں بیان فرماتی ہیں "والبیوت یومئذٍ فیها لیس فیها مصابیح" کہ ان دونوں گھروں میں لیمپ یا چراغ وغیرہ کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا اس لئے ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کا وقت معلوم کرنا تاریکی میں مشکل تھا اور اگر روشنی ہوتی تو ہر مرتبہ بذریعہ غمز متنبہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ وہ خود ہی سجدے کے وقت اپنا پاؤں سمیٹ لیتیں۔

علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ "مسنی برجله" وغیرہ روایات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ چھونا بدون شہوۃ کے تھا اسی سے مصنف نے استدلال کیا ہے کہ مس بلاشہوۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھوکر وضو نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بغیر شہوۃ کے ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اب رہی یہ بات کہ اگر شہوۃ کے ساتھ مس کیا تو وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں نہیں ٹوٹے گا دلیل اس کی یہ ہے کہ اصل تو عدم نقض ہی ہے جب تک کہ اس کے قائل کے سامنے کوئی ایسی دلیل ظاہر نہ ہوجائے جو نقض وضو پر دلالت کرتی ہو اور یہی بات کافی ہے عدم نقض وضو

کے قائلین کے لئے بلکہ اگلے عنوان کے ذیل میں جو حدیث قبلہ آرہی ہے وہ ایک واضح دلیل ہے اس پر کہ مس بالشہوۃ سے بھی وضونہیں ٹوٹے گا کیوں کہ عادۃً بوسہ دینا مس بالشہوۃ سے خالی نہیں ہوتا ہے اس موقع پر اگر فریق مخالف یہ تاویل کرے کہ ممکن ہے لمس حائل کے ساتھ ہوا ہوگا یا وہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہوگا تو یہ ایک بعید تاویل ہوگی جو تکلف سے خالی نہیں اور ظاہر کے بھی مخالف ہے۔

چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اکرم ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں نے آپ ﷺ کو تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوے پر پڑا اس وقت آپ سجدہ میں تھے اور دونوں پاؤں سجدہ میں کھڑے تھے اور آپ یہ فرما رہے تھے ''اعوذ برضاک من سخطک الخ '' اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر عورت کا ہاتھ مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ سے لگ جائے تو مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نماز کو قطع نہیں فرمایا اب جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ عورت کا ہاتھ لگنے سے مرد کا وضو ٹوٹ جاتا ہے ان پر یہ حدیث حجت ہے اور یہ تاویل کرنا کہ شاید آپ کے پیروں پر کپڑا لگا ہوا ہو تو یہ محض تکلف اور خلاف ظاہر ہے جس کو فوقعت یدی علی قدمیہ کا لفظ رد کر رہا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے کہا کہ حدیث میں جو سخط اور عقوبۃ کا لفظ آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال سے ہے تو آپ نے ناگوار چیز سے محبوب چیز اور شر سے خیر یعنی رضا اور معافات کی پناہ مانگی ہے۔

لااحصی ثناء علیک :انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے بالکل عاجز و قاصر ہے اس جملہ سے اسی کمالِ عجز کو بیان فرمایا ہے کہ میں آپ کی حمد وثناء کی طاقت نہیں رکھتا ہوں یعنی نہ اس کی غایت تک میری رسائی ہوسکتی ہے اور نہ اسکی معرفت کا احاطہ کرسکتا ہوں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے حدیث شفاعت میں فرمایا ہے ''**فاحمدہٗ بمحامدہ لا اقدر علیھا الآن** '' کہ میدان حشر میں شفاعت کے وقت اللہ تعالیٰ میرے قلب میں ایسی تعریفیں ڈال دے گا اور ان سے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کروں گا جن پر اس وقت قادر نہیں ہوں۔

انت کما اثنیت علی نفسک :طیبی نے کہا ہے کہ لفظ ما موصولہ یا موصوفہ ہے اور کاف بمعنی مثل ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کی حمد وثناء کے افراد میں سے کسی ایک فرد کا حق بھی ادا نہیں کرسکتا ہوں پھر یہ کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں آپ کی طرف سے فیضان احسان کا وصول نہو چنانچہ ارشاد قرآنی ہے ﴿**وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا**﴾ میں آپ کی حمد وثناء اور شکر کی ادائیگی سے عاجز ہوں اس لئے میں آپ سے آپ کی رضا اور عفو کی درخواست کرتا ہوں آپ تو ویسے ہیں جیسے آپ نے اپنی تعریف کی ہے اس آیت میں ﴿**فللہ الحمد رب السمٰوات والارض رب العالمین ولہ الکبریاء فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم**﴾۔

علامہ سیوطیؒ نے اس ارشاد کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس موقع پر جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے باری تعالیٰ کی بڑی بڑی صفات اور اس کا کمال وصمدیت وقدسیۃ وعظمت وکبریاء اور اس کی جبروت وغیرہ منکشف ہوئیں جن کی نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ ان کی حد تک کسی کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ عقل ان کا ادراک کرسکتی ہے اور نہ فکرِ انسانی ان کا احاطہ کرسکتی ہے اور اس مقام تک پہنچنے

کے بعد مخلوق کی معرفت ختم ہو جاتی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے عاجزی کا اعتراف فرماتے ہوئے فرمایا ''لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ''میں تیری تعریف شمار نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے تعریف کی اپنی ذات کی۔

ترک الوضوء من القبلة

بوسہ دینے کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن المثنی عن یحیی بن سعید عن سفیان قال اخبرنی ابو روق عن ابراهیم التیمی عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقبل بعض ازواجه ثم یُصلی ولا یتوضأ، قال ابو عبدالرحمن لیس فی هذا الباب حدیث احسن من هذا الحدیث وان کان مُرسلاً وقد روی هذا الحدیث الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروة عن عائشة قال یحیی القطان حدیث حبیب عن عروة عن عائشة هذا وحدیث حبیب عن عروة عن عائشة تصلی وان قطر الدم علی الحصیر لا شئی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے تھے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے تھے۔

تشریح: دراصل مسئلہ مس مرأۃ کا ہے اس میں تقبیل بھی داخل ہے کہ بوسہ لینا عورت کے چھونے میں داخل ہے مگر چونکہ حدیث میں خاص قبلہ کا ذکر ہے اس لئے ترجمہ یہ رکھا ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بیوی کو بوسہ دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوۃ کے ساتھ ہو یا بغیر شہوۃ کے ہاں اگر کسی نے اپنی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ کے ساتھ ملایا اور عضو تناسل کھڑا ہوا تو اگرچہ مذی خارج بھی نہ ہو شیخین کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، امام مالکؒ کہتے ہیں اگر چھونا شہوۃ کے ساتھ ہو تو ناقض وضو ہے اور بغیر شہوۃ کے ہو تو ناقض وضو نہیں ہے یہی قول ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ مس امرأۃ خواہ شہوۃ سے ہو یا بغیر شہوت کے ناقض وضو ہے بشرطیکہ بلا حائل اجنبیہ سے ہو یعنی غیر محارم کو چھوئے اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں ایک روایت کے مطابق حدیث باب احناف کی حجت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بوسہ لینا بطور عادت کے شہوت سے خالی نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو اگرچہ محدثین نے مرسل قرار دیا ہے اور خود مصنفؒ نے بھی اس کی طرف اس جملہ سے اشارہ کیا ہے ''لیس فی هذا الباب حدیث احسن الخ '' کہ قبلہ سے ترک وضو کے باب میں اس سے بہتر کوئی حدیث موجود نہیں ہے اگرچہ مرسل ہے مگر اس کی اسناد مضبوط ہے جیسا کہ یہ بات مصنفؒ کے قول سے معلوم ہوتی ہے تو زیادہ سے زیادہ مرسل ہوگی اور مرسل اس لئے ہے کہ ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اول تو ہمارے اور جمہور کے نزدیک ثقہ راوی کی حدیث مرسل حجت ہے دوسرے یہ کہ حضرت عائشہ کی یہ حدیث مختلف طرق سے مروی

ہے طریق مرسل سے بھی روایت کی گئی ہے اور موصول سے بھی اور کبار تابعین کی حدیث مرسل تو امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حجت ہے جبکہ دوسرے طریق سے بھی وارد ہو چا ہے بطریق مرفوع وارد ہوئی ہو یا کسی صحابی کا قول اس حدیث مرسل کے موافق ہو یا کسی فقیہ نے اس پر عمل کیا ہو اس کی تصریح علامہ ماردینیؒ نے بیہقی سے نقل کرتے ہوئے کی ہے تو یہاں بھی حدیث باب کا معاملہ بالکل اسی طرح ہے۔

دوسرے یہ کہ دارقطنیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو معاویہ بن ہشام نے ثوریؒ سے وہ ابوروق سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ اپنے باپ یزید بن شریک تیمی سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور اسناد کو متصل کر دیا ہے اور سب راوی ثقہ ہیں، اب انقطاع کا اعتراض بھی دور ہو گیا، علاوہ اس کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث سوائے ابراہیم تیمی کے اور بھی طرق متعددہ سے مروی ہے چنانچہ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں اس کو اسماعیل بن یعقوب بن صبیح سے وہ محمد بن موسیٰ بن اعین سے وہ ان کے والد موسیٰ سے وہ عبدالکریم جزری سے وہ عطاء سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں ''**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائہ ولا یتوضأ** ''اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں حافظ عبدالحق اشبیلی نے اس کو بزار کے طریق سے روایت کرنے کے بعد فرمایا ''**لا اعلم لہٗ علۃ توجب ترکہٗ الخ الجوھر النقی** :۱ / ۳۱) اس حدیث کے اور بھی طرق ہیں جن کا ذکر زیلعی اور الجوہر النقی میں ہے جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

غرض یہ کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث طرق متعددہ سے روایت کی گئی ہے اب وہ بالاتفاق حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ نقض وضو کے قائلین کی طرف سے حدیث تقبیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف ہے، نیز مرسل ہے مگر اس جواب کو رد کر دیا گیا ہے کیوں کہ اس حدیث کی کثرت روایات کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہو گیا ہے اور یہ حدیث قبلہ مرفوعاً وموقوفاً دونوں طریق سے ثابت ہے اور روایات مرفوعہ زیادہ ہیں لہٰذا انہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا جیسا کہ اہل اصول کا یہی مذہب ہے۔

وقد روی ھٰذا الحدیث الاعمش الخ :اس کلام سے مقصود حدیث باب کے دوسرے طریق کو ضعیف قرار دینا ہے کہ اس حدیث کو اعمش نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے مگر امام نسائیؒ وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے جسکی تائید میں ابن قطان کا قول نقل کیا ہے، یحیٰ قطان نے اس میں کلام کیا ہے انہوں نے کہا کہ حبیب بن ابی ثابت کی یہ حدیث جس کو انہوں نے عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسناد سے روایت کیا ہے اور ان کی دوسری حدیث جس کو آگے اسی اسناد کے ساتھ مستحاضہ کے بارے میں بایں الفاظ روایت کیا ہے '' **تصلی وان قطر الدم علی الحصیر** '' دونوں لاشئی یعنی ضعیف ہیں اور ضعیف قرار دینے کی دو وجہ بتاتے ہیں ایک تو سند میں جس عروہ کا نام لیا گیا ہے اگر اس سے عروہ بن زبیر مراد ہیں تو ان سے حبیب بن ابی ثابت کا سماع ثابت نہیں ہے جیسا کہ ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حبیب بن ابی ثابت نے عروہ سے نہیں سنا اس لئے حدیث منقطع ہے جو شوافع کے نزدیک حجت نہیں۔

دوسری یہ کہ اگر عروہ سے مراد عروہ مزنی ہیں تو انکا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہے اس اعتبار سے بھی سند منقطع ہے جس سے استدلال درست نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سند میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں چنانچہ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ابن الزبیر کی تصریح موجود ہے اسی طرح دارقطنی کی روایت میں بھی صراحۃ ابن الزبیر کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے حدیث قبلہ کو ابن ابی شیبہ اور علی بن محمد سے اوران دونوں نے وکیع سے اس نے اعمش سے اس نے حبیب بن ابی ثابت سے اس نے عروہ بن زبیر سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے''**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعض نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ**'' اس سند کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں۔(**الجوهر النقی علی البیهقی:۱/ ۱۲۵**)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ عروہ بن زبیر مراد ہیں دوسرا متن میں اس کا قرینہ موجود ہے کہ وہ عروہ بن زبیر ہیں کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول مذکور یعنی'' **قبل بعض نسائہ** '' کے بعد عروہ نے کہا''**فقلت من هی الاانت فضحکت**''۔(رواہ ابوداؤد)

یہ کلام صاف بتلا رہا ہے کہ اس کے قائل عروہ بن زبیر ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے وہ اپنی خالہ کے ساتھ اس طرز سے کلام کر سکتے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور شخص جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی قسم کی قرابت کا تعلق نہ رکھتا ہو ان کے سامنے کلام مذکور پر ہرگز جرأت نہیں کر سکتا، نیز عروہ کا قول مذکور ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات پر اور ان کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع پر دلیل ہے، اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ سند میں عروہ سے عروہ بن زبیر ہیں نہ کہ عروہ مزنی جو مجہول ہیں۔

دوسری جرح کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابوداؤدؒ ثوری کے اس کلام سے راضی نہیں جو انہوں نے کہا کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ابن زبیر سے ثابت نہیں ہے کیوں کہ ابوداؤدؒ ثوری کا کلام نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حمزۃ الزیات نے حبیب سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث صحیح روایت کی ہے تو اس سے انہوں نے ثوری وغیرہ کے قول کو رد کر دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حبیب کا سماع عروہ سے نہیں مگر وہ حدیث صحیح امام ابوداؤد نے بیان نہیں کی امام ترمذیؒ نے اس کو جامع الدعاء کے ذیل میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے''**اللّٰهم عافنی فی جسدی وعافنی فی بصری**''۔

نیز امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اتصال کے لئے ثبوت سماع شرط نہیں بلکہ معاصرت اور امکانِ لقاء کافی ہے جو اس روایت مذکورہ فی الباب میں موجود ہے تو امام مسلم کے اصول کے مطابق حدیث حبیب بن ابی ثابت سماع پر محمول ہوگی اور حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ کا میلان ورجحان بھی حدیث قبلہ کی صحت کی طرف معلوم ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ اہلِ کوفہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور انہوں نے اس کو ائمہ حدیث میں سے ثقہ راویوں کی سند سے نقل کیا ہے اور چونکہ حبیب ابن ابی ثابت نے ایسے اشخاص سے روایت کی ہے جو عمر میں عروہ سے زیادہ بڑے ہیں اس لئے حبیب کی ملاقات کا عروہ سے انکار نہیں کیا

جاسکتا اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حبیب کی ملاقات عروہ سے ہوئی ہے پھر بطور استشہاد امام ابوداؤد کا قول نقل کیا ہے۔

علامہ ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد کا قول مثبت سماع ہے یعنی صراحۃ اس پر دلالت کررہا ہے کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت ہے اور ثوری کا قول جو بلاسند اپنے علم کے مطابق کہا وہ نافی ہے لہٰذا مثبت نافی پر مقدم ہوگا۔

غرض کہ حفاظ حدیث کے یہ اقوالِ مذکورہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حبیب نے عروہ بن زبیر سے سنا ہے اور جب سماع ثابت ہوا تو انقطاع کی علت دور ہوگئی اور حدیث متصل ہوگئی لہٰذا ابن قطان وغیرہ کا حدیث باب کے دوسرے طریق پر جرح قابل تسلیم نہیں ہے، نیز اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے شواہد ہیں جو اس عنوان سے پہلے عنوان کے ذیل میں گذر چکے ہیں ان سے حدیث قبلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس کا قائل ہونا کہ عورت کو چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ بعض شوافع نے ذکر کیا ہے تکلف سے خالی نہیں اور اس کو دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔

بہرحال تقریر مذکور سے واضح ہوگیا کہ باعتبار دلائل حنفیہ کا مسلک قوی ہے شوافع وغیرہ کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، آخر میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آیت قرآنی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿او لا مستم النساء﴾ شوافع ملامست کو لمس بالید پر محمول کرتے ہیں یعنی اس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں مؤید اس کی دوسری قراءت ہے کیوں کہ دوسری قراءت میں ﴿اولمستم النساء﴾ ہے اس سے معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض وضو ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر زیادہ معتبر ہے وہ حبر الامت ہیں فرماتے ہیں کہ لمس جماع سے کنایہ ہے اور آیت کو اسی پر حمل کرنا اولیٰ ہے تاکہ قراءت اولامستم النساء کے موافق ہوجائے کیوں کہ جمہور کے نزدیک لامستم کنایہ عن الجماع ہے چونکہ اللہ تعالیٰ بہت حیادار اور باغیرت ہیں اس لئے امر قبیح یعنی لفظ جماع کو ایک اچھے لفظ یعنی لمس سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آیت طلاق ﴿و ان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن﴾ میں بالاجماع مس سے جماع مراد ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان تمسوہن استعمال فرمایا ہے جو کنایہ عن الجماع ہے لفظ جماع کا استعمال نہیں فرمایا۔

نیز یہ کہ آیت وضو میں ﴿اذا قمتم الیٰ الصلوٰۃ﴾ سے لیکر ﴿و ان کنتم جنباً﴾ تک حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا حکم بیان کیا ہے کہ جب پانی کے استعمال پر قدرت ہو تو وضو اور غسل کرلو پھر اس کے بعد پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے اسکو بیان کیا ہے ﴿و ان کنتم مرضی او علیٰ سفر الخ﴾ اور یہاں لفظ لامستم جماع کے معنی میں ہے اور اس کو اسی پر حمل کرنا ضروری ہے تاکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی حالت میں دونوں قسم کے حدثوں کا بیان ہوجائے جیسا کہ وجود ماء کی حالت میں دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس توجیہ سے مقصد آیت پورا ہوجاتا ہے بخلاف لامستم سے لمس بالید مراد لینے کے جس کے حضرات شوافع قائل ہیں کیوں کہ وہ آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مقصد آیت تمام نہیں ہوتا ہے۔

باب الوضوء مما غيرت النار

آگ کی اثر کی ہوئی چیز کھانے سے وضو واجب ہونے کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم اخبرنا اسماعيل وعبدالرزاق قالا حدثنا معمر عن الزهرى عن عمر بن عبد العزيز عن ابراهيم بن عبدالله بن قارظٍ عن ابى هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول توضئوا مما مسّت النار.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آگ کی اثر کی ہوئی چیز سے کھانے کے بعد وضو کیا کرو۔

حدثنا هشام بن عبدالملک قال حدثنا محمد يعنى ابن حرب قال حدثنا الزبيدى عن الزهرى ان عمر بن عبدالعزيزاخبره ان عبدالله بن قارظٍ اخبره ان اباهريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول توضؤا ممامست النار .

اخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد قال حدثنا اسحق بن بكر وهو ابن مضر قال حدثنى ابى عن جعفر بن ربيعة عن بكر بن سوادة عن محمد بن مسلم عن عمر بن عبدالعزيز عن عبدالله بن ابراهيم بن قارظ قال رأيت اباهريرة يتوضأ على ظهر المسجد فقال اكلت اثوار اقطٍ فتوضأت منها انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمربالوضوء مما مست النار.

اخبرنا ابراهيم بن يعقوب قال حدثنا عبدالصمد بن عبدالوارث قال حدثنا ابى عن حسين المعلم قال حدثنى يحيى بن ابى كثيرعن عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعى انه سمع المطلب بن عبدالله ابن حنطب يقول قال ابن عباس أنتوضأ من طعام اجده فى كتاب الله حلالا لان النارمسته فجمع ابوهريرة حصىً فقال اشهد عدد هذا الحصىٰ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال توضؤا مما مست النار .

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا ابن ابى عديٍ عن شعبة عن عمرو بن دينار عن يحيى بن جعدة عن عبدالله بن عبد عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال توضؤا مما مست النار.

اخبرنا عمرو بن على ومحمد بن بشار قالا حدثنا ابن ابى عدى عن شعبة عن عمرو بن دينار عن يحيى بن جعدة عن عبدالله بن عمرو قال محمد القارى عن ابى ايوب قال قال النبى صلى الله عليه وسلم توضؤا مما مست النار.

اخبرنا عبيدالله بن سعيد وهارون بن عبدالله قالا حدثنا حرمى وهو ابن عمارة بن ابى حفصة قال حدثنا شعبة عن عمرو بن دينار قال سمعت يحيى بن جعدة يحدث عن عبدالله بن عمرو القارى عن ابى

طلحة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال توضؤا مما غيرت النار.

اخبرنا هارون بن عبداللہ حدثنا حرمی بن عمارة قال حدثنا شعبة عن ابی بکر بن حفص عن ابن شهاب عن ابن ابی طلحة عن ابی طلحة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال توضؤا مما انضجت النار.

اخبرنا هشام بن عبدالملک قال حدثنا محمد قال حدثنا الزبيدی قال اخبرنی الزهری ان عبدالملک بن ابی بکر اخبره ان خارجة بن زيد بن ثابت اخبره ان زيدبن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول توضؤا مما مست النار.

اخبرنا هشام بن عبدالملک قال حدثنا ابن حرب حدثنا الزبيدی عن الزهری ان اباسلمة بن عبدالرحمن اخبره عن ابی سفيان بن سعيد ابن الاخنس بن شريق انه اخبره انه دخل علی ام حبيبة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهی خالته فسقته سويقا ثم قالت له توضأ يا ابن اختی فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال توضؤا مما مست النار.

اخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد قال حدثنا اسحق بن بکر بن مضر قال حدثنی بکر بن مضر عن جعفر بن ربيعة عن بکر بن سوادة عن محمد بن مسلم ابن شهاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی سفيان بن سعيد بن الاخنس ان ام حبيبة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت له وشرب سويقا يا ابن اختی توضأ فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول توضؤا مما مست النار.

تشریح: امام نسائیؒ وغیرہ کا دستور ہے کہ وہ جن احادیث کو منسوخ سمجھتے ہیں ان کو پہلے لاتے ہیں پھراس کے بعد احادیث ناسخہ کو بیان کرتے ہیں ایسا ہی یہاں بھی کیا اس باب میں وہ احادیث لائے ہیں جو آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کے واجب ہونے پر دلالت کر رہی ہیں پھراس کے بعد دوسرا باب قائم کیا ہے اس کے ذیل میں وہ احادیث لائے ہیں جو ترک وضو کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وضو کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ابتدائے اسلام میں آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد خواہ گوشت ہو یا اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز جس میں چکناہٹ نہ ہو جیسے ستو وغیرہ وضو کا حکم دیا گیا تھا اس کی حکمت بعضوں نے یہ بیان کی ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ اور اعراب صفائی اور پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتے تھے جب وہ لوگ اسلام لائے تو حضور ﷺ نے شائستگی کی تعلیم فرمائی اور ان کو آگ پر تیار کی گئی چیزوں کے استعمال کے بعد وضو کا حکم دیا ہے پھر جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ نظافت وطہارت کے معاملہ میں شائستہ ہو گئے ہیں تو اب وضو کی ضرورت نہ رہی اور اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور وہ احادیث جو نقض وضو کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات سے منسوخ ہو چکی ہیں جن میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ترک وضو کا بیان ہے اور یہی آپ ﷺ کا آخری عمل ہے۔

غرض کہ دونوں عمل ثابت ہیں یعنی فعل وضو اور ترک وضو، مگر ترک وضو آپ ﷺ کا آخری فعل ہے اس سے پہلا عمل منسوخ ہوگیا البتہ کچھ حضرات وضو کے قائل تھے چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت زید بن ثابت، ابو موسیٰ، انس اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرات آگ سے تیار کی گئی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کرتے تھے، امام نوویؒ نے کہا ہے کہ قرن صحابہ کے شروع میں کچھ اختلاف اس مسئلہ میں تھا مگر بعد میں تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو واجب نہیں ہے۔

باب کی تیسری حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد کے اوپر کے حصہ میں وضو کرتے ہوئے دیکھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پنیر کے ٹکڑے کھائے تھے اس لئے وضو کیا ہے کیوں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا کہ مما مست النار سے آپ ﷺ وضو کا حکم فرماتے تھے، اس حدیث سے مسجد میں وضو کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے علامہ شوکانی نے کہا کہ مسجد میں وضو کے جواز پر ابن المنذر نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

چوتھی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضور اکرم ﷺ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے اگر چہ پنیر کا ٹکڑا ہو وضو کا حکم فرماتے تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ''أنتوضأ من طعام الخ'' کھانے کی چیز جس کو ہم کتاب اللہ میں حلال پاتے ہیں اس سے کیا ہم اس لئے وضو کریں کہ وہ آگ سے پکی ہوئی ہے؟ یہ اعتراض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ناخوشگوار معلوم ہوا کہ کیوں کہ بظاہر معارضہ کی صورت معلوم ہوتی ہے آپ نے اس سے قطع نظر کرکے ظاہر حدیث پر عمل کرنے کی طرف رہنمائی کی پس کنکر جمع کئے اور کہا کہ میں ان کنکریوں کی تعداد کے مطابق گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''**توضئوا مما مست النار**''۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اس مناظرہ میں ان سے ان کے کمال علم کے باوجود یہ بات ممکن ہی نہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے قول کی مخالفت کریں یا حضور ﷺ کے قول پر اعتراض کریں ہرگز یہ بات نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فہم وسمجھ پر اعتراض کر رہے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب جو انہوں نے سمجھا ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء شرعی لازم ہوتا ہے وہ غلط ہے۔ کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صحابہ اور حضور ﷺ کو دیکھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے تو درحقیقت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مقصد شارع علیہ السلام پر تنبیہ کرنا چاہتے تھے اور بتلانا چاہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے کلام سے وضوء شرعی کے معنی کا قصد نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ انہوں نے اس کو اس کے غیر محل یعنی وضوء شرعی پر محمول کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک درست نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ستو کھانے کے بعد کلی فرمائی گویا حضور ﷺ کا عمل آپ کے قول کی تشریح ہوگیا نیز مضمضہ من اللبن والی حدیث جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے دودھ کا پیالہ منگایا نوش

فرمایااورکلی فرمائی پھرفرمایاان لہ دسماً یعنی اس میں چکنائی ہے اس لئے میں نے کلی کی ہے تو یہ تعلیل جس طرح دودھ پینے کے بعد وضوءلغوی کے استحباب پر دلالت کررہی ہے تا کہ دسومۃ دور ہوجائے اسی طرح اس تعلیل مذکور سے ہراس چیز کے کھانے کے بعد جس میں چکنائی ہوخواہ اونٹ کا گوشت ہو یا گائے وغیرہ کا گوشت ہو وضوءلغوی کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

نیز بزار نے عبدالرحمٰن بن غنم اشعری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم ''مما غیرت النار'' سے وضوءکرتے تھے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! جب ہم میں سے کوئی شخص آگ کے ذریعہ پکی ہوئی چیزوں سے کچھ کھاتا تو دونوں ہاتھ اور منہ دھولیتا اور ہم اس کو وضوء کہتے تھے اسی طرح مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانہ کا گوشت تناول فرمایا پھر کلی کی اور ہاتھ دھوئے پھر نماز پڑھی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے وضوءلغوی کا ثبوت ملتا ہے گو وضو کے لفظ سے جس معنی کی طرف تبادر ذہن ہوتا ہے وہ وضوءشرعی ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی بھی انصاف پسند آدمی انکارنہیں کرسکتا کہ اس لفظ کا استعمال وضوءلغوی پر ہوتا ہے جیسے احادیث مذکورہ میں وضوءلغوی مرادلیا گیا ہے اور لفظ وضوء ماخوذ ہے وضاءۃ سے جس کے معنی نظافت کے ہیں تو اصل لغت میں بعض اعضاء کے غسل مثلاً ہاتھ منہ کے دھونے اور اس کی صفائی کو وضوءلغوی کہتے ہیں اور شریعت میں اعضاء مخصوصہ کے غسل اور مسح کو وضو کہتے ہیں۔

لیکن یہاں احادیث مذکورہ اوران جیسی احادیث میں وضوءلغوی مرادلیا گیا ہے، قاضی بیضاویؒ وغیرہ کی یہی تحقیق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے امر وضوء کی تمام احادیث میں وضوءشرعی وجوبی کا حکم تھا جو جمہورعلماء کے نزدیک منسوخ ہوگیا یا ان احادیث میں وضوء سے مراد وضوءلغوی ہے جو اَب بھی غیر منسوخ اور باقی ہے اس جواب ثانی کوعلماء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور امام شافعیؒ نے جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس جواب ثانی پر علامہ ظفراحمد عثمانیؒ نے اعتراض کیا ہے کہ لفظ وضوء کو وضوءلغوی یعنی غسل فم وکفین پر محمول کرنے کا قول خلاف متبادر ہونے کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول ''کان آخر الامر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار'' کے بھی خلاف ہے کیوں کہ ان کے اس قول سے وضوءلغوی مرادلینا بہت بعید بات ہے جیسا کہ یہ بات ہراس شخص سے پوشیدہ نہیں جو محاورات سے واقفیت اور اس کا تجربہ رکھتا ہو لہٰذا بہتر جواب یہ ہے کہ امر بالوضوء استحباب پر محمول ہے۔(اعلاء السنن :۱/ ۶۳)

اسی طرح علامہ خطابیؒ نے بھی امر بالوضوء کی احادیث کو استحباب وضو پر محمول کیا ہے لیکن علامہ زرقانیؒ نے اس کو طحاوی شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے ردکردیا ہے طحاوی میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آگ سے پکا ہوا کھانا کھایا پھر میں نماز کے لئے وضو کی نیت سے کھڑا ہوا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا تم حلال اور پاکیزہ چیز کھا کر وضو کررہے ہو''لقد جئت بھا عراقیۃ '' اس کا مطلب یہ ہے

جیسا کہ زرقانیؒ کہتے ہیں کیا تم نے یہ علم اہلِ عراق سے حاصل کیا ہے اور اہل مدینہ کا عمل جو رسول اکرم ﷺ سے ملا ہے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

بہر حال ان دونوں حضرات نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا حالانکہ یہ دونوں خود ہی حضور اکرم ﷺ سے وضوءمما غیرت النار کے راوی ہیں لیکن اس موقع پر انہوں نے وضو نہیں کیا حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد امر وضوء کی جو حدیث حضور اکرم ﷺ سے روایت کی تھی وہ منسوخ ہو چکی ہے زرقانی کہتے ہیں کہ یہ روایت دلائل قویہ میں سے ایک مضبوط دلیل ہے جس سے وضو کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسی روایت کی بناء پر خطابی کا یہ قول کہ امر وضو کی احادیث استحباب پر محمول ہیں وہ نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے کیوں کہ اگر آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو مستحب ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک فعل مستحب پر ان دونوں حضرات نے انکار کیوں کیا بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ''لیتنی لم افعل ''جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے قول کو مان لیا ہے اور ان کی رائے کی طرف رجوع کیا ہے۔

غرض کہ ان دونوں صحابیوں کے انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ استحباب بھی باقی نہیں رہا ورنہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک فعل مستحب پر کیوں انکار کرتے، باجیؒ نے کہا کہ ممکن ہے کہ باوضوء ہوتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تجدید اور وضوعلی الوضوء کے ارادہ سے وضو کیا ہو جس سے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا اس لئے ان دونوں صحابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر انکار کیا نہ کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کرنے پر اس بناء پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لیتنی لم افعل فرمایا۔

اس کا جواب مصنف امانی الاحبار نے یہ دیا ہے کہ باجی کی یہ تاویل مسند احمد کی روایت سے غفلت کا نتیجہ ہے کیوں کہ امام احمد کی روایت میں آیا ہے ''ثم دعوت بوضوء فقالا لم تتوضأ فقلت لهٰذا الطعام الذی اکلنا ''اس سے صاف معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے پر انکار کیا تھا نہ کہ وضوعلی الوضوء کے عمل پر۔

بہر حال علامہ زرقانی کی تقریر مذکور سے علامہ خطابی کا قول رد ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان بعض حضرات کا قول بھی رد ہو جاتا ہے جو آگ سے پکا ہوا کھانا کھانے کے بعد وضوءِ عُرفی کے استحباب کے قائل ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب ترک الوضوء مما غیرت النار

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین عن زینب بنت ام سلمة عن ام سلمة ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اکل کتفا فجاءہٗ بلال فخرج الی الصلوٰة ولم یمس ماءً.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بکری کے شانہ کا گوشت کھایا پھر حضور ﷺ کے پاس

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع دینے کے لئے آئے پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے اور پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا ابن جریج عن محمد بن یوسف عن سلیمان بن یسارقال دخلت علی ام سلمة فحدثتنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصبح جنبا من غیر احتلام ثم یصوم وحدثنا مع ھذا الحدیث انھا حدثته انھا قربت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبا مشویا فاکل منه ثم قام الی الصلوة ولم یتوضأ.

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احتلام کے جنابت کی حالت میں صبح کرتے تھے پھر روزہ رکھتے سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہم سے ایک اور حدیث بھی بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا پہلو کا گوشت پیش کیا گیا آپ نے اس سے کھایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا ابن جریج قال حدثنی محمد بن یوسف عن ابن یسار عن ابن عباس قال شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل خبزا ولحما ثم قام الی الصلوة ولم یتوضأ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی اور گوشت کھاتے دیکھا پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔

اخبرنا عمرو بن منصور حدثنا علی ابن عیاش قال حدثنا شعیب عن محمد ابن المنکدر قال سمعت جابر بن عبداللہ قال کان اخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دونوں چیزوں میں سے آخری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد ترک وضو تھی۔

تشریح: آگ سے تیار کی گئی چیزوں کے استعمال سے امر بالوضوء کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کی توجیہ وتشریح عنوان سابق کے ذیل میں ہو چکی ہے ترک وضوء ما غیرت النار کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے امام نسائیؒ نے اس عنوان کے ذیل میں چار احادیث بیان کی ہیں۔

پہلی حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس میں آیا ہے کہ آپ پانی کو مس نہ فرماتے یعنی ہاتھ تک نہ دھوتے اور نہ کلی کرتے اور یہ ترک آپ کا بیان جواز کے لئے تھا ورنہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مسنون ہے۔

دوسری حدیث بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے جس کے راوی سلیمان بن یسار ہیں اس میں ہے کہ حضرت ام

سلمہ رضی اللہ عنہ نے بکری کا بھونا ہوا پہلو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا اس میں سے کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پھر کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھی اور وضونہیں کیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو پہلے سے تھا اس کھانے سے وضونہیں ٹوٹا اور پہلے وضو سے نماز پڑھ لی غرض نہ وضوء صلوٰۃ کیا اور نہ وضوطعام۔

تیسری حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نسائی کی روایت کچھ مختصر ہے بیہقی کی روایت میں پورا واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا وہ وضو کر رہے تھے اتفاق سے ابن عباس رضی اللہ عنہ وہاں حاضر ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے اے ابن عباس کیا تم جانتے ہو میں کیوں وضوء کر رہا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے پنیر کا ٹکڑا کھایا تھا اس لئے وضوء کر رہا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''ما ابالی مما توضأت'' کہ میرے نزدیک تمہارے ایسے وضوء کی کوئی اہمیت نہیں واللہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے روٹی کو گوشت کے ساتھ کھایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے ولم یتوضا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضونہیں کیا، تو یہ حدیث بھی صاف بتلا رہی ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے امام نوویؒ نے کہا ہے کہ حدیث جابر صحیح ہے اس کو امام ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے صحیح سندوں کے ساتھ، نیز حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''کان آخر الامرین الخ'' امر بمعنی مامور کے ہے جس سے مراد فعل ہے یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو اور ترک وضو دونوں ثابت ہیں مگر ترک وضو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہے جس پر یہ حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے لہٰذا یہ حدیث ناسخ ہوگی حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث جابر کے لئے شاہد موجود ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے سعید بن حرث کے طریق سے جس حدیث کو اپنی صحیح میں (کتاب الاطعمہ) میں روایت کیا ہے اس میں ہے کہ سعید بن حرث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مامست النار سے وضو لازم ہے آپ نے جواب دیا نہیں۔

نیز امام احمد اور ابن ابی شیبہ وغیرہما نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روٹی و گوشت کھایا پھر سب نے نماز پڑھی لیکن کسی نے وضونہیں کیا پھر ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گوشت روٹی کھائی اور آپ نے نماز پڑھائی مگر کسی نے وضونہیں کیا پھر ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روٹی گوشت کھایا اس کے بعد آپ نے نماز پڑھائی لیکن نہ آپ نے وضو کیا اور نہ ہم نے کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر تفصیلی واقعہ بیان کیا کہ خلفاء بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضونہیں فرماتے تھے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وضو اور ترک وضو دونوں میں سے آخری فعل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ ترک وضو ہے، لہٰذا حدیث جابر کان آخر الامرین الخ پہلی حدیث

کے لئے ناسخ ہے جس میں امر وضو کا بیان ہے علاوہ بریں حدیث جابر کے بہت سے اور بھی شواہد ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ محمد بن مسلمہ اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہ سے مروی ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت طحاوی میں ہے (انہوں نے آخری عمر میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وجوب وضو کے قول سے رجوع کر لیا تھا) اور محمد بن مسلمہ کی روایت ان الفاظ سے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل آخر امر یہ لحماً ثم صلی ولم یتوضأ ''طبرانی کی الکبیر میں ہے، اور بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ''اکل مما غیرت النار ثم صلی ولم یتوضأ وکان آخر امریہ ''اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اسی حدیث میں ہے ''ولو فعلت فعل الناس ذالک بعدی ''کہ اگر میں کھانا کھانے کے بعد وضوء پر مداومت کرتا تو تمام امت پر ضروری ہو جاتا۔ غور کیجئے کہ کھانا کھانے کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کیوں پیش کیا اس لئے کہ ان کو ''توضؤا مما مست النار ''ارشاد مبارکہ کا علم تھا ورنہ پانی کیوں پیش کرتے۔

غرض کہ ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ امر بالوضوء اور فعل وضو مقدم تھا ترک وضو پر نیز موطاً میں ہے کہ ما غیرتہ النار سے ترک وضوء کا عمل ختنین میں واقع ہوا تھا اور وہ متاخر ہے اس بناء پر ائمہ کہتے ہیں کہ وضو کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا اور خلفاء راشدین اور کبار صحابہ کا ترک وضوء پر اجماع صحت نسخ کی دلیل ہے کیوں کہ ان حضرات کا ماستہ النار سے ترک وضو پر اجماع وجوب وضو کے حکم سے ناواقف ہونے پر مبنی نہیں ہو سکتا، کرمانی نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں مروی ہوں اور ہمیں اس کا علم ہو جائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی ایک حدیث پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یقین کر لو کہ حق اور ثابت شدہ امر وہی ہے جس پر ان دونوں حضرات نے عمل کیا ہے اب امر بالوضوء کی حدیث میں اگر امر ایجابی ہے تب تو وہ منسوخ ہو گیا اور اگر وضوء لغوی کے استحباب پر حمل کیا جائے تو وہ اب بھی باقی اور غیر منسوخ ہے۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہ ہوتی تو احادیث میں تعارض واقع ہوتا اس حدیث نے مسئلہ صاف کر دیا کہ وضو کا حکم جو پہلے تھا وہ اس حدیث سے منسوخ ہو گیا ہے۔

المضمضة من السويق

ستو کھانے کے بعد کلی کرنا

اخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراءةً عليه وانا اسمع واللفظ له عن ابن القاسم قال حدثني مالك وهو ابن انس عن يحيى بن سعيد عن بشير بن يسار مولى بني حارثة ان سويد بن النعمان اخبرهٗ انهٗ خرج مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام خيبر حتى اذا كانوا بالصهباء وهي من ادنىٰ خيبر صلى العصر ثم دعا بالازواد فلم يؤت الا بالسويق فأمر به فثرى فاكل واكلنا ثم قام الى المغرب

فتمضمض وتمضمضنا ثم صلی ولم یتوضأ.

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بشیر بن یسار سے حدیث بیان کی کہ وہ خیبر والے سال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریب والا حصہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توشے طلب فرمائے تو سوائے ستو کے اور کچھ حاضر نہیں کیا جاسکا پھر آپ نے حکم دیا اور پانی سے اس کو تر کرلیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا اور ہم نے بھی کھایا اور پھر آپ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے کلی فرمائی اور ہم نے بھی کلی کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

تشریح: **صہباء**: یہ وہی جگہ ہے جہاں خیبر اور مدینہ طیبہ کے درمیان ردّ شمس کا معجزہ پیش آیا ہے جس کی امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں تصحیح کی ہے اور اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے شیخ لوگوں کو اس شاندار معجزہ کو یاد رکھنے کی خاص طور سے وصیت کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حدیث اسماء کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے اور جس میں سورج ٹھہرانے کا معجزہ بیان فرمایا ہے یاد کرنے سے غافل رہیں کیوں کہ وہ نبوت کی علامات میں سے بڑی علامت ہے۔ (فیض الباری: ۱/ ۲۰۷)

اس روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو کھایا پھر کلی کرکے مغرب کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا حالانکہ ستو بھی تو ما غیرت النار کا فرد ہے تو عنوان سابق کے بعد یہ عنوان قائم کرکے پھر اس کے بعد المضمضة من اللبن کے ترجمہ سے غالباً امام نسائیؒ جواب ثانی کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جن روایات میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد امر وضو کا بیان آیا ہے وہاں وضو سے مراد وضوء لغوی ہے نہ کہ اصطلاحی وشرعی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آپ کے قول کی تشریح ہوگیا اور وضوء لغوی سے منہ ہاتھ کی نظافت مقصود ہے ستو میں اگرچہ چکنائی نہیں ہوتی تاہم ستو کھاکر کلی کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے اجزاء دانتوں کے درمیان اور منہ کے کناروں میں لگے رہتے ہیں اور ان کو بار بار نکالنے کی کوشش سے احوال صلوٰۃ میں خلل پیدا ہوگا اور قرأت میں تکلف پیدا ہوتا ہے اس لئے کلی کرلینی چاہئے تاکہ منہ کی صفائی ہوجائے اور قرأت وغیرہ میں خلل واقع نہ ہو۔

(فائدہ) اس حدیث سے سفر میں اپنے توشہ کے ساتھ احباب کے توشہ کو شامل کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اگرچہ کوئی کم کھائے اور کوئی زیادہ کھائے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں اپنے ساتھ کھانے پینے کے توشے کو لے جانا خلافِ توکل نہیں۔

(قاله الحافظ ابن الحجرؒ)

المضمضة من اللبن

دودھ پینے کے بعد کلی کرنا

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث عن عقیل عن الزهری عن عبیدالله بن عبدالله عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم شرب لبنا ثم دعاء بماء فتمضمض ثم قال ان لهٗ دسماً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دودھ پیا پھر پانی منگایا اور کلی فرمائی پھر فرمایا کہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے۔

تشریح: دودھ پینے کے بعد نبی کریم ﷺ نے جو عمل فرمایا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کو نقل کر رہے ہیں کہ آپ نے دودھ پیا اس کے بعد کلی فرمائی وار کلی کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''ان لہ دسما'' کہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے اس کو زائل کرنے کے لئے حضور ﷺ نے کلی فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پینے کے بعد چکنائی کی وجہ سے کلی کرنا مستحب ہے اور اس تعلیل مذکور سے جس طرح دودھ پینے کے بعد وضوء لغوی کا استحباب معلوم ہو رہا ہے اسی طرح اونٹ وغیرہ کا گوشت جس میں چکنائی ہوتی ہے اس کے کھانے کے بعد بھی ازالۂ دسومت کے لئے وضوء لغوی کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کلی کرنا کھانے پینے کے آداب میں سے ہے اس لئے اس کے بعد کلی کرنا مستحب ہے خاص نماز کے وقت مستحب نہیں ہاں کبھی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ کھانے پینے سے فراغت ہوئی اور نماز کا وقت بھی آ گیا دونوں کا اجتماع ہو گیا تو اس وقت استحباب تاکیدی ہے جیسے میں نے حدیث مستیقظ کے بارے میں کہا کہ اس کا اصل تعلق پانی کے مسائل سے ہے پھر چونکہ وضو کے پانی کی حفاظت اور بھی زیادہ ضروری ہے اس لئے وضو سے پہلے بھی ہاتھ دھونے کی تاکید زیادہ ہے خصوصاً اجتماع کی حالت میں یعنی جس وقت سو کر اٹھے وضو بھی اسی وقت کرنا پڑے اور مضمضہ آداب طعام سے ہونے کی طرف شارع علیہ السلام کی بیان کردہ علت ان لہ دسماً اشارہ کر رہی ہے کہ جو کلی دودھ پینے کے بعد کی گئی ہے وہ چکنائی کی وجہ سے ہے اس کا نماز سے کوئی تعلق نہیں۔

ذکر مایوجب الغسل ومالا یوجبه

غسل الکافر اذا أسلم

کافر کا غسل کرنا جبکہ وہ مسلمان ہو جائے

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی حدثنا سفیان عن الاغر وھو ابن الصباح عن خلیفة بن حصین عن قیس بن عاصم انهٗ اسلم فامرهٗ النبی صلی الله علیه وسلم ان یغتسل بماء وسدر.

قیس بن عاصم سے ﷺ روایت ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کو نبی کریم ﷺ نے پانی اور بیری کے پتوں سے یعنی پانی میں بیری کے پتے جوش دیکر اس سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

تشریح: فامرہ النبی صلی الله علیه وسلم الخ: علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ بظاہر حدیث سے جو بات مفہوم ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قیس ﷺ کو ان کے اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم دیا نہ کہ قبولِ اسلام سے پہلے اور اس حدیث کو اگلے عنوان کی حدیث کے موافق بنانے کے لئے لفظ اسلم کو اس پر محمول کرنا جب قیس بن عاصم نے قبولِ اسلام کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے ان کو اسلام لانے سے پہلے غسل کا حکم دیا یہ بات انصاف سے بعید ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان کو کفر کے میل کچیل زائل کرنے اور احتمال جنابۃ کو دور کرنے کے لئے غسل کا حکم دیا کیوں کہ کافر لوگ اس سے خالی نہیں ہوتے اور یہ غسل جمہور کے نزدیک مستحب ہے اور امام احمد ظاہر حدیث کی بناء پر واجب کہتے ہیں جمہور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہر شخص کو جو بھی اسلام لایا ہے غسل کا حکم نہیں دیا اور اگر غسل واجب ہوتا تو جو بھی مسلمان ہوا ہر ایک کو غسل کا حکم فرماتے بعض کو امر غسل کے ساتھ خاص نہ فرماتے اس لئے یہ ایسا قرینہ ہے جو امر کو استحباب کی طرف لے جاتا ہے اس لئے امر غسل استحباب پر محمول ہے البتہ اگر کوئی کافر جنبی ہو پھر وہ مسلمان ہو گیا تو قول صحیح یہی ہے کہ اس پر غسل واجب ہے کیوں کہ جنابت ایسی چیز ہے جو اسلام کے بعد بھی باقی رہتی ہے جیسے صفت حدث باقی رہتی ہے۔

تقدیم غسل الکافر اذا اراد ان یسلم

کافر جب مسلمان ہونے کا ارادہ کرے تو پہلے غسل کرلے

اخبرنا قتیبة حدثنا اللیث عن سعید بن ابی سعید انه سمع اباھریرة یقول ان ثمامة ابن اثال الحنفی انطلق الی نجل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لااله الا الله وحدهٗ

لاشریک لهٗ وان محمدًا عبدهٗ ورسولهٗ یامحمد واللّٰہ ما کان علی الارض وجه ابغض الی من وجهک فقد اصبح وجهک احب الوجوه کلها الیّ وان خیلک اخذتنی وانا ارید العمرة فماذا تریٰ فبشرهٗ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وامرهٗ ان یعتمر مختصر.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ثمامہ بن اثال حنفی جاری پانی یا کھجور کے درختوں کے باغ میں گیا جو مسجد کے نزدیک تھا اور غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا ''اشهد ان لااله الا الله الخ ''اے محمد! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھا بیشک اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا آپ کے لشکر نے مجھ کو گرفتار کرلیا حالانکہ میں عمرہ کے ارادے سے جارہا تھا اب آپ کیا فرماتے ہیں پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشارت دی (کہ بسبب اسلام لانے کے سارے گناہ پہلے کے بخشے گئے) اور اس کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

تشریح: امام نسائیؒ نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے پوری روایت مسلم اور بیہقی میں ہے لفظ نجل نون اور جیم کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں زمین سے نکلنے والا پانی اور بعضوں نے کہا ہے کہ جاری پانی کو کہتے ہیں یا نون اور خاء کے ساتھ ہے جو نخلة کی جمع ہے جس کے معنی درخت کھجور کے ہیں کیوں کہ عام طور پر باغ پانی سے خالی نہیں ہوتا ہے، علامہ سندھیؒ نے کہا کہ بعضوں نے جو جیم ہی کے ساتھ پڑھنے کو صواب کہا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ اکثر روایت خاء کے ساتھ ہے اور قاضی عیاضؒ نے بھی کہا کہ روایت خاء کے ساتھ ہے۔

ثم دخل المسجد: علامہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ثمامہ بن اثال نے غسل کرنے کو اسلام پر مقدم کیا ہے تو اگر چہ اس میں اسلام کی تعظیم ہے لیکن اسلام کو غسل پر مقدم کرنا اولیٰ ہے، واللہ اعلم۔

امام بیہقی نے کہا کہ اس روایت میں غسل مقدم ہے کلمۂ شہادة سے مگر احتمال اس کا بھی ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے اسلام لائے ہوں پھر غسل کیا ہو پھر مسجد میں داخل ہو کر اظہار شہادة کیا ہو اس سے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

الغسل من مواراة المشرک

مشرک کو دفن کرنے کے بعد غسل کرنا

اخبرنا محمد بن المثنی عن محمدقال حدثنی شعبة عن ابی اسحق قال سمعت ناجیة بن کعب عن علی انه اتی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال ان اباطالب مات فقال اذهب فواره قال انه مات مشرکاً قال اذهب فواره فلما واریتهٗ رجعت الیه فقال لی اغتسل.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ان کو زمین کے اندر چھپا دو! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تو شرک کی حالت میں مرے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جاؤان کو دفن کر دو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں ان کو دفن کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ غسل کرلو۔

تشریح: ملامہ سندھیؒ نے کہا ہے کہ ابو طالب کو دفن کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو مٹی وغیرہ لگی تھی شاید اسی کو زائل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل کا حکم دیا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بہر حال یہ حکم استحبابی ہے کیوں کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

باب وجوب الغسل اذا التقی الختانان

جب مرد اور عورت دونوں کے ختنہ کا مقام مل جائے تو غسل واجب ہونے کا بیان

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت الحسن يحدث عن ابی رافع عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا جلس بين شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت کے چاروں اطراف یعنی ہاتھ پیروں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اپنی طاقت اس پر صرف کرے یعنی جماع کرے تو غسل واجب ہوتا ہے۔

اخبرنا ابراهيم بن يعقوب بن اسحق الجوزجانی قال حدثنی عبدالله بن يوسف قال حدثنا عيسى بن يونس قال حدثنا اشعث بن عبدالملک عن ابن سيرين عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا قعد بين شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل ،قال ابو عبدالرحمن هذا خطأ والصواب اشعث عن الحسن عن ابی هريرة وقد روى الحديث عن شعبة النضر بن شميل وغيره كما رواه خالد.

تشریح: التقاء ختانین کنایہ ہے فرج میں حشفہ غائب ہو جانے سے طبرانی کی روایت میں ''اذا التقى الختانان'' کے بعد ''وغيبت الحشفة'' کی تصریح ہے اس لئے وہ عضو تناسل کے غائب ہونے سے کنایہ ہے اس کے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں کیوں کہ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے اپنے ذکر کو عورت کی شرمگاہ سے ملایا مگر دخول نہیں ہوا تو نہ مرد پر غسل واجب ہے اور نہ عورت پر، معلوم ہوا کہ موجب غسل دخول ہے راوی مطر کی حدیث میں ''وان لم ينزل'' کی تصریح ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ اگر چہ انزال نہ ہو تب بھی غسل واجب ہوگا۔

امام نوویؒ نے کہا کہ ایجاب غسل انزال منی پر موقوف نہیں بلکہ جب حشفہ فرج میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہوگا۔

اس مسئلہ میں اگر چہ بعض مہاجرین وانصار میں اختلاف تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تمام صحابہ کرام کا امرِ مذکور پر اجماع ہوگیا جس کی تفصیل طحاوی میں مذکور ہے اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، باب کی دوسری حدیث

میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

قال ابو عبدالرحمن الخ: امام نسائی کہتے ہیں اشعث بن عبدالملک عن ابن سیرین غلط ہے صحیح یہ ہے اشعث عن الحسن عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور اس حدیث کو شعبہ سے نضر بن شمیل وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ خالد نے شعبہ سے روایت کی ہے۔

الغسل من المنی

منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے

اخبرنا قتیبة بن سعید وعلی بن حجر واللفظ لقتیبة قال حدثنا عبیدة بن حمید عن الرکین بن الربیع عن حصین ابن قبیصة عن علی قال کنت رجلا مذاء فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رأیت المذی فاغسل ذکرک وتوضأ وضوءک للصلوٰة واذا فضخت الماء فاغتسل.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں بہت مذی والا شخص تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم مذی دیکھو تو ذکر کو دھولو اور وضو کرلو جیسے نماز کے لئے وضو کرتے ہو اور جب تم پانی یعنی منی کو پھینکو تو غسل کرلو۔

اخبرنا عبیداللہ بن سعید قال حدثنا عبدالرحمن عن زائدة ح قال واخبرنا اسحق بن ابراهیم واللفظ له قال حدثنا ابو الولید قال حدثنا زائدة عن رُکین بن الربیع بن عمیلة الفزاری عن حصین بن قبیصة عن علی قال کنت رجلا مذاء فسالت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال اذا رأیت المذی فتوضأ واغسل ذکرک واذا رأیت فضخ الماء فاغتسل.

تشریح: امام نسائی ترجمہ کے ذیل میں دو حدیث لائے ہیں اور دونوں میں منی اور مذی کا الگ الگ حکم بیان فرمایا ہے کہ مذی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس سے وضو واجب ہوتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا اس کی مزید تفصیل پیچھے "باب ما ینقض الوضوء الخ" کے ذیل میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اور منی کے بارے میں آپ نے فتویٰ دیا کہ "اذا فضخت الماء فاغتسل" قاموس میں ہے "فضخ الماء ای دفقه" یعنی قوۃ اور زور سے پانی گرانا بعض روایات میں ہے "اذا حذفت الماء فاغتسل من الجنابة" لفظ حذفت حاء کے ساتھ یا خاء کے ساتھ ہے جس کے معنی پھینکنے کے ہیں اور الماء میں الف لام عہد ذہنی کے لئے ہے جس سے مراد معہود پانی ہے اور وہ منی ہے جو شہوت سے خارج ہوتی ہے لہٰذا حدیث شہوت سے خارج ہونے کی حالت پر محمول ہے اب مطلب حدیث یہ ہوگا کہ جب تم پانی یعنی منی کا جست دیکھو یعنی منی اچھل کر نکلتی دیکھو اور دیکھنے سے مراد معلوم ہونا ہے خواہ اس پر نظر پڑے یا نہ پڑے تو غسل کرلو کیوں کہ اس طرح سے منی کا نکلنا شہوت کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے تم جنبی ہو جاؤ گے جو موجب غسل ہے اور جو منی بطریق مذکور نہ نکلے گی وہ موجب غسل نہیں ہے اس لئے علامہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو منی مرض وغیرہ کی وجہ سے نکلتی ہے اس سے

غسل واجب نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا نکلنا دفق اور شہوۃ کے ساتھ نہیں ہوتا ہے لیکن امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ بدون شہوۃ کے نکلنے سے بھی غسل واجب ہوگا وہ حدیث ''الماء من الماء'' سے استدلال کرتے ہیں ''ای الغسل من المنی ''یعنی منی موجب غسل ہے کیوں کہ یہ حدیث مطلق ہے قید شہوۃ سے اس لئے بہرصورت غسل واجب ہوگا احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث حالت شہوت پر محمول ہے اور اس خاص حالت پر اس لئے محمول کرتے ہیں تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور فی الباب کے موافق ہو جائے۔ تعجب ہے کہ امام شافعیؒ حدیث ''الماء من الماء'' کو اس حالت مذکورہ پر کیوں محمول نہیں کرتے حالانکہ یہ مطلق ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مقید ہے اور ان کے مذہب میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا ایک عام بات ہے لیکن یہاں اس ضابطہ کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا ہے اس کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث ''الماء من الماء'' جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک منسوخ ہوگئی ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ شروع اسلام میں ''اکسال ''یعنی آلہ تناسل کو شرمگاہ میں داخل کر کے بغیر انزال کے نکالنے سے اس حدیث کی بناء پر غسل واجب نہیں ہوتا تھا اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انزال منی سے غسل واجب ہوتا ہے صرف عضوِ مستور کو داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا پھر اس کے بعد یہ حکم (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے جو پیچھے گذر چکی ہے) منسوخ ہو گیا اور مطلقاً ادخال سے غسل کا واجب ہونا ثابت ہو گیا یا حدیث ''الماء من الماء'' احتلام پر محمول ہے۔ بہرحال ترجمہ کے ذیل کی حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ منی نکلنے سے غسل واجب ہونے میں شہوۃ کا ہونا شرط ہے بدون دفق اور شہوۃ کے خروج منی سے غسل واجب نہیں ہوتا یہی حضرات احناف کا بھی مسلک ہے۔

غسل المرأة ترىٰ فى منا مها ما يرىٰ الرجل

عورت پر غسل کا واجب ہونا جب کہ وہ خواب میں وہ چیز دیکھے جو مرد دیکھا کرتے ہیں

اخبرنا اسحاق بن ابراهيم حدثنا عبدة حدثنا سعيد عن قتادة عن انس رضی اللہ عنہ ان امّ سليم سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المرأة ترىٰ فى منامها ما يرىٰ الرجل قال اذا انزلت الماء فلتغسل.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک عورت خواب میں وہ چیز دیکھتی ہے جو مرد دیکھا کرتے ہیں (تو کیا اس پر غسل واجب ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انزالِ منی ہو جائے تو اس کو غسل کرنا چاہئے۔

اخبرنا كثير بن عبيد عن محمد بن حرب عن الزبيدى عن الزهرى عن عروة ان عائشة اخبرته ان ام سليم كلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائشة جالسة فقالت لهٗ يا رسول الله ان الله لا يستحيى من الحق ارأيت المرأة ترىٰ فى النوم ما يرىٰ الرجل افتغتسل من ذالك فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم قالت عائشة فقلت لها اُفٍ لک او ترى المرأة ذٰلک فالتفت الیّ رسول الله صلى الله

علیه وسلم فقال تربت یمینک فمن این یکون الشبه.

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکوخبر دی کہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر بیٹھی ہوئی تھیں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کے بیان کرنے میں حیاء نہیں کرتا ہے آپ اس کا جواب دیجئے کہ ایک عورت خواب میں وہ چیز دیکھتی ہے جو مرد دیکھا کرتے ہیں پس کیا اس سے اس پر غسل واجب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں تمہاری اس بات کو پسند نہیں کرتی ہوں کیا عورت کو بھی خواب میں احتلام ہوتا ہے پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف التفات فرمایا اور فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر اس کا بچہ کس بناء پر اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

اخبرنا شعیب بن یوسف قال حدثنا یحیی عن هشام قال اخبرنی ابی عن زینب بنت ام سلمة عن ام سلمة ان امرأة قالت یا رسول الله ان الله لا یستحیی من الحق هل علی المرأة غسل اذا هی احتلمت قال نعم اذا رأت الماء فضحکت ام سلمة فقالت اتحتلم المرأة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ففیم یشبهها الولد.

اخبرنا یوسف بن سعید قال حدثنا حجاج عن شعبة قال سمعت عطاء الخراسانی عن سعید بن المسیب عن خولة بنت حکیم قالت سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المرأة تحتلم فی منامها فقال اذا رأت الماء فلتغتسل.

تشریح: احتلام کے بارے میں مسئلہ دریافت کرنے والی عورت ام سلیم رضی اللہ عنہا انصاریہ ملحان کی بیٹی ہیں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں ان کے والد مالک کی وفات کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ان کے نام میں اختلاف ہے کسی نے کہا سہلہ کسی نے کہا رمیلہ بعضوں نے کہا ملیکہ وغیرذالک، بڑی پاکیزہ دیندار اور پاک دامن خاتون تھیں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ایک عورت خواب میں وہ بات دیکھتی ہے جو مرد دیکھا کرتے ہیں کیا اس پر غسل واجب ہے آپ نے فرمایا ''اذا انزلت الماء فلتغتسل ''اس کو غسل کرلینا چاہئے بشرطیکہ انزال منی ہو اس سے معلوم ہوا کہ حکم غسل کا مدار انزال منی اور خواب سے بیدار ہونے کے بعد رطوبت اور تری کے آثار دیکھنے پر ہے۔

بعض روایات مرسلہ میں جس کے تمام راوی ثقہ ہیں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''وهل تجد بللاً'' کیا وہ جسم یا لباس پر کچھ تری پاتی ہے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا شاید آپ نے فرمایا فلتغتسل پھر اس کو غسل کرنا چاہئے صرف خواب دیکھنے سے کہ عورت مرد کے پاس گئی ہے اور مرد نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے غسل واجب نہیں ہوتا جب تک کہ انزال نہ ہوا ہو۔

دوسری روایت میں بھی اسی واقعہ احتلام کا ذکر ہے لیکن چونکہ اس کا اظہار اور اس کے متعلق سوال حیاء عرفی کے خلاف تھا اس لئے بطور تمہید حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا ''ان الله لا یستحیی من الحق '' بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کے بیان کرنے سے حیاء نہیں کرتا، علماء اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیانِ حق سے باز نہیں رہتا اس کی صفت یہی ہے

کہ وہ ضرور حق بات بیان فرمادیتا ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ کا تو بندے کا سوال اس کے مشابہ ہے اس لئے ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ میں بھی حق بات دریافت کرنے سے حیاء نہیں کرتی چنانچہ انہوں نے سوال کیا یا رسول اللہ! فرمائیں کہ اگر کوئی عورت خواب میں وہ چیز دیکھتی ہے جو مرد دیکھا کرتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر خواب میں خاوند کے ساتھ وہی معاملہ دیکھا جیسا کہ بیداری میں ہوتا ہے تو کیا اس پر غسل واجب ہے یہ ساری باتیں ام سلیم رضی اللہ عنہا کی کمال فطانت پر دال ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ''نعم'' ہاں اس کو غسل کرنا چاہئے بشرطیکہ بیدار ہونے کے بعد پانی یعنی منی دیکھے یہاں صرف نعم فرمایا اگلی حدیث میں پوری عبارت فرمائی ''نعم اذا رأت الماء'' لہٰذا اس حدیث مطلق کو اگلی حدیث پر جو مقید ہے محمول کیا جائے گا تا کہ باہم حدیثوں میں تعارض نہ رہے۔

جس مجلس میں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عورت کے احتلام کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں جب انہوں نے اس سوال وجواب کو سنا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا پر طعن کیا اور بطور حقارت وانکار کہنے لگیں ''اف لک'' تمہاری اس بات پر افسوس ہے کہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے ترمذی کی روایت میں ہے'' فضحت النساء '' تو نے عورتوں کو ذلیل وخوار کیا ہے لفظ ''اف'' کے لغوی معنی ناخن کے کٹے ہوئے ریزے کے ہیں لیکن عرف میں یہ لفظ کسی کی حقارت اور انکار کے موقع پر استعمال ہوتا ہے یہاں اسی معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور انکار وتعجب کے فرمایا کہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے ان کے انکار کی وجہ شاید یہی ہوگی کہ وہ چھوٹی عمر کی تھیں اس لئے احتلام کے واقعہ کو جانتی نہ تھیں یا اس لئے انکار کیا ہوگا کہ عورتوں کے لئے احتلام کا واقعہ نادر تھا جیسا کہ عدم احتلام مردوں کے لئے نادر ہے تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورت کے احتلام کا انکار کیا تو حضور اکرم علیہ السلام نے ان کی طرف التفات فرمایا اور ارشاد فرمایا ''تربت یمینک الخ'' اے عائشہ رضی اللہ عنہا تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو اگر عورت کی منی نہیں ہوتی ہے تو پھر بچہ اس کے مشابہ کیوں ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے اندر منی ہوتی ہے بچہ کی مشابہت ماں سے اس وقت ہوگی جب عورت کے اندر منی ہو۔

حکیم ارسطو نے بھی اس کو مان لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بچہ دونوں کی منی کے مجموعہ سے پیدا ہوتا ہے بچہ باپ یا ماں کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ کبھی غلبۂ منی اور کبھی سبقت منی دونوں ہوسکتی ہیں اور جب عورت کی منی کا ثبوت ہوا تو احتلام کی صورت میں اس کا انزال ممکن ہے جبکہ وہ زیادہ ہو اور جب اس کا خروج ہوگا تو اس عورت پر غسل واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام محمدؒ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ عورت پر غسل واجب نہیں ہے جبکہ اس کو احتلام ہوجائے اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ اس صورت میں ہے جبکہ خروج منی عضو داخل سے فرج خارج تک نہ ہو۔

تربت یمینک: تیرے ہاتھ مٹی میں مل جاویں یہ عرب کا محاورہ ہے جو کنایہ ہے فقر واحتیاج سے بظاہر یہ بددعاء کا جملہ ہے لیکن یہاں پر بددعاء مقصود نہیں، اس جملہ کو استعمال کرنے والے حضور اکرم علیہ السلام ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں استعمال فرمایا جو حضور علیہ السلام کی تمام ازواج مطہرات میں سے زیادہ محبوبہ اور مرغوبہ تھیں تو ایسی بیوی کی شان میں اس جملہ کے استعمال کرنے کا مقصد بددعا کرنا کیوں کر ہوسکتا ہے بلکہ یہاں تنبیہ اور زجر کے معنی کے لئے استعمال ہوا ہے اسی طرح اور بھی

بہت سے الفاظ اہل عرب استعمال کرتے ہیں جن کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے مثلاً کہتے ہیں ''تربت یداک ،قاتله الله ما اشجعه،لاام لک ، ثکلته امه ،ویل لامه ''وغیرذالک غرض کہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو اس وقت بولے جاتے ہیں جب کسی چیز پر انکار کرنا ہو یا اس پر زجر وتنبیہ کا ارادہ ہو اور مخاطب کو مانوس بھی رکھنا ہو علاوہ اس کے اور بھی مختلف موقعوں پر استعمال ہوتے ہیں جن کی تفصیل علامہ سیوطیؒ نے بحوالۂ قول امام نوویؒ اس جملۂ مذکورہ فی الحدیث کے ذیل میں لکھی ہے۔

غرض ''تربت یمینک ''وغیرہ الفاظ ایسے ہیں جن میں شفقت وتنبیہ دونوں پہلو ہوتے ہیں ان عربی محاورات سے مقصود کسی کو بددعا دینا نہیں ہوتا اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حیاء طبعی کو مسائل شرعیہ کے دریافت کرنے میں آڑ بنا کر ان کی طلب وتحقیق سے باز رہنے کی اجازت نہیں ہے جو حیاء تحصیل علم دین سے مانع ہو وہ قابل مذمت ہے انصار کی عورتیں کس قدر حیاء دار تھیں لیکن ان کی حیاء مسائل شرعیہ کی تحقیق وطلب میں کبھی مانع نہیں بنی اسی وصف کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصاری عورتوں کی تعریف فرمائی ''نعم النساء نساء الانصار الخ ''انصار کی عورتیں بہت اچھی ہیں ان کی حیاء ان کے تفقہ فی الدین سے مانع نہیں ہوتی۔

تیسری روایت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب سے ہے ان کا نام برّہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بدل کر زینب رکھا تھا یہ بہت بڑی عالم اور فقیہ تھیں ان کے والد کا نام عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی ہے ان کی موت کے بعد زینب کی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲ھ غزوۂ بدر کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تو زینب نے وہی مضمون جو پچھلی حدیث میں ابھی گذر چکا ہے اپنی والدہ سے نقل کیا کہ ایک عورت کے احتلام کے متعلق سوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نعم اذا رأت الماء الخ ''ہاں اس عورت پر غسل واجب ہے جبکہ وہ پانی یعنی منی کو دیکھے اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہنسی آئی اور کہا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس کا بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا پر طعن اور انکار کس نے کیا تھا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا اور اوپر کی روایت سے معلوم ہوا کہ انکار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے امام نوویؒ نے اس کا جواب شرح مسلم میں یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں نے ام سلیم رضی اللہ عنہا پر انکار کیا ہو یہ بہت اچھی تطبیق ہے اس لئے کہ دونوں کا ایک ہی مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہونا کوئی ناممکن بات نہیں اور جب دونوں نے انکار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر وتنبیہ فرمائی۔

ایک اور جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے قضیہ متعدد ہو وہ اس طرح پر کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جواب بھول گئی تھیں اس لئے بقصد سوال دوبارہ حاضر خدمت ہوئی تھیں یا زیادہ تحقیق اور وثوق حاصل کرنے کے قصد سے دوبارہ حاضر ہوئی تھیں۔

(والله اعلم بالصواب)

چوتھی روایت سعید بن مسیب کی خولہ بنت حکیم سے ہے انہوں نے بھی عورت کے احتلام کا مسئلہ دریافت کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب منی دیکھے تو اس کو غسل کرنا چاہئے علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرح اور بھی چند

صحابیات نے احتلام کے بارے میں سوال کیا تھا ان میں سے ایک خولہ بنت حکیم ہیں جیسے نسائی کی روایت میں ان کے سوال کا ذکر آیا ہے اور بسرہ ہیں ابن ابی شیبہ کی روایت میں اور سہلہ بنت سہیل ہیں عند الطبرانی فی الاوسط۔

باب الذی یحتلم ولا یریٰ الماء

اس بات کے بیان میں کہ جو شخص خواب دیکھے اور بیدار ہونے کے بعد منی نہ دیکھے اس کا کیا حکم ہے

اخبرنا عبدالجبار بن العلاء بن عبدالجبار عن سفیان عن عمرو عن عبدالرحمن بن السائب عن عبدالرحمن بن سعاد عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الماء من الماء.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غسل صرف خروج منی سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح: ماء اول سے مراد اغتسال بالماء ہے اور ثانی سے منی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ وجوب غسل اچھل کر منی خارج ہونے سے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وجوب غسل کا مدار خروج منی پر ہے صرف دخول سے بدول انزالِ منی کے غسل واجب نہیں ہوتا ہے اب یہ حدیث معارض ہوگئی حدیث ''اذا قعد بین شعبها الاربع الخ'' کے جو پیچھے باب وجوب الغسل کے ذیل میں گذری ہے۔

جمہور علماء اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث ''الماء من الماء'' منسوخ ہو چکی ہے اور منسوخ ہونے پر وہ حدیث دلیل ہے جس کو امام احمد اور ابوداؤد نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''الماء من الماء'' کی اجازت وتخفیف شروع اسلام میں تھی پھر بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا اور ہم کو حکم دیا گیا ہے غسل کا کہ جب سر ذکر فرج میں داخل ہو جائے اگرچہ انزال نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث باب کی ایک اور توجیہ کی ہے کہ یہ حدیث احتلام کے بارے میں ہے نہ کہ جماع کے بارے میں مثلاً کوئی شخص خواب میں اپنی بیوی سے جماع کرتے دیکھتا ہے لیکن بیدار ہونے کے بعد وہ جسم یا لباس پر منی کے آثار نہیں پاتا ہے تو اس صورت میں اس پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے اور اگر اس نے منی کے آثار دیکھے تو غسل واجب ہوگا لیکن شارحین کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ توجیہ اشکال سے خالی نہیں اس لئے کہ حدیث ''الماء من الماء'' کا مورد جماع ہے نہ کہ احتلام جیسا کہ اس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صراحۃً آیا ہے اس کے باوجود وہ کیسے فرمارہے ہیں کہ حدیث باب احتلام سے متعلق ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسخ کے منکر ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل ابن عباس رضی اللہ عنہ نسخ کے منکر نہیں بلکہ وہ حدیث کا محمل بتلاتے ہیں کہ حدیث ''الماء من الماء'' مجامعت کی صورت میں تو منسوخ ہو چکی ہے لیکن خاص صورت احتلام میں معمول بہ ہے اور وہ صورت اوپر بیان کی گئی ہے نیز ابن ابی شیبہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو صورت مخصوص یعنی احتلام پر محمول کیا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تاویل سے بغیر تعارض کے دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

بہر حال ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ میں کوئی اختلاف نہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیث ''الماء من الماء'' کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب بھی بعض خاص صورت میں حکم باقی ہے اگر چہ اس کا عموم باعتبار مجامعت کے منسوخ ہو چکا۔ اور امام نسائیؒ نے احادیث عائشہ رضی اللہ عنہا وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس حدیث میں تطبیق دینے کے لئے اسی صورۃ مخصوصہ کی طرف ترجمہ میں اشارہ کیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب الفصل بين ماء الرجل وماء المرأة

مرداور عورت کی منی کے درمیان کیا فرق ہے اس کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم قال انا عبدة قال حدثنا سعيد عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماء الرجل غليظ ابيض وماء المرأة رقيق اصفر فايهما سبق كان الشبه.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور پتلی ہوتی ہے پس ان دونوں میں جس کی منی سبقت کرے گی بچہ اس کے مشابہ ہوگا۔

تشریح: فايهما سبق كان الشبه: لفظ شبہ شین کے کسرہ کے اور باء کے سکون کے ساتھ ہے یا دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی مشابہ کے ہیں یعنی مرد اور عورت دونوں کی منی میں سے جس کی منی انزال میں مقدم ہوگی اور رحم میں پہلے گرے گی یا جس کی منی غالب ہوگی اور مقدار میں زیادہ ہوگی تو بچہ مزاج میں اور ذکورۃ وانوثۃ میں اس کے مشابہ ہوگا۔

علامہ طیبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اسی حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ مرد کی طرح عورت کے اندر بھی منی ہوتی ہے اور بچہ دونوں کے نطفے سے پیدا کیا جاتا ہے کیوں کہ اگر عورت کے اندر منی نہ ہوتی اور بچہ محض مرد کے نطفے سے پیدا ہوتا تو بچہ ماں کے مشابہ نہ ہوتا۔ بعضوں نے کہا کہ عورت کی منی باہر نہیں نکلتی بلکہ رحم کی طرف الٹ جاتی ہے لیکن شیخ تقی الدین فرماتے ہیں کہ اس قول کو وہ حدیث مسترد کر دیتی ہے جو عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا عورت غسل کرے گی ''اذا احتلمت وابصرت الماء'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس پر غسل واجب ہے اس سے واضح ہوگیا کہ منی رحم کی طرف منعکس نہیں ہوتی ہے بلکہ خارج ہوتی ہے۔

ذكر الاغتسال من الحيض

حیض سے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا عمران بن يزيد اخبرنا اسماعيل بن عبدالله العدوى قال حدثنا الاوزاعى قال حدثنى يحيى ابن سعيد قال حدثنى هشام بن عروة عن عروة عن فاطمة بنت قيس من بنى اسد قريش انها اتت النبى صلى الله عليه وسلم فذكرت انها تستحاض فزعمت انه قال لها انما ذالك عرق فاذا اقبلت الحيضة فدعى الصلوة واذا ادبرت فاغسلى عنك الدم ثم صلى.

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں مستحاضہ ہوں یعنی ایام حیض کے معمول سے زیادہ خون آتا ہے اور پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑ دوں تو وہ کہتی ہیں کہ حضور اکرم علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ یہ تو صرف ایک رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے بہر حال جب حیض کے ایام آ جائیں تو نماز چھوڑ دو اور جب گذر جائیں تو خون دھولو پھر نماز پڑھ لو۔

اخبرنا هشام ابن عمار قال حدثنا سهل بن هاشم قال حدثنا الاوزاعی عن الزهری عن عروة عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا اقبلت الحیضة فاترکی الصلوٰة فاذا ادبرت فاغتسلی.

اخبرنا عمران بن یزیدقال حدثنا اسماعیل بن عبدالله قال حدثنا الاوزاعی قال حدثنا الزهری عن عروة وعمرة عن عائشة قالت استحیضت ام حبیبة بنت جحش سبع سنین فاشتکت ذلک الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی اللهعلیه وسلم ان هذه لیست بالحیضة ولکن هذا عرق فاغتسلی ثم صلی.

اخبرنا الربیع بن سلیمان بن داؤد قال حدثنا عبدالله بن یوسف حدثنا الهیثم بن حمید قال اخبرنی النعمان والاوزاعی وابومعید وهو حفص بن غیلان عن الزهری قال اخبرنی عروة بن الزبیر وعمرة بنت عبدالرحمن عن عائشة قالت استحیضت ام حبیبة بنت جحش امرأة عبدالرحمن بن عوف وهی اخت زینب بنت جحش قالت فاستفتت رسول الله صلی الله غلیه وسلم فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هذه لیست بالحیضة ولکن هذا عرق فاذا ادبرت الحیضة فاغتسلی وصلی واذا اقبلت فاترکی لها الصلوٰة قالت عائشة فکانت تغتسل لکل صلوٰة وتصلی وکانت تغتسل احیانا فی مرکن فی حجرة اختها زینب وهی عند رسول الله صلی اللهعلیه وسلم حتی ان حمرة الدم لتعلو الماء وتخرج فتصلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فما یمنعهاذلک من الصلوٰة.

اخبرنا محمد بن سلمة قال حدثنا ابن وهب عن عمرو بن الحارث عن ابن شهاب عن عروة وعمرة عن عائشة ان ام حبیبة ختنة رسول الله صلی الله علیه وسلم و تحت عبدالرحمن بن عوف استحیضت سبع سنین استفتت النبی صلی الله علیه وسلم فی ذالک فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هذه لیست بالحیضة ولکن هٰذا عرق فاغتسلی وصلی.

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة قالت استفتت ام حبیبة بنت جحش رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یارسول الله انی استحاض فقال انما ذلک عرق فاغتسلی وصلی فکانت تغتسل لکل صلوٰة .

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن جعفر بن ربیعة عن عراک بن مالک عن عروة عن عائشة ان ام حبیبة سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الدم قالت عائشة رأیت مرکنها

ملان دما فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی.

اخبرنا قتیبة مرة اخری ولم یذکر جعفراً اخبرنا قتیبة عن مالک عن نافع عن سلیمان بن یسار عن ام سلمة یعنی ان امرأة کانت تهراق الدم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاستفتت لها ام سلمة النبی صلی الله علیه وسلم فقال لتنظر عدد اللیالی والایام التی کانت تحیض من الشهر قبل ان یصیبها الذی اصابها فلتترک الصلوٰة قدر ذلک من الشهر فاذا خلفت ذلک فلتغتسل ثم لتستثفر ثم لتصلی.

تشریح: جوخون ایام حیض میں رحم کی گہرائی سے نکلتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں اور خروج دم کے جتنے دن اس کی عادت ہے اس کے علاوہ غیر وقت میں جو خون جاری ہوتا ہے اس کا نام استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ مخرج دونوں کا الگ الگ ہے حیض رحم کی گہرائی سے خارج ہوتا ہے جو دلیل صحت وتندرستی ہے اور استحاضہ کا خون ایک رگ سے جاری ہوتا ہے جو رحم کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کا نام عاذل ہے اس کے انقطاع سے جاری ہوتا ہے جو مرض کی علامت ہے تو اس حدیث میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ وہ فاطمہ بنت قیس نہیں جس کو اس کے شوہر نے تین طلاق دی تھیں یہ اس کے علاوہ ہیں ابن العربی نے کہا کہ عہد رسالت میں مستحاضہ عورتیں پانچ تھیں حمنہ رضی اللہ عنہا اور اس کی بہن ام حبیبہ تیسری فاطمہ بنت قیس چوتھی سہلہ بنت سہیل پانچویں سودہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں۔

تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جو بنی اسد سے تھیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے استحاضہ ہوتا ہے اور میں پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑ دوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وہ خون جو عادت سابقہ پر زائد ہے رگ کا خون ہے جو مرض کے سبب جاری ہوتا ہے وہ حیض نہیں ہے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب حیض کے ایام آجائیں تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ ایام گذر جائیں تو خون کو دھولو پھر نماز پڑھو۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو غسل دم کی ہدایت فرمائی ''**فاغسلی عنک الدم**'' کے الفاظ فرمائے ہیں یہاں فاغسلی بمعنی اغتسلی یعنی غسل کرلو کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تخفیف نجاست کے لئے خون کے نشانات دھولو اور بعض روایت میں غسل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے غسل دم کی نہیں چنانچہ بخاری میں ہے ''**ثم اغتسلی وصلی**'' اس کو ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے تو راوی نے دونوں جگہ اختصار سے کام لیا ہے دراصل یہ اختلاف ہشام کے شاگردوں میں واقع ہوا ہے۔ بعضوں نے غسل دم کا ذکر کیا ہے اور انقطاع حیض کے بعد جو غسل کیا جاتا ہے اس کا ذکر ہی نہیں کیا اور بعضوں نے اغتسال کو ذکر کیا اور غسل دم کا بیان چھوڑ دیا اور رواۃ سب کے سب ثقہ ہیں ان کی احادیث بخاری ومسلم میں موجود ہیں لہٰذا ہر فریق کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ہر ایک نے احد الامرین میں سے صرف ایک ایک چیز پر اختصار کیا ہے کسی نے غسل دم کو روایت کیا اور امر ثانی یعنی اغتسال کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ معلوم ہے اور اس کا امر دین سے ہونا واضح ہے اور کسی نے وجوب اغتسال کو روایت کیا اور خون دھونے کا بیان چھوڑ دیا اس لئے کہ وہ ایک واضح چیز ہے۔ (کذا فی فتح الباری)

بلکہ اسی حدیث میں آگے باب الفرق الخ کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔ تیسری چیز یعنی توضئی کا ذکر بھی ہے تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو تین چیزوں کی ہدایت فرمائی تھی ایک تو خون کے نشانات دھونے کی اور دوسری غسل کرنے کی تیسری وضو کرنے کی اور مستحاضہ متعادہ کے لئے حکم بھی یہی ہے کہ ایام حیض گذر جانے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرلے گی اس کے بعد ہر نماز کے وقت احناف کے نزدیک اور شوافع کے ہاں ہر فرض نماز کے لئے وضو کامل لازمی قرار دیا گیا ہے کیوں کہ مستحاضہ عورت معذور افراد میں سے ہے تو معذور شخص کے لئے جو حکم ہے وہی حکم مستحاضہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مستحاضہ معتادہ ہے تو استحاضہ سے پہلے اس کے حیض کی جو عادۃ مقرر تھی اسی کے مطابق ایام حیض ٹھہراوے مثلاً چھ روز یا سات روز خون آتا تھا اب جب مستحاضہ ہوئی تو اس میں عادت کے دنوں میں ایام حیض ٹھہراوے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن تمام ہوجائیں تو خون کے نشانات دھوکر غسل کر کے نماز شروع کردے پھر جب وہ ایام آویں حیض کے تو نماز وغیرہ ترک کردے اسی طرح عادت کے موافق ہمیشہ کیا کرے۔

بہر حال حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ معتادہ کے حق میں حیض کے آنے اور ختم ہونے کا تعین عادۃ اور ایام حیض کے عدد کے اعتبار سے کیا جائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس جن کا قصہ اس حدیث میں ہے وہ معتادہ تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال وادبار کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے وہ حنفیہ کے مذہب پر صادق آتا ہے اس لئے کہ اقبال وادبار کو باعتبار عادت پہچانا جاسکتا ہے جب حیض کے اوقات آجائیں اور خون سیلان ہو تو سمجھا جائے گا کہ اب حیض کی آمد ہوئی ہے اور جب وہ ایام حیض گذر جائیں گے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ حیض ختم ہوگیا ہے اور حنفیہ نے اس حدیث کی بناء پر حیض کو استحاضہ سے فرق کرنے کے لئے اس کا مدار عادت اور ایام پر اس لئے رکھا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی اسی حدیث میں جو آگے آرہی ہے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا ''**لتنتظر عدد اللیالی والایام التی کانت تحیض من الشهر الخ**'' تو آپ کے ارشاد سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ خون کے رنگوں کی تفصیل کے بغیر حیض کے آنے اور جانے کا تعین عادت اور ایام کے اعتبار سے کیا جائے گا اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ ''**فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلاة الخ**'' اسی پر محمول ہے۔(**واللہ اعلم بالصواب**)

فیض الباری میں علامہ انور شاہ صاحبؒ کی تقریر نقل کی گئی ہے تفصیلی بحث وہاں ملاحظہ ہو، آخر میں آپ نے فرمایا کہ جو میرے نزدیک واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حیض کے آنے اور ختم ہونے کا مدار عادت پر رکھا گیا ہے تمیز بالالوان پر نہیں اس لئے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ''**باب اذا حاضت فی شهر ثلاث حیض**'' کے ماتحت روایت کیا ہے اور اس میں بجائے لفظ اقبالؔ وادبار کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں ''**ولکن دعی الصلوٰۃ قدر الایام التی کنت تحیضین فیها**'' لیکن نماز اتنے دنوں میں چھوڑ دو جن میں تمہیں حیض آتا تھا اس سے واضح ہوگیا کہ راوی کا مقصد صرف تفنن عبارت ہے اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں اور راوی نے اپنے قول اقبلت وادبرت سے کوئی ایسے

خاص معنی کا ارادہ نہیں کیا جو زائد ہو اس معنی سے جو ارشاد نبوی "قدر الایام الخ" سے مستفادہ ہوتے ہیں بلکہ راوی نے "قدر الایام التی الخ" کو اقبلت وادبرت کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

بہر حال اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس معتادہ تھیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق اقبال حیض وانقطاع کو پہچان لیتی تھیں یہ بات ہرگز نہیں کہ وہ حیض کے آنے اور ختم ہونے کا اعتبار خون کے رنگوں سے کیا کرتی تھیں اس لئے کہ اگر وہ واقع میں اختلاف الوان سے اقبال وادبار کا تعین کرتی تھیں تو پھر راوی حدیث "ولکن دعی الصلوٰۃ قدر الایام التی کنت تحیضین فیھا" کے ساتھ کیوں تعبیر کرتے جو مخل بالمراد ہے۔

الغرض تشریح مذکور سے مسلک احناف واضح ہو گیا کہ وہ معتادہ کے حق میں حیض کی آمد اور ختم ہونے کا مدار عادۃ اور ایام حیض پر رکھتے ہیں۔

حضرات شوافع کہتے ہیں کہ حیض اور استحاضہ دونوں خون کے رنگ سے امتیاز ہو سکتے ہیں لہٰذا وہ تمیز بالالوان کا اعتبار کرتے ہیں مگر وہ صرف تیز سرخ اور سخت سیاہ خون کو حیض سمجھتے ہیں باقی رنگوں کو حیض شمار نہیں کرتے امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک خون کی رنگت اور حالت سے تمیز کرنے والی عورت کو ممیزہ کہا جاتا ہے وہ حیض اور استحاضہ میں فرق اس طرح سے کر سکتی ہے کہ بعض ایام میں تیز رنگ کا خون دیکھتی ہے اور بعض ایام میں ہلکے رنگ کا تو جس وقت تیز رنگ کا خون جاری ہوگا اس میں خود کو حائضہ شمار کرے گی اور جب ہلکے رنگ کا جاری ہوگا تو اس وقت مستحاضہ سمجھے گی بشرطیکہ وہ سخت سرخ یا سیاہ خون اقل مدۃ حیض جو شوافع وغیرہ کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے اس سے کم نہ ہو اور نہ اکثر حیض جوان کے نزدیک پندرہ دن ہے اس سے زیادہ ہو تاکہ اس کو حیض قرار دیا جا سکے۔

بہر حال اگر معتادہ ممیزہ ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک اصح قول کے مطابق حیض اور استحاضہ کے درمیان تمیز خون کے رنگوں کے اعتبار سے کرے گی نہ کہ عادت کے اعتبار سے۔

حضرات شوافع نے استدلال کیا ہے "اذا کان دم الحیض فانہ اسود یعرف الخ" سے، یہ ارشاد حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام نسائی آگے "باب الفرق بین دم الحیض والاستحاضہ" کے تحت دوسرے طریق سے لا رہے ہیں اور اس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب حیض کا خون آجائے جو تیز سیاہ ہونے کی وجہ سے پہچان لیا جاتا ہے تو اس وقت نماز سے رُک جاؤ الخ تو اس روایت نے تصریح کر دی کہ اقبال حیض اور ادبار باعتبار الوان کے ہے لہٰذا اس سے شوافع وغیرہ کا مسلک ثابت ہو گیا ہم اس کا جواب آگے چل کر اس کے باب کے ذیل میں دیں گے۔

ترجمہ کے ماتحت دوسری حدیث میں وہی قصہ ہے جو اوپر کی روایت میں بیان ہوا ہے اس میں ایام حیض گذر جانے کے بعد جو غسل واجب ہے اس کا ذکر کیا ہے "فاغتسلی" فرمایا یعنی غسل کرلو پھر نماز پڑھو اور یہ غسل بالا جماع واجب ہے اس طریق میں غسل دم کا ذکر نہیں ہے وہ ایک واضح چیز ہے اس لئے راوی نے اس کو چھوڑ دیا۔

تیسری روایت میں حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے یہ بھی مستحاضہ عورتوں میں سے تھیں علامہ سیوطیؒ نے اپنی شرح میں ان کی تعداد نولکھی ہے اس میں دیکھ لیں یہ ام حبیبہ بہن رضی اللہ عنہا ہیں ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی اور اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ واقدی اور حربی نے کہا کہ ان کا نام ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے اور کنیت بغیر ہاء کے ام حبیب ہے، دار قطنی نے اسی کو ترجیح دی ہے مگر روایات صحیحہ میں اثبات ہاء کے ساتھ مشہور ہے اور وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جیسا کہ یہ بات اگلی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ اور موطاء میں ہے کہ ہشام بن عروہ نے زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں لیکن اسکے متعلق بعض محدثین نے کہا کہ یہ وہم راوی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ ان کا نام زینب ہے اور کنیت ام حبیبہ ہے اسی طرح ان کی بہن ام المؤمنین کا نام بھی زینب ہے لیکن یہ ان کا اصل نام نہ تھا اصل نام تو ان کا برّہ تھا پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تو ان کا نام بدل کر زینب رکھا تو ام المؤمنین تو اپنے نام کے ساتھ مشہور ہوگئیں اور ان کی بہن اپنی کنیت سے اس لئے دونوں میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں اور ان کی تیسری بہن جس کا نام حمنہ ہے وہ بھی مستحاضات میں سے تھیں۔

اس روایت میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان کیا ہے ان کو سات سال تک استحاضہ رہا ''**فاشتکت ذالک الخ**'' تو اس عارضہ کی شکایت انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آپ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے کیوں کہ حیض کا خون رحم سے آتا ہے اور استحاضہ کا خون بیماری کی وجہ سے رگ سے آتا ہے اس لئے دونوں کے احکام الگ الگ ہیں استحاضہ کی حالت میں تم ایام حیض گذر جانے کے بعد غسل کرلو اس کے بعد نماز شروع کردو اور یہی دستور ہمیشہ جاری رکھو مستحاضہ متعادہ کے لئے شرعی حکم یہی مقرر کیا گیا ہے اور حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا معتادہ تھیں۔

چوتھی روایت میں بھی وہی قصہ ہے جو اوپر کی روایت میں مذکور ہے اس کو کچھ تفصیل کے ساتھ دوسرے طریق سے بیان کیا گیا ہے اس روایت نے تصریح کردی کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیوی تھیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''**امرأة عبدالرحمن بن عوف**'' آیا ہے باقی مضمون حدیث کا ظاہر ہے۔

اس کے آخر میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''**فكانت تغتسل لكل صلوٰة وتصلی**'' کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں غیر ایام حیض میں اس سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے غسل کرے حالانکہ یہ جمہور ائمہ کا مذہب نہیں ہے جمہور کے نزدیک ہر نماز کے وقت یا ہر نماز کے لئے معتادہ مستحاضہ پر غسل واجب نہیں لیکن وضو واجب ہے اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے جس کو بواسطہ عکرمہ روایت کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو استحاضہ آتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ بقدر ایام حیض انتظار کرو اس کے بعد غسل کرلو اور نماز پڑھو اس کے بعد فرمایا ''**فان رأت شيئا من ذالك توضأت وصلت**'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایام حیض ختم ہونے کے بعد اگر ناقض طہارۃ دیکھنے میں آجائے تو مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے غسل ضروری نہیں بلکہ وہ ایام حیض گذر جانے کے بعد ایک غسل کرے گی جو واجب ہے پھر ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھے گی اب رہی یہ بات کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں جیسا کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تو اس کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے ام حبیبہ کو ہدایت فرمائی تھی کہ ایام حیض گذر جانے کے بعد غسل کرلو پھر نماز شروع کردو لیکن وہ بطور استحباب ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ امر بالاغتسال مطلق ہے جو تکرار غسل پر دلالت نہیں کرتا ہے تو شاید ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے خود ہی ارشاد مبارکہ "**فاغتسلی**" امر سے بقرینہ "**وصلی**" تکرار غسل کی طلب سمجھ بیٹھی ہوں اس لئے وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔

بعض شارحین نے کہا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے غسل کیا کرتی تھیں ہر نماز کے لئے لیکن اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام ابوداؤد نے غسل لکل صلوٰۃ کو مرفوعاً روایت کیا ہے، ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ام حبیبہ سے فرمایا "**اغتسلی لکل صلوٰۃ**" اس سے معلوم ہوا کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا تھا، اس کا جواب شارحین نے یہ دیا ہے کہ جس حدیث کو امام ابوداؤد نے بطریق مرفوع روایت کیا ہے وہ طعن سے خالی نہیں ہے حفاظ حدیث نے اس پر اعتراض کیا ہے کیوں کہ ابن شہاب زہری سے ان کے مستند اور معتبر تلامیذ میں سے کسی نے بھی اس زیادتی کو بطریق مرفوع نقل نہیں کیا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف رکھا ہے صرف ابن اسحاق اور سلیمان بن کثیر نے زہری سے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کو یعنی غسل لکل صلوٰۃ کو استحباب پر محمول کریں گے، اس سے دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے (یعنی ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے جو بعض طرق میں مرفوعاً وارد ہوئی ہے اور دوسری وہ حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو صرف ایام حیض گذر جانے کے بعد غسل کرنے کا حکم دیا ہر نماز کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا ہے) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حدیث ام حبیبہ رضی اللہ عنہا منسوخ ہوگئی ہے حدیث فاطمہ بنت قیس سے کیوں کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں غسل کے بدلہ میں ہر نماز کے لئے امر بالوضوء ہے، یا یہ کہ ہر نماز کے لئے امر بالغسل جو ام حبیبہ بنت جحش کی حدیث میں وارد ہوا ہے وہ علاج کے طور پر فرمایا یعنی تلوث بالدم کو زائل کرنے کے لئے تو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم تخفیف عذر کے لئے ہے گو بالکل ازالہ نہ ہو جیسے لنگوٹ باندھنے کا حکم تقلیل دم کے لئے ہے نہ کہ علاج طبی کے لئے۔

اسی روایت میں مرکن کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں کٹھرا،ب اور اسی حدیث کے آخر میں آیا ہے "**فما یمنعھا ذالک من الصلوٰۃ**" اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حیض اور استحاضہ دونوں فرج سے خارج ہوتے ہیں مگر احکام دونوں کے علیحدہ ہیں کہ حیض نماز و روزہ وغیرہ سے مانع ہے اور استحاضہ مانع نہیں۔

اخبرنا قتیبة عن مالک الخ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "ان امرأة کانت تهراق الدم الخ" لفظ تُھراق میں تاء کو ضمہ اور ہاء کو فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور الدم کو منصوب پڑھا جائے گا جیسے اُحسن الوجہ میں الوجہ کو مفعول کے ساتھ مشابہہ ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا جاتا ہے، یا وہ تمیز کی بناء پر منصوب ہے، یا یہ کہ تُھراق اصل میں تھریق صیغہ معروف تھا راء کے کسرہ کو فتحہ کے ساتھ بدلا گیا اور یا کو الف سے مگر یہ ان لوگوں کی لغت پر مبنی ہے جو لفظ ناصیہ کو ناصاۃ پڑھتے

ہیں۔ ابوموسیٰ نے کہا کہ اس طرح مجہول پڑھنے کی صورت میں آیا ہے نہ کہ معروف کی صورت میں۔

اس روایت میں امرأۃ سے مراد حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا ہیں جن کا قصہ ماقبل کی روایت میں آچکا ہے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے رسول اکرم ﷺ سے فتویٰ پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**لتنظر عدد الليالي الخ**" اس کو چاہئے کہ اتنے دن رات کا انتظار کرے جتنے دن رات اس کو مہینہ سے حیض آتا تھا پہلے اس چیز میں مبتلی ہونے سے جس میں وہ اب مبتلی ہوئی ہے (یعنی استحاضہ میں) اور اس قدر مدت تک نماز چھوڑ دے پھر جب اتنے ایام گذر جائیں تو غسل کر لے پھر لنگوٹ باندھ لے اور نماز پڑھا کرے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ استحاضہ سے پہلے جتنے دن مستحاضہ کو حیض آتا تھا استحاضہ کے زمانہ میں اس قدر ایام میں نماز چھوڑ دینا ضروری ہے کیوں کہ ضابطہ کے مطابق انہی ایام کو ایام حیض شمار کیا جائے گا اور باقی خون کو استحاضہ۔ اور یہ حکم جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس عورت کا ہے جس کو پہلی ہی بار حیض آنے کے ساتھ استحاضہ نہ آیا ہو بلکہ متعدد مرتبہ حیض آیا ہو پھر استحاضہ آنے لگا ہو۔

بہر حال اس حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ استحاضہ کی حالت میں حیض کے آنے اور ختم ہونے کا مدار عادت اور ایام حیض پر ہے۔

ذکر الاقراء

لفظ اقراء جو قرء کی جمع ہے اس سے معنی حیض مراد ہونے کا بیان

اخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد بن ابراهيم قال حدثنا اسحاق بن بكر قال حدثني ابي عن يزيد بن عبدالله عن ابي بكر بن محمد عن عمرة عن عائشة انّ ام حبيبة بنت جحش التي كانت تحت عبدالرحمن ابن عوف وانها استحيضت لاتطهر فذكر شانها لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انها ليست بالحيضة ولكنها ركضة من الرحم فلتنظرقدر قرئها التي كانت تحيض لها فلتترك الصلوٰة ثم تنظر ما بعد ذالك فلتغتسل عند كل صلوٰة .

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا سفيان عن الزهرى عن عمرة عن عائشة ان ام حبيبة بنت جحش كانت تستحاض سبع سنين فسألت النبى صلى الله عليه وسلم فقال ليست بالحيضة انما هو عرق فامرها ان تترك الصلوة قدر اقرائها وحيضتها وتغتسل وتصلى فكانت تغتسل عند كل صلوة.

اخبرنا عيسى بن حماد قال حدثنا الليث عن يزيد بن ابى حبيب عن بكير بن عبدالله عن المنذر بن المغيرة عن عروة ان فاطمة بنت ابى حبيش حدثت انها اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فشكت اليه الدم فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم انماذلك عرق فانظرى اذا اتاك قرؤك فلا تصلى فاذا

مر قرؤک فتطھری ثم صلی مابین القرء الی القرء ھذا الدلیل علی ان الاقراء حیض قال ابو عبدالرحمن وقد روی ھذا الحدیث ھشام بن عروۃ عن عروۃ ولم یذکر فیه ما ذکر المنذر.

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا عبدۃ ووکیع وابومعاویة قالوا حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة قالت جاء ت فاطمة بنت ابی حبیش الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت انی امرأۃ استحاض فلا اطھر افادع الصلوٰۃ قال لا انما ذلک عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلوٰۃ واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم وصلی.

تشریح: روایت میں اقراء کا ذکر آیا ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں بھی اس کا ذکر کیا ہے عنوان کے ماتحت کی پہلی اور دوسری حدیث میں حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے جو ماقبل میں بھی آچکا ہے کہ وہ استحاضہ میں مبتلا ہوگئیں پاکی حاصل نہیں ہوتی ان کی حالت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بطور تمہید کے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ''ولکنھا رکضة من الرحم'' ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''انما ھذہ رکضة من رکضات الشیطان'' یعنی شیطان کے رحم میں ایڑی لگانے سے وہ رگ پھٹ جاتی ہے جو رحم کے ساتھ ملی ہوئی ہے پھر اس کے پھٹنے سے خون آنے لگتا ہے جس کا سلسلہ بند نہیں ہوتا ہے تو استحاضہ کا ظاہری سبب اس رگ سے جس کا نام عاذل ہے خون جاری ہونا ہے لیکن باطنی سبب یہ ہے کہ شیطان کے رکضہ سے وہ رگ پھٹ جاتی ہے۔ ابن العربیؒ نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''ولکنھا رکضة من الرحم'' کو اسی حقیقت پر محمول کیا ہے جو بلحاظ عقل ممتنع نہیں ہے۔

علامہ خطابیؒ نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ استحاضہ کی وجہ سے شیطان کو مستحاضہ عورت کے دین کے معاملہ یعنی طہارت اور نماز وغیرہ میں شک وشبہ ڈالنے کا موقع ملتا ہے اور بہکانے اور خراب کرنے کا راستہ اس کے لئے کھلتا ہے اس لئے اس کی اس چھیڑ چھاڑ کے اعتبار سے مجازاً رکضۂ شیطان فرمایا۔ (واللہ اعلم)

بہرحال کلام مذکور کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے یا مجاز پر اس سے حیض واستحاضہ کے درمیان جو فرق ہے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے اگر استحاضہ کی حالت پیش آئے تو کیا کرنا چاہئے اسی کے متعلق مسئلہ بتلاتے ہیں ''فلتنظر قدر قرئھا التی الخ'' کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اس مدت تک انتظار کرنا چاہئے جس میں اس کو استحاضہ سے پہلے ہر مہینہ میں حیض آتا تھا اور اس قدر مدۃ میں نماز چھوڑ دے پھر آگے جو خون آئے وہ مانع صلوٰۃ نہیں اس لئے کہ وہ استحاضہ ہے اور مستحاضہ معذور کی طرح ہے۔ اس حدیث میں ہر نماز کے وقت غسل کرنا مذکور ہے اور بعض روایات میں ایام حیض گذر جانے کے بعد صرف ایک غسل پھر ہر نماز کے وقت وضو کرنا مذکور ہے لہٰذا ہر نماز کے وقت غسل کرنے کو استحباب پر محمول کیا جائے گا تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے مزید تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

تیسری حدیث میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے جو پچھلے عنوان کے تحت گذر چکا ہے مگر اس عنوان کے ماتحت کی حدیث میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا مذکور ہے تو دونوں صحیح ہیں ان کے والد کا نام قیس ہے اور کنیت ابی حبیش ہے تو کبھی

اصل نام کی طرف نسبت کر کے فاطمہ بنت قیس کہہ دیتے ہیں اور کبھی کنیت کی طرف منسوب کر کے فاطمہ بنت ابی حبیش کہہ دیتے ہیں بہر حال یہ بھی مستحاضہ تھیں اور معتادہ تھیں اور معتادہ کے لئے کیا حکم شرعی ہے اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ یہ تمام احادیث مذکورہ اصل ہیں اس بات کی کہ لفظ قرء کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے چنانچہ مصنفؒ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''ھذا الدلیل علی ان الاقراء حیض'' کہ یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن پاک میں جو قرء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد حیض ہے لیکن محققین کہتے ہیں کہ قرء کا لفظ اضداد میں سے ہے جس کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

ذکر اغتسال المستحاضة

مستحاضہ کے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد قال حدثنا شعبة عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه عن عائشة ان امرأة مستحاضة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قیل لها انه عرق عاند وامرت ان تؤخر الظهر وتعجل العصر وتغتسل لهما غسلاواحدا وتؤخر المغرب وتعجل العشاء وتغتسل لهما غسلاً واحداً وتغتسل لصلوٰة الصبح غسلا واحدا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مستحاضہ ہوئی اس سے کہا گیا کہ یہ رگ کا خون ہے جو بند نہیں ہوتا ہے اور اس کو حکم دیا گیا کہ نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور نماز عصر کو اول وقت میں پڑھ لیا کرے اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا کرے اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور نماز فجر کے لئے ایک غسل کرے۔

استحاضہ باعتبار لغت اس خون کو کہتے ہیں جو اوقات معتادہ کے علاوہ غیر وقت میں جاری ہوتا ہے۔اور شریعت میں استحاضہ اس خون کا نام ہے جو بیماری کی وجہ سے رحم کے ساتھ ملی ہوئی ایک رگ جس کا نام عاذل ہے سے نکلتا ہے اور استحاضہ اس وقت پہچانا جاوے گا جبکہ خون اکثر مدت حیض سے زیادہ دن جاری رہا یا اقل مدۃ حیض سے کم آکر بند ہوجائے اس کو استحاضہ کا خون کہتے ہیں اور لفظ استحاضہ جو احادیث میں استعمال ہوتا ہے اس سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں۔فقہاء کے عرفی معنی مراد نہیں۔اس روایت میں جس مستحاضہ کو تین مرتبہ غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کون عورت تھیں اس کا نام نہیں بتلایا گیا مبہم طور پر بیان کیا گیا ہے البتہ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تین مرتبہ غسل کرنے کا حکم سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کو دیا گیا تھا۔ابوداؤد کی ایک دوسری روایت اور طحاوی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا تھیں،تو ہوسکتا ہے کہ نسائی کی اس روایت میں جس عورت کا ذکر آیا ہے وہ ان میں سے کوئی ایک ہوگی یا ان کے علاوہ کوئی اور عورت ہوگی جس کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ عہد رسالت میں ایک مستحاضہ عورت کا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا آپ نے

اس سے فرمایا ''انہ عرق عاند '' کہ یہ رگ کا خون ہے جو بند نہیں ہوتا ہے عاند صفت ہے عرق کی جس کے معنی ضدی اور سرکش کے ہیں تو جس طرح معاند اپنی مخالفت اور ضد سے باز نہیں آتا اسی طرح خلاف عادت جو خون رگ سے آتا ہے وہ بھی بند نہیں ہوتا ہے بہر حال حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ کا خون ہے اور مستحاضہ کے لئے نماز وغیرہ ترک کر دینا درست نہیں ہے۔ آگے فرماتی ہیں ''فامرت ان تؤخر الظهر الخ '' کہ حضور ﷺ نے اس مستحاضہ عورت کو حکم دیا کہ ظہر کی نماز کو آخر وقت میں اور عصر کی نماز کو جلدی یعنی اول وقت میں پڑھ لیا کرے اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب کی نماز کو آخری وقت میں اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا کرے اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور فجر کی نماز کے لئے علیحدہ غسل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذر کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین صورۃ کے لحاظ سے جائز ہے اور اس میں پانچ نمازوں کے لئے تین مرتبہ غسل کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا نہ کہ وجوب پر۔ کیونکہ واجب تو صرف ایک غسل ہے جو ایام حیض گذرنے کے بعد مستحاضہ پر ضروری ہے اور اس پر صرف ایک غسل واجب ہونے پر وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کو طبرانی نے اوسط میں اسناد حسن کے ساتھ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع روایت کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں '' المستحاضة تغتسل من قرء الیٰ قرء الخ '' البتہ اگر کوئی عورت مستحاضہ متحیرہ ہو یعنی ایسی ہو کہ حیض اور استحاضہ کے خون میں تمیز نہیں کر سکتی ہے یا اس کے لئے ایام مقررہ تھے ان کو بھول گئی نہ ایام حیض یاد ہیں اور نہ انقطاع خون کا وقت یاد ہے تو ایسی صورت میں نماز چھوڑنے کا حکم تو نہیں ہے البتہ اس پر ہر نماز کے وقت غسل واجب ہے کیوں کہ اختلاف احوال سے حکم مختلف ہوتا ہے۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ تین مرتبہ غسل کرنے کی احادیث منسوخ ہوگئی ہیں ان احادیث سے جن میں ایام حیض ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرنے پھر ہر نماز کے وقت وضوء کرنے کا حکم مذکور ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب الاغتسال من النفاس

نفاس سے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن قدامة حدثنا جرير عن يحيى بن سعيد عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جابر بن عبدالله فی حديث اسماء بنت عميس حين نفست بذی الحليفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لابی بكر مرها ان تغتسل وتهلّ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ روایت کرتے ہیں کہ جبکہ وہ ذوالحلیفہ میں بچہ کی ولادت سے فارغ ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو حکم دو کہ غسل کرے اور احرام باندھ لے۔

تشریح: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں حجۃ الوداع کے سفر میں وہ بھی ساتھ تھیں مقام ذوالحلیفہ میں ان کی بیوی نے بچہ جنا جس کا نام محمد بن ابی بکر ہے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا اب کیا کروں آپ ﷺ

نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مرھاان تغتسل وتھل" کہ اپنی بیوی کو حکم دو کہ نہالے اور احرام باندھ لے۔

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ یہ غسل جس کا حکم دیا گیا ہے احرام سے متعلق ہے جو جسم کی صفائی ستھرائی کے لئے احرام سے پہلے کرنا سنت ہے یہ وہ غسل نہیں جو نفاس بند ہونے کے بعد عورت پر واجب ہوتا ہے کیوں کہ نفاس سے غسل کرنا اس کے بند ہونے کے بعد ہوتا ہے نفاس کے دوران اور اس کے جاری رہنے کی حالت میں غسل کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے اور جس غسل کا حکم حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو اس موقع پر دیا گیا تھا اس وقت نفاس کا خون بند نہیں ہوا بلکہ نفاس کی ابتداء اور اس کے قائم رہنے کی حالت میں غسل کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا اس حدیث کو اس باب کے ذیل میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة

حیض کے خون اور استحاضہ کے درمیان فرق کا بیان

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابن ابى عدى عن محمد وهو ابن عمرو بن علقمة بن وقاص عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير عن فاطمة بنت ابى حبيش انها كانت تستحاض فقال لها رسول الله صلى عليه وسلم اذا كان دم الحيض فانه دم اسود يعرف فامسكى عن الصلوٰة واذا كان اٰخر فتوضئى فانما هو عرق.

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابن ابى عدى هٰذا من كتابه اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابن ابى عدى من حفظه قال حدثنا محمد بن عمرو عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان فاطمة بنت ابى حبيش كانت تستحاض فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم انّ دم الحيض دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكى عن الصلوٰة واذا كان الأٰخر فتوضئى وصلّى قال ابو عبدالرحمٰن قدروى هٰذا الحديث غير واحد لم يذكر احد منهم ما ذكره ابن ابى عدى والله اعلم.

اخبرنا يحيى بن حبيب بن عربى قال حدثنا حماد وهو ابن زيد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت استحيضت فاطمة بنت ابى حبيش فسالت النبى صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله انى استحاض فلا اطهرا فادع الصلوٰة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعى الصلوٰة واذا ادبرت فاغسلے عنک اثر الدم وتوضئى فانما ذلک عرق وليست بالحيضة قيل له فالغسل قال ذلک لا يشک فيه احدقال ابوعبدالرحمن لا اعلم احداذكر فى هٰذا الحديث وتوضئى غير حماد بن زيد وقدروىٰ غير واحدٍ عن هشام ولم يذكر فيه وتوضئى.

اخبرنا قتيبة بن سعيد عن مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت قالت فاطمة بنت

ابی حبیش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ لااطھر افادع الصلوٰۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ذلک عرق ولیست بالحیضۃ فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ فاذا ذھب قدرھا فاغسلی عنک الدم وصلی.

اخبرنا ابو الاشعث احمد بن المقدام حدثنا خالد بن الحارث قال سمعت ھشام بن عروۃ یحدث عن ابیہ عن عائشۃ ان بنت ابی حبیش قالت یا رسول اللہ انی لا اطھر افاترک الصلوٰۃ قال لا انما ھو عرق قال خالد فیما قرأت علیہ ولیست بالحیضۃ فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم وصلی.

اس عنوان کے ذیل میں جوحدیث لارہے ہیں اس کو''ذکر الاغتسال من الحیض ''میں بھی بیان کرچکے ہیں مگر یہاں دوسرے طرق سے لائے ہیں ہم ماقبل میں اشارہ کرچکے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ''اذا کان دم الحیض الخ '' سے شوافع وغیرہ نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے ان کے نزدیک حیض کے آنے اور ختم ہونے کا مدار خون کے رنگ پر ہے کہ اگر خون سخت سیاہ اور سُرخ ہے تو حیض کا خون ہے ورنہ استحاضہ ہے۔

ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ خون ہوتا ہے جو علیحدہ طور پر پہچان لیا جاتا ہے جب اس قسم کا خون جاری ہوجائے تو نماز چھوڑ دو اور جب اس کے علاوہ دوسرے رنگ کا خون آئے تو سمجھ لو کہ استحاضہ کا خون ہے اس صورت میں ایک بار غسل کرلو اس کے بعد ہر نماز کے لئے وضو کیا کرو۔

غرض حضرت امام شافعیؒ وغیرہ اس ارشاد مذکور کی بناء پر حیض اور استحاضہ کے درمیان تمیز خون کے رنگوں کے اعتبار سے کرتے ہیں احناف کے نزدیک حیض کی آمد اور ختم ہونے کا تعین استحاضہ کی حالت میں عادت اور ایام حیض سے کیا جائے گا احناف کے دلائل اسی حدیث فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی تشریح کے ذیل میں پیچھے''ذکر الاغتسال من الحیض ''کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔اس حدیث باب کا جس سے شوافع استدلال کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ عروہ بن زبیر کی یہ حدیث ایک تو مرسل ہے دوسرے مضطرب مرسل اس لئے کہ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو محمد بن ابی عدی سے روایت کیا ہے اور اس کو عروہ پر موقوف رکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک نہیں پہنچایا اور مضطرب اس لئے کہ اس کی سند میں اضطراب ہے جس کی طرف بیہقی نے اشارہ کیا ہے کہ جب اس روایت کو محمد بن ابی عدی نے کتاب سے سنایا تو عن عروۃ بن زبیر عن فاطمۃ بنت ابی حبیش کے طریق سے بیان کیا ہے اور جب حافظہ سے بیان کیا تو اس کو عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ روایت مرسل اور مضطرب ہے۔

علاوہ ازیں حفاظ حدیث نے اس حدیث میں کلام کیا ہے چنانچہ ابن قطانؒ نے کہا''ھو فی رأی منقطع ''کہ یہ حدیث میرے خیال میں منقطع ہے اور ابن ابی حاتم کی العلل میں ہے''سألت ابی عنه فقال منکر''(الجوہر النقی: ۱/ ۸۶)

نیز خود حضرت امام نسائیؒ نے بھی اس حدیث کے معلول ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ سیاق اسناد حدیث میں فرماتے ہیں ''اخبرنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا ابن ابی عدی ھٰذا من کتابه ''اس کے بعد فرماتے ہیں ''اخبرنا محمد المثنیٰ قال حدثنا ابن ابی عدی من حفظه قال حدثنا محمد بن عمرو الخ ''اس لئے حدیث میں اضطراب آ گیا آیا اس کو کتاب سے بیان کیا ہے یا خطاب محفوظ سے۔ نیز اوپر مذکور ہوا کہ ابن ابی عدی نے اس حدیث کو کتاب کی صورت میں عن عروة عن فاطمة کی سند سے روایت کیا ہے اور حفظ کی صورت میں عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے اس لئے یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے یا فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی۔ ابن حزم نے چونکہ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس لئے اپنی کتاب المحلی میں اس کا جواب دیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے اضطراب سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ عروہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا دونوں سے روایت کیا ہے اور ان کی ملاقات دونوں سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ان امور کے جو ذکر کئے گئے ہیں امام نسائیؒ نے حدیث باب کو روایت کرنے کے بعد فرمایا ''قد روی ھٰذا الحدیث غیر واحد الخ'' (واللہ اعلم)

یعنی ''ان دم الحیض دم اسود یعرف ''کو صرف ابن ابی عدی نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ راویوں میں سے اور کسی راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں فرمایا کہ اس حدیث کو صرف محمد بن مثنی بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں لون دم کا ذکر ہے اور دوسرے راویوں نے اس کو عروہ بن زبیر پر موقوف رکھا ہے اور سب نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ نقل کیا ہے مگر ان کی روایات لون دم کے ذکر سے خالی ہیں اس لئے ''ان دم الحیض دم اسود یعرف'' کی صحت میں شبہ پیدا ہو گیا۔

بہر حال امام نسائیؒ، ابن ابی حاتم، امام طحاوی اور ابن قطان کے اقوال مذکورہ کی بناء پر اس جیسی حدیث حجت نہیں بن سکتی اور جس حدیث میں اس قدر علتیں ہوں اس پر بناء احکام نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ صحیح بخاری اور مسلم کی روایات میں عادت اور ایام حیض کی طرف اشارہ ہے اس لئے احناف نے ان دونوں کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ اور اگر اس حدیث کی صحت کو مان بھی لیا جائے جیسا کہ ابن حزم نے اس کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو اس کا جواب ملا علی قاریؒ نے یہ دیا ہے کہ وہ حدیث ہمارے نزدیک اس پر محمول ہے کہ جب کسی عورت کی تمیز بالالوان اس کی عادت کے موافق ہو مثلاً کسی عورت کو عادت کے موافق یہ بات معلوم تھی کہ اس کے حیض کا رنگ سیاہ ہوتا ہے تو اگرچہ اصل حکم کا مدار عادۃ اور ایام پر ہے مگر چونکہ بحسب اتفاق خون کی تمیز اس کی عادت کے موافق ہو گئی ہے اس لئے تمیز بالالوان کو معرف (شناخت کرا دینے والی چیز) قرار دیا جا سکتا ہے اور چونکہ یہاں بھی ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا معتادہ بھی ہوں گی اور ممیزہ بھی اس لئے کبھی عدد ایام کا ذکر کیا اور کبھی تمیز بالالوان کا تو اس طریقہ سے روایات کے درمیان جن میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ واحدہ بیان کیا گیا ہے تطبیق دی جا سکتی ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

الغرض تقاریر مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ قوۃ دلائل کے اعتبار سے مسلک احناف راجح اور قوی ہے۔

باب کی تیسری روایت میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کا قصہ روایت کرنے کے بعد امام نسائی فرماتے ہیں "قال ابو عبدالرحمن لا اعلم احداً ذکر فی ھذا الحدیث وتوضئی غیر حماد بن زید الخ "فرماتے ہیں کہ ہشام بن عروہ سے لفظ " توضئی "کو روایت کرنے میں حماد بن زید متفرد ہیں ہشام کے شاگردوں میں سے کسی اور نے بھی اس کو روایت نہیں کیا اسی طرح امام مسلم نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ اس لفظ کی روایت میں حماد بن زید متفرد ہیں اس لئے انہوں نے صحیح مسلم میں اس زائد لفظ توضئی کو حذف کردیا ہے۔ لیکن امام نسائی اور امام مسلم کا یہ دعویٰ درست نہیں کیوں کہ یہ زیادتی دوسرے طرق سے بھی ثابت ہے چنانچہ علامہ ابن الترکمانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کو ہشام بن عروہ سے روایت کرنے میں حماد بن زید منفرد نہیں بلکہ ہشام سے ابوعوانہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے جیسا کہ حضرت امام طحاویؒ نے کتاب الرد علی الکرابیسی میں سند جید سے بواسطہ ابوعوانہ ہشام سے لفظ توضئی کو روایت کیا ہے اور حماد بن سلمہ نے بھی اس کو ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے چنانچہ دارمی اس لفظ کو حماد بن سلمہ کے طریق سے لائے ہیں اور ابن حبان نے بھی اس زیادتی کو اپنی کتاب میں ابوحمزہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے فرمایا کہ توضئی کا لفظ ہشام سے ابوحنیفہؒ نے بھی روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس لفظ کو ہشام بن عروہ سے روایت کرنے والے ابومعاویہ کے طریق سے لائے ہیں اور اس کو صحیح کہا ہے۔

بہر حال امام ابوحنیفہ وابومعاویہ وابوعوانہ اور ابوحمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ تمام ائمہ عادل اور ثقہ ہیں اور سب نے اس لفظ کو ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے لہٰذا امام مسلم کا یہ دعویٰ کہ لفظ توضئی کو تنہا حماد بن زید نے روایت کیا ہے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ علاوہ اس کے اگر اکیلے بھی اس کو حماد بن زید روایت کرتے تب بھی انہی کی روایت کافی ہوتی اس لئے کہ وہ ایک ثقہ اور تام الحفظ راوی ہیں خصوصاً ہشام کے عادل اور ثقہ وتام الضبط ہونے میں کیا کلام ہے جن سے حماد بن زید نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور یہ جو امام نسائیؒ نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کو حماد بن زید کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا ہم اس کو مخالفت تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ زائد لفظ ثقہ راویوں کی طرف سے ہے جو معتبر ومقبول ہے۔

ابن رشد نے کہا ہے کہ اہل حدیث کی ایک جماعت نے اس زیادت کو صحیح کہا ہے نیز یہ کہ امر بالوضوء کا لفظ ابوداؤد اور بیہقی میں بھی آیا ہے چنانچہ بیہقی میں (۱/ ۳۲۵) یہ الفاظ آئے ہیں "واذا کان الاخر فتوضئی وصلی فانما ھو عرق "تو یہ زیادت اس زیادت کو تائید وتقویت پہنچارہی ہے۔ بحث کا حاصل یہ ہے کہ مستحاضہ معتادہ کے لئے حکم شرعی یہی ہے کہ ایام حیض گذرنے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرے گی آگے اس کے ذمہ صرف وضو کا عمل ضروری ہے ہر نماز کے وقت یا ہر نماز کے لئے وضو کرکے نماز پڑھے گی پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مستحاضہ عورت ہر فرض کے لئے وضو کرے گی یا ہر نماز کے وقت امام ابوحنیفہؒ واحمد وزفر وابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحاضہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کرلیا کرے پھر وقت کے اندر فرائض ونوافل جو چاہے پڑھ لیا کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو ہر فرض کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اور نوافل کو فرض کی ماتحتی میں پڑھ لیا کرے۔ امام مالک اور ربیعہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک ہر نماز کے لئے وضو کرنا مستحب ہے واجب نہیں کیوں کہ ان

کے نزدیک استحاضہ کا خون حدث نہیں ہے اور جب وہ ہمیشہ ناقض وضو کے ساتھ آلودہ ہے تو طہارت وضو اس کے لئے بے سود ہے۔امام مالکؒ وغیرہ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث کے آخری جملہ ”فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی“ سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے کہ ادبار حیض کے بعد ایک بار غسل کر لیا کرو اس کے بعد اگر خون دیکھو تو صرف اسی کو دھولیا کرو پھر نماز پڑھو معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون ناقض وضو نہیں۔لیکن یہ ارشاد ان کے لئے حجت نہیں بن سکتا اس لئے کہ ترمذی میں ابومعاویہ کی روایت میں ”توضئی لکل صلوٰۃ حتی یجئی ذلک الوقت“ آیا ہے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کے مرفوع ہونے کو ترجیح دی ہے۔

امام شافعیؒ نے ترمذی کی روایت مذکورہ اور ابن ماجہ کی روایت ”المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوٰۃ“ سے استدلال کیا ہے۔امام ابوحنیفہؒ واحمد وغیرہ حضرات کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ”تشوضأ عند کل صلوٰۃ“ کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے طریق سے ”المستحاضۃ تتوضأ لوقت کل صلوٰۃ“ کے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کی گئی ہے بعض محدثین اس حدیث کو انہی الفاظ سے غریب کہا ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے یہی الفاظ بغیر تبدیلی کے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بعض طرق میں بھی وارد ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں ”توضئی لوقت کل صلوٰۃ“ لہٰذا اس حدیث مذکور پر غرابت کا اطلاق درست نہیں۔اور شرح مختصر الطحاوی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ہشام سے وہ اپنے والد عروہ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بایں الفاظ روایت کیا ہے ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ بنت ابی حبیش وتوضئی لوقت کل صلوٰۃ“ اور امام محمدؒ نے اس کو اصل میں مفصلاً روایت کیا ہے اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث محکم ہے بہ نسبت حدیث ”توضئی لکل صلوٰۃ“ کے جو شوافع کا مستدل ہے کیوں کہ یہ حدیث مذکور جو احناف کی دلیل ہے غیر کا احتمال نہیں رکھتی بخلاف ”لکل صلوٰۃ“ کے اس میں غیر کا احتمال موجود ہے کیوں کہ لفظ صلوٰۃ بول کر وقت صلوٰۃ مراد لینا لسان شرع اور عرف میں شائع وذائع بات ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے ”جعلت لی الارض مسجد او طھوراً اینما ادرکتنی الصلوٰۃ تیممت وصلیت“ یہاں پر لفظ صلوٰۃ سے مراد وقت صلوٰۃ ہے نہ کہ نفس صلوٰۃ اور عرف میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں ”آتیتک لصلوٰۃ الظھر ای لوقتھا“ اسی طرح کہا جاتا ہے ”ان للصلوٰۃ اولاً وآخراً“ یعنی وقت صلوٰۃ کے لئے اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

بہر حال شرع اور عرف کے اعتبار سے جائز ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا جائے اور اس سے مراد وقت لیا جائے لیکن یہ جائز نہیں کہ وقت ذکر کیا جائے اور اس سے مراد صلوٰۃ لی جائے لہٰذا اس محتمل کو محکم پر محمول کرنا ضروری ہے تا کہ دونوں قسم کی دلیلوں کے درمیان تطبیق ہو جائے۔نیز یہ کہ احناف کا مذہب قواعد شرعیہ کے بھی مطابق ہے کیوں کہ وقت کو اداء کے قائم مقام کیا گیا ہے تا کہ مکلف پر سہولت ہو جائے اس لئے کہ بعض دفعہ اس کو وقت واحد میں دو فرض یا اس سے زائد ادا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اگر وقت اداء کے قائم مقام نہ ہو تو مکلف کے لئے تنگی اور دشواری ہوگی جو مقتضیٰ شرع کے خلاف ہے۔

باب النهی عن اغتسال الجنب فی الماء الدائم

اس بیان میں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں جنبی شخص کو غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے

اخبرنا سلیمان بن داؤد والحارث بن مسکین قراءة علیه وانا اسمع واللفظ له عن ابن وهب عن عمرو بن الحارث عن بکیر ان ابا السائب اخبره انه سمع ابا هریرة یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جبکہ وہ جنبی ہو۔

تشریح :لایغتسل احدکم الخ : قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ممانعت کو حال کے ساتھ مقید فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی غسل جنابت میں استعمال ہوا ہے اگر وہ ٹھہرا ہوا پانی ہو اور تھوڑا ہو تو حالت سابقہ پر باقی نہیں رہے گا بلکہ اس کا حکم متغیر ہو جائے گا ورنہ نہی مقید کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور پہلے وصف پر باقی نہ رہنے کا سبب یا زوال طہارت ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے یا زوال طہوریت ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ مستعمل پانی غیر طہور ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جنبی کو جب منع کر دیا گیا ہے تو پھر وہ کیا طریقہ اختیار کرے گا آپ نے جواب دیا چلو بھر بھر کر لے گا اس سے معلوم ہوا کہ اگر جنبی پانی لینے کی غرض سے اپنا ہاتھ داخل کرے تو اس ماء راکد کا حکم متغیر نہ ہوگا بلکہ وہ پاک رہے گا۔ احناف اور شوافع سب کا یہی مسلک ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پانی زیادہ ہو اور وسیع جگہ پر پھیلا ہوا ہو تو اس میں غسل جنابت کرنے سے وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔

باب النهی عن البول فی الماء الراکد والاغتسال منه

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے پھر اس پانی سے غسل کرنے کی ممانعت کا بیان

اخبرنا محمد بن عبدالله بن یزید المقری عن سفیان عن ابی الزناد عن موسیٰ بن ابی عثمان عن ابیه عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لایبولن احدکم فی الماء الراکد ثم یغتسل منه.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اسی پانی سے غسل کرنے لگے۔

تشریح : یہ بات واضح ہے کہ تھوڑا پیشاب زیادہ پانی میں اس کے رنگ اور مزہ اور بو کو نہیں بدلتا اس کے باوجود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع فرمایا اور اس حکم ممانعت میں کوئی فرق نہیں ہے پانی کے دوقلہ ہونے کی حالت میں

پیشاب کرے یا اس سے زیادہ یا کم ہونے کی حالت میں یا متغیر یا غیر متغیر ہونے کی صورت میں سب کو حکم ممانعت شامل ہے۔

بہر حال ٹھہرا ہوا پانی اگر تھوڑا ہو تو نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے مذہب احناف کی تائید ہوتی ہے اور یہ مالکیہ اور شافعیہ پر حجت ہے۔ اس حدیث میں لفظ الراکد جو الماء کی صفت ہے وہ حکم کے لئے قید نہیں ہے کہ اس سے یہ استنباط کیا جائے کہ جاری پانی میں پیشاب کرنا جائز ہوگا بلکہ اس قید سے اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا نہایت قبیح اور بدترین فعل ہے تو گویا یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز پانی میں پیشاب نہ کرے خصوصاً جو پانی جاری نہ ہو اس میں پیشاب کرنا تو بدترین فعل ہے کیوں کہ اس میں پیشاب کرنے سے پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے مزید تشریح پیچھے باب ''الماء الدائم'' میں ملاحظہ ہو۔

باب ذکر الاغتسال اول اللیل

اول شب میں غسل کرنے کا بیان

اخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد عن سفيان عن ابی العلاء عن عبادة بن نسی عن غضيف بن الحارث انه سأل عائشةؓ ای الليل كان يغتسل رسول الله صلی الله عليه وسلم قالت ربما اغتسل اول الليل وربما اغتسل آخره قلت الحمدلله الذی جعل فی الامر سعةً.

غضیف بن حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت غسل فرماتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ کبھی کبھی اول شب میں غسل فرماتے تھے اور کبھی کبھی آخری شب میں غضیف بن حارث کہتے ہیں الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں بڑی وسعت رکھی ہے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی غضیف بن حارث صحابی ہیں یا تابعی ابن ابی حاتم نے کہا کہ میرے والد اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ وہ صحابی ہیں، اسی طرح امام بخاری وغیرہ نے بھی ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، مگر ابن سعد وغیرہ نے تابعین میں شمار کیا ہے اور ثقہ بتایا ہے انہوں نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت فوراً فرماتے تھے یا آخری شب تک مؤخر فرما دیتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مختلف تھے کبھی تو اول شب میں غسل کرتے تھے یہ صورت اقرب الی التنظیف ہے اور کبھی امت کی سہولت اور بیان جواز کے لئے آخری شب میں غسل کرتے تھے اس پر غضیف بن حارث نے کہا ''الحمد الله الذی جعل فی الامر سعة'' کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے جس نے دین میں بڑی وسعت اور سہولت رکھی ہے اس لئے کہ اس نے ہمارے لئے دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور اس جواز کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بذریعہ عمل بتلا دیا ہے۔ لیکن یہاں پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث سے تاخیر غسل کے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیوں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں غسل فرماتے تھے جب کہ جنابت اول شب میں لاحق ہوتی اور آخر شب میں غسل فرماتے جب کہ جنابت آخر شب میں لاحق ہوتی، لیکن اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ

بقرینۂ سوال اور سائل کے قول الحمد للہ الخ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقریر کے قرینے سے تاخیر غسل کا جواز اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ (کذا قال علامة السندھی)

الاغتسال اول اللیل و آخرہٗ

رات کے شروع حصہ اور آخری حصہ میں غسل کرنا

اخبرنا یحیی بن حبیب بن عربی اخبرناحماد عن برد عن عبادة بن نسی عن غضیف بن الحارث قال دخلت علی عائشة فسالتها قلت اکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یغتسل من اول اللیل او من آخره قالت کل ذالک ربما اغتسل من اوله وربما اغتسل من آخره قلت الحمدلله الذی جعل فی الامر سعة.

تشریح: اس عنوان کے ذیل کی حدیث سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو حدیث سابق سے ثابت ہوئی تھی صرف عنوان بدل دیا ہے اور اس کے ماتحت اسی حدیث سابق کو دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

باب ذکر الاستتار عند الاغتسال

غسل کے وقت پردہ کرنے کا بیان

اخبرنا مجاهد بن موسیٰ قال حدثنا عبدالرحمن بن مهدی قال حدثنی یحیی بن الولید قال حدثنی محل بن خلیفة قال حدثنی ابو السمح قال کنت اخدم رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان اذا اراد ان یغتسل قال ولّنی قفاک فاُولّیه قفای فاسترهٗ به.

ابوالسمح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا جب آپ غسل کرنے کا ارادہ فرماتے تو مجھ سے فرماتے اپنی پیٹھ کو میری طرف پھیر دو تو میں اپنی پیٹھ کو آپ کی طرف کر دیتا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پردہ کر لیتا یعنی پیٹھ آپ کی طرف کر کے کپڑے سے پردہ کر لیتا پھر اس کی آڑ میں غسل فرماتے۔

اخبرنا یعقوب بن ابراهیم عن عبد الرحمن عن مالک عن سالم عن ابی مرة مولی عقیل بن ابی طالب عن ام هانئی رضی الله عنها انها ذهبت الی النبی صلی الله علیه وسلم یوم الفتح فوجدته یغتسل وفاطمة تسترهٗ بثوب فسلمت فقال من هذا قلت ام هانئی فلما فرغ من غسله قام فصلّی ثمانی رکعات فی ثوب ملتحفابه.

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے آپ کو غسل کرتے دیکھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کپڑے سے آپ کا پردہ کئے ہوئے تھیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہیں میں نے کہا میں ام ہانی ہوں رضی اللہ عنہا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور ایک کپڑا

اپنے بدن پر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔

تشریح: اگر غسل کی ضرورت ہو اس کے لئے دو صورتیں ہیں ایک تو تنہائی میں غسل کیا جائے تو اس صورت میں اہتمام پردہ کی ضرورت نہیں ننگے بدن غسل کرنا جائز ہے البتہ افضل یہ ہے کہ ستر چھپا کر غسل کرے دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کے قریب غسل کرنا چاہے تو اس حالت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ پردہ کے ساتھ غسل ضروری ہے غرض ان دونوں روایات میں نبی کریم ﷺ کا جو عمل بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی موجودگی میں غسل کرتے وقت پردہ کرنا ضروری ہے بے پردگی کے ساتھ نہانا بلحاظ عقل وشرع نہایت قبیح فعل ہے اور دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل کرنے والے کے لئے بات کرنے کی اجازت ہے اور اس کی اجازت مَن ھٰذا سے معلوم ہوتی ہے کہ جب ام ہانی رضی اللہ عنہا پہنچیں تو حضور ﷺ نے فرمایا من ھٰذا حالانکہ آپ ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اسی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم جب ﷺ غسل سے فارغ ہو گئے "فصلی ثمانی رکعات الخ" کہ آپ نے ایک کپڑا بدن پر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی متقدمین ومتاخرین سب اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ چاشت کی نماز آٹھ رکعات ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں بواسطہ عکرمہ بن خالد ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات نماز ادا فرمائی میں نے عرض کیا یہ کونسی نماز ہے آپ نے فرمایا "ھٰذہٖ صلوٰۃ الضحٰی"۔

قاضی عیاض وغیرہ نے ان رکعات کو فتح مکہ کے شکرانہ کی نماز قرار دیا ہے اور بعض حضرات اس کو چاشت کی نماز بتلاتے ہیں کیوں کہ وہ وقت چاشت ہی کا تھا۔

باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل

پانی کی اس مقدار کے بیان میں جو ایک شخص کو غسل کے لئے کافی ہوتی ہے

اخبرنا محمد بن عبید قال حدثنا یحیی بن زکریا بن ابی زائدة عن موسیٰ الجهنی قال اتی مجاهد بقدح حزرته ثمانية ارطال فقال حدثتنی عائشةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یغتسل بمثل هٰذا.

موسی جہنی روایت کرتے ہیں کہ مجاہد کے پاس ایک برتن لایا گیا جس کا میں نے اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل کا پایا پھر مجاہد نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اسی جیسے برتن سے غسل فرماتے تھے۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن ابی بکر بن حفص سمعت اباسلمة یقول دخلت علی عائشةؓ واخوها من الرضاعة فسألها عن غسل النبی صلی الله علیه وسلم فدعت باناء فیه ماء قدر صاع فسترت سترا فاغتسلت فافرغت علی رأسها ثلاثا.

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جناب نبی کریم ﷺ کے

غسل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ایک برتن منگایا اس میں ایک صاع کی مقدار پانی تھا پھر ہمارے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا پھر غسل کیا اور سر پر تین مرتبہ پانی بہادیا۔

اخبرنا قتيبة بن سعيد حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة انها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل فى القدح وهو الفرق وكنت اغتسل انا وهو فى اناء واحد.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ ایک برتن سے غسل فرماتے تھے جس کو فرق کہا جاتا تھا میں اور نبی کریم ﷺ ایک برتن سے غسل فرماتے تھے۔

اخبرنا سويد بن نصر قال حدثنا عبدالله قال حدثنا شعبة عن عبدالله بن جبر قال سمعت انس بن مالك يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ بمكوك ويغتسل بخمسة مكاكى.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے اور پانچ مد پانی سے غسل فرماتے تھے۔

اخبرنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا ابو الاحوص عن ابى اسحق عن ابى جعفر قال تماريـنا فى الغسل عند جابر بن عبدالله فقال جابر يكفى من الغسل من الجنابة صاع من ماء قلنا مايكفى صاع ولا صاعان قال جابر قد يكفى من كان خيرا منكم واكثر شعرا.

ابو جعفر سے روایت ہے کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس باہم غسل کے بارے میں جھگڑنے لگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا غسل جنابت کے لئے ایک صاع پانی کافی ہے اس پر ہم نے کہا کہ ایک صاع نہیں بلکہ دو صاع بھی کافی نہیں ہوگا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صاع پانی ان کے لئے کافی ہوتا تھا یعنی نبی کریم ﷺ کے لئے جو تم سے بہتر تھے اور جن کے بال تم سے زیادہ تھے۔

تشریح پہلی حدیث موسیٰ جہنی سے مروی ہے یہ قوی روایت ہے اس سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کے پیمانہ کو کہتے ہیں احناف اسی کے قائل ہیں اور یہ روایت قول حنفیہ کی تائید کرتی ہے صاع کی مقدار میں اماموں کا اختلاف ہے اور اس سے متعلق پوری بحث پیچھے "باب القدر الذی الخ" کے ماتحت گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

دوسری روایت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے ہے یہ ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن عوف رضاعی بیٹے ہیں حضرت ام کلثوم کے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابو سلمہ کی خالہ تھیں دوسرا شخص جو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تھا وہ کون تھا اس کے متعلق بخاری کی روایت میں "واخو عائشة" آیا ہے داودی نے کہا کہ وہ عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں مگر اس قول کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں غیر صحیح فرمایا ہے کیوں کہ امام مسلمؒ نے معاذ کے طریق سے اور امام نسائیؒ نے خالد بن حرث کے طریق سے اور ابو عوانہ نے یزید بن ہارون کے طریق سے ان سب نے شعبہ سے اسی حدیث میں "اخوها من الرضاعة" کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ہیں۔

بہرحال صحیح مسلم ونسائی اورابوعوانہ کی روایات سے ثابت ہوا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ہیں لہٰذا بخاری کی روایت میں مبہم طور پر واخو عائشۃ رضی اللہ عنہا کا جولفظ وارد ہوا ہے اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی مراد ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبداللہ بن یزید ہیں چنانچہ امام نوویؒ اور دوسرے بعض شارحین نے صحیح مسلم کے کتاب الجنائز کی ایک روایت جو بواسطہ ابوقلابہ عن عبداللہ بن یزید رضیع عائشہ عن عائشہ کی سند سے مروی ہے اس پر اعتماد کر کے کہا ہے کہ عبداللہ بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ہیں۔ مگر حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یقینی طور پر اس کا تعین نہیں ہوسکا کہ اس موقع پر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے جو شخص ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس سے عبداللہ بن یزید مراد ہے۔ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک اور رضاعی بھائی ہے جس کا نام کثیر بن عبید ہے اس نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایتِ حدیث کی ہے اور اس کی حدیث بخاری کی کتاب اَدب المفرد میں موجود ہے اور عبداللہ بن یزید بصری ہیں اور کثیر بن عبید کوفی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہو۔ (واللہ اعلم)

غرض کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں دریافت کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن منگایا جس میں ایک صاع کے برابر پانی تھا پھر غسل کیا اور سر پر تین مرتبہ پانی بہایا مگر غسل کے وقت ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا لیکن چونکہ یہ دونوں محرم تھے اس لئے سر کا حصہ پردے سے باہر تھا اور دونوں غسل کی ابتداء کہاں سے ہوئی اس کو دیکھ رہے تھے چنانچہ قاضی عیاضؒ نے لکھا کہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر اور اوپر کے جسم جس کی طرف دیکھنا محرم کے لئے جائز ہے اس حصے کے غسل کے عمل کو دیکھا ہے البتہ نیچے کا حصہ جس کا چھپانا محرم سے بھی فرض ہے وہ پردے میں تھا کیوں کہ اگر وہ دونوں اس موقع پر غسل کا مشاہدہ ہی نہ کر سکتے تو پھر ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غسل کرنے کا فائدہ ہی کچھ نہ ہوتا اور نہ وہ بدون مشاہدہ کے ''فافرغت علیٰ رأسها ثلاثاً'' روایت کرتے۔

بہرحال اس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ عملی تعلیم مستحب ہے ان دونوں کے دریافت کرنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا عمل کر کے دکھلایا اور سلف میں عملی تعلیم کا دستور جاری رہا ہے کیوں کہ وہ زیادہ واضح اور اطمینان بخش ہوتی ہے۔

باب کی تیسری حدیث میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل فرماتے تھے جس کو فرق کہا جاتا تھا اور فرق سولہ رطل کے پیمانہ کو کہتے ہیں چنانچہ ابوعبید نے اس پر اہل لغت کا اتفاق نقل کیا ہے فرق تین صاع کی مقدار اور سولہ رطل کے پیمانہ کو کہا جاتا ہے، فیض الباری میں ہے کہ فرق میں تین صاع سماتے ہیں اگر وہ برتن غسل کے وقت بھرا ہوا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوں کے حصہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ صاع آیا اور ہوسکتا ہے کہ بعض احوال میں اس قدر پانی سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا ہو اگرچہ اکثر احوال میں ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے اور اگر وہ برتن بھرا ہوا نہیں تھا تو ہر ایک کے حصہ میں

ایک ایک صاع آیا اس لئے کہ وہ فرق مقدار مذکور یعنی تین صاع کے برابر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی بھی اس میں اتنی مقدار کا ہو تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق ایک صاع پانی سے غسل فرمایا ہو۔

چوتھی روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مُد پانی سے وضو فرماتے تھے اور غسل پانچ مد پانی سے فرماتے تھے اس سے ماقبل کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ایک صاع کی مقدار پانی سے غسل فرماتے تھے ان روایات میں امام شافعیؒ وغیرہ نے یہ تطبیق دی ہے کہ دراصل غسل کے پانی کی مختلف مقداریں جو روایات میں بیان کی گئی ہیں ان کا تعلق مختلف حالات سے ہے جب غسل کے لئے زیادہ پانی لایا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے زیادہ پانی استعمال فرمایا اور جب کم تھا تو کم استعمال فرمایا تو آپ ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ غسل کے لئے جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کی مقدار میں کوئی حد مقرر نہیں ہے جس کا بجالانا ضروری ہو اور اگر شریعت کی جانب سے اس طرح کی کوئی حد مقرر کر دی جاتی تو امت کے لوگ مشقت میں پڑ جاتے۔

باب کی آخری حدیث میں آیا ہے کہ ابو جعفر یعنی امام باقر جو امام زین العابدین کے بیٹے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس غسل کے بارے میں بحث ومناظرہ کرنے لگے کسی نے کہا کہ غسل جنابت کے لئے اتنی مقدار پانی کی ضرورت ہے اور کسی نے کہا اتنی مقدار کافی ہے اس سے کم کافی نہیں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غسل جنابت کے لئے ایک صاع پانی کافی ہے اس پر مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا کہ میرے لئے ایک صاع بلکہ دو صاع بھی کافی نہیں اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سختی کے انداز میں فرمایا "قد یکفی من کان خیراً منکم الخ" کہ ایک صاع پانی نبی کریم ﷺ کے لئے کافی ہوتا تھا حالانکہ آپ کے سر مبارک پر بال بھی تم سے زیادہ تھے لیکن تم کو کافی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم پانی کے استعمال میں احتیاط سے کام نہیں لیتے ہو اگر کوئی شخص احتیاط سے غسل کرے تو ایک صاع پانی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف نبی کریم ﷺ کے افعال سے احتجاج کرتے تھے اور انہی کی تابعداری کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص بغیر علم کے بحث کرتا ہے اس کو سختی کے انداز میں جواب دینا جائز ہے جبکہ جواب دینے والا اظہار حق اور سامعین کو محتاط بنانے کا قصد کرے نیز اس روایت سے واضح ہوا کہ وضو اور غسل کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہے اس کے استعمال کی تو اجازت ہے مگر اسراف مکروہ ہے۔

باب ذکر الدلالة علیٰ انهٗ لا وقت فی ذالک

اس چیز کے بیان میں جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی کی مقدار میں کوئی تحدید نہیں

اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبدالله عن معمر عن الزهری ح واخبرنا اسحق بن ابراهیم قال حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر وابن جریج عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کنت اغتسل انا ورسول الله صلی الله علیه وسلم من اناء واحد وهو قدر الفرق.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم ﷺ دونوں ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور وہ برتن فرق جتنا تھا۔

تشریح اس ترجمہ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ غسل کے لئے جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کی مقدار میں کوئی تحدید نہیں ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پانی کا استعمال منع ہو اور اس کو مصنفؒ نے حضرت عائشہؓ کے قول "وھو قدر الفرق" سے نکالا ہے کیوں کہ ان کا یہ قول بلحاظ عرف اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ کلام تخمینی ہے یعنی اپنے اندازے سے کہی ہوئی بات ہے تحقیقی نہیں ہے اب اس برتن میں جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرق کے قریب قریب بتلا رہی ہیں جو پانی تھا وہ شاید ایک فرق سے کم ہو یا اس کے برابر ہو دونوں کا احتمال ہے معلوم ہوا کہ غسل کے لئے جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کی مقدار میں کوئی تحدید نہیں ہے اور اگر اس کے لئے کوئی مقدار مقرر ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس تخمینی کلام پر اکتفاء نہ فرماتیں بلکہ صاف طور پر اس کی حد بیان کر دیتیں کہ اس سے کمی یا زیادتی کی بالکل گنجائش نہ ہو۔ یا مصنفؒ نے ترجمہ کو اس سے نکالا ہے کہ پچھلے عنوان کے ذیل کی تیسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اکیلے ایک برتن سے جس کو فرق کہا جاتا ہے غسل فرماتے تھے اور اس باب کی روایت بتلا رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک برتن سے جو فرق جتنا تھا غسل فرمایا کرتے تھے۔

بہر حال امام نسائیؒ کا مقصد حاصل ہو گیا کہ غسل کے پانی کے لئے کوئی ایسی حد متعین نہیں ہے کہ اس سے کمی اور زیادتی کی گنجائش نہ ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم کذا قال علامہ السندھیؒ)

باب ذكر اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من اناء واحد

اس بیان میں کہ مرد اور بیوی کا ایک برتن سے غسل کرنا

اخبرنا سويد بن نصر قال انا عبدالله عن هشام ابن عروة ح واخبرنا قتيبة عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل وانا من اناءٍ واحد نغترف منه جميعاً.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ اور میں ایک برتن سے غسل کرتے تھے ہم دونوں برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالتے تھے۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلى قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة قال حدثني عبدالرحمن بن القاسم قال سمعت يحدث عن عائشة قالت كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من اناء واحد من الجنابة.

اخبرنا قتيبة بن سعيد انا عبيدة بن حميد عن منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت لقد رايتني انا زع رسول الله صلى الله عليه وسلم الاناء اغتسل انا وهو منه.

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی قال حدثنا سفیان قال حدثنی منصور عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت کنت اغتسل انا رسول الله صلی الله علیه وسلم من اناء واحد.

اخبرنا یحیی بن موسیٰ عن سفیان عن عمرو عن جابر بن زید عن ابن عباس قال اخبرتی خالتی میمونة انها کانت تغتسل ورسول الله صلی الله علیه وسلم من اناء واحد.

اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبدالله عن سعید بن یزید قال سمعت عبدالرحمن بن هرمز الاعرج یقول حدثنی ناعم مولی ام سلمة ان ام سلمة سئلت اتغتسل المرأة مع الرجل قالت نعم اذا کانت کیسةً رایتنی ورسول الله صلی الله علیه وسلم نغتسل من مرکنٍ واحدٍ نفیض علی ایدینا حتی ننقیها حتی نفیض علیها الماء قال الاعرج لا تذکر فرجا ولا تبالیه.

تشریح: اس عنوان کے ذیل کی روایات کی تشریح پیچھے ''باب فضل الجنب'' میں ملاحظہ ہو۔ باب کی آخری حدیث جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ناعم سے مروی ہے اس میں آیا ہے ''ان ام سلمة سئلت الخ'' کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا عورت مرد کے ساتھ غسل کر سکتی ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ہاں! کر سکتی ہے جبکہ عورت ہوشیار اور عقلمند ہو۔

بعض شارحین نے کہا کہ ان کی مراد یہ تھی کہ مرد کے ساتھ پانی استعمال کرنے میں ایک ہی برتن سے اچھی روش اختیار کرتی ہو تو شریعت ایسی عورت کو مرد کے ساتھ غسل کرنے سے منع نہیں کرتی ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ لفظ کیسہ کی تفسیر اپنے قول ''لا تذکر فرجاً ولا تبالیه'' سے اعرج نے کی ہے جس کو مصنفؒ نے اس حدیث کے آخر میں نقل کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ عورت غسل کے وقت نہ شرمگاہ کا تذکرہ کرتی ہو اور نہ بے وقوف عورتوں کی طرح کوئی احمقانہ فعل کرتی ہو تو ایسی عورت اپنے شوہر کے ساتھ غسل کر سکتی ہے۔

بہرحال ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کے ساتھ غسل کر سکتی ہے جبکہ وہ غسل کے وقت محتاط طریقہ اختیار کرے اور ان کا اپنا عمل بھی فتویٰ کے مطابق تھا چنانچہ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک لگن سے غسل کرتے تھے روایت کے الفاظ یہ ہیں ''نغتسل من مرکن واحد الخ''۔

باب ذکر النهی عن الاغتسال بفضل الجنب

اس بات کے بیان میں کہ جنبی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا منع ہے

اخبرنا قتیبة قال حدثنا ابو عوانة عن داؤد الاودی عن حمید بن عبدالرحمن قال لقیت رجلا صحب النبی صلی الله علیه وسلم کما صحبه ابوهریرة رضی اللہ عنہ اربع سنین قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یمتشط احدنا کل یوم او یبول فی مغتسله او یغتسل الرجل بفضل المرأة والمرأة بفضل

الزجل و لیغترفا جمیعا.

حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میری ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس نے نبی کریم ﷺ کی چار سال تک صحبت اٹھائی تھی جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اٹھائی اس شخص نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں روزانہ کنگھی کرنے سے اور غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے اور عورت کے بقیہ پانی سے مردکو اور مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کو غسل کرنے سے منع فرمایا اور چاہئے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ساتھ چلو بھر بھر کر برتن سے پانی لیں۔

تشریح : لقیت رجلاالخ :اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر حمید بن عبدالرحمٰن نے اس شخص کا نام نہیں لیا جس سے ملاقات کی تھی اور اس سے روایت کی ہے۔بعض شارحین نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ وہ حضرت عبداللہ بن سرجس یا حکم بن عمرو غفاری یا عبداللہ بن مغفل مزنی تھے۔

مصنف بذل المجہود نے فرمایا کہ اس حقیقت کے علم کے بعد کہ جس رجل کا نام چھوڑ دیا گیا ہے وہ بیشک صحابی تھے اور صحابی کی روایت جس کے راوی کا نام نہیں لیا گیا ہے اس کے معتبر ہونے میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں ہے کیوں کہ ضابطہ مسلمہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس روایت میں چند کاموں سے منع فرمایا ہے ایک تو ہر روز کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن مطلقاً کنگھی کرنے سے منع کرنا مقصد نہیں بلکہ اس میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ اگر کوئی کہے کہ امام ترمذی نے شمائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سر مبارک پر تیل بہت لگاتے اور اپنی ڈاڑھی کو کنگھی کرتے، جواب یہ ہے کہ کثرت کنگھی سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر روز کنگھی کرتے تھے بلکہ کثرت کبھی بحسب حاجت کنگھی کرنے پر بھی صادق آتی ہے۔

بہر حال کنگھی کرنا سنت ہے مگر اعتدال کی حد سے آگے نہ بڑھے اور یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ہر وضو کے بعد کنگھی کرتے ہیں اس کی کوئی اصل حدیث میں نہیں ہے۔

دوسرے غسل کرنے کی جگہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے، تیسرے مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے اور عورت کو مرد کے بقیہ پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا البتہ ''ولیغترفا جمیعاً'' فرما کر اس کی اجازت دی۔ کہ مرد اور عورت دونوں اکٹھے برتن سے چلو بھر کر پانی نکالیں اور اس طریقہ سے غسل کریں، تو دو صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی صورت ممانعت کی ہے جس کی طرف ''او یغتسل الرجل بفضل المرأة '' سے اشارہ فرمایا ہے اور دوسری صورت جواز کی ہے جس کو ''ولیغترفا جمیعاً'' سے بیان فرمایا ہے اور اس دوسری صورت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ پہلی صورت کے بارے میں روایات متعارض ہیں اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورت کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا غسل کرنا جائز نہیں ہے لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے غسل کا بچا ہوا پانی مرد استعمال کر سکتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات نے ایک لگن میں سے پانی لے کر غسل کیا پھر رسول اکرم ﷺ نے ان کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان بیوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں جنبی تھی

آپ نے فرمایا ''ان الماء لایجنب'' کہ پانی جنبی نہیں ہوتا ہے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے اور نسائی کی روایت میں ''ان الماء لا ینجسه شئی'' آیا ہے یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی سوائے ان چیزوں کے جن سے پانی کا ناپاک ہونا شریعت میں وارد ہے اور عورت کا غسل کرنا ان چیزوں میں داخل نہیں ہے لہٰذا جس برتن سے عورت نے وضو یا غسل کیا ہے اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرنا مرد کے لئے جائز ہے۔

بہرحال ان روایات سے حدیث باب کے برخلاف حکم ثابت ہو رہا ہے اس لئے تعارض پیدا ہو گیا اب دفع تعارض کا کیا طریقہ ہے علماء نے تطبیق کے لئے مختلف طریقے بیان کئے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ نہی کی روایت میں فضل سے مراد اعضاء سے گرنے والا پانی ہے جس کو ماء مستعمل کہا جاتا ہے اور استعمال کی اجازت کا تعلق اس پانی سے ہے جو برتن میں عورت کے غسل کے بعد باقی رہتا ہے۔ لیکن بعض محققین نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا یہ خلاف عقل سلیم ہے کیوں کہ مستعمل پانی کے استعمال کا دستور نہ تھا اس کی نفی چہ معنی دارد نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث مذکور مابقیہ فی الظرف کے متعلق نص ہے کہ وہ بعض ازواج مطہرات ؓ سمجھی تھیں کہ عورت کے فضل کے استعمال سے جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ بقیہ پانی کے متعلق تھی اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان الماء لا یجنب'' لہٰذا اس کو ماء مستعمل پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

بعضوں نے کہا کہ عورت عورت میں فرق کیا جائے کہ اجنبی عورت کے بقیہ پانی سے غسل نہ کیا جائے کیوں کہ جب مرد کو معلوم ہوگا کہ فلاں عورت نے اس برتن سے غسل یا وضو کیا ہے تو ممکن ہے شیطان وسوسہ اندازی کرے اور اس سے اس عورت کے متعلق نفسانی خیالات پیدا ہوں تو نفسانی وساوس سے بچانے کے لئے مرد کو منع کیا گیا ہے کہ اجنبی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے، لیکن یہ تاویل بھی غیر معقول ہے ''ولیغترفا جمیعا'' کے قول سے یہ تاویل غلط ثابت ہوگئی کیوں کہ یہ قول بتلا رہا ہے کہ ممانعت میاں بیوی کی تطہیر کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لئے سوائے میاں بیوی کے ایک ہی ساتھ اغتراف کا وجود ممکن نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حدیث باب میں نہی کا اجنبی عورت کے بچے ہوئے پانی سے کوئی تعلق نہیں ورنہ ''لیغترفا جمیعا'' کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے تطبیق دی ہے جو جمع بین الروایات کے سلسلہ میں سب سے بہتر ہے کہ بقرینۂ احادیث جواز، حدیث نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور کراہت تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ جمہور ائمہ اسی کے قائل ہیں کہ عورت کے وضو اور غسل کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہتا ہے اس سے وضو اور غسل کرنا مرد کا جائز ہے البتہ امام احمد اور داؤد ظاہریؒ اس خاص صورت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر عورت نے تنہائی میں وضو یا غسل کیا ہو اور مرد نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو تو اس کا بچا ہوا پانی مرد کے لئے ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

متاخرین علماء میں سے علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ احادیث نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے اور آپ نے مراد حدیث یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث میں حسن ادب اور حسن معاشرت کی تعلیم دی گئی تا کہ مرد اور عورت کے تعلقات خوشگوار رہیں اور ان کے تعلق میں بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے اسی لئے پہلی صورت سے منع فرمایا اور دوسری صورت

یعنی ایک ہی ساتھ اغتراف کی اجازت دی پہلی صورت میں دونوں کی طبیعت کا لحاظ رکھا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بطور عادت کے عورتیں میل کچیل کے ساتھ آلودہ رہتی ہیں پاکیزگی وصفائی کے بارے میں احتیاط بھی بہت کم کرتی ہیں اس لئے مردوں کو ان کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے ناگواری ہوتی ہے اسی طرح مردوں کے بارے میں عورتوں کا خیال یہی ہے گو ان کا خیال خلاف واقع ہے کہ رجال بھی اچھی طرح طہارت حاصل نہیں کرتے ہیں اس لئے عورتیں بھی مردوں کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے کراہت محسوس کرتی ہیں۔

بہرحال دونوں کی طبیعت کی رعایت کرتے ہوئے شارع علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ مرد کو عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے اور عورت کو مرد کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کردیا جائے تاکہ پانی وصفائی کے معاملہ میں ان کے دلوں میں کسی قسم کے وسوسے پیدا نہ ہوں، لیکن اجتماعی طور پر غسل کرنے کی صورت میں نہ کسی کو ناگواری ہوتی اور نہ وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ جو لوگ باہم ایک دوسرے کا جھوٹا استعمال کرنے کو ناپسند کرتے ہیں عام طور پر وہ ایک ساتھ پانی نکالنے کو برا نہیں محسوس کیا کرتے آپ دیکھتے نہیں کہ جو شخص آپ کا بچا ہوا کھانا پسند نہیں کرتا ہے وہ آپ کے ساتھ کھانا کھانے سے کراہت محسوس نہیں کرتا ہے کیوں کہ وہ اس کو اپنے حق میں جھوٹا کھانا نہیں سمجھتا ہے تو معلوم ہوا کہ کراہت وعدم کراہت میں اصل دخل جھوٹا ہونے کا ہے۔

غرض یہ کہ نہ مرد عورت کے لئے بچا ہوا پانی چھوڑے اور نہ عورت مرد کے لئے بچا ہوا پانی چھوڑے گویا جس طرح آپ برتن میں باقی ماندہ کھانا اور پانی اپنے دوست کو کھلانا پسند نہیں کرتے اسی طرح منشاء شریعت یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے جھوٹا پانی نہ چھوڑے بلکہ دونوں ایک ساتھ چلو بھر بھر کر برتن سے نکالیں۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ ممانعت کا حکم حسن معاشرۃ کو باقی رکھنے اور سد اوہام کے لئے ہے اس مصلحت کے پیش نظر منع کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ورنہ ویسے مباح اور اجازت ہے کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرسکتا ہے اور عورت بھی مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرسکتی ہے۔

باب الرخصة فی ذالک

باب اس بیان میں کہ جنبی کے بقیہ پانی سے غسل کرنے کی اجازت ہے

اخبرنا محمد بن بشار عن محمد قال حدثنا شعبة عن عاصم ح واخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبدالله عن عاصم عن معاذة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من اناء واحدٍ يبادرني واُبادره حتى يقول دعي لي واقول انا دع لي قال سويد يبادرني واُبادره فاقول دع لي دع لي.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی لینے میں مجھ سے جلدی کرتے تھے اور میں آپ سے پہلے لینے میں جلدی کرتی تھی یہاں تک کہ آپ فرماتے تھے

کہ میرے لئے چھوڑ دیجئے اور میں کہتی تھی کہ میرے لئے چھوڑ دیجئے (تاکہ میں بھی پانی لوں)۔

تشریح: مصنفؒ نے اوپر کے باب میں جنبی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کی ممانعت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے ذیل میں جو حدیث روایت کی ہے وہ ممانعت پر دلالت کرتی ہے اب اس کے بعد دوسرا باب قائم کر کے جواز کو بتلانا چاہتے ہیں اور اس کے ماتحت جو حدیث لائے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنبی کے بچے ہوئے پانی سے غسل کی اجازت ہے چنانچہ اس حدیث میں جس غسل کا بیان آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے پانی لینے میں جلدی کرتے تھے حدیث باب میں ''یبادرنی وابادرہٗ'' کے الفاظ آئے ہیں اگر سبقت حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بقیہ پانی فضل جنبی ہو گیا اور اگر پانی لینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہل کی تو بچا ہوا پانی حضور ﷺ کے حق میں فضل جنبی ہو گیا اب اگر ایک کا فضل یعنی بقیہ پانی دوسرے کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہوتا تو مبادرت کا قصد نہ فرماتے کیوں کہ اس سے پانی کو دوسرے کے حق میں خراب کرنا اور ناقابل استعمال بنا دینا لازم آتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مبادرت کا ذکر آتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے پانی لینے میں سبقت کرتے تھے تو آپ ﷺ کے اس عمل سے اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کا بقیہ پانی استعمال کر سکتے ہیں یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

باب ذکر الاغتسال فی القصعة التی یعجن فیها

جس پیالہ میں آٹا گوندھا گیا ہے اس سے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا عبدالرحمن قال ثنا ابراهیم بن نافع عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن ام هانئ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اغتسل هو ومیمونة من اناء واحدٍ فی قصعة فیها اثر العجین

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن سے غسل فرمایا اس برتن میں گوندھے ہوئے آٹے کا نشان تھا۔

تشریح: **فی قصعة**: لفظ فی من کے معنی میں ہے ای من قصعة اور یہ بدل واقع ہوا ہے من اناء سے قصعة لکڑی کے پیالہ کو کہتے ہیں جس میں دس آدمیوں کی خوراک آسکتی ہے اس میں گوندھے ہوئے آٹے کا نشان تھا کیوں کہ اس میں آٹا گوندھا جاتا تھا اور ضرورت کے وقت اس میں پانی بھر کر غسل بھی کرتے تھے دونوں کام لئے جاتے تھے تو روایت سے معلوم ہوا کہ تھوڑی سی چیز جو پاک ہو اگر وہ پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائے تو وہ پانی کو وصف طہوریت سے خارج نہیں کرتی ہے لہٰذا ایسے برتن کے پانی سے غسل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

باب ذکر ترک المرأة نقض ضفر رأسها عند اغتسالها من الجنابة

اس بات کے بیان میں کہ عورت کے سر کے گوندھے بال نہ کھولنا غسل جنابت کے وقت

اخبرنا سليمان بن منصور عن سفيان عن ايوب بن موسىٰ عن سعيد بن ابى سعيد عن عبدالله بن رافع عن ام سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت قلت يا رسول الله انى امرأة اشد ضفر رأسى افانقضها عند غسلها من الجنابة قال انما يكفيك ان تحثى علىٰ رأسك ثلث حثيات من ماء ثم تفيضين على جسدك.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک ایسی عورت ہوں کہ سر کو سخت گوندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے وقت اس کو کھولا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو صرف یہ کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپیں پانی کی ڈال لو پھر اپنے بدن پر پانی بہالو۔

تشریح: حدیث کی دلالت مقصود باب پر ظاہر ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر گوندھے ہوئے بالوں کا کھولنا غسل جنابت میں واجب نہیں بلکہ اس کو یہ کافی ہے کہ سر کے بالوں کو تر کرے اور ان کی جڑوں میں پانی پہنچاوے یہ حدیث اگر چہ اس بارے میں ساکت ہے کہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا شرط ہے یا نہیں لیکن صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ ''تصب علىٰ رأسها فتدلكها حتى تبلغ شئون رأسها '' سر کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانے کے وجوب پر دلالت کر رہے ہیں لفظ شئون کے معنی اصول کے ہیں۔

اس حدیث باب میں ثلاث کی جو قید آئی ہے وہ ایجاب کے لئے نہیں یہ بات احیاء السنن جلد اول سے معلوم ہوئی اس میں اس حدیث کی تشریح کے تحت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ قید ثلاث ایجاب پر محمول نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ سر پر پانی کی تین لپیں ڈالنے کو لازم قرار دیا جائے بلکہ مقصود اس سے بظاہر یہی ہے کہ سر کے بالوں کو تر کر لیا جاوے اور اگر یہ مقصود ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ڈالنے سے حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

باب ذکر الامر بذالک للحائض عند الاغتسال للاحرام

اس کے بیان میں کہ احرام کے واسطے غسل کے وقت حیض والی عورت کو گوندھے ہوئے بالوں کے کھولنے کا حکم دینا

اخبرنا يونس بن عبدالاعلى قال حدثنا اشهب عن مالک عن ابن شهاب وهشام بن عروة حدثاه عن عروة عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام حجة الوداع فاهللت بالعمرة فقدمت مكة وانا حائضٌ فلم اطف بالبيت ولابين الصفاء والمروة فشكوت ذالک الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انقضى رأسک وامتشطى واهلى بالحج ودعى العمرة ففعلت فلما قضينا

الحج ارسلني مع عبدالرحمن بن ابی بکر الی التنعیم فاعتمرت فقال هذه مکان عمرتک .قال ابو عبدالرحمن هذا حدیث غریب من حدیث مالک عن هشام بن عروة لم یروه احد الا اشهب.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے میں نے عمرہ کا احرام باندھا جب میں مکہ مکرمہ پہنچی تو مجھے حیض شروع ہوگیا اس لئے میں نہ بیت اللہ کا طواف کرسکی اور نہ صفا و مروہ کے درمیان میں نے اس کی شکایت رسول اکرم ﷺ سے کی آپ ﷺ نے فرمایا اپنے سر کے بال کھول دو اور کنگھی کرلو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر جب میں حج سے فارغ ہوگئی تو مجھ کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم تک بھیجا اور میں نے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا حضور ﷺ نے فرمایا یہ عمرہ تیرے فوت شدہ عمرہ کے قائم مقام ہے۔

تشریح: اس حدیث سے متعلق تفصیلی بحث ان شاءاللہ کتاب الحج میں آئے گی یہاں اتنی بات عرض کرنی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا ''انقضی رأسک وامتشطی '' کہ سر کے بال کھول دو اور کنگھی کرلو یہ الفاظ احرام حج کے غسل سے کنایہ ہیں جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں تصریح اس کی ہے اور مصنفؒ نے ترجمہ میں ''عند الاغتسال للاحرام '' کہہ کر بتلا دیا کہ ''انقضی رأسک وامتشطی '' کے الفاظ سے جس غسل کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس سے مراد احرام حج کا غسل ہے جو احرام باندھنے سے پہلے کرنا سنت ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت حیض میں غسل کرنے سے اگرچہ پاکی حاصل نہیں ہوتی لیکن اگر حیض والی عورت احرام کے لئے غسل کرے تو اس کا یہ عمل عندالشرع بے کار نہیں ہوگا کیوں کہ یہ غسل سنت احرام ہے وہ ادا ہو جائے گی۔

غرض جب عذر حیض کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ ادا نہیں کرسکیں اور اس کا وقت نکل گیا تو ان سے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عمرہ کا احرام توڑ دو اور حج کا احرام باندھ لو اور اس کے لئے حکم دیا کہ غسل کرلو سر کے بال کھول دو اور کنگھی کرلو۔

بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا تو یہ ترجمہ اور اس کے ماتحت کی حدیث اور پہلا ترجمہ اور اس کے ماتحت کی حدیث دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخفیفی حکم جو عورتوں کے معاملہ میں دیا گیا ہے یعنی غسل میں بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جانا کافی ہے بالوں کا کھولنا واجب نہیں یہ آسان حکم غسل جنابت میں ہے نہ کہ غسل حیض میں کیوں کہ جنابت کثیر الوقوع ہے اور حیض تو مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہے لہٰذا غسل حیض میں چوٹی کھولنی پڑے گی۔ بعض تابعین اور ایک روایت میں امام احمدؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں تو ممکن ہے مصنفؒ کا بھی یہی خیال ہو لیکن جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ غسل جنابت اور غسل حیض میں کوئی فرق نہیں بالوں کی جڑ میں پانی پہنچ جانا کافی ہے ان کے کھولنے کی ضرورت نہیں۔

''قال ابوعبدالرحمن هذا حدیث غریب الخ '' وجہ غرابت یہ ہے کہ راوی حدیث اشہب نے اس حدیث کو عن مالک عن ہشام بن عروہ کے طریق سے روایت کیا ہے حالانکہ مشہور و معروف صرف مالک عن ابن شہاب ہے۔

ذکر غسل الجنب یدیه قبل ان یدخلهما الاناء

اس بیان میں کہ جنبی شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھولے

اخبرنا احمد بن سلیمان قال حدثنا حسین عن زائدة قال حدثنا عطاء بن السائب قال حدثنی ابوسلمة بن عبدالرحمن قال حدثتنی عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا اغتسل من الجنابة وضع له الاناء فیصب علی یدیه قبل ان یدخلهما الاناء حتی اذا غسل یدیه ادخل یده الیمنی فی الاناء ثم صب بالیمنی وغسل فرجهٗ بالیسری حتی اذا فرغ صب بالیمنی علی الیسری فغسلهما ثم تمضمض واستنشق ثلاثاًثم یصب علی رأسه ملأ کفیه ثلاث مرات ثم یفیض علی جسدہٖ.

ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو آپ کے لئے پانی بھرا ہوا برتن رکھا جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالتے ان کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے اور جب دونوں ہاتھوں کو دھولیتے تو دائیں ہاتھ کو برتن میں داخل کرتے پھر دائیں ہاتھ سے پانی ڈالتے اور شرمگاہ کو بائیں ہاتھ سے دھوتے اور جب اس سے فارغ ہوجاتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور دونوں ہاتھوں کو دھولیتے پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھاتے تین مرتبہ پھر تین لپیں اپنے سر پر ڈالتے پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہادیتے۔

تشریح: اس روایت میں آیا ہے "فیصب علی یدیه الخ" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھولیتے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ ہاتھ دھونے کی کیا صورت تھی البتہ ابوداؤد کی روایت میں "فاکفأ الاناء" کا جملہ وارد ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ برتن کو جھکا کر پانی لیتے اور اس طریقہ سے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولیتے پھر اپنے دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈالتے پھر باقی اعمال میں اس ترتیب کی رعایت کرتے جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے لیکن اگر بدون دھوئے ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالدیئے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ بعض روایات میں آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے "تختلف ایدینا فیه" کہ ہمارے ہاتھ اس برتن میں آگے پیچھے پڑتے اس حدیث سے ادخال ید کا جواز ثابت ہوتا ہے اس لئے بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں ہاتھ داخل کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اس کی وجہ یہ ہے کہ جنبی کے ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست تو ہے نہیں جنابت کی وجہ سے اس کا بدن جو ناپاک ہوتا ہے وہ صرف حکمی ہے مگر سنت یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھولے تاکہ غسل کرنے والے کے دل میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔

باب ذکر عدد غسل الیدین قبل ادخالهما الاناء

باب اس بیان میں کہ دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے کتنی مرتبہ دھونا چاہیے

اخبرنا احمد بن سلیمان قال حدثنا یزید قال اخبرنا شعبة عن عطاء بن السائب عن ابی سلمة قال

سالت عائشة عن غسل رسول الله صلی الله علیه وسلم من الجنابة فقالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفرغ علی یدیه ثلثا ثم یغسل یدیه ثم یمضمض ویستنشق ثم یفرغ علی راسه ثلثا ثم یفیض علی سائر جسده.

تشریح: اس باب کے ذیل کی حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور حدیث کی دلالت باب پر واضح ہے کہ اس میں ''یفرغ علی یدیه ثلاثاً'' کی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے ان پر تین مرتبہ پانی ڈالتے اور ان کو دھو لیتے پھر اپنی شرمگاہ کو دھو لیتے پھر دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھاتے پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتے پھر پورے بدن پر پانی بہا دیتے۔

ازالة الجنب الاذیٰ عن جسده بعد غسل یدیه

جنبی اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونے کے بعد اپنے بدن سے نجاست کو دور کرے۔

اخبرنا محمود بن غیلان حدثنا النضر اخبرنا شعبة حدثنا عطاء بن السائب قال سمعت اباسلمة انه دخل علی عائشة فسالها عن غسل رسول الله صلی الله علیه وسلم من الجنابة فقالت کان النبی صلی الله علیه وسلم یؤتیٰ بالاناء فیصب علی یدیه ثلثا فیغسلهما ثم یصب بیمینه علی شماله فیغسل ما علی فخذیه ثم یغسل یدیه ویتمضمض ویستنشق ویصب علی رأسه ثلثا ثم یفیض علی سائر جسده.

تشریح: یہ حدیث بھی جو اس عنوان کے تحت لائے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے مضمون حدیث ظاہر ہے اس میں آیا ہے ''فیغسل ما علی فخذیه'' کہ مجامعت کے وقت منی کا دھبہ دونوں رانوں پر لگا ہو اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ سے دھوتے تاکہ بدن پر پانی ڈال دینے سے نجاست ادھر ادھر پھیل کر بدن کے باقی حصہ کو ملوث نہ کر دے بہر حال پانی داہنے ہاتھ سے ڈالا گیا اور نجاست کا ازالہ بائیں ہاتھ سے کیا یہی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ داہنے ہاتھ کی شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے نجاست کا ازالہ نہ کیا جائے۔

باب اعادة الجنب غسل یدیه بعد ازالة الاذیٰ عن جسده

باب اس بیان میں کہ جنبی اپنے بدن سے نجاست کو دور کرنے کے بعد دوبارہ ہاتھوں کو دھولے

اخبرنا اسحق بن ابراهیم قال اخبرنا عمر بن عبید عن عطاء بن السائب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن قال وصفت عائشة غسل النبی صلی الله علیه وسلم من الجنابة قالت کان یغسل یده ثلثا ثم یفیض بیده الیمنی علی الیسری فیغسل فرجه وما اصابه قال عمر ولا اعلمه الا قال یفیض بیده الیمنی علی الیسری ثلث مرات ثم یتمضمض ثلثا ویستنشق ثلثا ویغسل وجهه ویدیه ثلثا ثم یفیض علی راسه ثلثا ثم یصب علیه الماء.

تشــریح:اس باب کے تحت جو حدیث روایت کی ہے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے غسلِ جنابت کی کفیت بیان فرماتی ہیں مضمون حدیث ظاہر ہے اس میں آیا ہے ''قال عمرو لا اعلمه الا قال الخ ''ضمیر کا مرجع عطاء بن سائب ہے یعنی عمر بن عبید کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق عطاء بن السائب نے اس روایت میں یہ الفاظ فرمائے ہیں ''یفیض بیده الیمنی علی الیسریٰ ثلاث مرات ''اب اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ بظاہر ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ازالۂ نجاست کے بعد صرف بائیں ہاتھ کو دوسری مرتبہ دھوتے تھے دونوں کو نہیں دھوتے حالانکہ ترجمہ میں دونوں ہاتھوں کو دھونے کا ذکر کیا ہے تو گویا مصنفؒ نے ترجمہ میں لفظ یدیہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ روایات سابقہ کے قرینہ سے یہی مراد متعین ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ ازالہ نجاست کے بعد دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے۔

(و اللہ اعلم ،کذا قال علامة السندھیؒ)

ذکر وضوء الجنب قبل الغسل

غسل سے پہلے جنبی کے وضو کرنے کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشه رضی اللہ عنہا ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا اغتسل من الجنابة بدأ فغسل یدیه ثم توضأ کما یتوضأ للصلوٰة ثم یدخل اصابعهٗ الماء فیخلل بها اصول شعره ثم یصب علیٰ رأسهٖ ثلاث غرف ثم یفیض الماء علیٰ جسدهٖ کلّهٖ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ جنابت کا غسل فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھو لیتے پھر وضو فرماتے جس طرح نماز کے لئے وضو فرماتے تھے پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کرتے پھر ان انگلیوں سے اپنے سر کے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر تین چلو اپنے سر مبارک پر ڈالتے پھر پورے بدن پر پانی ڈالتے تھے۔

تشریح:**ثم توضأ کما یتوضأ للصلوٰة**:بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل جنابت سے پہلے جو وضو سنت ہے اس کو نبی کریم ﷺ نماز کے وضو کی طرح مکمل فرماتے یعنی دونوں پاؤں کو غسل سے پہلے دھوتے تھے حالانکہ دوسری روایت میں اس کے خلاف آیا ہے کہ آپ غسل سے فارغ ہونے کے بعد غسل کی جگہ سے ہٹ کر دونوں پاؤں دھوتے تھے تو دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے دونوں عمل منقول ہیں کبھی دونوں پاؤں وضو کے ساتھ باقی بدن کے غسل سے پہلے دھوئے اور کبھی غسل سے فارغ ہونے کے بعد جگہ بدل کر دھوئے ،یا یہ تاویل کی جائے گی کہ پہلے ازالۂ حدث کے لئے دونوں پاؤں دھوتے تھے پھر غسل کے بعد دوسری مرتبہ نظافت اور مٹی کو زائل کرنے کے لئے دھوتے تھے یہ تاویل بعض علماء نے کی ہے۔

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرنے کا ہے حدیث میں ''فیخلل بها اصول شعره '' کے الفاظ آئے ہیں امام نوویؒ نے کہا کہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بال

نرم اور تر ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد سر پر پانی ڈالدینے سے تمام بالوں اور ظاہری جلد تک پانی بآسانی پہونچ جاتا ہے لیکن یہ یعنی سر کے بالوں کا خلال کرنا باتفاق ائمہ واجب نہیں ہے البتہ اگر بال کسی چیز سے جمائے ہوئے ہوں جو پانی کو جڑوں تک پہونچنے سے روکتی ہے تو اس خاص صورت میں تخلیل شعر یعنی انگلیوں سے بالوں کا خلال کرنا غسل میں ضروری ہے۔

باب تخلیل الجنب رأسه

جنبی شخص کا اپنے سر کے بالوں میں خلال کرنا

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی قال حدثنا هشام بن عروة قال حدثنی ابی قال حدثتنی عائشة رضی الله عنهاعن غسل النبی صلی الله علیه وسلم من الجنابة انه کان یغسل یدیه ویتوضأ ویخلل رأسهٔ حتی یصل الی شعره ثم یفرغ علی سائر جسده.

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائی تک دھوتے تھے پھر وضوفرماتے تھے اور سر کے بالوں میں خلال فرماتے تا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہونچ جائے پھر باقی بدن پر پانی ڈالتے تھے۔

اخبرنا محمد بن عبدالله بن یزید قال حدثنا سفیان عن هشام ابن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یشرب رأسهٔ ثم یحثی علیه ثلاثًا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں کو پانی پلاتے تھے یعنی ان کو پانی سے تر کرتے تھے پھر سر پر تین لپیں ڈالتے تھے۔

تشریح: ویتوضأ ویخلل رأسه الخ: غسل جنابت سے پہلے وضو کرنے کا وہی طریقہ ہے جو نماز کے لئے وضو کرنے کا ہے جیسا کہ یہ بات پچھلے عنوان کے ماتحت کی روایت سے معلوم ہو چکی ہے اور پورا بیان وہاں ہو چکا ہے اور سر کے بالوں کی جڑوں میں خلال کرنے کی تفصیل بھی وہاں گذر چکی ہے بالوں میں خلال کرنے کے بعد تین چلو پانی سر مبارک پر ڈالتے جیسا کہ ماقبل کی روایت میں اس کا ذکر آیا ہے پھر پورے بدن پر پانی ڈالتے تھے لیکن اس کی کیفیت کا بیان اس روایت میں نہیں ہے مگر دوسری روایت میں آیا ہے کہ جسم کے داہنی جانب پر تین مرتبہ اور بائیں جانب پر تین مرتبہ پانی ڈالتے تھے۔

باب کی دوسری روایت ہے ''کان یشرب رأسه'' لفظ یشرب ماخوذ ہے تشریب سے یا اشراب سے جس کے معنی پانی پلانے کے ہیں تو حاصل اس جملہ کا وہی تخلیل شعر ہے جس کا ذکر اوپر کی روایت میں ہے یعنی پانی میں انگلیاں ڈال کر تھوڑا پانی لیتے اور اس کو بالوں کی جڑوں میں پہونچاتے پھر خلال فرماتے انگلیوں سے تا کہ بال نرم اور تر ہو جائیں پھر سر پر تین چلو پانی ڈالتے تھے۔

باب ذکر مایکفی الجنب من افاضة الماء علی رأسه

پانی کی اس مقدار کے بیان میں جو جنبی شخص کے اپنے سر پر ڈالدینے سے کافی ہوجاتی ہے

اخبرنا قتیبة قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحق عن سلیمان بن صرد عن جبیر بن مطعم قال تماروافی الغسل عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعض القوم انی لأ غسل کذا وکذا فقال رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم اما انا فافیض الماء علی رأسی ثلاث اکف.

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ غسل کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بحث کرنے لگے ان میں سے کسی نے کہا میں تو ایسا ایسا غسل کرتا ہوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرا عمل سن لو میں تو تین لپ پانی سر پر ڈالدیتا ہوں۔

تشریح :اس روایت سے معلوم ہوا کہ علم دین اور مسئلہ شرعی کی تحقیق کے بارے میں مباحثہ ومناظرہ جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل کے سامنے مفضولین کا مناظرہ جائز ہے۔

بہرحال کسی نے کہا کہ غسل کا طریقہ ایسا ہے کسی اور نے کہا ایسا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا عمل تو یہ ہے کہ میں تین چلو پانی لیتا ہوں اور سر پر بہادیتا ہوں چنانچہ حدیث باب میں'' ثلاث اکف '' آیا ہے لفظ اکف جمع ہے کف کی جس کے معنی یہ ہیں کہ پانی ہر مرتبہ دونوں ہاتھوں سے لے کر تین بار سر پر ڈالا جیسا کہ دوسری روایات اس پر دال ہیں غرض تین مرتبہ سر پر پانی ڈالنا جنبی کے کافی ہے جبکہ محتاط طریقہ سے ڈالے بدون ضرورت کے زیادہ پانی کا استعمال اسراف میں داخل ہے۔

باب ذکر العمل فی الغسل من الحیض

اس عمل کے بیان میں جو غسل حیض کے بعد کیا جاتا ہے

اخبرنا عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن قال حدثنا سفیان عن منصور وھو ابن صفیة عن امه عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان امرأة سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن غسلھا من المحیض فاخبرھا کیف تغتسل ثم قال خذی فرصة من مسک فتطھری بھا قالت وکیف اتطھربھا فاستتر کذا ثم قال سبحان اللہ تطھری بھا قالت عائشة رضی اللہ عنہا فجذبت المرأة وقلت تتبعین بھا اثر الدم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غسل حیض کے بارے میں سوال کیا آپ نے اس کو کس طرح غسل کریگی اس کا طریقہ بتلادیا پھر فرمایا کہ کوئی روئی وغیرہ کا ٹکڑا لیکر اس پر مشک لگالو پھر اس سے پاکی حاصل کرو اس عورت نے کہا کہ میں کس طرح پاکی حاصل کروں اس کی یہ بات سن کر آپ نے چہرے پر کپڑا ڈال لیا پھر فرمایا سبحان اللہ اس مشک آلودہ ٹکڑے سے پاکی حاصل کرو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ خون کے دھبے کو تلاش کرکے ان پر اس کو رگڑ لیا کرو۔

تشریح : ان امرأۃ سالت الخ :یہ عورت جس نے غسل حیض کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تھا اس کا نام اسماء بنت شکل ہے مگر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الاسماء المبھمۃ میں اور دوسرے علماء نے اس کا نام اسماء بنت یزید بن سکن بتایا ہے جس کو خطیبۃ النساء کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس نے سوال غسل حیض کی کیفیت کا کیا تھا نبی کریم ﷺ نے جواب میں اس کی کیفیت بیان فرمادی کیا کیفیت بتلائی اس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے اس میں ہے ''**فقال تاخذ احداکن ماء ھا وسدر تھا فتطھر الخ**'' کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر عورت غسل کے لئے پانی اور بیری کے پتے لیا کرے یعنی بیری کے پتوں کو مزید صفائی کے لئے ملا کر جوش دے اور اس سے پاکی حاصل کرے اور اچھی طرح پاکی حاصل کرے پھر سر پر پانی ڈالے اور اس کو خوب اچھی طرح ملے یہاں تک کہ سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے پھر سر کے بالوں پر پانی ڈالے اس کے بعد فرمایا ''**ثم تاخذ فرصۃ ممسکۃ فتطھر بھا الیٰ آخر الحدیث**'' پھر روئی کا کوئی ٹکڑا لیوے جو مشک سے بسایا گیا ہو اور اس سے پاک ہو جائے۔ نسائی کی روایت میں ''**خذی فرصۃ من مسک**'' کے الفاظ ہیں لفظ فرصۃ فاء کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں روئی یا اون کا ٹکڑا، یا اون والے چمڑے کا ٹکڑا۔ ابو عبید وغیرہ نے یہ معنی لکھے ہیں اور لفظ مسک کو بعض علماء نے میم کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی چمڑہ کے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کوئی چمڑے کا ٹکڑا لے جس پر اون ہو اور اس سے جسم کے مخصوص حصہ پر رگڑے ان علماء نے یہ قول اس لئے کیا ہے کہ اس زمانہ میں عورتیں تنگی اور غربت کی حالت میں تھیں تو اسی حالت میں مشک جیسی گراں قیمت والی چیز کو خرید کر استعمال کرنا ہر مہینہ ہر عورت کے لئے ممکن نہ تھا اس لئے یہ لفظ مسک میم کے کسرہ کے ساتھ نہیں بلکہ فتحہ میم کے ساتھ مسک ہے جس کے معنی چمڑہ کے ہیں اور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ چمڑے کا کوئی ٹکڑا لے جس پر اون ہو اور اس سے خون کے ان دھبوں کا ازالہ کرے جو جسم پر ظاہر ہو گئے ہیں مگر امام نوویؒ نے بکسر المیم کو ترجیح دی ہے جس کے معنی مشک کے ہیں اور ارشاد مذکور ''**خذی فرصۃ الخ**'' سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جہاں جہاں خون کے نشانات لگے ہوئے ہیں ان پر مشک آلودہ روئی یا اون کا ٹکڑا رگڑ دے جس کا مقصد بدبو کو دور کرنا اور خوشبودار بنانا ہے۔ ابن قتیبہ نے جو مشک کے استعمال کو مستبعد سمجھا ہے وہ ناقابل اعتبار ہے اس لئے کہ سب کو معلوم ہے کہ اہل حجاز کثرت سے خوشبو کا استعمال کرتے تھے اور یہ کہنا کہ مشک گراں قیمت چیز ہے ہر عورت کے لئے اس کا استعمال ممکن نہیں ہے نامعقول بات ہے اس لئے کہ ہر عورت کے لئے غسل حیض کے بعد اس کا استعمال کرنا لازمی قرار نہیں دیا گیا بلکہ جو عورت اس کے استعمال کرنے پر قادر ہو اس کو اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ غسل حیض کے بعد جہاں جہاں خون کے دھبے لگے ہوئے ہیں بدن کے ان مواضع پر مشک استعمال کرے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ امام نووی وغیرہ کے قول مذکور کی تائید ''**من ذریرۃ**'' کے لفظ سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق کی روایت میں آیا ہے ذریرہ ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے نیز صحیح مسلم کی روایت میں فرصۃ ممسکۃ کا لفظ آیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ مسک میم کے کسرہ کے ساتھ ہے اس لئے کہ ممسکۃ روئی یا اون وغیرہ کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو مشک سے

خوشبودار کیا گیا ہو۔

غرض جب حضوراکرم ﷺ نے اس عورت سے یہ بات فرمائی ''خذی فرصة من مسک فتطهری بها'' کہ روئی یا اون وغیرہ کا ٹکڑا لے کر اس پر مشک لگالو پھر اس سے طہارت حاصل کرو لیکن یہ بات اس عورت کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے اس نے پوچھا ''کیف اتطهر بها'' کہ اس سے پاکی کیسے حاصل کروں۔غرض سمجھا دینے کے باوجود جب اس عورت کی سمجھ نے کام نہیں دیا تو پھر دوبارہ اس نے مامور بہ کی کیفیت کے بارے میں حضوراکرم ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے بوجہ حیاء کے چہرہ پر کپڑا ڈال لیا چنانچہ روایت میں ''فاستتر کذا'' آیا ہے پھر آپ نے بطریق تعجب فرمایا کہ سبحان اللہ اتنی بات بھی نہیں سمجھی حالانکہ عورتیں اپنے معاملات کو اچھی طرح سمجھتی ہیں یہ تو بالکل ظاہر بات ہے جس کے سمجھنے کے لئے غور وخوض یا صریح طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں بات صرف اتنی ہے کہ روئی وغیرہ کا کوئی ٹکڑا لیکر جس کو مشک سے خوشبودار کیا گیا ہو اس سے صفائی حاصل کرو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی مراد سمجھ گئیں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ خون کے نشانات تلاش کرو اور ان پر مشک آلودہ روئی وغیرہ کے ٹکڑے کو رگڑ دو۔

امام نوویؒ نے کہا کہ ''تتبعین بها اثر الدم'' کے ارشاد میں اثر الدم سے مراد علماء کے نزدیک شرمگاہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس مخصوص جگہ پر مشک استعمال کرو مگر محاملی نے کہا کہ مخصوص عضو کے علاوہ بھی جسم کے جتنے حصوں پر خون پہنچا ہے ان پر مشک کا استعمال کرنا غسل حیض کے بعد عورت کے لئے مستحب ہے اور ظاہر حدیث ان کے لئے حجت ہے حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اسماعیلی کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے ان کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''فلما رأيتهٔ يستحيى علمتها وقلت تبتغى بها مواضع الدم'' اور دارمی کی روایت میں اتنی عبارت زیادہ ہے ''وهو يسمع فلاينكر'' یعنی نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات سن رہے تھے پھر آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا بہرحال اسماعیلی وغیرہ کی روایت سے محاملی کے قول کو تائید وتقویت مل رہی ہے اس لئے وہی راجح ہے۔

بعض علماء نے اس کی حکمت یعنی محل دم پر مشک لگانے کی یہ بیان کی ہے کہ اس سے حمل جلدی ٹھہر جاتا ہے لیکن امام نوویؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس لئے کہ اگر اس کا یہی فائدہ ہو تو پھر اس کا استعمال خاوند والی عورت کے ساتھ خاص ہو جائے گا حالانکہ اطلاق احادیث اس قول مذکور کو رد کر رہا ہے بلکہ فائدہ اس کا بدبو کو دور کرنا ہے اور جسم کی کھال پر تروتازگی اور شادابی لانا ہے۔

باب ترک الوضوء من بعد الغسل

باب غسل کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان

اخبرنا احمد بن عثمان ابن حكيم قال حدثنا ابى قال حدثنا الحسن وهو ابن صالح عن ابى اسحق ح واخبرنا عمرو بن على قال حدثنا عبدالرحمن قال حدثنا شريك عن ابى اسحق عن الاسود عن

عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتوضأ بعد الغسل.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔

تشریح : لایتوضأ بعد الغسل : علامہ سندھیؒ نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد دوبارہ وضو نہیں فرماتے تھے بلکہ جو وضو غسل سے پہلے کرتے تھے اس پر اکتفاء فرماتے یا غسل کے ضمن میں چونکہ وضو کی بھی ادائیگی ہو جاتی ہے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے بدون وضو جدید کے نماز پڑھ لیتے تھے۔

(واللہ اعلم)

امام نوویؒ نے کہا کہ غسل میں دو وضو مستحب نہیں ہیں یعنی ایک وضو تو وہ ہے جو غسل سے پہلے کیا جاتا ہے اور دوسرا غسل سے فارغ ہونے کے بعد کرنا امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس پر تمام اماموں کا اتفاق ہے۔

ابن عابدینؒ نے علامہ نوح آفندیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد غسل دوبارہ وضو کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ چنانچہ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من توضأ بعد الغسل فلیس منا" غرض غسل سے فارغ ہونے تک اگر حدث لاحق نہ ہو تو غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے بلاضرورت بعد غسل دوبارہ وضو کرنے کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔

باب غسل الرجلین فی غیر المکان الذی یغتسل فیہ

اس بیان میں کہ جس جگہ غسل کرتے تھے اس جگہ سے ہٹ کر پیروں کا دھونا

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا عیسٰی عن الاعمش عن سالم عن کریب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال حدثتنی خالتی میمونة رضی اللہ عنہا قالت ادنیت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلہ من الجنابة فغسل کفیہ مرتین اوثلاثا ثم ادخل یمینہ فی الاناء فافرغ بہا علٰی فرجہ ثم غسلہ بشمالہ ثم ضرب بشمالہ الارض فدلکہا دلکا شدیداً ثم توضأ وضوءہ للصلوٰة ثم افرغ علٰی رأسہٖ ثلاث حثیات ملٔ کفہٖ ثم غسل سائر جسدہ ثم تنحّیٰ عن مقامہٖ فغسل رجلیہ قالت اتیتہٗ بالمندیل فردہٗ.

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے غسل جنابت کا پانی لا کر آپ کے پاس رکھا آپ نے دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھویا پھر داہنے ہاتھ کو برتن میں داخل کیا اور اس سے اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا پھر بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا پھر بایاں ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو مٹی سے ملا پھر وضو فرمایا مثل وضو کرنے نماز کے پھر دونوں ہاتھوں میں پانی لیکر تین لپ پانی سر پر ڈالا پھر اپنے تمام بدن کو دھویا پھر غسل کی جگہ سے ہٹ گئے اور دونوں پاؤں دھوئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر میں ایک رومال لائی (تاکہ اس سے بدن پونچھ لیں) آپ نے اس کو رد فرمادیا یعنی استعمال نہیں کیا۔

تشریح :حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا غسل جنابت کی کیفیت بیان کرتی ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے نزدیک غسل کا پانی رکھا لفظ غسل ضمۂ غین کے ساتھ ہے اس پانی کو کہا جاتا ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے اس لئے تقدیر مضاف کی کوئی حاجت نہیں پہلے آپ نے دونوں ہاتھ کو کلائی تک دھویا اور اس لئے دھوتے تھے کہ وہ آلۂ تطہیر ہے لیکن یہ دھونا دونوں ہاتھوں کا ضروری نہیں بلکہ بقرینۂ تعلیل مستحب ہے کیوں کہ دوسری روایت میں منع کی علت یہ بیان فرمائی ہے ''لان احدکم لایدری این باتت یدہٗ'' تو اس علت کے بیان سے واضح ہوگیا کہ دونوں ہاتھوں کا دھونا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

دونوں ہاتھوں کے دھونے کے بعد دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈال کر اس سے شرمگاہ پر پانی ڈالا پھر اس کو بائیں ہاتھ سے دھویا پھر بائیں ہاتھ کو زمین پر مارا اور اس کو خوب اچھی طرح مٹی سے ملامٹی سے مل کر بائیں ہاتھ کو اس لئے دھویا تاکہ خوب صاف ستھرا ہو جائے اور حدیث کے الفاظ ''فدلکھا دلکاً شدیداً'' سے اشارہ ملتا ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ ہاتھ دھونے میں اس قدر مبالغہ نہ فرماتے اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرمگاہ کو دھونے کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی یا صابون وغیرہ سے صاف کرے تاکہ گندگی اور بدبو باقی نہ رہے اور یہ عمل بھی مستحب ہے اس کے بعد وضو کیا جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے تھے پھر سر پر دونوں ہاتھ سے تین چلو پانی ڈالا پھر تمام بدن کو دھویا پھر غسل کی جگہ سے ہٹ کر دونوں پاؤں دھوئے اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد جگہ بدل کر دونوں پاؤں دھوئے۔

فقہاء کرام نے اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ اگر تخت یا پتھر وغیرہ پر غسل نہ کیا جارہا ہو بلکہ جہاں غسل کیا جارہا ہے وہاں استعمال شدہ پانی جمع ہوتا ہے تو ایسی صورت میں پاؤں بعد میں دھولئے جائیں اور جب نبی کریم ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے رومال پیش کیا آپ نے اس کو رد فرمادیا یعنی اس سے بدن خشک نہیں کیا اس کی مختلف وجوہ ہوسکتی ہیں کہ یا تو رومال سے بدن کا نہ پونچھنا افضل ہے اس لئے آپ ﷺ نے استعمال نہیں کیا، یا آپ ﷺ جلدی نماز کے لئے تشریف لے جانا چاہتے تھے، یا موسم گرمی کا تھا اور گرمی کے موسم میں حصول برودت کے لئے رومال سے بدن خشک نہیں کیا، یا چونکہ وضو اور غسل عبادت کا مقدمہ ہے اس لئے مقدمہ عبادت کا اثر باقی رکھنے کے لئے رومال کا استعمال مناسب نہیں سمجھا، یا رومال میلا تھا اس لئے استعمال نہیں کیا ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ رومال اس اندیشہ سے واپس کردیا تاکہ لوگ اس کے استعمال کی عادت نہ بنالیں۔

غرض اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث ترک تنشیف کی سنیت یا فعل تنشیف کی کراہت پر دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ اور تیمی نے کہا کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ غسل کے بعد جسم پونچھ لیتے تھے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے لئے رومال پیش نہ کرتی اس لئے غسل کے بعد تولیہ اور رومال کے استعمال وعدم استعمال کے بارے میں محققین علماء کی یہ بات بالکل صاف اور بے تکلف ہے کہ حضور ﷺ نے رومال استعمال فرما کر جواز کو بیان کردیا اور رد فرما کر اس کا استعمال ضروری نہ ہونے پر تنبیہ فرمائی۔ (واللہ اعلم)

باب ترک المندیل بعد الغسل

غسل کے بعد رومال استعمال نہ کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن یحیی بن ایوب بن ابراھیم قال حدثنا عبداللہ بن ادریس عن الاعمش عن سالم عن کریب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغتسل فأتی بمندیل فلم یمسّہٗ وجعل یقول بالماء ھکذا.

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا پھر آپ کے لئے رومال لایا گیا آپ نے اس کو چھویا تک نہیں اور دونوں ہاتھوں سے پانی کو بدن سے پونچھنے لگے۔

تشریح: غسل کے بعد مندیل یعنی تولیہ سے بدن نہ پونچھنے کا مسئلہ اگر چہ باب سابق سے بھی معلوم ہو چکا ہے لیکن بالتبع اب مصنف ؒ مستقل باب قائم کر کے اس کے ذیل میں ابن عباسؓ کی روایت پیش کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر پیغمبر علیہ السلام نے غسل کے بعد تولیہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ بدن کو دونوں ہاتھوں سے پونچھ لیا'' وجعل یقول بالماء '' بمعنی یمسح عن البدن کے ہے۔ عرب کے نزدیک لفظ قول کے لئے بڑی وسعت ہے اور غیر کلام پر بھی بولتے ہیں چنانچہ قال بیدہٖ کہیں گے جبکہ ہاتھ سے پکڑا اور قال برجلہ کہیں گے جبکہ پاؤں سے چلا وغیر ذالک۔

غرض قول کے ذریعہ ہر فعل کی تعبیر کرنا درست ہے اور یقول یہاں یمسح یا ینفض کے معنی میں ہے۔ اس حدیث سے غسل کے بعد تولیہ کے استعمال کی کراہت پر استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ بعض روایات میں ثبوت استعمال کا ذکر ہے چنانچہ حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے آپ کے لئے غسل کا پانی رکھا آپ نے غسل فرمایا پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا دیا جو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا تھا آپ نے اس کو بدن پر لپیٹ لیا ظاہر بات ہے کہ بدن پر لپیٹنے سے پانی کپڑے کے اندر جذب ہو جاتا ہے، نیز حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وضو کرنے کے بعد اپنے چہرے کو کپڑے کے کنارے سے پونچھ لیا۔ (رواہ الترمذی) تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ غسل یا وضو کے بعد رومال وغیرہ کا استعمال مکروہ نہیں۔

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ اس وقت طبیعت نہیں چاہی اس لئے استعمال نہیں کیا۔ اور اس کی مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں جن کی تفصیل باب سابق کی حدیث کے تحت ہو چکی ہے اور بقول بعض محققین صاف اور بے تکلف بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے بعد بیان جواز کے لئے مندیل کا استعمال کیا ہے اور ردفرما کر استعمال مندیل ضروری نہ ہونے پر تنبیہ فرمائی ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

امام مالکؒ اور ثوریؒ وغیرہ نے حضرت قیس بن سعد وغیرہ کی حدیث مذکور کی بناء پر تولیہ یا رومال کے استعمال کو غسل کے بعد جائز فرمایا ہے اور احناف بھی جواز کے قائل ہیں۔

باب وضوء الجنب اذا اراد ان یأکل

باب وضوکرنا جنبی کا جبکہ وہ کھانے کا ارادہ کرے

اخبرنا حمید بن مسعدة عن سفیان بن حبیب عن شعبة ح واخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی وعبدالرحمن عن شعبة عن الحکم عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یأکل اوینام وھو جنب توضأ. زاد عمرو فی حدیثہ وضوءہ للصلوٰة.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں جب کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضوفرمالیتے۔عمرو بن علی کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ نماز کے وضو کی طرح وضوفرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے اجازت معلوم ہوگئی کہ جنبی بغیر غسل کے کھا سکتا ہے اور سوسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ جنابت کی حالت میں سونے اور کھانے سے پہلے وضوءشرعی کا عمل نقل کیا ہے کہ جنبی کھانے اور سونے سے پہلے وضو کرے۔اور جمہور کے نزدیک یہ وضو واجب نہیں مستحب ہے۔کیوں کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کوروایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا جنابت کی حالت میں ہم میں سے کسی کے لئے بغیر غسل اور وضواور تیمم کے سونا جائز ہے یانہیں آپ نے فرمایا''نعم ویتوضأ ان شاء ''ہاں اور وضوکرلے اگر چاہے،تو اس سے معلوم ہوا کہ وضو جنبی پر جبکہ وہ سونا چاہے واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

باب اقتصار الجنب علی غسل یدیہ اذا اراد ان یأکل

باب کفایت کرنا جنبی کا دونوں ہاتھوں کے دھونے پر جب وہ کھانے کا ارادہ کرے

اخبرنا محمد بن عبید بن محمد قال نا عبداللہ بن المبارک عن یونس عن الزھری عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینام وھو جنب توضأ واذا اراد ان یأکل غسل یدیہ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو وضو فرمالیتے اور جب کھانے کا ارادہ کرتے (جنابت کی حالت میں) تو دونوں ہاتھ دھولیتے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی محمد بن عبید ثقہ ہیں باقی رجال اسناد ائمہ ہیں،اس حدیث سے سونے اور کھانے کی حالت کے درمیان فرق معلوم ہوا اور اس سے پہلے باب کے ماتحت کی حدیث میں کھانے اور سونے کا ایک ہی حکم بیان کیا گیا ہے تو دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جائیگی کہ دونوں کو مختلف احوال واوقات پر محمول کیا جائے گا کہ بعض اوقات میں بیان جواز کے لئے صرف دونوں ہاتھوں کے دھولینے پر کفایت فرماتے اور بعض احوال میں کھانے سے پہلے نماز کے وضو کی طرح وضو فرمالیتے۔

باب اقتصار الجنب علی غسل یدیه اذا ارادان یأکل اویشرب

جنبی جب کھانے یا پینے کا ارادہ کرے تو دونوں ہاتھوں کے دھونے پر کفایت کرنے کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبداللہ عن یونس عن الزھری عن ابی سلمة ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا اراد ان ینام وھو جنب توضأ واذا ارادان یأکل اویشرب قالت غسل یدیه ثم یأکل اویشرب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے تو وضوفرمالیتے اور جب کھانے کا ارادہ کرتے تو ہاتھوں کو دھولیتے پھر کھاتے یا پیتے۔

تشریح: سوائے سوید بن نصر کے باقی رجال اسناد وہی ہیں جو اوپر کی حدیث باب کے ہیں اور چونکہ مصنف کے استاد سوید بن نصر کی روایت میں ایک لفظ اویشرب کا زیادہ وارد ہوا ہے اس لئے ترجمہ میں یأکل کے ساتھ اویشرب کا لفظ بڑھادیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث میں جس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے غسل یدین کے ساتھ کلی کرنے کا بھی ذکر آیا ہے یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں کھانے کا ادارہ فرماتے تو دونوں ہاتھ دھولیتے اور کلی فرماتے اور پھر کھانا کھاتے۔ دارقطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بہرحال شارع علیہ السلام کے اس عمل نے امت کے لئے بڑی سہولت پیدا کردی۔

باب وضوء الجنب اذا أراد ان ینام

باب جنبی کے وضو کرنے کا جب وہ سونے کا ارادہ کرے

اخبرنا قتیبة بن سعید قال نا اللیث عن ابن شھاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان اذا اراد ان ینام وھو جنب توضأ وضوءہ للصلوٰة قبل ان ینام.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو سونے سے پہلے مثل نماز کے وضو کے وضوفرمالیتے۔

اخبرنا عبیداللہ بن سعید قال حدثنا یحیی عن عبیداللہ قال اخبرنی نافع عن عبداللہ بن عمر ان عمر قال یا رسول اللہ اینام احدنا وھو جنب قال اذا توضأ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سوسکتا ہے آپ نے فرمایا جب وضوکرلے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صیغۂ شرط کے ساتھ وارد ہوئی ہے یعنی اس میں ''اذا توضأ'' کا لفظ آیا ہے اور اگلے باب کی حدیث میں وہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے صیغۂ امر ''توضأ'' آیا ہے اسی سے ابن حبیب مالکی اور

داؤدظاہری استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر جنبی غسل سے پہلے سونے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے وضوواجب ہے، جمہور ائمہ وضو کے وجوب کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک وضومستحب ہے اور مسلک جمہور کی تائید حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اس میں آیا ہے "انما امرت بالوضوء اذا قمت الیٰ الصلوٰۃ" (رواہ اصحاب السنن) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بطور وجوب کے مجھے وضو کا حکم دیا گیا ہے جس وقت نماز کا ارادہ کروں۔

اس حدیث مرفوع سے واضح ہوتا ہے کہ جنبی پر سونے سے پہلے وضوواجب نہیں کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حصر کے ساتھ فرمایا کہ صرف ارادہ صلوٰۃ کے وقت وضو کا عمل ضروری ہے۔

نیز مسلک جمہور کی تائید ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس حدیث میں آیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہم میں سے کوئی شخص جنابت کی حالت میں سوسکتا ہے آپ نے فرمایا "نعم ویتوضأ ان شاء" ہاں سوسکتا ہے اور اگر چاہے تو وضو کرلے یعنی وضوء شرعی کرلے اس سے معلوم ہوا کہ جنبی پر وضوواجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے "ثم ینام ثم ینتبہ ثم ینام" پھر سوجاتے پھر جاگتے پھر سوجاتے تھے۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور ملا علی قاریؒ نے کہا کہ اس کی سند اچھی ہے تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جنبی کو بدون غسل اور وضو کے سوجانا درست ہے سونے سے پہلے اس کے لئے وضوضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

باب وضوء الجنب وغسل ذکره اذا أراد أن ینام

جنبی کے وضوکرنے اور اپنی شرمگاہ کو دھونے کا بیان جب وہ سونے کا ارادہ کرے

اخبرنا قتیبة عن مالک عن عبدالله بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال ذکر عمر رضی اللہ عنہ لرسول الله صلی الله علیه وسلم انهٗ تصیبه الجنابة من اللیل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ واغسل ذکرک ثم نم.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ اس کو یعنی مجھے رات کے کسی حصہ میں جنابت لاحق ہوتی ہے پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آلہ تناسل کو دھولو اور وضو کرلو پھر سوجاؤ۔

تشریح: اس حدیث میں صیغۂ امر "توضأ" وارد ہوا ہے جو ابن حبیب مالکی اور ظاہریہ کا مستدل ہے ان کے نزدیک سونے سے پہلے جنبی کے لئے وضوواجب ہے لیکن جمہور ائمہ دوسرے دلائل کی بناء پر جن سے وضو کا واجب نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس حدیث میں صیغۂ امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں اور ہم نے مسلک جمہور کی تائید میں پچھلے عنوان کے تحت کچھ روایات بیان کی ہیں وہاں ملاحظہ کیجئے۔

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ وجوب وضو کا حکم جو جنبی کے لئے تھا وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ داؤدی اور ابن عبدالبر مالکیؒ نے کہا کہ اس حدیث کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہوگئی کہ ''توضأ'' یعنی وضو کرلو کا حکم جو باعتبار عمل مؤخر ہے اس کو مقدم کیا ہے اور غسل ذکر یعنی آلۂ تناسل کو دھونے کا حکم جو وضو سے مقدم ہے اس کو مؤخر فرمایا ہے، تو اگر چہ الفاظ حدیث میں تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے لیکن مطلب ارشاد مبارکہ کا یہ ہے کہ ''واغسل ذکرک وتوضأ'' یعنی اپنے عضو مخصوص کو دھولو اور وضو کرلو کیوں کہ ''واغسل ذکرک'' میں حرف واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ وہ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، اور عقل بھی تقاضا کرتی ہے کہ غسل ذکر مقدم ہو وضو پر، اور ہم نے الفاظ حدیث میں تقدیم وتاخیر کی جو بات کہی ہے وہ اس حدیث کے دوسرے طریق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ ثوری اور شعبہ نے عبداللہ بن دینار سے اسی حدیث میں ''اغسل ذکرک وتوضأ'' کے الفاظ روایت کئے ہیں اور خود امام نسائیؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب سنن کبریٰ میں اور ابن حبان نے دوسرے طریق سے بایں الفاظ روایت کیا ہے ''اغسل ذکرک ثم توضأ ثم ارقد''۔

غرض ان روایات میں ترتیب کی رعایت کی گئی ہے کہ غسل ذکر مقدم ہے اس کے بعد وضو کا عمل ہے اور عقل ودرایت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

باب فی الجنب اذا لم یتوضأ

باب جنبی کا جبکہ وہ وضو نہ کرے

اخبرنا اسحق بن ابراهیم قال اخبرنا هشام بن عبدالملک قال اخبرنا شعبة ح واخبرنا عبیدالله بن سعید قال حدثنا یحیی عن شعبة واللفظ له عن علی بن مدرکٍ عن ابی زرعة عن عبدالله ابن نجیٍّ عن ابیه عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا تدخل الملائکة بیتا فیه صورة ولا کلب ولا جنب.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں جاندار کی تصویر ہو اور نہ اس گھر میں جس میں کتا ہو اور نہ اس گھر میں جس میں جنبی ہو۔

تشریح: عبداللہ بن نجی، نجی جو عبداللہ کے والد اور اس حدیث کے راوی ہیں نون کے پیش اور جیم کے زبر اور تشدید یاء کے ساتھ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ نجی حضرمی مجہول ہیں، لیکن ان کو عجلی نے ثقہ اور معتبر قرار دیا ہے۔ اور ان کی حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا اور وہ تابعی ہیں۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنبی جب کہ وہ سونے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے غسل کرنا واجب ہے اور وضو کافی نہ ہوگا کیوں کہ جنبی کا وضو اس کو جنابت کی حالت سے نہیں نکالتا لہٰذا اگر چہ وضو بھی کرلے پھر بھی جس گھر میں جنبی موجود ہوگا اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، حالانکہ امت میں سے کوئی شخص حتی کہ ظاہریہ بھی وجوب غسل کے قائل نہیں اب مراد حدیث کیا ہوگی تو اس بارے میں

علامہ خطابیؒ نے یہ تاویل کی ہے کہ حدیث باب ''لاتدخل الملائکة الخ ''میں ملائکہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رحمت اور برکت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں حفظہ مراد نہیں یعنی اعمالنامہ لکھنے والا فرشتہ مراد نہیں کیوں کہ وہ تو جب اور غیر جنب سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتا ہے، اور جنب سے وہ جنبی مراد نہیں جس کو جنابت لاحق ہوئی اور وہ شخص ایسا ہو جو غسل جنابت کا پورا اہتمام کرتا ہو مگر اس نے نماز کا وقت آنے تک غسل میں تاخیر کر دی بلکہ ''جنب'' سے وہ جنبی مراد ہے جو غسل جنابت کے معاملہ میں سستی اور غفلت اور بے پرواہی کا خوگر ہو اور اس نے اس کی عادت بنالی ہو تو ایسے شخص کے لئے یہی وبال ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ رحمت کے فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ وہ گھر میں موجود ہو لیکن جو جنب غسل جنابت کا پوری طرح پابند ہو اور وقت نماز کی آمد تک وہ غسل کو مؤخر کر دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

اور مصنفؒ نے ایک اور تاویل کی ہے جس کی طرف ترجمہ میں ''اذا لم یتوضأ'' کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ مراد جنب سے وہ جنبی شخص ہے جس نے وضو نہ کیا ہو تو ایسا شخص جس گھر میں موجود ہوگا اس میں رحمت و برکت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے لیکن اگر وضو کر لے تو اس صورت میں اس کی گھر میں موجودگی دخول فرشتہ سے مانع نہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ بحالت جنابت سوتے تھے اور اپنی بیویوں سے جماع فرماتے تھے ایک غسل کے ساتھ یعنی سب سے جماع کر کے ایک غسل فرمالیتے اور جنبی کو وضو کے ساتھ سونے کی اجازت دیدی اسی لئے حدیث باب کو اسی خاص صورت پر محمول کرنے کی ضرورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث میں کتا اور تصویر کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے کہ جس گھر میں کتا اور تصویر موجود ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اس سے عموم مراد نہیں بلکہ مراد وہ کتے اور تصویریں ہیں جن کا پالنا اور رکھنا منع ہے جیسے گھر میں تصویر جاندار کی ہو اور بلند جگہ پر ہو اور بلاضرورت کتا پالے تو ایسے گھر میں رحمت اور برکت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے لیکن اگر کتے شکار اور کھیتی وغیرہ کی حفاظت کے لئے پالے اور تصویر درخت وغیرہ کی ہو، اسی طرح جو تصویر روندی جاوے تو وہ فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع نہیں اسی طرح جنبی سے ہر جنبی مراد نہیں کہ اس کے گھر میں رہنے سے فرشتے کی آمد بند ہو جائے بلکہ وہ جنبی مراد ہے جو از راہ سستی کے ترک غسل کی عادت بنالے حتی کہ نماز کا وقت بھی گذر جائے اور وہ جنبی ہی رہے، یا مراد وہ جنبی ہے جو وضو نہ کرے۔

باب فی الجنب اذا أراد أن یعود

جنبی جب دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا الحسین بن حریث اخبرنا سفیان عن عاصم عن ابی المتوکل عن ابی سعید ؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا أراد احدکم أن یعود توضأ.

حضرت ابی سعید خدری ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک بار جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کا قصد کرے تو وضو کر لے۔

تشریح: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ایک بار جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کا قصد کرے تو پہلے وضو کرے پھر جماع کرے۔

ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی کی روایت میں ''فانہٗ انشط للعود'' کی زیادتی ہے اس لئے کہ یہ وضو جو درمیان میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے عود میں زیادہ نشاط پیدا کرنے والا ہے یعنی دوبارہ جماع کے لئے طبیعت کے اندر زیادہ نشاط پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ وضو جمہور کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جس کی وجہ ابن خزیمہ وغیرہ کی روایت میں بیان کردی گئی ہے اور اس روایت کے الفاظ ''فانہ انشط للعود'' استحباب وضو پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ وضو کے واجب ہونے پر، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس کو امام طحاویؒ نے روایت کیا ہے اس وضو کے غیر واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے چنانچہ اس حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماع فرماتے پھر دوبارہ کرتے ''ولا یتوضأ'' اور وضو نہیں کرتے تھے۔

بہرحال ان روایات سے واضح ہو گیا کہ دو جماعوں کے درمیان وضو کا حکم صرف استحبابی ہے اس لئے اگر کوئی بغیر وضو کے ایک بار جماع کے بعد دوبارہ جماع کرے تو اس کا یہ عمل بالکل درست ہے البتہ اتنی بات ہے کہ وہ نشاط طبع جو وضو کرنے سے پیدا ہوتا ہے وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

باب اتیان النساء قبل احداث الغسل

احداث غسل سے پہلے تمام بیویوں سے جماع کرنے کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم ويعقوب بن ابراهيم واللفظ لاسحق قالا حدثنا اسماعيل بن ابراهيم عن حُميد الطويل عن انس بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف على نسائه في ليلة بغسل واحد.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں تمام بیویوں سے ہمبستری فرمائی ایک غسل کے ساتھ۔

اخبرنا محمد بن عبيد قال حدثنا عبدالله بن المبارك اخبرنا معمر عن قتادة عن انس بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يطوف على نسائه في غسل واحد.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جماع فرماتے تھے اپنی ازواج سے ایک غسل کے ساتھ۔

تشریح: پہلی حدیث میں ''بغسل'' اور دوسری میں ''فی غسل'' ہے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تمام بیویوں سے جماع فرمایا پھر آخر میں ایک غسل فرما لیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ایک بیوی سے ہمبستری کے بعد دوسری بیوی سے جماع کرنے سے پہلے درمیان میں غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ آخر میں ایک غسل کر لے۔ لیکن

ابوداؤداورنسائی کی ایک روایت میں حدیث باب کے خلاف آیا ہے، ابوداؤداورنسائی کی روایت میں دوسرے وقت کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک رات اپنی ازواج سے جماع فرمایا اُس روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں ''یغتسل عند ھذہ وعند ھذہ ''اس کے پاس بھی غسل فرماتے اوراس کے پاس بھی۔حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگرآپ تمام بیویوں سے جماع کے بعد آخر میں ایک غسل فرمالیتے تو معاملہ غسل کا آسان رہتا، آپ ﷺ نے فرمایا''ھذا ازکیٰ واطیب واطھر'' کہ یہ یعنی ہرایک بیوی سے جماع کے بعد جدا جدا غسل کرنے میں زیادہ پاکیزگی اورطہارت ہے۔

غرض کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ہرایک بیوی سے جماع کے بعد جدا جدا غسل کرتے تھے اور حدیث باب سے معلوم ہوا کہ سب سے جماع کر کے آخر میں ایک غسل فرمالیتے، اب دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ ابوداؤداورنسائی کی روایت استحباب پرمحمول ہے اور حدیث باب جواز پر، یعنی پیغمبر علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے بتلادیا کہ ایک بیوی سے جماع کے بعد جب دوسری بیوی سے جماع کا خیال ہو تو درمیان میں بغیر غسل کئے ہوئے اس سے جماع جائز ہے۔اب رہی وضو کی بات کہ آپ نے دونوں جماعوں کے درمیان وضوفرمایا تھا یانہیں اس میں دواحتمال ہیں ایک تو یہ کہ آپ ہر جماع سے فارغ ہونے کے بعد وضوفرماتے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیان جواز کے لئے وضو بھی نہ کرتے ہوں۔(واللہ اعلم)

یہاں پرایک اشکال یہ ہے کہ یہ واقعہ جوحدیث باب میں مذکور ہے قسم یعنی باری کے خلاف ہے کیوں کہ اسی خاص شب میں تو کسی ایک بیوی کی باری ہوگی۔بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ باری حضور ﷺ کے لئے واجب نہیں تھی جیسا کہ تحدید اربع کی آپ کے لئے نہیں،تو اگرآپ ﷺ نے اسی خاص شب میں تمام ازواج سے جماع فرمایا تو اس سے ترکِ واجب لازم نہیں آیا۔

لیکن اکثر علماء نے کہا کہ حضور ﷺ پرنوبت مقرر کرنا واجب تھی اس صورت میں یہ جوابات دیئے گئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ایک رات میں تمام بیویوں سے جماع کرنا نوبت کے وجوب سے پہلے تھا،بعض نے جواب دیا کہ ایک دور ختم ہونے کے بعد دوسرادور شروع ہونے سے پہلے ایسا کرنا مطلقاً جائز ہے،شوکانی نے لکھا کہ حافظ علامہ ابن عبدالبرؒ نے حدیث کے یہ معنی کئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ایک شب میں تمام ازواج سے جماع فرمانا اس وقت تھا جب کہ آپ ﷺ سفر سے تشریف لائے اس وقت ازواج مطہرات میں سے کسی کے لئے نوبت مقرر نہ ہونے کے سبب باری واجب نہ تھی لہٰذا اس وقت تمام بیویوں سے جماع فرمایا پھراس کے بعد قسم کے مطابق دور کا سلسلہ شروع فرمایا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

کیوں کہ وہ سب ازواج آزاد تھیں اور حضور ﷺ کا طریقہ ان سب میں عدل بالقسم کا تھا کہ ایک کی باری کے وقت میں دوسری بیوی کے پاس نہ جاتے تھے۔

فیض الباری(۱/ ۳۵۵) میں ہے کہ علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے حجۃ الوداع کے موقع پرایک ہی مرتبہ پیش آیا کہ اس موقع پرتمام بیویاں حضوراکرم ﷺ کے ساتھ تھیں آپ ﷺ نے مناسب جانا کہ احرام باندھنے سے پہلے ازواج کا حق ادافرمائیں اس لئے جماع کی یہ صورت اختیار فرمائی تا کہ تمام ازواج اطمینان سے حج

ادا فرمائیں۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ راوی کے الفاظ ''کان یطوف '' سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ اس پر مداومت فرماتے تھے۔ہم کہیں گے کہ اگر چہ راوی کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ جماع کی یہ صورت آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی لیکن میرے نزدیک واقع کا اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ خارج میں سوائے اس واقعہ مذکورہ کے کوئی اور واقعہ جانا پہچانا نہیں گیا ہے لہٰذا اس واقعہ کو اس کے مورد ومحل پر محدود رکھا جانا چاہئے۔ابن حاجب نے کہا کہ لفظ کان بلحاظ لغت استمرار پر دلالت نہیں کرتا ہے کیوں کہ وہ کون سے مأخوذ ہے مگر اس سے باعتبار عرف استمرار سمجھا جاتا ہے خاص کر جب کہ اس کی خبر مضارع ہو۔میں کہتا ہوں ابن حاجب کی یہ بات درست ہے مگر میری تحقیق یہی ہے کہ یہ واقعہ مذکورہ حجۃ الوداع کے موقع پر صرف ایک ہی مرتبہ واقع ہوا ہے۔

باب حجب الجنب من قراء ة القرآن

باب اس بیان میں کہ جنبی کا قرآن پڑھنے سے روکنا

اخبرنا علی بن حجرٍ قال اخبرنا اسماعیل ابن ابراهیم عن شعبة عن عمرو بن مرة عن عبدالله بن سلمة قال اتیت علیاً انا ورجلان فقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخرج من الخلاء فیقرأ القرآن ویأکل معنا اللحم ولم یکن یحجبه عن القرآن شئی لیس الجنابة.

عبداللہ بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں اور دو آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچے انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے اور قرآن کریم پڑھتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے اور آپ کو قرآن پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

اخبرنا محمد بن احمد ابویوسف الصیدلانِی الرقی قال حدثنا عیسی بن یونس قال حدثنا الأعمش عن عمرو بن مرة عن عبدالله ابن سلمة عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ القرآن علی کل حال الا الجنابة.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ سوائے جنابت کی حالت کے ہر حال میں قرآن پڑھتے تھے۔

تشریح : حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ، بنی مراد سے ہیں اور کوفی ہیں ان کو حافظ ابن حجرؒ نے صدوق کہا ہے تقریب میں، مگر ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا ان کے ساتھ دو اور آدمی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے وہ کون تھے نسائی کی روایت میں بطور مبہم ورجلان ذکر کئے ہیں۔ابوداؤد میں ہے کہ عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص ہم میں سے یعنی بنی مراد میں سے تھا اور دوسرے کے بارے میں غالب ظن یہ ہے کہ وہ بنی اسد میں سے تھا۔

''ولم یکن یحجبه الخ '' علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ زرکشی نے تخریج میں کہا کہ یہاں پر لیس بمعنی غیر ہے، اور بزار نے کہا کہ بمعنی الاَّ ہے اور اس کی تائید ابن حبان کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ''الا الجنابة '' آیا ہے، اور ابن حبان کی

ایک اور روایت میں ''ما خلا الجنابة '' آیا ہے۔

علامہ سندھیؒ نے کہا کہ ''ولم یکن یحجبه الخ '' حدیث میں جو بات فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن پاک کی تلاوت سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی مگر جنابت، اس میں عموم شئی سے مراد وہ احوال ہیں کہ جن میں عقل تلاوت قرآن کو جائز سمجھتی ہے ورنہ پیشاب و پائخانہ کی حالت بھی مثل جنابت کے ہے لیکن چونکہ ان دونوں حالتوں کا عموم شئی سے خارج ہو جانا باعتبار عقل کے ثابت ہے اس لئے استثناء کی ضرورت نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن محدث کے لئے تو جائز ہے لیکن جنابت والے کو ممنوع ہے جس پر حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے اور یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے کہ ان کے نزدیک جنبی کے لئے قرآن پاک کی قرأت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ بقصد تلاوت قرآن جائز نہیں ہے کیوں کہ تعظیم قرآن کا مقتضی یہ ہے کہ جنابت والے کو قرآن حکیم کی تلاوت ممنوع ہو، حدیث باب کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابت والے کو قرآن پڑھنا ممنوع ہے اور اگر چہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ ان کے اندر قوۃ پیدا ہوگئی اور حسن لغیرہ کے درجہ میں پہونچیں اور حدیث حسن لغیرہ احکام میں حجت ہے۔

لیکن کچھ حضرات قول جمہور کے برعکس کہتے ہیں چنانچہ امام بخاری، طبری، ابن منذر اور داؤد ظاہری نے جنابت والے کو تلاوت قرآن کی اجازت دی ہے، یہ حضرات صحیح مسلم کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''کان یذکر الله علی کل احیانه '' اس کی بناء پر یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ہر وقت اور ہر حال میں ذکر الٰہی کرتے تھے تو قرآن بھی ذکر ہے جو ہر وقت آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ جنبی کو قرآن کریم کی تلاوت سے نہیں روکا گیا۔

جمہور ائمہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ باب کی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ خاص ہے اور یہ حدیث ''کان یذکر الله الخ '' عام ہے اور خاص کی موجودگی میں عام سے استدلال صحیح نہیں لہٰذا ذکر کو غیر قرآن کے ساتھ خاص کرنا پڑے گا تاکہ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق حاصل ہو جائے۔ اور امام بخاریؒ نے جنبی کے لئے تلاوت قرآن کی جو اجازت دی ہے اس پر اپنی کتاب میں سوائے نقل آثار یا عمومات کے کوئی نص صریح پیش نہیں کی۔

باب مماسة الجنب ومجالسته

جنبی سے ہاتھ ملانا اور اس کے پاس بیٹھنا

اخبرنا اسحق بن ابراهيم اخبرنا جرير عن الشيباني عن ابی بردة عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا لقى الرجل من اصحابه ماسحه ودعاله قال فرأيتهُ يوما بُكرة فحدت عنه ثم اتيتهُ حين ارتفع النها ر فقال انی رأيتک فحدت عنی فقلت انی كنت جنبا فخشيت ان تمسنی فقال

رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المسلم لا ینجس.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اکرم ﷺ اصحاب میں سے کسی شخص سے ملتے تو اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کے لئے دعا فرماتے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک دن صبح سویرے دیکھا پھر میں ایک طرف کو ہٹ گیا پھر بعد غسل کے دن چڑھنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تم دیکھا تھا پھر تم ایک طرف ہٹ گئے میں نے کہا کہ میں جنبی تھا اس لئے ڈر گیا کہ آپ کہیں مجھ سے مصافحہ نہ کرلیں اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

اخبرنا اسحق بن منصور اخبرنا یحیی قال حدثنا سفیان قال حدثنی واصل عن ابی وائل عن عبدالله رضی اللہ عنہ ان النبی صلی الله علیه سلم لقیه وهو جنب فاهوی الیّ فقلت انی جنب فقال ان المسلم لاینجس.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا میں نے کہہ دیا کہ میں جنبی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

اخبرنا قتیبة بن سعید قال حدثنا بشر وهو ابن المفضل قال حدثنا حمید عن بکر عن ابی رافع عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی الله علیه وسلم لقیه فی طریق من طرق المدینة وهو جنب فانسل عنه فاغتسل ففقده النبی صلی الله علیه وسلم فلماجاء قال این کنت یا ابا هریرة قال یا رسول الله انک لقیتنی وانا جنب فکرهت ان اجالسک حتی اغتسل فقال سبحان الله ان المؤمن لاینجس.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں نبی کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا اس لئے چھپ کر غسل کرنے کے لئے نکل گیا اور اس دوران نبی کریم ﷺ نے مجھ کو نہ پایا پھر جب میں آپ کی خدمت میں آیا تو فرمایا ابوہریرہ تم کہاں تھے میں نے کہا یا رسول اللہ جب آپ سے میری ملاقات ہوئی اس وقت میں جنبی تھا اس لئے میں نے آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے کو ناگوار سمجھا یہاں تک کہ غسل کرلوں حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ بیشک مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح: ان السلم لا ینجس: یعنی جنابت نجاست حکمی ہے اس سے آدمی حقیقتاً ناپاک نہیں ہوتا اور غسل کا جو حکم دیا گیا ہے وہ امر تعبدی ہے اس لئے اگر غیر جنبی جنبی کے ساتھ مصافحہ وغیرہ کرے تو جنابت کا اثر اس کے اندر سرایت نہیں کرتا بلکہ جنبی کے ساتھ مخالطت یعنی مصافحہ کرنا اٹھنا بیٹھنا وغیر ذالک اس کے ساتھ جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے "فاهوی الیه" یعنی جب نبی کریم ﷺ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی اور وہ

جنبی تھے تو حضور ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی طرف ہاتھ بڑھائے مصافحہ کی غرض سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جنبی ہوں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان نجس نہیں ہوتا یعنی بوجہ حدث کے کسی مسلمان کو ناپاک نہیں کہا جاسکتا اگر مسلمان جنبی بھی ہو تو تب بھی اس کو ظاہر و باطن کے اعتبار سے ناپاک نہیں کہا جائے گا اس لئے اس سے مصافحہ کرنے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے وغیرہ کی اجازت ہے جنابت ایک حکمی نجاست ہے جس کا تعلق مخصوص امور سے ہے۔ بظاہر دوسری روایت اور پہلی روایت کے درمیان منافات ہے کیوں کہ پہلی حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت حضور ﷺ سے گفتگو ہوئی اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بحالت جنابت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی تو اس وقت انہوں نے حضور ﷺ سے گفتگو فرمائی۔ لیکن فی الواقع کوئی تعارض نہیں کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ چپکے سے ایک طرف ہٹ گئے آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کی پھر جب آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ میں نے تم کو دیکھا تھا کیا بات ہے تم چپکے سے نکل گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''انی کنت جنباً الخ'' تو راوی نے اس روایت میں اختصار سے کام لیا ہے پوری بات نقل نہیں کی۔ اور اس اختلاف کو اختلاف واقعہ پر محمول کرنا دور کی بات ہے۔

واضح رہے کہ دونوں قسم کی روایات میں منافات مذکورہ اس صورت میں ہے جبکہ بجائے عبداللہ کے عن حذیفہ ہو جیسا کہ حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس حدیث باب کے پیش نظر علماء اس بات کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ جب شاگرد شیخ کے حلقہ اور مجلس میں بیٹھے تو صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور عطر و خوشبو لگا کر بیٹھے کیوں کہ اس میں علم اور اہل علم کی تعظیم و توقیر ہے۔

باب استخدام الحائض

اس بیان میں کہ حیض والی عورت سے خدمت لینے کی اجازت ہے

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی بن سعید عن یزید بن کیسان قال حدثنی ابوحازم قال قال ابوهریرة رضی اللہ عنہ بینما رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسجد اذقال یا عائشة ناولینی الثوب فقالت انی لا اصلی قال انه لیس فی یدک فنا ولته.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب مسجد میں اعتکاف کی حالت میں تھے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ کو کپڑا دیدو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نماز نہیں پڑھتی ہوں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو کپڑا دیا۔

اخبرنا قتیبة بن سعید عن عبیدة عن الاعمش ح واخبرنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا جریر عن

الاعمش عن ثابت بن عبید عن القاسم بن محمد عن عائشة ؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ناولینی الخمرة من المسجد قالت انی حائض فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیست حیضتک فی یدک.

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ کو چھوٹی چٹائی دے دو مسجد سے حضرت عائشہ ؓ نے کہا کہ میں حائضہ ہوں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اخبرنا اسحق بن ابراهیم قال حدثنا ابو معاویة عن الاعمش بهذاالاسناد مثله.

تشریح: باب کی حدیث میں جو صورت مذکور ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں سب ائمہ اس کو جائز کہتے ہیں، پہلی حدیث میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مسجد میں معتکف تھے اس وقت آپ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو فرمایا کہ اے عائشہ ؓ مجھے کپڑا دے دو یعنی حجرہ میں رہ کر کھڑکی کے راستہ سے دے دو لیکن چونکہ حضرت عائشہؓ اس وقت حائضہ تھیں چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں "انی لا اصلی" کہ میں نماز نہیں پڑھتی ہوں اس سے انہوں نے حیض کی طرف اشارہ کیا کہ میں حائضہ ہوں اس لئے ہاتھ بڑھا کر مسجد میں آپ ﷺ کو کپڑا کیسے دوں حضور ﷺ نے فرمایا "انه لیس فی یدک" کہ حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، انہ کی ضمیر کا مرجع حیض یا خون ہے پھر حضرت عائشہ ؓ نے کھڑکی کے راستہ سے حضور اکرم ﷺ کو کپڑا دیا۔

دوسری حدیث میں ہے "ناولینی الخمرة من المسجد الخ" طبری نے کہا کہ خمرہ چھوٹے مصلی کو کہتے ہیں جو کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا ہے، اس کو خمرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بحالت سجدہ اس کے ذریعہ سے نمازی کے ہاتھ اور پیشانی کا زمین کی حرارت اور برودت سے تحفظ ہوتا تھا۔ اور اگر چٹائی بڑی ہو جس پر نمازی کھڑا ہو سکے اور سجدہ بھی کر سکے تو اس کو حصیر کہتے ہیں، اور اسی طرح زہری نے تہذیب میں اور ابو عبید ہروی وغیرہ نے کہا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ "من المسجد" کا تعلق کس سے ہے۔ قاضی عیاضؒ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قال سے متعلق ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بات مسجد سے فرمائی تھی کہ اے عائشہ ؓ حجرہ سے مصلی دے دو۔ اس کو نقل کرنے کے بعد علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں یہ تقریر قاضی عیاض کی اتحاد واقعہ پر مبنی ہے حالانکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ واقعہ مختلف ہے اور من المسجد کا تعلق ناولینی سے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حجرہ میں تھے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ مسجد سے مصلی دیدو اب چونکہ حضرت عائشہ ؓ کے خیال میں مسجد کے اندر سے مصلی لے کر دینے کی صورت زیادہ ناپسندیدہ ہے بہ نسبت اس صورت کے کہ مسجد کے باہر کھڑی رہ کر کھڑکی کے راستہ سے آپ کو کپڑا دیا جائے اس لئے انہوں نے حائضہ ہونے کا عذر ظاہر کیا ہے جیسا کہ اس کا اظہار باہر سے دینے کی صورت میں کیا تھا۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا "انی حائض" تو شاید انہوں نے اپنے اجتہاد سے سمجھا ہوگا کہ جس طرح حیض والی عورت مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اسی طرح اس کے لئے اپنا ہاتھ بھی مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے ان کے اس اظہار عذر پر حضور ﷺ

نے فرمایا ”لیست حیضتک فی یدک “ کہ حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے یعنی جس دم حیض کی نجاست سے مسجد کو محفوظ رکھا جاتا ہے وہ تیرے ہاتھ میں نہیں ہے کیوں کہ صرف ہاتھ کو حائضہ نہیں کہا جاتا بلکہ جس حائضہ سے مسجد کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق اس کے مجموع اجزاء کے اعتبار سے ہے یعنی پورے بدن کے ساتھ حیض والی عورت کا داخل ہونا مسجد میں ممنوع ہے نہ کہ کسی عضو کا۔

غرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حیض والی عورت مسجد سے باہر کھڑی رہ کر ہاتھ بڑھا کر مسجد میں سے مصلی وغیرہ اٹھالے تو جائز ہے۔

یہاں پر علماء کو اشکال پیش آیا ہے کہ اگر ہاتھ میں حیض نہیں تو پھر قرآن پاک کو چھونا کیوں ناجائز ہوا اور ہاتھ مسجد میں داخل کر کے مصلی اٹھالینا کیسے جائز ہوا۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ عرف میں دخول اس کو کہتے ہیں جو قدم سے ہوتا ہے نہ کہ صرف ہاتھ اور سر داخل کرنے کو، اس لئے مسجد میں دخول حائضہ ممنوع ہے اگر ہاتھ داخل کیا تو دخول نہیں ہوگا اور مصحف کو ہاتھ لگانا جو ممنوع ہے اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے ”لایمسہ الا المطھرون “ اور قرآن پاک کا مس کرنا باعتبار عرف وعادت کے ہاتھ سے ہوتا ہے نہ کہ پورے بدن سے اس لئے حائضہ کو جس مس مصحف سے منع کیا گیا ہے وہ باعتبار مس وہی معتبر ہوگا جو متعارف ہے یعنی مس بالیداب کوئی شبہ نہ رہا۔

باب بسط الحائض الخمرة فی المسجد

اس بیان میں کہ حیض والی عورت کا مسجد میں چھوٹا مصلی بچھادینا جائز ہے

اخبرنا محمد بن منصور عن سفیان عن منبوذ عن امه ان میمونة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یضع رأسه فی حجر احدانا فیتلو القرآن وهی حائض وتقوم احدانا بالخمرة الی المسجد فتبسطها وهی حائض.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم ازواج مطہرات میں سے ایک بیوی کی گود میں سر رکھتے تھے پھر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے حالانکہ وہ بیوی حائضہ ہوتی اور ہم بیویوں میں سے ایک بیوی چھوٹی چٹائی کا مصلی لے کر مسجد کے دروازے تک جاتی اور اس کو باہر کھڑی رہ کر بچھادیتی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی۔

تشریح :یضع رأسه فی حجر احدانا الخ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے جو حدیث باب میں نقل کیا ہے معلوم ہوا کہ اگر خاوند اپنی حیض والی عورت کی گود میں سر رکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا چاہے تو اس کا یہ عمل خلاف شرع نہ ہوگا بلکہ بلا کراہت درست ہے اس لئے کہ حائضہ کی ذات اور کپڑے جب تک نجاست سے آلودہ نہ ہو تب تک وہ پاک ہیں اس لئے اس کی گود میں سر رکھنا بھی جائز ہے اور سر رکھ کر قرآن کریم پڑھنا بھی درست ہے، اور یہ بھی اس سے معلوم ہو گیا کہ محل نجاست کے قریب تلاوت قرآن کی ممانعت نہیں کیوں کہ حیض والی کے بدن کا خاص حصہ جس سے دم حیض خارج ہو رہا ہے

ناپاک ہے اور اس کی گود میں قرأت قرآن کی اجازت دی گئی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حائضہ مسجد سے باہر کھڑی رہ کر ہاتھ بڑھا کر مسجد میں مصلی بچھا دے تو شرعاً کیسا ہے حدیث باب کے الفاظ ''وتقوم احدانا الخ'' سے صاف معلوم ہوا کہ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے، مزید تشریح باب سابق میں گذر چکی ہے۔

باب فی الذی یقرأ القرآن ورأسه فی حجر امرأته وهی حائض

باب اس شخص کے بیان میں جو اپنا سر اپنی بیوی کی گود میں رکھ کر تلاوت قرآن کرتا ہے درآنحالیکہ وہ بیوی حائضہ ہو

اخبرنا اسحق بن ابراهيم وعلى بن حجر واللفظ له اخبرنا سفيان عن منصور عن امه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجر احدانا وهى حائض وهو يتلو القرآن .

منصور اپنی والدہ صفیہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ہم بیویوں میں سے کسی بیوی کی گود میں ہوتا اس حال میں کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔

حدیث کی دلالت کا مقصد باب پر ظاہر ہے کہ خاوند اپنی حیض والی بیوی کی گود میں سر رکھ کر تلاوت قرآن کر سکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں اور اگر کوئی قباحت ہوتی تو پیغمبر علیہ السلام حیض والی بیوی کی گود میں سر رکھ کر تلاوت نہ فرماتے۔

باب غسل الحائض رأس زوجها

باب حیض والی عورت کا اپنے شوہر کا سر دھو دینا

اخبرنا عمرو بن على حدثنا يحيى حدثنا سفيان قال حدثنى منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم يؤمئ الىّ راسه وهو فى معتكف فاغسله وانا حائض.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معتکف ہونے کی حالت میں سر مبارک کھڑکی سے میری طرف نکال دیتے تھے پھر میں سر مبارک کو دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

اخبرنا محمد بن سلمة قال حدثنا ابن وهب عن عمرو بن الحارث وذكر آخر عن ابى الاسود عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الىّ راسه من المسجد وهو مجاور فاغسله وانا حائض.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک مسجد سے میری طرف نکال دیتے تھے پھر میں اس کو دھوتی حالانکہ میں حیض والی ہوتی۔

اخبرنا قتيبة بن سعيد عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت ارجل

رأس رسول الله صلی الله علیه وسلم و انا حائض.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں کنگھا کرتی تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

اخبرنا قتیبة بن سعید عن مالک ح و اخبرنا علی بن شعیب قال حدثنا معن حدثنا مالک عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا مثل ذالک.

تشریح: مطلب حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ میں رہتیں اس لئے کہ وہ حیض کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے ایام میں اپنا سر مبارک کھڑکی کے راستہ سے نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دھویا کرتی تھیں حالانکہ وہ حالت حیض میں ہوتی تھیں۔

حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ کوئی بھی خاوند اگر اپنی حائضہ بیوی سے اس طرح کی خدمت لینا چاہے تو لے سکتا ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

دوسری روایت میں ''وھو مجاور'' آیا ہے مجاور کے معنی معتکف کے ہیں باقی مضمون حدیث وہی ہے جو حدیث سابق میں گذر چکا ہے۔

تیسری روایت میں آیا ہے ''قالت کنت ارجل الخ'' لفظ ارجل ترجیل سے ماخوذ ہے جس کے معنی کنگھی کرنا بال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں میں کنگھی کیا کرتی تھیں حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ استخدام بالحائض جائز ہے۔

باب مؤاکلة الحائض والشرب من سؤرها

حیض والی عورت کا جوٹھا کھانے اور پینے کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا یزید وهو ابن المقدام بن شریح بن هانیٍ عن ابیه عن شریح عن عائشة رضی اللہ عنہا سألتها هل تاكل المرأة مع زوجها وهی طامث قالت نعم كان رسول الله صلی الله علیه وسلم یدعونی فآكل معهٗ و انا عارک و كان یأخذ العرق فیقسم علی فیه فاعترق منه ثم اضعه فیأخذه فیعترق منه ویضع فمه حیث وضعت فمی من العرق ویدعو بالشراب فیقسم علی فیه قبل ان یشرب منه فاٰخذهٗ فاشرب منه ثم اضعهٗ فیأخذه فیشرب منه ویضع فمهٗ حیث وضعت فمی من القدح.

شریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا عورت حیض کی حالت میں اپنے شوہر کے ساتھ کھا سکتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جی ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو بلاتے تھے اور میں آپ کے ساتھ کھاتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرق یعنی ہڈی لیتے تھے اور اس میں میرا بھی حصہ لگاتے اور

میں دانت سے کاٹ کاٹ کر اس ہڈی میں سے گوشت کھاتی پھر میں اس کو رکھ دیتی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو لیتے پھر آپ ﷺ اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے میں نے کھایا تھا اور آپ ﷺ پینے کی چیز منگواتے اور خود پینے سے پہلے اس میں میرا بھی حصہ لگاتے اور میں اس کو لیتی اور اس سے پیتی پھر اس کو رکھ دیتی اور نبی کریم ﷺ اس کو لیتے اور آپ ﷺ اس کو پیالہ کی اس جگہ پر منہ رکھ کر پیتے جہاں سے میں نے پیا تھا۔

اخبرنا ایوب ابن محمد الوزا ن قال حدثنا عبدالله بن جعفر قال حدثنا عبیدالله بن عمرو عن الاعمش عن المقدام بن شریح عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یضع فاه علی الموضع الذی اشرب منه فیشرب من فضل سؤری وانا حائض.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنا منہ پیالہ کی اس جگہ پر رکھتے جہاں سے میں پیتی پھر آپ میرا بچا ہوا جوٹھا پی لیتے حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔

تشــریح: یہود گھر میں اپنی حیض والی عورت کے پاس نہیں بیٹھتے تھے اور نہ اس کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے دین اسلام میں ان کا یہ طریقہ غلط ہے ان کے خیال میں حیض والی عورت کا حیض کی وجہ سے پورا جسم ناپاک ہے جو بلحاظ عقل صحیح اور نقل درست نہیں کیوں کہ حدیث باب کے الفاظ "**فاعترق منه ثم اضعه فیأخذه الخ**" اسی طرح "**لیضع فاه علی الموضع الذی الخ**" الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ کے اعضاء ہاتھ اور منہ وغیرہ ناپاک نہیں ہیں اور اس کے ساتھ کھانا پینا اور بیٹھنا سب جائز ہیں اسی لئے اسلام نے حیض والی عورت کے ساتھ ایک اچھا اور مناسب طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ سوائے جماع کے اس کے ساتھ کھانے پینے اور مجالست وغیرہ سب کام کی اجازت ہے۔ لہٰذا امام ابو یوسفؒ کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے کہ حائضہ کا بدن ناپاک ہے وہ درست نہیں ہے۔

غرض یہ کہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث باب "**کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یضع فاه الخ**" میں نقل کیا ہے حکم جواز کو بیان فرمادیا کہ حائضہ کا جوٹھا پاک ہے اور اس کا کھانا پینا جائز ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں کہ میں حائضہ ہونے کی حالت میں جس جگہ سے پیتی تھی اسی جگہ پر منہ رکھ کر حضور اکرم ﷺ میرا باقی ماندہ پیتے تھے۔ یا آپ ﷺ نے یہ عمل اظہار شفقت و محبت کی غرض سے کیا ہے جس سے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ حیض والی عورت سے بالکلیہ انقطاع نہ کرلیا جائے بلکہ ہر شخص اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ خوشگوار اور بالطف زندگی بسر کیا کرے یہود وغیرہ کا طریقہ اختیار نہ کرے جو سراسر ظالمانہ طریقہ ہے۔

باب الانتفاع بفضل الحائض

حائضہ نے جو بقیہ چھوڑا ہے اس سے انتفاع کا بیان

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفیان عن مسعر عن المقدام بن شریح عن ابیه قال سمعت

عائشة رضی اللہ عنہا تقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يناولني الاناء فاشرب منه وانا حائض ثم اعطيه فيتحرى موضع فمي فيضعه على فيه.

شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو برتن دیتے تھے پس میں اس سے پیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ اس جگہ پر رکھ کر پینے کو پسند فرماتے تھے جہاں سے میں نے پیا تھا۔

اخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع قال حدثنا مسعر وسفيان عن المقدام بن شريح عن ابيه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت اشرب وانا حائض وانا وله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فيَّ فيشرب واتعرق العرق وانا حائض واناوله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فيَّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں پینے کی چیز پیتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر میں وہ جھوٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ میرے منہ رکھنے کی جگہ پر رکھتے پھر پیتے اور میں گوشت کی ہڈی چوستی حالانکہ میں حیض والی ہوتی اور میں وہ ہڈی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ منہ رکھ کر ہڈی سے گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا تھا۔

تشریح: عرق اس ہڈی کو کہتے ہیں جس کا اکثر گوشت اتار لیا گیا ہو اور تھوڑا سا گوشت اس پر باقی رہ گیا ہو تو وہ گوشت پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھاتی تھیں حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں پھر اس ہڈی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گوشت کو اس جگہ سے کھاتے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا فضل یعنی پس خوردہ پاک ہے لہٰذا اس سے انتفاع یعنی اس کا کھانا پینا جائز ہے۔ اور ابن سید الناس وغیرہ نے حیض والی عورت کے ساتھ مواکلۃ ومشاربۃ کے جواز پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

باب مضاجعة الحائض

حیض والی عورت کے ساتھ لیٹنے کا بیان

اخبرنا اسماعيل بن مسعود قال حدثنا خالد قال حدثنا هشام ح واخبرنا عبيدالله بن سعيد واسحق بن ابراهيم قالا حدثنا معاذ بن هشام واللفظ له قال حدثني ابي عن يحيى قال حدثنا ابوسلمة ان زينب بنت ابي سلمة حدثته ان ام سلمة حدثتها قالت بينما انا مضطجعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخميلة اذ حضت فانسللت فاخذت ثياب حيضتي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنفست قلت نعم فدعاني فاضطجعت معه في الخميلة.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونی چادر میں لیٹی تھی تو اچانک مجھے حیض آنا

شروع ہوگیا اس لئے میں چپکے سے نکل گئی اور اپنے حیض کے وقت جو کپڑے پہننے کے ہوتے ہیں وہ پہن لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تجھے حیض شروع ہوگیا میں نے کہا ہاں پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی بن سعید عن جابر بن صبح قال سمعت خلاساً یحدث عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کنت انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیت فی الشعار الواحد وانا طامث او حائض فان اصابه منی شئی غسل مکانه ولم یعده وصلّی فیه ثم یعود فان اصابه منی شئی فعل مثل ذالک ولم یعده وصلّی فیه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم ﷺ ایک ہی کپڑے میں رات گذارتے تھے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر اگر مجھ سے کچھ خون آپ ﷺ کے کپڑے کو لگ جاتا تو صرف اسی جگہ کو دھو لیتے جہاں خون لگا ہوتا اس سے زائد دوسری جگہ کو نہیں دھوتے اور اسی دھوئے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھتے پھر آپ ﷺ دوبارہ (میرے ساتھ اسی کپڑے میں لیٹ جاتے) پھر اگر مجھ سے کوئی نجاست خون کی حضور ﷺ کے کپڑے پر لگ جاتی تو آپ اس کو دھو لیتے اور علاوہ محل نجاست کے زیادہ جگہ کو نہیں دھوتے اور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے۔

تشریح: پہلی حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں آیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب مجھے حیض شروع ہوگیا تو میں نے یہ کام کیا ''**فانسللت فاخذت ثیاب حیضتی**'' کہ میں چپکے سے چادر کے اندر سے نکل گئی اور اس لئے نکل گئی کہ حالت حیض میں ایک ہی چادر میں ان کی طبیعت نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ لیٹنے کو گوارا نہیں کیا یا ان کو اس کا اندیشہ ہوگیا کہ حیض کا خون حضور ﷺ کے بدن یا کپڑے کو لگ جائے گا اس لئے چپکے سے کھسک گئیں اور اپنے حیض کے کپڑے لیئے اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو حیض کے ایام میں پہننے کے لئے تیار کر رکھے تھے اس معنی کے لحاظ سے لفظ حیضتی کو حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ علامہ خطابیؒ اور علامہ نوویؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور بعض شارحین نے حاء کے زبر کے ساتھ پڑھنے کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ بعض روایات میں بغیر تاء کے حیضی کا لفظ آیا ہے تو اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے'' **اخذت ثیابی التی البسها زمن الحیض** '' کہ میں نے وہ کپڑے لیئے جو حیض کے زمانہ میں استعمال کرتی ہوں۔

بہر حال جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر کے اندر سے چپکے سے نکل کر زمانہ حیض کے کپڑے پہن لئے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''**أنفست**'' ای **أحضت** کیا تمہیں حیض آ گیا میں نے عرض کیا جی ہاں حیض شروع ہوگیا ہے یہاں پر شارع علیہ السلام نے نفاس کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے **أنفست** فرمایا اس سے حیض مراد ہے۔ احادیث میں کہیں حیض پر نفاس کا لفظ استعمال کیا گیا اور کہیں نفاس پر حیض کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ حیض ونفاس دونوں کے احکام جماع وغیرہ کی ممانعت کے سلسلہ میں ایک ہیں اور جب دونوں کے احکام مشترک ہیں تو حیض پر نفاس اور نفاس پر حیض کا جو لفظ بولا گیا ہے اس میں کیا اشکال ہے۔

علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ لفظ ''**أنفست**'' نون کے زبر اور فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے جو بمعنی ''**أحضت**'' کے ہے

چنانچہ جب کوئی عورت حیض والی ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے ''نفست المرأة ''۔اور نُفست نون کے ضمہ کے ساتھ ولادۃ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہی قول اکثر اہل لغت کا ہے لیکن ابو حاتم نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ حیض اور ولادت دونوں کے لئے ضمہ نون کے ساتھ ''نفست المرأة'' کا استعمال درست ہے۔

بہر حال اس حدیث میں پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ''أنفست '' کے معنی اُضت کے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کیا تمہیں حیض آ گیا انہوں نے جواب دیا جی ہاں حیض جاری ہوگیا اس کے بعد وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے ارشاد ﴿فاعتزلوا النساء فی المحیض﴾ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ حیض والی عورت سے بالکل تعلقات ختم کر لئے جائیں یہ تو یہود کا طریقہ ہے جو ظالمانہ طریقہ ہے بلکہ جماع سے اعتزال یعنی علیحدہ رہنے کا حکم ہے باقی اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ لیٹنا، سونا، کھانا اور پینا سب کی اجازت ہے۔

دوسری حدیث جس میں نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں تعلق کا ذکر ہے اس کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں ذکر ہوا۔

باب مباشرة الحائض

حائضہ کے بدن سے بدن ملانے کا کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحق عن عمرو بن شرحبیل عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یأمر احدانا اذا کانت حائضاً ان تشد ازارها ثم یباشرها.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب ہم ازواج مطہرات میں سے کوئی بیوی حائضہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو تہہ بند مضبوط باندھنے کا حکم دیتے تھے پھر نبی کریم ﷺ اپنا بدن اس بیوی کے بدن سے لگاتے۔

اخبرنا اسحق بن ابراهیم انا جریر عن منصور عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کانت احدانا اذا حاضت امرها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان تتزر ثم یباشرها.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم بیویوں میں سے کسی بیوی کو حیض شروع ہو جاتا تو رسول اکرم ﷺ اس کو تہہ بند مضبوط باندھنے کا حکم دیتے پھر اپنا بدن اس کے بدن سے ملاتے۔

اخبرنا الحارث بن مسکین قراءةً علیه وانا اسمع عن ابن وهب عن یونس واللیث عن ابن شهاب عن حبیب مولی عروة بن بدیة وکان اللیث یقول ندبة مولاة میمونة عن میمونة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یباشر المرأة من نسائه وهی حائض اذا کان علیها ازار یبلغ انصاف الفخذین والرکبتین، فی حدیث اللیث محتجزةً به.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک ہی کپڑے میں اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ لیٹتے تھے جبکہ اس بیوی پر تہہ بند ہوتا جو نصف ران یا گھٹنے تک پہونچتا ہے۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ سے مباشرت جائز ہے جبکہ کپڑا ناف اور گھٹنوں کے درمیان باندھ لیا جائے چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کی تصریح ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات میں سے اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ مباشرت فرماتے جبکہ اس کے خاص حصہ جسم پر تہہ بند ہوتا اور جسم کے خاص حصہ سے مراد ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔

ابن شہاب سے روایت کرنے والے لیث کی حدیث میں ''محتجزة به'' کی زیادتی ہے جس کے معنی ہیں درآنحالیکہ وہ حائضہ بیوی اس تہہ بند کو اپنی کمر پر خوب اچھی طرح کس لیتی تھیں یعنی ناف سے گھٹنوں تک تہہ بند کو مضبوط کر کے باندھ لیتی تھیں اس کے بعد نبی کریم ﷺ مباشرت فرماتے لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ یہاں مباشرۃ سے مجامعت مراد نہیں کیوں کہ حیض والی عورت کے ساتھ جماع کے حرام ہونے پر تمام امت کا اتفاق ہے اور آیت قرآنی اور احادیث سے اس کا حرام ہونا ثابت ہے بلکہ مباشرت سے سوائے جماع کے دوسری قسم کا استمتاع یعنی فائدہ اٹھانا مراد ہے جیسا کہ حائضہ کے بدن سے بدن ملانا اور اس کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹنا اور معانقہ کرنا اور تقبیل وغیرہ۔

اب رہا یہ سوال کہ حائضہ عورت سے استمتاع کس حد تک جائز ہے اور اس کے بدن کے کس حصہ سے انتفاع جائز نہیں ہے یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ حیض والی عورت کے ماتحت الازار یعنی ناف اور گھٹنے تک کے درمیان سے استمتاع جائز نہیں باقی بدن سے جائز ہے، اور اکثر علماء کا بھی یہ قول ہے۔ باب کی حدیث سے ان حضرات کا مسلک ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک بیوی کے ساتھ اس کے حائضہ ہونے کی حالت میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو اس کو تہہ بند باندھنے کا حکم دیتے تھے اور تہہ بند باندھ لینے کے بعد مباشرت کرتے یعنی اس بیوی کے ساتھ لیٹتے تھے اور بدن کو اس کے بدن سے لگاتے تھے یہ تو ہے حدیث باب کا مفہوم۔ لیکن اس سے اشارۃً یہ بات نکلتی ہے کہ اگر حائضہ عورت کے سرّہ یعنی ناف سے لیکر گھٹنوں کے درمیان جو بدن کا حصہ ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی تو پھر شداز ار یعنی تہہ بند باندھنے کا کیوں حکم فرماتے، تو اس سے معلوم ہوا کہ تہہ بند بندھوانے کا مقصد یہی ہوگا کہ آپ ﷺ اور بیوی کے درمیان وہ کپڑا حائل بن جائے تا کہ شرمگاہ اور اس کے اردگرد کی جگہ سے جو گھٹنے تک ہے بلا حجاب مباشرت اور ملامست نہ ہو۔ نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ مرد کو اپنی بیوی سے کیا حلال ہے اس کے حائضہ ہونے کی حالت میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مافوق الازار کہ تہہ بند سے اوپر کے بدن سے مس وغیرہ جائز ہے۔ اس کو ابویعلی نے عاصم بن عمر سے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں۔ **(مجمع الزوائد)**

یہ حدیث قولی ہے اس میں ''مافوق الازار ''یعنی جو ازار سے اوپر ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔اور فقہاء نے عرف غالب پر عمل کرتے ہوئے ازار کی حد مابین السرۃ والرکبۃ بیان کی ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ازار کی حد میں داخل ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں ناف اور گھٹنے کے درمیانی جسم مرد پر حرام ہے اور اس کے باقی بدن سے استمتاع مثلاً بوسہ ومساس وغیرہ کی اجازت ہے۔

الغرض باب کی احادیث فعلیہ اور اس حدیث قولی سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ اکثر ائمہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے یہ سب حضرات اس کے قائل ہیں کہ ناف اور گھٹنوں کے درمیانی جسم سے اجتناب کرے اور سوائے اس کے اپنی حائضہ بیوی کے باقی بدن سے مرد فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔اور یہی بات جمہور ائمہ کی لفظ قرآن سے بھی ثابت ہے قرآن حکیم میں ہے ﴿فاعتزلوا النساء فی المحیض﴾ تم ایام حیض میں اپنی بیویوں سے علیحدہ رہو، تو اعتزال عن النساء یعنی ایام حیض میں عورتوں سے اجتناب کے تمام مراتب کو شامل ہے کہ محل دم اور ماتحت الازار دونوں سے اعتزال کرے البتہ موضع دم سے بچنے کا حکم زیادہ مؤکد ہے، تو اس آیت کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اعتزال کا اثر صرف محل دم (شرمگاہ) سے اعتزال تک محدود نہیں بلکہ اردگرد کی جگہ پر بھی حاوی رہے گا لہٰذا شرمگاہ اور ماتحت الازار دونوں سے نفع نہ اٹھاوے۔آگے فرمایا ﴿ولا تقربوھن حتی یطھرن﴾ اس سے حکم سابق کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ولا تقربوھن حتی یطھرن﴾ سے بظاہر قول جمہور کی تائید ہوتی ہے اور قربان کا اطلاق ناف سے لیکر گھٹنے تک کے درمیانی جسم پر ہوتا ہے اور جو چراہ گاہ کے قریب جائے گا تو اندیشہ ہے کہ اس کے اندر چلا جائے اس لئے شریعت نے مابین السرۃ والرکبۃ سے استمتاع کو ممنوع قرار دیا ہے۔

اس کے بعد دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ سوائے فرج کے باقی جسم مرد پر حرام نہیں ہے، امام محمد بن حسن وامام احمد اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ کے علاوہ بقیہ جماعت نے روایت کی ہے اور نسائی میں اگلے عنوان کے تحت آرہی ہے کہ یہود جب ان میں سے کوئی عورت حائضہ ہوتی تو اس کے ساتھ نہ کھاتے پیتے اور نہ ایک کوٹھڑی میں اس کو ساتھ رکھتے۔تو صحابہ کرام نے جناب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ویسألونک عن المحیض الخ﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا حیض والی بیوی سے ہر طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہو سوائے نکاح کے اور معنی نکاح کے لغت میں جماع کے ہیں اس حدیث میں ''اصنعوا کل شئی الا النکاح '' فرمایا تو عموم کل شئی سے امام محمد بن حسن وغیرہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ فرج کے علاوہ باقی تمام جسم سے استمتاع جائز ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ''اصنعوا کل شئی الا النکاح '' سے جو عموم سمجھا جا رہا ہے اس کو حدیث فعلی جو باب کے تحت مذکور ہے اور حدیث قولی مافوق الازار وغیرہ ادلہ کی بناء پر مخصوص کرنا پڑے گا اب اس کا عموم ماتحت الازار کے علاوہ سے متعلق ہے یعنی ماتحت الازار کے علاوہ حائضہ کے باقی پورے جسم سے استمتاع جائز ہے۔تو یہاں اس کا عموم

اس عموم کی طرح ہے جو قرآن حکیم میں ہے فرمایا﴿واوتیت من کل شئی﴾ (سورۂ نمل) بلقیس کو ہر ایک چیز ملی تھی، بظاہر اس سے عموم کلی مراد لیا جاتا ہے حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ بادشاہی کے لوازم میں سے سب ضروری سامان جو ایک بادشاہ کو درکار ہوتا ہے وہ اس کے پاس موجود تھا، تو جس طرح یہاں من کل شئی سے مراد عموم نہیں ہے اسی طرح حدیث ''اصنعوا کل شئی الا النکاح'' میں عموم مراد نہیں ہے۔

یا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس حدیث میں الا النکاح جو اصنعوا کل شئی کے بعد ارشاد فرمایا ہے وہ ماتحت الازار کے استمتاع سے کنایہ ہے تو اگر چہ وہ لفظ نکاح جماع کے معنی میں صریح ہے لیکن یہاں ماتحت الازار کے استمتاع سے کنایہ ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ حائضہ بیوی کے ساتھ مباشرت اور بوسہ وغیرہ سب کام کر سکتے ہو مگر ماتحت الازار کے استمتاع سے پرہیز کرو۔

باب تأویل قول اللّٰہ عزوجل ویسئلونک عن المحیض

اللہ بزرگ و برتر کے قول ویسئلونک عن المحیض کی تفسیر کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهیم قال حدثنا سلیمان بن حرب حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ قال كانت اليهود اذا حاضت المرأة منهم لم يؤاكلوهن ولم يشاربوهن ولم يجامعوهن فى البيوت فسالوا نبى الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك فانزل الله عزوجل ويسئلونک عن المحيض قل هو اذىً الآية فامرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يؤاكلوهن ويشاربوهن ويجامعوهن فى البيوت وان يصنعوا بهن كل شئى ماخلا الجماع.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کی عادت تھی کہ جب ان میں سے کوئی عورت حائضہ ہوتی تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ پیتے اور نہ اس کو ایک کوٹھڑی میں اپنے ساتھ رکھتے تو صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا﴿ویسئلونک عن المحیض الخ﴾ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم حائضہ عورت کے ساتھ کھاؤ اور پیو اور اس کو گھر میں اپنے ساتھ رکھو اور اس کے ساتھ سب باتیں کرو سوائے جماع کے۔

تشریح: یہود ایک قبیلہ ہے ان کے جد اعلیٰ یہودا جو حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی ہے اس کے نام سے موسوم ہے۔ یہود کے تعلقات حیض والی عورتوں کے ساتھ اچھے نہ تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نہ حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے اور نہ ان کو ایک کوٹھڑی میں اپنے ساتھ رکھتے بلکہ گھر سے نکال دیتے تھے تو ان کا یہ برتاؤ زیادتی اور ناانصافی کا برتاؤ تھا جو اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہے اسلام نے حیض والی عورت کے ساتھ ایک مناسب طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ باب کی حدیث میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیض والی عورت کے ساتھ نہ کھانے اور نہ پینے وغیرہ کے بارے میں جیسے یہود کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آیت نازل ہوئی﴿ویسئلونک عن المحیض الخ﴾ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حیض والی عورت کے ساتھ سب باتیں کرو، اس کے ساتھ کھانا پینا اور لیٹنا وغیرہ سب جائز ہے سوائے

جماع کے کہ اس کے ساتھ صحبت کرنے سے علیحدہ رہا کرو تو حدیث ''فامرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يؤاكلوهن الخ '' آیت کی تفسیر اور بیان ہے ﴿فاعتزلوا النساء فى المحيض﴾ کا۔ کیوں کہ لفظ اعتزال سے مطلقاً علیحدہ رہنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مجانبت مخصوصہ مراد ہے یعنی فرج اور اس کے ماحول سے دور رہنا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا۔ باقی مؤاکلہ ومشاربہ اور مجالسہ وغیرہ سب کی اجازت ہے جیسا کہ یہ باتیں نبی کریم ﷺ کے بیان سے واضح ہیں۔

اسی حدیث مذکور سے امام محمد بن حسنؒ اور امام احمدؒ نے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک سوائے شرمگاہ کے حیض والی عورت کے باقی تمام بدن سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیوں کہ نسائی کی روایت میں چند چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد ''وان يصنعوا بهن كل شئى ما خلا الجماع '' فرمایا اور امام مسلم کی روایت میں ''اصنعوا كل شئى الا النكاح '' ہے اور نکاح کے معنی لغت میں جماع کے ہیں تو کل شئی کے عموم سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔

ان کے اس حدیث سے استدلال کا جواب اس باب سے متصل پچھلے باب کے تحت دیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے بعض شارحین نے ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ حدیث مسلم ونسائی معارض ہے ایک دوسری حدیث کے چنانچہ عبداللہ سعد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مجھے میری بیوی سے کیا حلال ہے جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تیرے واسطے مافوق الازار ہے یعنی جو تہبند سے اوپر ہے اس سے استمتاع جائز ہے اس کو ابوداؤد نے روایت کر کے سکوت کیا ہے۔ تو یہ حدیث حجت ہے بعض نے اس حدیث کو حسن کہا تو اب یہ حدیث معارض ہوئی اس حدیث مسلم کے جو امام محمد وغیرہ کی دلیل ہے اور جس سے استدلال کر کے انہوں نے سوائے فرج کے ماتحت الازار سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ بہرحال اگر معارض مانا جاوے تو ترجیح حدیث ابوداؤد کو ہوگی کیوں کہ یہ منع کرتی ہے اور حدیث مسلم اور نسائی سے اباحت ثابت ہے تو احتیاط کے مقام پر ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب مايجب على من اتى حليلته فى حال حيضتها بعد علمه بنهى الله عزوجل عن وطئها

باب اس کے بیان میں کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ حیض کی حالت میں صحبت کرے اس بات کے جاننے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے حیض والی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے منع فرمایا ہے تو اس شخص پر کیا واجب ہے

اخبرنا عمرو بن على قال حدثنا يحيى عن شعبة عن الحكم عن عبدالحميد عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبى صلى الله عليه وسلم فى الرجل يأتى امرأته وهى حائض يتصدق بدينار او بنصف دينار.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی سے اس کے حیض کی حالت میں جماع کرے تو وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دیدے۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کو حرام جاننے کے باوجود اتفاق سے صحبت کر بیٹھا تو اس کا کیا حکم ہے۔

اس کے بارے میں مصنفؒ کے قائم کردہ باب اور اس کے تحت جو حدیث نقل کی گئی ہے اس سے ان کا میلان ورجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس شخص پر کفارہ واجب ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے۔ یہی قول امام احمدؒ اور اسحٰقؒ اور اوزاعیؒ کا ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی اسی طرح ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کرے وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے۔ لفظ او شک کے لئے نہیں بلکہ تقسیم کے لئے ہے کہ اگر شروع حیض میں صحبت کی ہو تو ایک دینار اور اگر آخر حیض میں جماع کیا ہو تو نصف دینار دے۔ یا ایک دینار دیدے جبکہ قدرت رکھتا ہو اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں نصف دینار صدقہ کرے اور مصرف اس کا مثل زکوٰۃ کے ہے۔

خلال نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ امام احمدؒ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ''**احسن حدیث عبد الحمید یعنی هذا الحدیث**'' ان سے پوچھا گیا ''**تذهب الیه قال نعم انما هو کفارة**'' فرمایا ہاں بے شک کفارہ دینا اس پر واجب ہے جس نے اپنی حیض والی بیوی سے صحبت کی ہو۔

دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اتفاقاً حیض والی بیوی سے صحبت کی حالانکہ اس کو معلوم تھا کہ حیض کی حالت میں صحبت کرنا حرام ہے تو اس نے گناہ کبیرہ کیا اس پر توبہ واجب ہے کہ توبہ واستغفار سے گناہ معاف ہونے کی امید ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول جدید ہے اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے اور علامہ خطابیؒ نے لکھا ہے کہ یہی قول اکثر علماء کا ہے، تو ان کے نزدیک کفارہ واجب نہیں البتہ توبہ واستغفار ضروری ہے۔ اور اس باب کی حدیث جس میں کفارہ کا ذکر ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ منذری نے کہا کہ اس حدیث کے مرفوع وموقوف ہونے پھر مرسل ومنقطع ومعضل ہونے میں اختلاف ہے (اگر دو راوی برابر ساقط ہوں اس کو حدیث معضل کہتے ہیں) پھر اسناد اور متن کے اعتبار سے بھی مضطرب ہے ان امور کی تفصیل بیہقی وغیرہ میں ہے۔

متن کا اضطراب یہ ہے کہ اس حدیث میں بطور شک ''**بدینار او بنصف دینار**'' آیا ہے کسی میں ''**بنصف دینار**'' ہے کسی میں ''**یتصدق بدینار فان لم یجد فنصف دینار**'' ہے اور بعض روایات میں ''**یتصدق بخمسی دینار**'' آیا ہے وغیر ذالک۔ اس لئے احکام کے باب میں ایسی حدیث حجت نہیں بن سکتی اور اس سے وجوب کفارہ پر استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے جمہور کا مذہب وجوب کفارہ کا نہیں بلکہ توبہ واستغفار کرے، لیکن اگر بطور استحباب ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دیدے تو جائز ہے اور جمہور اس کے قائل ہیں لہٰذا جمہور پر یہ اعتراض نہ ہوگا کہ انہوں نے حدیث باب پر عمل چھوڑ دیا ہے، البتہ وہ وجوب کے قائل نہیں کیوں اس جیسی حدیث ضعیف سے وجوب کفارہ ثابت نہیں ہوسکتا اس کے لئے حدیث صحیح اور قوی کی ضرورت ہے۔ اور دلیل استحباب یہ ہے کہ دینار ونصف دینار میں اختیار دیا گیا ہے حالانکہ ایک ہی جنس کے قلیل وکثیر میں

اختیار نہیں ہوتا۔

بہر حال بطور استحباب صدقہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے کیوں کہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صدقہ پاک کرتا ہے۔
قرآن حکیم میں ﴿ویسئلونک عن المحیض الخ﴾ کے بعد دو لفظ مزید فرمائے اور صرف توبہ پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ﴿ان الله یحب التوابین ویحب المتطهرین﴾ فرمایا تو جو شخص بے احتیاطی سے حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اسکو توبہ کرنا چاہئے۔ متطهرین سے شاید یہی مراد ہو کہ باقی جو بلا توبہ پہلے سے پاک ہوں تو انہیں بھی محبوب رکھتا ہے۔
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس موقع پر فرماتے ہیں مگر ذوق اس کے خلاف کہتا ہے کیوں کہ پھر توابین کو مؤخر رکھنا چاہئے تھا کیوں کہ اس وقت متطهرین سے متنزهین مراد ہوں گے تو جو لوگ متنزهین ہوں وہ ضرور توابین سے درجہ میں مقدم ہوں گے لہٰذا پہلے ان کا ذکر ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں گذرتا ہے کہ متطهرین سے متصدقین مراد ہیں قرآن کریم میں ہے کہ صدقہ پاک کرتا ہے۔
بہر حال فعل شنیع مذکور کا مرتکب شخص توبہ بھی کرے اور صدقہ بھی دے۔ اب رہا یہ سوال کہ بلحاظ ان دو حالتوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ایک دینار یا نصف دینار کی مقدار کے ذکر میں کیا حکمت ہے تو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ محض امر تعبدی ہے اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (و الله اعلم بالصواب)

باب ما تفعل المحرمة اذا حاضت

باب اس بیان میں کہ جب محرمہ کو حیض آجاوے تو وہ کیا کرے گی

اخبرنا اسحق ابن ابراهيم قال حدثنا سفيان عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نرىٰ الا الحج فلما كان بسرف حضت فدخل عليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم و انا ابكى فقال مالك أنفست فقلت نعم قال هٰذا امر كتبه الله عزوجل علىٰ بنات آدم فاقضى ما يقضى الحاج غير ان لاتطوفى البيت وضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نسائه بالبقر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہم کسی چیز کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر حج کا جب ہم مقام سرف میں پہونچے تو مجھ کو حیض آگیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت میں رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیا ہوگیا کیا حیض شروع ہوگیا میں نے کہا ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حیض ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے تم سب افعال ادا کرو جیسے حاجی لوگ کریں گے مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس واقعہ کا ذکر کر رہی ہیں وہ حجۃ الوداع کا ہے اس حج کے سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق تمام صحابہ کرام کا اور خود ان کا بھی مقصد اصلی حج تھا چنانچہ وہ فرماتی ہیں "لا نرىٰ الا

الحج '' ورنہ صحابہ کرام میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جنہوں نے شروع میں احرام عمرہ باندھ لیا تھا اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ابتداء میں عمرہ کا احرام باندھنے والوں میں سے تھیں۔

بہرحال جب وہ مقام سرف میں پہونچیں تو حیض کا عذر لاحق ہو گیا مقام سرف ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے قریب ہے اور اس کے اور مکہ کے درمیان تقریباً دس میل کا فاصلہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اس وقت وہ رو رہی تھیں کیوں کہ عذر حیض کی وجہ سے افعال عمرہ ادا کرنا مشکل ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہو گیا کیا تجھے حیض آ گیا انہوں نے جواب دیا جی ہاں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دی اور فرمایا ''ھذا امر کتبه الله علی بنات آدم'' کہ یہ حیض ایک ایسی چیز ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔ حاکم اور ابن المنذر نے اسناد صحیح سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حیض کا آغاز حضرت حوا کو اس وقت ہوا کہ جب جنت سے اتاری گئیں۔

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دی کہ حیض ایک امر مقدر ہے جو اپنے مقرر وقت پر واقع ہوتا ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں لہٰذا پریشان ہونے اور رونے کی کیا بات ہے تم نے جس مقصد کے لئے سفر کی مشقت برداشت کی وہ ضائع نہیں ہوگی اور تمہارے اور دوسرے حاجیوں کے درمیان افعال حج کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔ ایک روایت میں حتی تطھری آیا ہے یعنی حیض سے پاک ہونے تک طواف زیارۃ کے عمل سے باز رہو اور سعی بین الصفا والمروۃ سے بھی۔ کیوں کہ ''غیر ان لا تطوفی بالبیت '' سے مراد طواف اور وہ چیز ہے جو طواف کے تابع ہے یعنی سعی اس لئے کہ سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور چونکہ وہ طواف کے تابع ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں فرمایا، تو طواف زیارۃ اور سعی دونوں سے پاکی حاصل ہونے تک باز رہو باقی افعال حج جیسے حاجی لوگ کریں گے تم بھی کرو اس کی تفصیلی بحث کا موقع کتاب الحج ہے۔

بہرحال یہ مسئلہ حدیث سے واضح ہو گیا کہ اگر احرام کے بعد کسی عورت کو حیض آ گیا تو وہ سوائے طواف بیت اللہ اور سعی کے باقی تمام افعال اور حاجیوں کی طرح اداء کریگی پھر پاک ہونے کے بعد یہ دونوں ارکان ادا کرے گی۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ طواف کرنا مسجد میں واقع ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اس لئے یہ دونوں چیزیں طہارت تک مؤخر کر دی جائیں گی اور طہارت کے بعد ادا کریگی۔

باب ما تفعل النفساء عند الاحرام

اس بیان میں کہ احرام کے وقت نفاس والی عورت کیا کرے گی

اخبرنا عمرو بن علی ومحمد بن المثنی ویعقوب بن ابراهیم واللفظ له قالوا اخبرنا یحیی بن سعید قال حدثنا جعفر بن محمد قال حدثنی ابی قال اتینا جابر بن عبدالله رضی الله عنه فسألناه عن حجة النبی صلی الله علیه وسلم فحدثنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج لخمس بقین من ذی القعدة وخرجنا معهٔ حتی اذا أتی ذالحلیفة ولدت اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر فارسلت الیٰ رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم کیف اصنع قال اغتسلی واستثفری ثم اَهِلّی.

راوی حدیث جعفر بن محمد اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں ان کے والد نے کہا کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ان سے نبی کریم ﷺ کے حج کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ حج کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے جبکہ ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب ذوالحلیفہ میں پہونچے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر کو جنا تو اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے عذر کی اطلاع رسول اکرم ﷺ کو دی کہ اب میں کیا کروں حضور ﷺ نے فرمایا غسل کرلو اور لنگوٹ باندھ لو پھر حج کا احرام باندھو۔

تشریح: اگر کوئی عورت احرام کے وقت بچہ جنے تو وہ کیا کرے گی احرام باندھے گی یا نہیں اس حدیث میں اسی کے متعلق بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ مع صحابہ کرام کے مقام ذی الحلیفہ پہونچے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بچہ جنا جس کا نام محمد بن ابی بکر ہے۔

ذوالحلیفہ میقات ہے اہل مدینہ کا وہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں بغیر احرام کے وہاں سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے وہاں پہلے ایک درخت تھا اب ایک مسجد بنوائی ہے وہ مدینہ سے چھ میل کے قریب ہے اور مکہ تک دور سابق کے اعتبار سے دس دن کا راستہ ہے۔عوام جو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کنوؤں میں جنوں سے قتال کیا تھا بالکل جھوٹی افواہ ہے۔ تو اس مقام پر پہونچنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بچہ پیدا ہوا اور نفاس کا عذر لاحق ہو گیا اب کیا کرنا چاہئے اس کے متعلق دریافت کرنے کے واسطے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا حضور ﷺ نے فرمایا "**اغتسلی**" نہالو اور لنگوٹ باندھ لو تا کہ خون کا سیلان رک جائے پھر احرام باندھ لو۔ یہ غسل جس کا حکم اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو دیا ہے یہ سنت احرام ہے نہ کہ غسل واجب جو نفاس کا خون بند ہونے کے بعد ضروری ہے اور چونکہ یہ غسل تحصیل نظافت یعنی صفائی ستھرائی حاصل کرنے اور بدبو کے ازالہ کے واسطے ہے اور اس سے طہارت مقصد نہیں ہے اس لئے حائضہ اور نفاس والی عورت کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔اگر چہ اس کو فرض غسل کی طرف سے قرار دینا درست نہیں کیوں کہ نفاس کا خون جاری ہونے کی حالت میں اور اس کے بند ہونے سے پہلے اس کا غسل کرنا اس کو پاک نہیں کرتا ہاں صاف ستھرا کرتا ہے۔

غرض یہ غسل احرام کے لئے ہے اسی لئے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو نفاس کی حالت میں غسل کا حکم فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفاس کا عذر احرام باندھنے سے مانع نہیں ہے۔

باب دم الحيض يصيب الثوب

باب اس بیان میں کہ حیض کا خون کپڑے کو لگ جائے تو کیا حکم ہے

اخبرنا عبيدالله بن سعيد قال حدثنا يحيى ابن سعيد عن سفيان قال حدثني ابو المقدام ثابت الحداد عن عدى بن دينار قال سمعت ام قيس بنت محصن رضی اللہ عنہا انها سألت رسول الله صلى الله عليه

وسلم عن دم الحیض یصیب الثوب قال حکیه بضلع و اغسلیه بماء و سدر.

ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خون حیض کے متعلق جو کپڑے میں لگ جاتا ہے دریافت کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھرچ دو لکڑی سے پھر اسکو پانی اور بیری کے پتوں سے دھوڈالو۔

اخبرنا یحیی بن حبیب بن عربی عن حماد بن زید عن هشام ابن عروة عن فاطمة بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا و کانت تکون فی حجرها ان امرأة استفتت النبی صلی الله علیه وسلم عن دم الحیض یصیب الثوب فقال حتیه ثم اقرصیه بالماء ثم انضحیه و صلی فیه.

فاطمہ بنت منذر حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے خون کے متعلق جو کپڑوں کو لگ جاتا ہے فتویٰ دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے کپڑے کو رگڑ کر خون صاف کرلو پھر پانی سے کھرچ کر اس کو دھولو اور اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرو۔

تشریح : باب کی پہلی حدیث میں آیا ہے کہ خون جو کپڑے کو لگ جاتا ہے اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا بعض نے ان کا نام آمنہ بتایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے درازیٔ عمر کی دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔

تو جب انہوں نے مسئلہ دریافت کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حکیه بضلع الخ'' کہ پہلے اس خون کو لکڑی سے کھرچ دو پھر اس کو بیری کے پتوں اور پانی سے دھولو۔ اس طریقہ سے کپڑا پاک ہوجائے گا، طریقہ تطہیر کی تعلیم میں پہلے لکڑی سے کھرچ دینے کا حکم دیا تاکہ خون کا نشان زائل ہوجائے پھر بیری کے درخت کے پتوں کو پانی کے ساتھ ملا کر دھونے کا حکم حد سے زیادہ تنظیف کے لئے دیا ہے تاکہ صفائی اور پاکیزگی خوب اچھی طرح ہوجائے، اور مزید صفائی اس صورت میں ظاہر ہے جبکہ بیری کے پتوں کو پانی ملا کر جوش دیا جائے پھر اس سے خون کے دھبے کو دھولیا جائے ورنہ صرف پانی اصل مقصد یعنی طہارت و نظافت کے حصول کے لئے کافی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نجاست کا زائل کرنا پانی کے علاوہ دوسرے مائعات سے جائز ہے یا نہیں۔ خطابیؒ نے کہا کہ یہ حدیث ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ نجاست کو زائل کرنے کے لئے صرف پانی متعین ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کو پانی سے حیض کے خون کو دھونے کا حکم دیا ہے اور نجاسات میں سے حیض کے خون کی نجاست ہو یا دوسری کوئی نجاست ہو کچھ فرق نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے لہٰذا علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ نجاست کو پاک کرنے کے لئے پانی کا ہونا ضروری اور متعین ہے۔ علماء حنفیہ کہتے ہیں کہ ازالۂ نجاست کے لئے پانی کوئی شرط نہیں ہے اور نہ اس حدیث سے بطریق حصر یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ صرف پانی ہی سے نجاست کو دور کیا جاسکتا ہے اور پانی کے علاوہ دوسرے مائعات یعنی بہنے والی چیزیں مثلاً سرکہ اور عرق گلاب وغیرہ سے نجاست کو دور نہیں کیا جاسکتا بلکہ حدیث میں حیض کے خون کو پانی سے دھونے کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ واقعیت اور اغلبیت پر مبنی ہے کیوں کہ دستور یہی ہے کہ عام طور پر نجاست کا

زائل کرنا پانی سے ہوتا ہے اس لئے حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا ہے۔ تو حدیث میں ذکر ماء سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کے علاوہ دوسرے مائعات یعنی بہنے والی چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا درست نہ ہوگا اس لئے ''واغسلیه بماء'' کے ارشاد سے اس پر استدلال کہ ازالۂ نجاست کے لئے پانی لازمی ہے سوائے پانی کے دوسرے مائعات سے تطہیر جائز نہیں ہے قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ کوئی شوافع وغیرہ میں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ذکر ماء سے ایک امر لازمی کا بیان مقصد ہے کہ نجاست کا زائل کرنا لامحالہ پانی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ہم کہیں گے کہ اگر ذکر ماء کو بیان لازم پر محمول کیا جائے تو پھر سدر یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ دھونے کو بھی شرط کہدو۔ کیوں کہ اسی حدیث میں لفظ بماء کے بعد سدر کا ذکر بھی آیا ہے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث میں ''واغسلیه'' کے بعد لفظ ماء کا ذکر صرف پانی کے ساتھ ازالۂ نجاست کو لازمی قرار دینے کے لئے نہیں بلکہ اس کا ذکر حدیث میں بطور امر واقعی اور غالبی کے آیا ہے، اس لئے حنفیہ تمام روایات کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ پانی کے علاوہ دوسرے مائعات طاہرہ مزیلہ سے بھی تطہیر جائز ہے بشرطیکہ ان میں دو وصف ہوں اول طاہر و پاک ہوں اپنی ذات میں۔ دوم یہ کہ ان کے ساتھ نجاست کا ازالہ ممکن ہو جیسے عرق گلاب وغیرہ۔ کیوں کہ پانی میں نجاست زائل کرنے کی صفت ہے اسی طرح یہ صفت دوسرے مائع مزیل میں بھی موجود ہے اس لئے امام ابوحنیفہ وابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک پانی کے علاوہ ہر ایسی چیز کے ساتھ بھی نجاست کا زائل کرنا جائز ہے جو بہنے والی ہو بشرطیکہ اس میں دونوں وصف موجود ہوں۔

باب کی دوسری حدیث فاطمہ بنت منذر نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ یہ فاطمہ بیٹی ہیں منذر بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا جو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں ان کی پرورش میں تھیں تو وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے وہی مسئلہ دریافت کیا جو پہلی حدیث میں گذرا۔ یہ فتویٰ پوچھنے والی عورت کون تھی اس کا تعین نہیں کیا گیا اس روایت میں اس کا ذکر مبہم طور پر آیا ہے مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں جیسا کہ امام شافعیؒ کی روایت میں اس کی تصریح ہے انہوں نے اسی حدیث کو بواسطہ سفیان بن عیینہ ہشام سے روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ عورت حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تھیں انہوں نے مسئلہ دریافت کیا تھا۔ اور راوی کا اپنے نام کو بطور مبہم ذکر کرنا کوئی اشکال کی بات نہیں اور نہ وہ صحت روایت میں مضر ہے۔ جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو فاتحۃ الکتاب کے ساتھ جھاڑ پھونک کے قصہ میں وارد ہوئی ہے اسی طرح بغیر تعین کے اپنا نام بطور ابہام ذکر کیا ہے۔ (عینی وفتح الباری: ۱/ ۲۳۰)

بہر حال جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دم حیض جو کپڑے پر لگ جاتا ہے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حتیه ثم اقرصیه بالماء الخ'' لفظ حت کا معنی یہ کہ لکڑی وغیرہ کسی چیز سے کھرچ ڈالنا اور قرص یہ کہ ناخن سے کھرچتی اور پانی ڈالتی جائے۔ اور خطابیؒ نے کہا کہ قرص اصل میں یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر چٹکی سے خوب مل کر دھونا اور نضح یہ کہ پانی چھڑکنا، اور کبھی پانی بہا کر دھونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بظاہر یہاں یہی مراد ہے اس لئے کہ حدیث باب خون کی نجاست پر دال ہے اور حیض کے خون کی نجاست پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے اس کے باوجود یہاں لفظ

نضح استعمال فرمایا، اس لئے تمام ائمہ کے نزدیک اس حدیث میں نضح بمعنی غسل ہے اور حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ پاک کرنے میں کوئی عدد خاص شرط نہیں بلکہ اصل مقصد طہارت و نظافت ہے۔

باب المنی یصیب الثوب

اس بیان میں کہ اگر منی کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں

اخبرنا عیسی بن حماد قال حدثنا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن سوید بن قیس عن معاویة بن حدیج عن معاویة بن ابی سفیان انهٗ سأل ام حبیبة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم هل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی الثوب الذی کان یجامع فیه قالت نعم اذا لم یر فیه اذیً.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اکرم ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس کو آپ ﷺ پہن کر مشغول جماع ہوتے تھے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں جبکہ اس میں گندگی نہ دیکھتے۔

تشریح: اس حدیث سے منی کے ناپاک ہونے پر استدلال کیا گیا ہے کیوں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے منی کو اذیً سے تعبیر کیا ہے اور ''اذا لم یر فیه أذیً'' فرمایا ہے اور زبان شرع میں لفظ اذی سے ناپاکی اور گندگی کو مراد لیا جاتا ہے۔ (قاله العینی) اس سے منی کا ناپاک ہونا ثابت ہوا۔ علاوہ اس حدیث کے اور بھی بہت سی احادیث موقوفہ و مرفوعہ ہیں۔

معارف السنن لعلامۃ البنوری رحمہ اللہ میں اسی موضوع کے تحت مع اس حدیث باب کے پانچ احادیث مرفوعہ اور پانچ موقوفہ کل دس احادیث نقل کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ منی عند الشرع ناپاک ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام مالک و ثوری اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ کا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ ایک خاص صورت میں یعنی جب منی کپڑے پر خشک ہو جائے تو باتباع نص فرماتے ہیں کہ اس کا فرک یعنی کھرچ دینا کافی ہے۔ لیکن امام مالک و امام اوزاعی فرک کو کافی نہیں سمجھتے ان کے ہاں ہر صورت میں دھونا ضروری ہے جیسے دیگر نجاست دھوئی جاتی ہیں۔

بہر حال ہمارے اور امام مالکؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے احادیث کثیرہ اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں، امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبل کے نزدیک منی پاک ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ منی عورت و مرد کی پاک ہے۔ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں فرک مذکور ہے۔ جو آگے آرہی ہیں وہاں جواب دیں گے۔

باب غسل المنی من الثوب

کپڑے سے منی کو دھونے کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبد اللہ عن عمرو بن میمون الجزری عن سلیمان بن یسار عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کنت اغسل الجنابة من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیخرج الی الصلوٰة وان

بقع الماء لفی ثوبه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں منی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو باہر تشریف لے جاتے اور بے شک میں پانی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں دیکھتی تھی۔

تشریح: یہ حدیث بھی جمہور ائمہ کی دلیل ہے اس سے منی کا ناپاک ہونا ثابت ہوتا ہے کیوں کہ اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو غسل کیوں ہوتا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے جنابت یعنی منی کو دھوتی تھی تو غسل دلیل نجاست ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام "کنت اغسل" سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھو کر کپڑے کو پاک وصاف کرنے کا عمل ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استمراری عمل تھا۔

شوافع کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل کی حکایت ہے اس سے غسل کا وجوب ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لئے منی کی نجاست اس حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

اس کا حنفیہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اول تو حدیث باب سے یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کرتی تھیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دانست میں ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو برقرار رکھتے۔ علاوہ اس کے صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھوتے پھر اسی کپڑے میں نماز کو تشریف لے جاتے اور میں کپڑے میں دھونے کا نشان دیکھتی تھی۔

اس حدیث میں اگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھونے کے معنی لئے جاویں تو ظاہر ہے کہ منی ناپاک تھی اس لئے اس کو دھوتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کپڑا دھویا گیا تو بھی ظاہر ہے۔ بہرصورت منی ناپاک ہے جس کا زائل کرنا مصلی کے کپڑے سے فرض ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے جو حدیث باب اور دیگر احادیث میں مذکور ہے۔

باب فرک المنی من الثوب

کپڑے سے منی کو کھرچنے کا بیان

اخبرنا قتيبة ابن سعيد قال حدثنا حماد عن ابی هاشم عن ابی مجلز عن الحارث بن نوفل عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت افرك الجنابة وقالت مرة اخرى المنی من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں کھرچتی تھی منی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے۔

اخبرنا عمرو بن يزيد قال حدثنا بهز قال حدثنا شعبة قال الحكم اخبرنی عن ابراهيم عن همام بن الحارث ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت لقد رأيتنی وما ازيد على ان افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اوراس سے زیادہ اورکوئی کام نہیں کرتی تھی۔

اخبرنا الحسين بن حريث اخبرنا سفيان عن منصور عن ابراهيم عن همام عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت افركهٔ من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچتی تھی۔

اخبرنا شعيب بن يوسف عن يحيى بن سعيد عن الاعمش عن ابراهيم عن همام عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كنت اراهٔ فى ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحكه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں منی کو جب رسول اکرم ﷺ کے کپڑے میں دیکھتی تھی تو اسے کھرچ دیتی تھی۔

اخبرنا قتيبة قال حدثنا حماد بن زيد عن هشام بن حسان عن ابى معشر عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لقد رأيتنى افرك الجنابة من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی۔

اخبرنا محمد بن كامل المروزى قال حدثنا هشيم عن مغيرة عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لقد رأيتنى اجدهٔ فى ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحتّه عنه.

اسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ بے شک میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے میں منی پاتی پس میں اس کو آپ ﷺ کے کپڑے سے مل کر جھاڑ دیتی۔

تشریح: مصنفؒ نے چھ طریق سے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو فرک منی کے بارے میں آئی ہے نقل کیا ہے اس سے شوافع نے منی کی طہارت پر استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر منی ناپاک ہوتی تو اس کا کھرچ دینا کافی نہیں ہوتا تو فرک دلیل طہارت ہے رہا غسل تو وہ نجاست کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نظافت کے لئے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ احادیث فرک سے شافعیہ کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ ان سے مسلک حنفیہ کی تائید نکلتی ہے کیوں کہ فقہاء حنفیہ کے ہاں تطہیر نجاست کے کئی طریقے ہیں دھونا، رگڑنا، مَل ڈالنا، کھرچنا، خشک ہوجانا، فرک کرنا وغیر ذالک تو منجملہ ان کے کھرچ ڈالنا طہارت کا ایک طریقہ ہے لہٰذا جب منی خشک ہوجائے تو اس میں فرک کافی ہے اس سے طہارت حاصل ہوجائے گی کیوں کہ ہمارے نزدیک نجاست یعنی خشک منی فرک سے زائل ہوجاتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ فرک منی اس کی نجاست پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ غسل منی اس کی نجاست پر دلالت کرتا ہے اس لئے صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ''**لقد رأيتنى افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فركاً**'' کے بعد ان کا قول ''**فيصلى فيه**'' شوافع کے

لئے حجت نہیں بن سکتا بلکہ وہ حنفیہ کی حجت ہے کہ نجاست غیر ماء سے بھی زائل ہو جاتی ہے۔

شوافع نے ایک اور استدلال اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کیا ہے بیہقی نے اس کو معرفۃ السنن میں نقل کیا ہے اور موقوفاً عن ابن عباس صحیح کہا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس منی کے بارے میں جو کپڑے کو لگ جاتی ہے فرمایا ''**امطه عنک بعود او اذخرة فانما هو بمنزلة المخاط او البصاق**'' کہ یہی کافی ہے کہ اس کو لکڑی سے یا اذخر (خوشبودار گھاس) سے زائل کر دو اس لئے کہ وہ منی بمنزلہ رینٹ اور تھوک کے ہے بقول بیہقی صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خود یہ فتویٰ دیا ہے اور مرفوع ثابت نہیں ہے لیکن ابن جوزیؒ نے تحقیق میں لکھا ہے کہ اسحٰق ازرق نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا اور یہ راوی ثقہ ہے جس سے بخاری و مسلم نے روایت لی ہے تو اس کی زیادتی مقبول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوا اور انہوں نے جواب دیا اور اسحٰق ازرق نے سوال و جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا ہے تو یہ زیادتی نہیں بلکہ تغییر ہے لہٰذا بیہقیؒ نے باوجود کمال عنایت کے یہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے لہٰذا ابن الجوزیؒ کی بات پر التفات نہ ہوگا۔

بہر حال شوافع نے اس حدیث موقوف سے منی کی طہارت پر استدلال کیا ہے کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے منی کو تشبیہ دی رینٹ اور تھوک سے لہٰذا منی پاک ہے جیسے یہ دونوں پاک ہیں۔

حنفیہؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ دیکھنا یہ ہے کہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کیا وزن ہے ان صحیح احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں جو نجاست منی پر دلالت کرتی ہیں ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا وہ ان کا اجتہاد ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ کی صحیح احادیث مرفوعہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ان حضرات کی احادیث مرفوعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے۔ علاوہ ازیں دوسری بات یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو منی کو مخاط (رینٹ) کے ساتھ تشبیہ دی وہ ممکن ہے کہ ازالہ اور تطہیر میں تشبیہ دی ہو نہ کہ طہارت میں کیوں کہ منی بوجہ چیک دار ہونے کے رینٹ کے مشابہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح مخاط کا ازالہ کسی لکڑی وغیرہ کے ساتھ کھرچ دینے سے ہو جاتا ہے اسی طرح خشک منی کا ازالہ آسان ہے اذخر گھاس سے بھی اس کو دور کیا جا سکتا ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ اسی اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اس کے علاوہ دوسری روایات میں ازالہ منی کے بارے میں صیغۂ امر وارد ہوا لیکن مشبہ بہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے وہ بات مقدار قلیل منی بقدر معفوعنہ کے بارے میں فرمائی ہو نہ کہ کثیر کے متعلق کیونکہ عام طور پر عند الجماع جو منی کپڑے کو لگ جاتی ہے وہ قلیل ہی ہوتی ہے ''**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**'' لہٰذا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو موقوف ہے طہارت منی پر حجت پکڑنا درست نہیں ہے۔

شافعیہ کی تیسری دلیل حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی فرک کرتی تھی اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تھے، ابن خزیمہؒ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے بیہقی نے کہا کہ اگر نجس ہوتی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود منی کے بارے میں فرمایا

کہ جب کپڑے میں لگ جاوے اگر تو اس کو دیکھے تو دھوڈال اور اگر نہ دیکھے تو اس کو نضح کر، رواہ الطحاوی، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔
اگر کہا جاوے کہ نضح تو یہ ہے کہ پانی چھڑک دیا جائے اور اگر نجس ہوتی تو کل کپڑے کو دھونے کا حکم ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ نضح بمعنی دھونے کے آتا ہے اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے لہٰذا منی کے نظر نہ آنے پر سارے کپڑے کے دھونے کا حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ پاک چیز کے لگ جانے سے ایسا امر نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث عائشہ جس کو ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے وہ منقطع ہے کیوں کہ اس حدیث میں ایک راوی محارب بن دثار ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ان کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے اور خود بیہقی نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو روایت کرنے کے بعد اس کے مرسل ہونے کا اقرار کیا ہے اور وہ ان کے نزدیک حجت نہیں لہٰذا اس حدیث سے طہارت منی پر استدلال بھی درست نہیں۔

اور اگر اس کی حجیت کو ہم مان بھی لیں پھر بھی اس سے مسلک حنفیہ پر کوئی اشکال نہیں پڑے گا کیوں کہ یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک قدر درہم سے کم مقدار پر محمول ہے جو معاف ہے لہٰذا صحیح ابن خزیمہ کی روایت ہمارے مسلک کے خلاف نہیں۔

شوافع نے ایک دلیل عقلی یہ بھی پیش کی ہے کہ منی انسان کی پیدائش کا مبدأ ہے تو اصل انسانی ناپاک نہ ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ انسانی پیدائش منی کا خون بن کر مضغہ وغیرہ تغیرات کے بعد ہوتی ہے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ منی کے بعد علقہ ہے کیا وہ بھی پاک ہے، تو مادہ قریبہ انسان کا علقہ ہے اور اس کو سب نجس کہتے ہیں حالانکہ یہ منی سے بنا ہے تو شوافع کا یہ استدلال کمزور ہے۔

بہر حال کلام کا حاصل یہ ہے کہ منی کی نجاست کا قول دلیل نقلی وعقلی دونوں کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے اور اس کی نجاست پر حنفیہ و مالکیہ سب متفق ہیں البتہ حنفیہ کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ اگر منی تر ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور خشک کے لئے رگڑ دینا کافی ہے، تو حنفیہ حدیث صحیح کی بناء پر تقسیم کے قائل ہوئے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو رگڑ دیا کرتی تھی جبکہ وہ خشک ہوتی اور دھو دیا کرتی تھی جبکہ تر ہوتی۔ اس کو دار قطنی وطحاوی اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ: ۱/ ۲۰۹)

باب بول الصبی الذی لم یأکل الطعام

باب اس بیان میں کہ شیر خوار بچہ جو کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب کا کیا حکم ہے

اخبرنا قتیبة عن مالک عن ابن شهاب عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ام قیس بنت محصن انها اتت بابن لها صغیر لم یأکل الطعام الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاجلسهٗ رسول الله صلی الله علیهو سلم فی حجره فبال علی ثوبه فدعا بماء فنضحهٗ ولم یغسله.

ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنا ایک چھوٹا بچہ جو کھانا نہیں کھاتا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں

اور آپ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اس بچہ نے حضور ﷺ کے کپڑوں میں پیشاب کر دیا حضور اکرم ﷺ نے پانی منگایا پھر اس کو کپڑے پر چھڑک دیا اور اس کو نہیں دھویا۔

اخبرنا قتیبة عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت اُتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بصبی فبال علیه فدعا بماء فاتبعه ایاه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا اس نے حضور ﷺ کے کپڑے میں پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگایا پھر اسے کپڑے پر دھار دیا۔

تشریح: سہیلیؒ نے کہا کہ ام قیس ایک صحابیہ عورت ہے اس کا نام آمنہ ہے اور وہ عکاشہ ابن محصن اسدی کی بہن ہے وہ واقعہ بیان کرتی ہیں کہ اپنے شیر خوار چھوٹے بچے کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائیں۔ ہوسکتا ہے **تحنیک** (کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو کو لگانا) کرانے کی غرض سے لے گئیں ہوں حضور ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھایا اس نے حضور اکرم ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگایا اور اس کو کپڑے پر بہا دیا اور نہیں دھویا یعنی کپڑے کو مبالغہ کے ساتھ رگڑ کر اور نچوڑ کر نہیں دھویا بلکہ غسل خفیف فرمایا یہی مطلب ہے ولم یغسلہ کا۔

چھوٹا بچہ جو کچھ طعام نہیں کھاتا اس کے پیشاب کے نجس ہونے میں تمام فقہاء متفق ہیں سوائے داؤد ظاہری کے لیکن ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تو اگر ایسے بچے نے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے اس میں اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرق کرتے ہیں کہ اگر بچے کا پیشاب ہے تو نضح کافی ہے اور نضح کے معنی وہ بتلاتے ہیں کہ پیشاب آلودہ کپڑے پر اتنا پانی چھڑک دیا جائے کہ وہ پیشاب کے اجزاء سے زیادہ ہو تقاطر کی شرط نہیں اور بچی کے پیشاب میں غسل کی ضرورت ہے یہ تفریق کہاں سے نکالی اس کے لئے دوسری حدیث ہے جو اگلے باب کے تحت آرہی ہے "**یغسل من بول الجاریة ویرش من بول الغلام**" یہ حدیث قوی اور صحیح ہے اس بناء پر شوافع اور حنابلہ تفریق کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے البتہ بول جاریہ کو دھونے میں جس مبالغہ کی ضرورت ہے بچے کے پیشاب میں اس کی ضرورت نہیں اس میں غسل خفیف کافی ہے کیوں کہ لڑکے کے پیشاب میں بدبو کم ہوتی ہے اور وہ زیادہ پھیلتا بھی نہیں بخلاف لڑکی کے پیشاب کے کہ اس میں بدبو ہوتی ہے اور زیادہ پھیلتا بھی ہے۔ اور غسل خفیف یہ ہے کہ بغیر رگڑنے اور ہر مرتبہ نچوڑنے کے صرف موضع نجاست پر پانی کا بہا دینا۔ لغت عرب میں اس کو بھی دھونا کہتے ہیں۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا کہ شیر خوار بچے کے پیشاب کی تطہیر میں رخصت یعنی تخفیف رکھی ہے اور یہی احادیث کا مقتضی ہے اور احادیث میں بچے کے پیشاب کی تطہیر کے بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں "نضح" کا لفظ آیا ہے اور دوسری حدیث میں "**اتباع الماء**" کا لفظ ہے اور اگلے باب کی حدیث میں "**یرش**" کا لفظ آیا ہے اور بعض روایت میں "**فصبه**" کا لفظ ہے چنانچہ یہ **الفاظ مختلفه** بول صبی کی تطہیر کے بارے میں نقل کئے گئے ہیں، اس لئے فرمایا کہ بول صبی کی تطہیر کے بارے میں شریعت کی طرف سے کوئی تاکیدی حکم نہ تھا اس لئے اس کے پیشاب کو دھونے میں زیادہ اعتناء کی ضرورت نہیں بلکہ غسل خفیف کافی ہے اسی

کو کبھی نضح اور رش کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اور کبھی صب وغیرہ سے۔ پھر یہ کہ اختلاف کے وقت جس مسئلہ کو اختیار کیا جاتا ہے اسے تمام الفاظ کی رعایت کے بعد اختیار کیا جانا چاہئے بعض الفاظ پر محدود نہیں رکھنا چاہئے مثلاً زیر بحث مسئلہ میں شوافع نے لفظ نضح اور رش پر نظر رکھ کر اس مسئلہ کا فیصلہ کر لیا کہ بچوں کے پیشاب میں نضح ہوگا اور انہوں نے دوسرے الفاظ سے قطع نظر کر لی حالانکہ یہ مناسب نہیں لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے قول پر تمام الفاظ حدیث کی رعایت ہو جاتی ہے اور جس سے سب روایات پر عمل ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی ماقبل میں گذر چکا ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بچہ اور بچی دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے فرق اتنا ہے کہ بچوں کے پیشاب میں غسل خفیف ہے اور بول جاریہ میں غسل شدید۔ تو جتنے الفاظ بول غلام کے بارے میں استعمال کئے گئے ہیں ان میں سے "فاتبعه اياه" (اس کے پیشاب پر پے درپے پانی بہایا) اور "فصبه" (اس بچہ کے پیشاب پر ایک ہی دفعہ میں پانی ڈال دیا) اس سے واضح طور پر حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ باقی دو لفظ رہ جاتے ہیں ایک تو "نضح" دوسرا "رش" تو حنفیہ و مالکیہ کہتے ہیں کہ جستجو اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح حدیث میں لفظ نضح اور رش سے مراد غسل ہے جیسا کہ مذی کے بارے میں فرمایا "فلينضح فرجه" (رواہ النسائی وغیرہ) یہاں سب کے نزدیک نضح سے مراد غسل ہے۔ نیز غسل دم کے بارے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "وانضحيه" آیا ہے یہاں بھی نضح سے بالاتفاق غسل مراد ہے۔ قسطنطنیہ کے ذکر میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انی لاعرف قرية ينضح البحر بناحيتها" یہاں سب قائل ہیں کہ نضح سے مراد یہ ہے کہ زور سے پانی لگتا ہے سمندر کا اس شہر کے ایک جانب سے اور اس کو دھو کر صاف کرتا ہے، رش یعنی چھڑکنے کے معنی مراد نہیں اور اسی طرح رش کا لفظ دھونے کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ حیض کے خون کو دھونے کے بارے میں ترمذی کی روایت ہے "حتيه ثم اقرصيه ثم رشيه وصلى فيه" یہاں لفظ رش سے مراد بلاشبہ غسل ہے امام بغویؒ وغیرہ نے بھی یہی معنی بتائے ہیں۔

بہر حال ان دلائل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ روایات میں نضح اور رش کا لفظ ذکر کیا گیا ہے مگر اس سے مراد غسل ہے اس لئے بچوں کے پیشاب کی تطہیر کے بارے میں جو نضح اور رش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حنفیہ اس سے غسل مراد لیتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کیوں یہ معنی مراد لیتے ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ چونکہ حدیث میں فصبہ کا لفظ آیا ہے نیز "فاتبعه اياه" کا لفظ بھی آیا ہے جو بظاہر صب کے معنی میں ہے تو ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے پیشاب آلود کپڑے کو دھویا اس لئے حنفیہ و مالکیہ لفظ نضح اور رش کو غسل پر محمول کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے تمام الفاظ مختلفہ میں جو بول صبی کے ازالہ میں وارد ہوئے ہیں جمع اور تطبیق ہو جاتی ہے اور سب احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ نضح اور رش سے تعبیر اختیار کیوں کی گئی ہے۔ وہ اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بچوں کے پیشاب کو زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھونے کی حاجت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صاحب کشاف نے قرآن کریم کی آیت ﴿وامسحوا الخ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ چونکہ اسراف ماء کا اندیشہ ہے اس لئے "وارجلكم" کو "وامسحوا" کے تحت لا کر اس کی طرف تنبیہ کر دی کہ پاؤں کے دھونے میں مبالغہ نہ کریں جو اسراف کی حد میں داخل ہو جائے بلکہ احتیاط کرنی چاہئے ایسا ہی یہاں ہے۔ اب جس روایت میں "ولم يغسله" آیا ہے جیسا کہ یہاں نسائی کی روایت میں فنضحہ کے بعد ولم یغسلہ آیا ہے بظاہر نفی غسل پر

صریح ہے تو وہاں مراد غسل شدید ہے اور اس فرد کی نفی مقصود ہے نہ کہ اصل فعل غسل کی نفی۔

زرقانیؒ نے کہا کہ حدیث میں جو'' **ولم یغسله** '' آیا ہے اس کی تاویل علماء نے یہ کی ہے'' **ای غسلا مبالغاً فیه کغیره** ''یعنی اس بچہ کے پیشاب کو دوسری نجاستوں کی طرح مبالغہ کے ساتھ نہیں دھویا اور صحیح مسلم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس میں ہے'' **ولم یغسله غسلاً** ''جس سے معلوم ہوا کہ غسل شدید نہیں کیا، جو معتاد و معروف ہے وہ نہیں کیا کیوں کہ غسلاً مفعول مطلق ہے جو تاکید و شدۃ کا فائدہ دیتا ہے جیسے ضربت کا معنی مارنا ہے اور ضربت ضرباً کا معنی شدید مارنا ہے اس لئے یہاں'' **ولم یغسله غسلاً** ''میں صرف تاکید اور مبالغہ کے ساتھ دھونے کی نفی ہوئی اصل فعل کی نفی نہیں کی، تو مطلب یہ ہوگا کہ اس بچے نے جس کپڑے پر پیشاب کر دیا تھا پیغمبر ﷺ نے اس پر صب ماء فرمایا جو غسل کی ایک قسم ہے مگر اس کو اس طرح نہیں دھویا جس طرح دوسری نجاستوں کو زیادہ اعتناء اور مبالغہ کے ساتھ دھویا جاتا ہے۔

اب بحمد اللہ مذکورہ احادیث جو بول غلام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ مذہب حنفیہ کے موافق ہیں۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں کا پیشاب نجس ہے تو پھر شارع ﷺ نے تفریق کیوں کی ہے کہ بچوں کے پیشاب کو ہلکے طریقہ سے دھولیا جاوے تو بھی کافی ہے اور بچی کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے۔ تو اس کے کئی سبب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ مجالس میں اکثر لڑکوں کو لایا جاتا تھا اور جب اکثر بچوں کو لایا جاتا تھا تو ان کے پیشاب سے ابتلاء بھی زیادہ ہوتا اس لئے ہر مرتبہ اگر مل دل کر دھونے کا حکم دیا جاتا تو لوگوں پر حرج ہوتا اس لئے اس میں تخفیف آئی بخلاف بچیوں کے کہ ان کو مجالس میں لانے کا رواج کم تھا اس لئے یہاں تخفیف نہیں کی گئی بلکہ ان کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ غلام کا پیشاب زیادہ پتلا ہوتا ہے جاریہ کے پیشاب سے اس لئے وہ محل کے ساتھ اس قدر ملصق (چمٹا ہوا) نہیں ہوتا ہے جتنا جاریہ کا پیشاب ملصق ہوتا ہے لہٰذا دھونے کے حکم میں فرق کیا گیا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ مزاج میں فرق ہے لڑکی کے مزاج میں رطوبت و برودت غالب ہوتی ہے اس لئے اس کے پیشاب میں غلاظت اور بدبو زیادہ ہوتی ہے جس کا ازالہ صرف پانی بہا دینے سے نہ ہوگا بلکہ مَل کر اور ہر دفعہ نچوڑ کر دھونے سے ہوگا اور لڑکے کا مزاج گرم اور برودت کم ہوتی ہے اور حرارت غالب ہونے کی بناء پر اس کا مزاج لطیف ہوتا ہے اس لئے اس کے پیشاب میں بھی لطافت ہوگی جس پر صرف پانی بہا دینے سے پیشاب کے اجزاء خارج ہو جائیں گے۔ تو شریعت نے دونوں کے مزاج کو سامنے رکھ کر حکم غسل میں تفریق کر دی اور یہ حکم بالکل عقل کے موافق ہے کہ فرق ضرور ہونا چاہئے خواہ اس طرح کہ نضح اور غسل کا فرق ہو یا غسل خفیف و غسل شدید کا فرق ہو۔

باب بول الجارية

لڑکی کے پیشاب کا کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا مجاهد بن موسىٰ قال حدثنا عبدالرحمن بن مهدى حدثنا يحيى بن الوليد قال حدثنى

محل بن خلیفة قال حدثنی ابو السمح قال قال النبی صلی الله علیه وسلم یغسل من بول الجاریة ویرش من بول الغلام.

روای حدیث محل بن خلیفہ کہتے ہیں کہ ابوالسمح رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کے پیشاب کو دھولیا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے۔

تشریح :ابوالسمح آزاد کیا ہوا غلام اور خادم تھا نبی کریم ﷺ کا۔ ابوزرعہ رازیؒ وغیرہ نے کہا کہ ابوالسمح کا اصل نام کیا تھا ہمیں معلوم نہیں ہو سکا اور ہم نہیں جانتے کہ سوائے اس حدیث کے کوئی اور حدیث ان کی ہے اور اس حدیث کی صرف یہی اسناد ہے جو کتاب میں مذکور ہے اسی طرح بزار نے بھی کہا۔

مصنف نے اس حدیث ابوالسمح کو تھوڑا تھوڑا کر کے دو جگہ ذکر کیا ہے پوری حدیث کو ایک عنوان کے تحت نقل نہیں کیا۔ اس کا ابتدائی حصہ پیچھے ''باب ذکر الاستتار عند الاغتسال'' کے تحت لائے اور آخر کا حصہ یہ ہے ''فاتی حسن او حسین فبال علی صدرہ فجئت اغسله فقال یغسل من بول الجاریة الخ'' یعنی دونوں میں فرق کیا جائے غلام میں غسل خفیف ہے اور جاریہ میں غسل بالمبالغہ ہے اور یہ فرق حسن تعبیر سے ہے جو تفاوت مراتب پر اشارہ کرتا ہے جیسے حدیث میں آیا ''سباب المسلم فسوق وقتاله کفر'' شارحین کہتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ دونوں فسق ہیں مگر تعبیر میں اشارہ ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے اور فسق کا شعبہ ہونے میں تفاوت ہے اسی طرح یہاں بچہ اور بچی کے پیشاب کے درمیان جو فرق ہے کہ غسل خفیف کو بچے کے پیشاب میں لفظ رش سے تعبیر کیا گیا ہے اور غسل شدید کو بچی کے پیشاب کی تطہیر میں لفظ غسل سے تعبیر کیا گیا ہے جو تفاوت مراتب پر دال ہے۔ (والله اعلم)

باب بول مایؤکل لحمهٗ

باب اس بیان میں کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب کا کیا حکم ہے

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا یزید ابن زریع قال حدثنا سعید قال حدثنا قتادة ان انس بن مالک حدثهم ان اناساً او رجالا من عکل قدموا علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فتکلموا بالاسلام فقالوا یا رسول الله انا اهل ضرع ولم نکن اهل ریف واستو خموا المدینة فامر لهم رسول الله صلی الله علیه وسلم بذودو راع وامر هم ان یخرجوا فیها فیشربوا من البانها وابوالها فلما صحوا وکانوا بنا حیة الحرة کفروا بعد اسلامهم وقتلوا راعی النبی صلی الله علیه وسلم واستاقوا الذود فبلغ النبی صلی الله علیه وسلم فبعث الطلب فی آثار هم فاتی بهم فسمروا اعینهم وقطعوا ایدیهم وارجلهم ثم ترکوا فی الحرة علیٰ حالهم حتی ماتوا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ قبیلہ عکل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور اسلام کے متعلق بات کی بعدازاں مدینہ میں مقیم ہوئے لیکن جب انہوں نے مدینہ کی آب وہواوخوراک ناموافق پائی تو عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) بیشک ہم دودھ والے ہیں نہ کہ سرسبز زمین اور کھیتی والے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو چرواہے کے ساتھ دودھ والی اونٹنیوں کے پاس جنگل میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہاں کی اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا کرو پھر جب وہ تندرست ہوگئے اور وہ لوگ حرہ یعنی سیاہ پتھروں والی زمین کی حدود میں تھے تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگئے اور نبی کریم ﷺ کے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹوں کو ہانک لے گئے (دن کے شروع حصے میں) اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پیچھے آدمی بھیجے اور وہ مجرمین آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے پھر گرم سلائی سے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے پھر پتھریلی زمین میں چھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ مر گئے۔

اخبرنا محمد بن وهب قال حدثنا محمد بن سلمة عن ابی عبدالرحيم قال حدثنی زيد بن ابی انيسة عن طلحة ابن مصرف عن يحيى بن سعيد عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قدم اعراب من عرينة الى النبی صلى الله عليه وسلم فاسلموا فاجتووا المدينة حتى اصفرت الوانهم وعظمت بطونهم فبعث بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الى لقاح لهٗ وامرهم ان يشربوا من البانها وابوالها حتى صحوا فقتلوا راعيها واستاقوا الابل فبعث نبی الله صلى الله عليه وسلم فی طلبهم فاتی بهم فقطع ايديهم وارجلهم وسمرا عينهم فقال امير المؤمنين عبد الملک لأنس وهو يحدثه هذاالحديث بكفر ام بذنب قال بكفر.

قال ابو عبدالرحمن لانعلم احدًا قال عن يحيى عن انس فی هذا الحديث غير طلحة والصواب عندی والله اعلم يحيى عن سعيد بن المسيب مرسل.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ دیہاتی لوگ قبیلہ عرینہ کے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور وہ مسلمان ہوگئے اور ان کو مدینہ کی آب وہوا ناموافق ہوئی (اس لئے وہاں ٹھہرنا ناپسند کیا) یہاں تک کہ ان کے رنگ زرد ہوگئے اور ان کے پیٹ موٹے اور بڑے ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی دودھ دینے والی اونٹنیوں کے پاس بھیج دیا اور ان کے لئے اجازت دیدی کہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا کرو یہاں تک کہ تندرست ہوگئے پس انہوں نے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے پیچھے تلاش کے لئے آدمی بھیجے اور وہ لوگ پکڑے گئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے گئے آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث امیر المؤمنین عبدالملک سے بیان کی تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کفر کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا یا گناہ کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کفر کی وجہ سے۔

تشریح: پچھلے ابواب میں مصنفؒ نے بول صبی اور بول جاریہ کے درمیان فرق کو ثابت کیا اب یہ باب قائم کرکے بول مایوکل لحمہ اور بول غیر مایوکل لحمہ کے درمیان فرق بتلانا چاہتے ہیں۔ اس کے اثبات کے لئے پورا واقعہ نقل کردیا، ان دیہاتی لوگوں کا تعلق کس قبیلہ سے تھا اور ان کی تعداد کیا تھی اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ نسائی کی پہلی روایت میں ''من عکل''

آیا ہے۔اور دوسری روایت میں ''من عرینة'' کا لفظ آیا ہے۔ داؤدی اور ابن التین کا خیال ہے کہ عرینہ اور عکل میں کوئی فرق نہیں عرینہ وہی بعینہ عکل ہے۔لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کو غلط بتلایا ہے اور فرمایا کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قبیلے ہیں، قبیلہ عکل عدنان سے ہے اور عرینہ قحطان سے ہے۔ بخاری کی کتاب الطہارت میں شک کے ساتھ من عکل او عرینة کے الفاظ آئے ہیں، اور کتاب المغازی میں حرف عطف واو کے ساتھ من عکل و عرینة کے الفاظ آئے ہیں اور یہی صحیح ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابوعوانہ اور طبری نے سعید بن بشیر کے طریق سے قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کانوا اربعة من عرینة وثلاثة من عکل'' چار آدمی عرینہ سے تھے اور تین عکل سے تو کل سات آدمی مدینہ منورہ آئے تھے۔لیکن بخاری کی روایت سے جو کتاب الجہاد میں ہے آٹھ کی تعداد معلوم ہوتی ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آٹھواں شخص ان دونوں قبیلوں کے علاوہ کسی اور قبیلہ کا ہو یا ان کے اتباع سے ہو اس لئے جن حضرات نے اس کا اعتبار نہیں کیا انہوں نے اپنی روایات میں حاضرین کی تعداد سات بتائی ہے۔ابن اسحٰق نے مغازی میں لکھا ہے کہ وہ لوگ غزوۂ ذی قرد کے بعد آئے تھے اور یہ غزوہ جمادی الاخری ۶ھ میں واقع ہوا۔

غرض یہ دیہاتی باشندے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے مدینہ میں قیام کیا مگر ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اس لئے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہم اہل لبن یعنی دودھ پر زندگی بسر کرنے والے ہیں نہ کہ کاشتکار، شہری آب و ہوا اور غذا ہماری طبیعت کے موافق نہیں ہمارے لئے اونٹ کے دودھ کا انتظام فرما دیجئے۔ پہلی روایت میں ذود کا لفظ آیا ہے اور یہ تین سے لیکر دس تک کے اونٹوں کو کہتے ہیں دوسری روایت میں لقاح کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے لقحہ کی دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

بہرحال ان لوگوں کی درخواست پر حضور اکرم ﷺ نے ان کو شہر سے باہر چراگاہ میں قیام کی اجازت دی جہاں کچھ بیت المال کی اور کچھ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنیاں چرتی تھیں۔حضور ﷺ کی اونٹنیاں چرانے والے کا نام یسار تھا۔ابن اسحٰق نے مغازی میں لکھا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا غلام تھا اور وہ غزوۂ بنی ثعلبہ میں ہاتھ آیا تھا جب حضور اکرم ﷺ نے اچھی نماز پڑھتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا اور وہ مقام حرہ کے گرد و نواح چراگاہ میں حضور ﷺ کی اونٹنیاں چراتا تھا (حرہ ایک مقام کا نام ہے مدینہ کے قریب وہاں کے پتھر سیاہ ہیں اور زمین اس کی پتھریلی ہے) ابن سعد نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنیوں کی تعداد پندرہ تھی اور ان احسان فراموش لوگوں نے ان میں سے ایک کو ذبح کر دیا جس کا نام حسناء تھا جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اس کو اپنی شرح میں نقل کیا ہے۔

غرض یہ کہ ان لوگوں کی درخواست پر ان کو جنگل میں جا کر اونٹنی کے دودھ اور پیشاب پینے کی اجازت دی چنانچہ حدیث باب میں آیا ''ان یشربوا من البانها و ابوالها'' دو علاج بتلائے ایک تو تبدیل آب و ہوا دوسرا البان و ابوال کا استعمال جب اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے استعمال سے وہ لوگ تندرست ہو گئے تو انہیں شرارت سوجھی اور تین جرم کئے مرتد ہو گئے، راعی کو

قتل کر دیا اور بیت المال کے اونٹ لوٹ کر لے گئے اور جب حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ ﷺ نے ان کو پکڑنے کے لئے بیس آدمیوں کا دستہ جس میں انصار زیادہ تھے ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور ایک قائف یعنی کھوجی کو اس دستہ کے ساتھ بھیج دیا لشکر کے اس دستہ نے ان غارت گروں کو پکڑ لیا اور ان کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو انہوں نے چرواہے کے ساتھ کیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں مختلف جوانب سے کاٹ دیئے جائیں یعنی ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں جیسا کہ قرآن حکیم میں ''من خلاف'' فرمایا نیز سمر کرایا سمر اصل میں گرم سلائی سے آنکھ پھوڑنے کو کہتے ہیں یعنی ان رہزنوں کی آنکھیں اس طرح سے پھوڑی گئیں گویا یہ برابر کا انتقام تھا کیوں کہ ان ڈاکوؤں نے بھی مسلمان چرواہے کو طرح طرح سے عذاب دیکر بے رحمی سے قتل کر ڈالا تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی اس لئے قزاقوں کے لئے علیحدہ احکام نازل ہوئے اور یہ سزا جوان کو دی گئی تھی آیت حدود نازل ہونے سے پہلے کی تھی چنانچہ امام نوویؒ نے کہا کہ علماء نے اس حدیث کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ یہ سزا جوان باغیوں کو دی گئی قزاقوں کے بارے میں آیت حدود اور آیت محاربہ نازل ہونے سے پہلے کی تھی اور مثلہ سے منع کرنے سے پہلے کی تھی مثلہ قطع اعضاء کو کہتے ہیں بعد ازاں ڈاکوؤں کے لئے علیحدہ احکام نازل ہوئے تو وہ منسوخ ہو گئی اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے بلکہ اسی میں آیت محاربہ اتری اور آیت محاربہ یہ ہے ''انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الخ'' اب وہ باغی لوگ اس آیت کے تحت میں آ گئے اور ان کے ساتھ بطریق قصاص وہی معاملات کئے گئے جو انہوں نے چرواہے کے ساتھ کئے تھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ لوگ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہیں دیا گیا یہاں تک کہ مر گئے۔

یہاں پر بعض شارحین کو اشکال گذرا کہ عکل اور عرینہ کے لوگوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا حالانکہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور وہ پانی مانگے تو منع نہیں کرنا چاہئے علامہ نوویؒ نے جواب دیا کہ محارب مرتد کے لئے کوئی نرمی یا رعایت پانی وغیرہ کی نہیں ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ جس دن کی صبح کو ڈاکہ زنی ہوئی اس دن وقت مقررہ پر حضور اکرم ﷺ کے گھر اونٹنی کا دودھ نہیں پہنچا تو آپ ﷺ نے ان پر بددعا فرمائی کہ اے اللہ جس نے اہل بیت کو پیاسا رکھا تو بھی ان کو پیاس کی تکلیف دے اس لئے وہ لوگ پانی سے محروم ہو گئے۔ **(واللہ تعالیٰ اعلم)**

اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اونٹ کا پیشاب پاک ہے لہٰذا بعض ائمہ نے کہا کہ بول مایوکل لحمہ یعنی جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب پاک ہے اور ان کا یہ قول بطریق قیاس ہے ورنہ حدیث باب میں صرف بول ابل کا ذکر ہے مگر چونکہ اس کا گوشت ماکول ہے لہٰذا دوسرے ماکول اللحم کو اس پر قیاس کر لیا گیا یہی قول امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ امام زفرؒ اور ایک روایت میں امام محمدؒ کا ہے۔

دوسرے حضرات یعنی امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ ناپاک کہتے ہیں فریق اول کا استدلال حدیث باب سے ہے مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس میں نہ طہارت کا ذکر ہے نہ نجاست کا اس حدیث میں صرف اس قدر تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے چند لوگوں کو اونٹنی کے دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا اب یہ حکم طہارت کی بناء پر تھا اور یا علاج کی بناء پر یا

اور کسی وجہ سے اس کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا حدیث باب سے طہارت بول ابل کا دعویٰ غیر مسلم ہے ہاں احتمال ضرور ہے مگر دوسرے احتمالات بھی ہیں مالکیہ نے کہا کہ اجازت اونٹ کے پیشاب پاک ہونے کی بناء پر دی گئی تھی شوافع نے کہا کہ اجازت بطور تداوی تھی اور یہ ان کا مذہب ہے کہ تداوی بالمحرم جائز ہے حنفیہ نے ضرورت پر محمول کیا ہے جس کی مراد یہ ہے کہ اگر تجربہ کار ثقات اطباء متفق ہو جائیں کہ سوائے اس کے کوئی علاج نہیں تو بے شک جائز ہے مثلاً کہا جائے کہ سوائے شراب کے کوئی اور علاج نہیں تو اس وقت اس کا استعمال جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ بطریق طہارت حکم تھا جس کے قائل مالکیہ ہوئے۔ ممکن ہے بذریعہ وحی حضور اکرم ﷺ کو یقین ہو گیا ہو کہ سوائے اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے اہل عرینہ کی بیماری کے علاج کی کوئی صورت نہیں اس لئے حضور اکرم ﷺ نے دودھ کے ساتھ اونٹنی کا پیشاب پینے کا بھی حکم فرمایا اور ممکن ہے کہ حکم بطور تداوی ہو "واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" لہٰذا مالکیہ وغیرہ کا استدلال قابل تسلیم نہیں جب تک کہ کوئی ایسی ٹھوس دلیل نہ پیش کریں جس میں دوسرے احتمالات کی گنجائش نہ ہو اور واضح طور پر بتلا دیتی ہو کہ حضور اکرم ﷺ نے اونٹ کے پیشاب پینے کا حکم بطریق طہارت دیا تھا مگر ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے۔

احناف اور شوافع کا مستدل حدیث "استنزهوا من البول الخ" ہے یہاں پیشاب سے پرہیز کا حکم عام ابوال کے لئے ہے ماکول اللحم یعنی جس جانور کا گوشت حلال ہے اور غیر ماکول اللحم یعنی جس جانور کا گوشت حرام ہے سب کے پیشاب کو شامل ہے اور حدیث قولی ہے علاوہ ازیں جو علماء تفریق کرتے ہیں دلیل انہیں لانی چاہئے اور جو تفریق نہیں کرتے ان کے ذمہ دلیل کا بیان کرنا ضروری نہیں کیوں کہ وہ تو یعنی احناف وشوافع تمام جانوروں کے پیشاب کی نجاست کے قائل ہیں۔

باب فرث مایؤکل لحمه یُصیب الثوب

باب اس بیان میں کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا گوبر کپڑے پر لگ جائے تو کیا حکم ہے

اخبرنا احمد بن عثمان بن حكيم قال حدثنا خالد يعني ابن مخلد قال حدثنا علي وهو ابن صالح عن ابى اسحق عن عمر و بن ميمون قال حدثنا عبدالله في بيت المال قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي عند البيت وملاء من قريش جلوس وقد نحروا جزوراً فقال بعضهم ايكم ياخذ هذا الفرث بدمه ثم يمهله حتى يضع وجهه ساجداً فيضعهٔ يعني على ظهره قال عبدالله فانبعث اشقاها فاخذ الفرث فذهب به ثم امهله فلما خرسا جدًا وضعه على ظهره فاخبرت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي جارية فجاءت تسعىٰ فاخذته من ظهره فلما فرغ من صلوٰته قال اللّٰهم عليك بقريش ثلاث مرّات اللّٰهم عليك بابى جهل بن هشام وشيبة بن ربيعة وعتبة بن ربيعة وعقبة ابن معيط حتى عدّ سبعة من قريش قال عبدالله فوالذى انزل عليه الكتاب لقد رأيتهم صرعى يوم بدر فى قليب واحد.

عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں ہم سے یہ حدیث بیان کی انہوں نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو اس اوجھڑی کو اس کے خون کے ساتھ اٹھالائے پھر ان کو مہلت دے یہاں تک کہ جب وہ سجدہ کریں تو اوجھڑی میں بھرا ہوا گوبران کی پیٹھ پر رکھ دے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑا بدبخت اس کام کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور وہ عقبہ ہے وہ اوجھڑی کو اٹھالایا پھر انتظار کرنے لگا حتی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر رکھ دیا پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر دی گئی حالانکہ وہ چھوٹی بچی تھیں وہ بھاگتی دوڑتی ہوئی آئیں اور اس اوجھڑی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ سے ہٹایا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے اللہ تو قریش کے ان سرداروں کو گرفت میں لے لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بددعا کی پھر ہر ایک کا الگ الگ نام لے کر فرمایا اے اللہ ابوجہل بن ہشام کو پکڑ لے اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے یہاں تک کہ قریش کے سات اشخاص کا نام لیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس خدا کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی ہے کہ بے شک میں نے ان کو غزوۂ بدر کے دن ایک کنوئیں میں گرایا ہوا دیکھا ہے۔

تشریح: ماقبل کے عنوان کے تحت اس مسئلہ کا بیان ہو چکا ہے کہ امام مالکؒ جس طرح ماکول اللحم یعنی حلال جانور کے پیشاب کو پاک کہتے ہیں اسی طرح از بال یعنی لید اور گوبر کو بھی پاک کہتے ہیں اور داؤد ظاہری بھی طہارت کے قائل ہیں اور خود مصنفؒ کے طرز عنوان سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ماکول اللحم کے فرث یعنی گوبر وغیرہ پاک ہیں اور انہوں نے اس کی طہارت پر حدیث باب سے استدلال کیا ہے۔

استدلال اس طرح پر کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو سب سے زیادہ بدبخت عقبہ بن ابی معیط نے اوجھڑی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر رکھ دی مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم نہیں کی نماز کے عمل کو جاری رکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ گوبر ناپاک نہیں ہے اگر وہ کپڑے کو لگ جائے تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا کیوں کہ اگر ناپاک ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے عمل کو ہرگز جاری نہ رکھتے بلکہ ختم فرما دیتے۔

غرض حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے امام نسائیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ حلال جانور کا گوبر پاک ہے وہ اگر کپڑے پر لگ جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن جمہور علماء گوبر وغیرہ کو ناپاک کہتے ہیں اور نزدیک ان کے جس طرح ابتدائی حالت میں طہارت نماز کے لئے شرط ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد اسی طہارت کی حالت میں قائم رہنا شرط ہے اور نماز کا کوئی حصہ بدون طہارت کے درست نہیں ہے۔ اور جمہور کی طرف سے اس حدیث کا جواب دیا گیا ہے کہ رکن پورا نہیں ہوا تھا کہ اس اوجھڑی کو ہٹا دیا گیا، یا نماز میں استغراقی کیفیت کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاست کا علم نہیں ہوسکا پھر بعد میں شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ کیا ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اگر اس نماز کا اعادہ کیا گیا تھا تو اس واقعہ میں منقول ہونا چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ راوی

کے نقل نہ کرنے سے عدم اعادہ کا فیصلہ کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز کا اعادہ اپنے گھر میں فرمایا ہو اور راوی حدیث کو اس کا علم نہ ہو اس لئے اس نے نماز کے اعادہ کا ذکر نہیں کیا۔

نیز اس حدیث سے حلال جانور کے گوبر وغیرہ کی طہارت پر استدلال اس لئے درست نہیں کہ خون ناپاک ہے اور اس اوجھڑی کے ساتھ خون بھی لگا ہوا تھا جیسا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کا ذکر آیا ہے۔ لیکن سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ اس وقت تک یعنی اوجھڑی رکھنے کے واقعہ مذکورہ تک تطہیر ثیاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا اس واقعہ سے استدلال درست نہیں۔ کیوں کہ حافظ ابن حجرؒ نے کتاب التفسیر میں ابن المنذر کے حوالے سے زید بن مرثد کی روایت کو نقل کیا ہے کہ اسی واقعہ مذکورہ کے بارے میں سورۂ مدثر کی آیت ''وثیابک فطھر'' نازل ہوئی اگر ایسا ہے تو صریح ہے کہ تطہیر ثیاب کا حکم اس سے پہلے نازل نہیں ہوا تھا اور طہارت ثیاب شرط صلوٰۃ نہ تھی لہٰذا نسائی وغیرہ کا اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث باب میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد بددعا فرمانے کا ذکر آیا ہے جب حضور اکرم ﷺ نے ان بدبختوں کے حق میں بددعاء فرمائی تو یہ بات ان پر نہایت ناگوار گذری۔ بخاری کی روایت میں ''فشق ذالک علیھم'' کیوں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر مکہ میں دعا قبول ہوتی ہے دوم آپ ﷺ مظلوم تھے اور مظلوم کی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے اہل سیر نے لکھا ہے کہ ایسی بددعا مخصوص کر کے حضور اکرم ﷺ نے کبھی نہیں فرمائی آپ ﷺ نے سخت سے سخت مواقع پر بھی بددعا نہیں کی لیکن اس وقت اللہ کے ساتھ مشغول تھے اور یہ مشرکین قریش اس رشتہ اور تعلق مع اللہ کو قطع کرنا چاہتے تھے اس لئے اسے محبوب نہ سمجھا اور بددعا فرمائی اور ہر شخص کا نام لے کر بددعا فرمائی ''اللھم علیک بابی جھل بن ھشام الخ'' راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ لوگ میدان بدر کی کھائی میں مردہ پڑے تھے راوی حدیث نے چار کا نام لیا ہے باقی تین اشخاص یہ ہیں ولید بن عقبہ بن ربیعہ وامیۃ بن خلف اور عمارۃ بن الولید۔

باب البزاق یصیب الثوب

کپڑے میں تھوک لگ جائے تو کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا علی بن حجر قال حدثنا اسماعیل عن حمید عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ طرف ردائہ فبصق فیہ فردّ بعضہ علی بعض.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوکا پھر بعض کپڑے کو بعض پر رگڑ لیا۔

اخبرنا محمد بن بشار عن محمد قال ثنا شعبة قال سمعت القاسم ابن مھران یحدث عن ابی رافع عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلّی احدکم فلا یبزق بین یدیہ ولا عن یمینہ ولکن عن یسارہ او تحت قدمہ والا فبزق النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فی ثوبہ ودلکہ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے سامنے کی طرف نہ تھوکے اور نہ اپنی داہنی جانب لیکن اپنی بائیں جانب یا قدم کے نیچے تھوکے ورنہ اس طرح کرے جیسے نبی کریم ﷺ نے کیا کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر کے ایک کونے میں تھوکا پھر اس کو مل دیا۔

تشریح: ان روایات سے بزاق یعنی تھوک کی طہارت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کی حالت میں اپنی چادر کی ایک جانب میں تھوکا پھر اس کو وہیں مل دیا تو آپ ﷺ کے اس عمل سے تھوک کی طہارت کا ثبوت واضح ہے کیوں کہ اگر تھوک پاک نہ ہوتا تو آپ ﷺ ہرگز یہ عمل نہ فرماتے کیوں کہ مصلی اس حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتا جب کہ اس کے کپڑے میں نجاست لگی ہو۔

دوسری حدیث میں دو باتوں سے منع فرمایا اور تین چیزوں کی اجازت دیدی سامنے کی طرف تھوکنا جہت قبلہ کی تعظیم کے خلاف ہے اس لئے اس سے منع فرمایا اور داہنی جانب تھوکنے کا عمل کاتب حسنات فرشتوں کی تعظیم کے خلاف ہے خصوصاً نماز کی حالت میں جو عظام حسنات میں سے ہے اس لئے اس طرف تھوکنے سے منع فرمایا لیکن بائیں جانب یا قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت دیدی کیوں کہ کوئی مانع موجود نہیں ہے۔

بہر حال ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر سکتے ہیں ورنہ اس طرح بھی کر سکتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کپڑے میں تھوکا پھر اس کو وہیں مل دیا۔

باب بدء التیمم

تیمّم کی ابتداء کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فی بعض اسفاره حتی اذا كنا بالبيداء أو ذات الجیش انقطع عقد لی فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه واقام الناس معهٗ وليسوا على ماءٍ وليس معهم ماء فاتى الناس ابابكر رضی الله عنه فقالوا الاترىٰ ما صنعت عائشة اقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء فجاء ابو بكر رضی اللہ عنہ ورسول الله صلى الله عليه وسلم واضع رأسهٗ على فخذی وقد نام فقال حبست رسول الله صلى الله عليه سلم والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء قالت عائشة فعاتبنی ابوبكر وقال ماشاء الله ان يقول وجعل يطعن بيدهٖ فی خاصرتی فما منعنی من التحرك الامكان رسول الله صلى الله عليه وسلم على فخذی فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اصبح على غيرماء فانزل الله عزوجل آية التيمم فقال اسيد بن حُضير ماهی باول بركتكم يا آل ابی بكر قالت فبعثنا البعير الذی كنت عليه فوجدنا العقد تحتهٗ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفروں میں سے ایک سفر میں نکلے یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے لئے ٹھہرے اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام بھی ٹھہر گئے اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگ پانی پر نہ تھے اور نہ ان کے ساتھ پانی تھا تو لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا لیا حالانکہ لوگوں کے آس پاس پانی نہیں ہے اور نہ ان کے ساتھ پانی ہے پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس وقت رسول اکرم ﷺ میری ران پر سر رکھ کر سو گئے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے رسول اکرم ﷺ اور لوگوں کو روک لیا حالانکہ وہ نہ پانی کے آس پاس ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھے سرزنش کرنے لگے اور کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے کہلوانا چاہا اور میری کوکھ میں مارنے لگے اور مجھے حرکت کرنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ رسول اکرم ﷺ میری ران پر سو رہے تھے یہاں تک کہ صبح کو بیدار ہوئے تو اس وقت وہاں پانی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والو یہ تمہاری پہلی برکت نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار کو اس کے نیچے پایا۔

تشریح: تیمم باب تفعل کا مصدر ہے باعتبار لغت کے اس کے معنی قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں طہارت حاصل کرنے کی نیت سے یا نماز پڑھنے کی نیت سے ہاتھ اور چہرے کے مسح کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا تیمم کہلاتا ہے اس اعتبار سے تیمم کے معنی شرعی میں حقیقت لغوی بھی معتبر ہے اسی لئے سب اماموں کا اتفاق ہے کہ بدون نیت کے تیمم درست نہیں ہوتا۔

اور تیمم کرنا صرف اسی امت کے لئے مخصوص ہے اور کسی امت کے لئے جائز نہیں قرار دیا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وضو اور طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام بنا دیا جو پانی سے زیادہ آسانی کے ساتھ مل سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ یہ سہولت صرف آخری امت کو عطا فرمائی گئی ہے۔

فی بعض اسفارہ: بعض اسفار جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ساتھ گئیں تھیں اس سے کونسا سفر مراد ہے حافظ ابن عبد البر مالکیؒ نے کہا کہ اس سے مراد غزوہ بنی المصطلق کا سفر ہے اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں اور ان سے پہلے ابن سعد اور ابن حبان نے بھی غزوہ بنی المصطلق کا سفر بتایا ہے۔

حتی اذا کنا بالبیداء: اس میں امام نوویؒ سے سہو ہوا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ مقام بیداء خیبر کے راستہ میں ہے حالانکہ وہ مکہ کے راستہ میں ہے اور ذوالحلیفہ کے قریب اور اس سے آگے ہے۔

اوذات الجیش: یہ بھی ایک مقام ہے جو مدینہ سے ایک برید یعنی بارہ میل کے فاصلہ پر ہے اور یہاں مقام کے تعین میں شک بعض رواۃ سے واقع ہوا ہے یا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیکن دوسری روایت میں بغیر تردد کے آیا ہے چنانچہ حضرت

عمار کی حدیث میں بدون شک کے یقین کے ساتھ آیا ہے کہ وہ جگہ ذات الجیش ہے۔

بہر حال اس منزل پر پہنچنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا اس کی تلاش کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے لوگوں کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اس منزل کے آس پاس پانی نہیں تھا اور لوگوں کے پاس بھی پانی نہ تھا تو لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس تکلیف کی شکایت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی فرمائی کہ تو نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایسی جگہ روک دیا جہاں پانی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل کی اس پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے آل ابی بکر یہ کچھ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے اور کہا کہ اے ام المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کاملہ فرماوے کہ جب کبھی آپ پر ایسا سانحہ پیش آیا جو آپ کو گراں معلوم ہوا تو انجام کو اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کے حق میں فراخی اور آسانی دیدی۔

غرض اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تیمّم کا مشروع ہونا غزوہ مریسیع سے ہوا جس کا سبب اوپر کی تقریر میں مذکور ہوا اب رہا یہ سوال کہ آیت تیمّم کونسی ہے سورۂ مائدہ کی آیت ہے یا سورۂ نساء کی امام قرطبیؒ نے کہا کہ سورہ نساء کی آیت ہے کیوں کہ آیت مائدہ کی آیت وضوء سے مشہور ہے اور آیت نساء میں وضو کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے انہوں نے سورۂ نساء کی آیت کو آیت تیمّم کہہ دیا مگر امام بخاریؒ نے بغیر تردد کے سورۃ المائدہ کی آیت کو ترجیح دی ہے کہ اس موقع پر آیت مائدہ نازل ہوئی ہے کیوں کہ عمرو بن حارث کی روایت میں صریح طور پر آیا ہے "فنزلت یآ ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ" اس سے معلوم ہوا کہ جس دلیل کے پیش نظر امام بخاریؒ نے آیت تیمم سے آیت مائدہ کی مراد لی ہے شاید اس دلیل پر امام قرطبیؒ وغیرہ کی نظر نہ پڑی ہو گی ورنہ وہ بے دلیل ظنی بات نہ کہتے۔

باب التیمم فی الحضر

حضر میں تیمّم کا بیان

اخبرنا الربیع بن سلیمان قال حدثنا شعیب بن اللیث عن ابیه عن جعفر بن ربیعة عن عبدالرحمن بن هرمز عن عمیر مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ انهٗ سمعهٗ یقول اقبلت انا وعبدالله بن یسار مولیٰ میمونة حتی دخلنا علی ابی جهیم بن الحارث بن الصمة الانصاری فقال ابو جهیم اقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم من نحو بئر الجمل ولقیه رجلٌ فسلّم علیه فلم یردّ رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی اقبل علی الجدار فمسح بوجهه ویدیه ثم ردّ علیه السلام.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عمیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن یسار دونوں ابوجہیم انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کی ملاقات ہوئی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا مگر حضور

اکرم ﷺ نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کے قریب پہنچے پھر اپنے چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا یعنی تیمم کیا پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

تشریح: من نحو: کے معنی من جہۃ کے ہیں۔

بئر جمل: مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے جو اسی کے ساتھ مشہور ہے۔

رجل: سے مراد وہی ابوجہیم انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں حضر یعنی غیر حالت سفر میں تیمم کر کے سلام کا جواب دیا مصنفؒ کا استدلال حدیث باب سے اس طرح پر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضر کی حالت میں سلام کا جواب دینے کے لئے تیمم کیا حالانکہ سلام کا جواب بدون طہارت کے بھی جائز ہے تو جس شخص کو حضر میں نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے تیمم بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور ہمارے بعض علماء حنفیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ جیسا کہ مصنف بحرؒ نے اس کو بیان کیا ہے کہ تیمم پانی پر قدرت ہونے کے باوجود وضوء مندوب میں جائز ہے لیکن وضوء واجب میں پانی پر قدرت ہونے کے باوجود تیمم درست نہیں ہے البتہ اگر پانی پر قدرت نہیں اور نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو اس صورت میں بحالت حضر بھی تیمم کو جائز رکھا گیا ہے کیوں کہ تیمم کی اجازت عجز عن الماء کے ساتھ مشروط ہے اس لئے سفر میں جس عجز عن الماء کے پیش نظر تیمم کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح حضر میں لاحق ہو جائے تو تیمم درست ہے البتہ اس مسئلہ کے بارے میں کچھ اختلاف ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اس نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے جس کو حضر میں تیمم کے ساتھ ادا کیا گیا ہے اس کی وجہ مالکیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ تیمم مسافر اور مریض کے حق میں وارد ہوا ہے اب حاضر اور مقیم شخص جو پانی پر قادر نہ ہو اس کو بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا جائے گا لہٰذا تیمم کے ساتھ جو نماز ادا کی ہے اس کا لوٹانا واجب نہیں۔

امام شافعیؒ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ حضر میں چونکہ پانی نہ ملنا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اس لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے لیکن پانی ملنے کے بعد اس کا اعادہ واجب ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ و امام زفرؒ کی طرف منسوب ہے کہ حضر میں تیمم کر کے نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ پانی پر قادر ہو اگرچہ وقت نکل جائے لیکن امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول جو علامہ عینیؒ نے شرح اقطع سے نقل کیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ بھی ایک روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں وہ یہ کہ پانی نہ پانے والے کو جبکہ وہ پانی کی امید رکھتا ہو یعنی غالب گمان ہو کہ آخر وقت تک پانی مل جائیگا پانی کے انتظار میں نماز کو آخر وقت تک موخر کرنا واجب ہے پھر اگر اس نے پانی پایا تو اس سے وضو کر کے نماز پڑھے اور اگر نہیں پایا تو وقت کے اندر ہی تیمم کر کے نماز پڑھے اور اس قول کی اصل وہ حدیث ہے جس کو دار قطنی نے بواسطہ ابی اسحٰق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہے "**اذا اجنب الرجل فی السفر تلوم ما بینهٔ وبین آخر الوقت فان لم یجد الماء تیمم ثم صلی**"۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک اور قول علامہ عینیؒ نے کتاب الاحکام لابن بزیزہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حاضر تندرست پانی نہ پانے والا شخص جبکہ وہ پانی کی امید رکھتا ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ نماز کو آخر وقت تک موخر کر دے تاکہ طہارتین میں سے اکمل

یعنی وضو کے ساتھ ادا ہو جائے تو یہ گویا ایسا ہے جیسا کہ جماعت کی حرص اور طمع کرنے والا انتظار کرتا ہے۔(واللہ اعلم بالصوب)

التيمم في الحضر

حضر کی حالت میں تیمّم کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال ثنا محمد قال حدثنا شعبة عن سلمة عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن ابزى عن ابيه ان رجلاً اتى عمر رضی اللہ عنہ فقال انى اجنبت فلم اجد الماء قال عمر لاتصل فقال عمار بن ياسر يا امير المؤمنين اما تذكر اذاانا وانت فى سرية فاجنبنا فلم نجد الماء فاما انت فلم تصل وماانا فتمعكت فى التراب فصليت فاتينا النبى صلى الله عليه وسلم فذكرنا ذالك لهٗ فقال انما كان يكفيك فضرب النبى صلى الله عليه وسلم يديه الى الارض ثم نفخ فيهما ثم مسح بهما وجههٗ وكفيه وسلمة شك لايدرى فيه الى المرفقين او الى الكفين فقال عمر نوليك ماتوليت.

سعید بن عبدالرحمن اپنے والد عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں ملا اب کیا کروں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز مت پڑھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سریہ (فوج کا دستہ) میں تھے اور ہم کو جنابت لاحق ہوگئی تھی اور ہم کو پانی نہیں ملا پھر آپ نے تو نماز ہی نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ لگائی اور نماز پڑھ لی پھر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تو یہی کافی تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک ماری پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح فرمایا، سلمہ کو شک ہوا کہ اس حدیث میں ''ومسح بهما الى المرفقين'' فرمایا یا ''الى الكفين'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمار بن یاسر تم اپنی صوابدید پر جس واقعہ کی تبلیغ اور اس کے مطابق فتویٰ دینے کے درپے ہو اس میں ہم تم کو پورا اختیار دیتے ہیں۔

اخبرنا محمد بن عبيد بن محمد قال حدثنا ابو الاحوص عن ابى اسحق عن ناجية بن خفاف عن عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ قال اجنبت وانا فى الابل فلم اجد ماء فتمعكت فى التراب تمعك الدابة فاتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبرته بذالك فقال انما كان يجزيك من ذالك التيمم.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی جبکہ میں جنگل میں اونٹوں کے چرانے اور ان کی نگرانی کے لئے گیا تھا جب مجھے پانی نہ ملا تو میں نے مٹی میں لوٹ لگائی جیسے جانور لوٹ لگاتے ہیں پھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو تو بس وہی تیمّم کافی تھا۔

تشریح: حدیث باب میں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہیں ملا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیا فی الحال نماز مت پڑھ اس موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ موجود تھے

اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے متفق نہ تھے چنانچہ انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ واقعہ یاد دلایا کہ کسی سریہ میں دونوں کو جنابت لاحق ہوئی تھی۔ سریہ لشکر کے ایک دستہ کو کہتے ہیں۔

باب کی پہلی روایت میں ''فی سریة'' اور دوسری میں ''فی الابل'' آیا ہے اور بخاری کی روایت میں ''انا کنا فی سفر انا وانت'' کے الفاظ ہیں ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دونوں لشکر کی ایک چھوٹی جماعت کے ساتھ سفر میں تھے اور اونٹوں کے چرانے کا کام ان کے سپرد کیا گیا تھا تو دونوں کو جنگل میں جہاں اونٹ چرانے گئے تھے جنابت لاحق ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تیمّم سے ادا نہیں کی اس لئے ان کو خروج وقت سے پہلے پانی مل جانے کی امید تھی یا وہ آیۂ تیمّم کو حدث اصغر کے ساتھ مختص سمجھتے تھے اور وہ اپنے اجتہاد کی بناء پر اس کے قائل تھے کہ جنبی کے لئے تیمّم جائز نہیں ہے اس لئے تیمّم کر کے نماز ادا نہیں کی لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے تیمّم کر کے نماز ادا کی البتہ انہوں نے تیمّم کس طرح کیا اس کے متعلق وہ خود کہتے ہیں ''واما انا فتمعکت فی التراب'' بعض روایات میں ''فتمرغت'' آیا ہے کہ میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ لگائی پھر نماز ادا کی مٹی میں اس لئے لوٹ پوٹ لگائی کہ انہوں نے تیمّم کو جنابت کے غسل پر قیاس کیا کہ جس طرح غسل جنابت میں تمام بدن پر پانی پہنچانا فرض ہے اسی طرح تیمّم جنابت میں بھی تمام بدن پر مٹی کا پہنچانا ضروری سمجھ لیا ہے لیکن ان کا یہ قیاس درست نہ تھا اور اسی سے ظاہر ہوگیا ''ان المجتهد یخطئی ویصیب'' مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور صحت وحقانیت کو بھی پالیتا ہے۔

بہر حال حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت مذکورہ کے ساتھ تیمّم کر کے نماز پڑھ لی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تمہارا یہ فعل درست نہ تھا، تم نے اپنے اس خیال کے مطابق کہ تیمّم جنابت میں مٹی کے استعمال میں مبالغہ کی ضرورت ہے زمین پر جو لوٹ پوٹ لگائی وہ درست نہیں بلکہ تمہارے لئے تو اس قدر عمل کافی تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمّم جنابت اور تیمّم وضو میں کوئی فرق نہ ہونے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا ''انما یکفیک الخ'' کہ تمہیں تو حدث اصغر کے لئے جیسا تیمّم کیا جاتا ہے ویسا تیمّم جنابت کے لئے کافی تھا۔

اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد دونوں ہاتھوں پر پھونک مار کر زائد مٹی اڑا دی اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرہ مبارک اور ہاتھوں پر مسح فرما کر دکھلا دیا بظاہر ''ثم مسح بهما وجهه وکفیه'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی ضرب پر اکتفاء فرمایا ہے البتہ اگر کلام کو مقدر مانا جائے اور یوں کہا جائے ''ثم ضرب ومسح کفیه'' تو پھر دو ضرب کے قائلین کا دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے لیکن اس توجیہ کو دوسری روایات رد کر دیتی ہیں یا یہ جواب دیا جائے کہ حدیث کے الفاظ مذکورہ سے مقصد جنابت کے تیمّم میں صورت ضرب اور کیفیت مسح کی اجمالی تعلیم ہے کہ تیمّم جنابت مثل تیمم وضو کے ہے۔

اب رہا ضربات کا عمل یعنی تیمم میں کتنی ضربات ہوں گی تو وہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتی ہیں لہٰذا اس روایت میں بعض ضربات کے چھوڑ دینے سے یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ تیمّم میں دو ضرب نہیں ایک ضرب ہے جیسا کہ مشہور اہل

حدیث کے یہاں ایک ضرب ہے وہ ایک ضرب سے چہرہ اور پہونچوں تک کے مسح کے قائل ہیں تو اس روایت میں بعض ضربات کا ذکر نہ کرنا تیمم میں اس کے عدم ثبوت پر دلالت نہیں کرتا ہے اس مسئلہ کے متعلق کچھ اور مزید بحث آگے آئے گی۔

غرض جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پورا واقعہ سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نولیک ماتولیت'' عمار رضی اللہ عنہ بے شک میں تمہارے ساتھ تھا مگر جو واقعہ تم نے بیان کیا ہے وہ مجھے یاد نہیں ہے لیکن مجھ کو یاد نہ رہنے سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ نفس الامر میں بھی واقعہ برحق نہ ہو اس لئے میں تم کو اس واقعہ کے بیان سے نہیں روکتا بلکہ تم کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ تم اپنے علم واعتماد پر اس واقعہ کی تبلیغ اور اس کے مطابق فتویٰ دے سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس واقعہ کے بیان میں مجھے شامل نہ کیا جائے۔

دوسری روایت میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اوپر کی روایت میں تفصیل سے بیان کیا ہے مگر اس روایت میں اختصار کیا گیا ہے اس میں آیا ہے ''انما کان یجزیک من ذالک التیمم'' کہ اے عمار تم کو تیمم جنابت کے لئے وہی تیمم کافی تھا جو حدث اصغر کے لئے کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تیمم جو حدث اصغر کے لئے کیا جاتا ہے وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا ''من ذالک التیمم'' سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تمہیں جنابت کے لئے ویسا ہی تیمم کر لینا کافی تھا جیسا حدث اصغر کے لئے کیا جاتا ہے اس کو چھوڑ کر تم نے جو عمل کیا ہے کہ تیمم جنابت کو غسل جنابت پر قیاس کر کے زمین پر لوٹ لگائی وہ عمل درست نہ تھا تو اس ارشاد قولی سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس غلطی پر تنبیہ مقصود ہے۔

اس کے بعد ترجمہ کے بارے میں عرض یہ ہے کہ حدیث کی مناسبت سے ''التیمم للجنابة'' کا عنوان قائم کرنا موزوں ومناسب تھا لیکن مصنف نے ''التیمم فی الحضر'' کا عنوان رکھا ہے حالانکہ یہ ترجمہ ابھی اوپر گذر چکا ہے پھر اس ترجمہ کی کیا ضرورت تھی اس اشکال کا جواب علامہ سندھی نے دیا ہے انہوں نے فرمایا کہ حدیث کی مناسبت ترجمہ سے اس طرح قائم ہو سکتی ہے کہ مصنف نے اس ترجمہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تیمم سے نکالا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تعلیم دینے کے لئے کیا تھا اور اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے مقیم تھے مسافر نہ تھے اس کے پیش نظر مصنف نے ''التیمم فی الحضر'' کا عنوان قائم کیا ہے ورنہ اس کے علاوہ بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے۔

باب التیمم فی السفر

سفر میں تیمم کا بیان

اخبرنا محمد بن یحیی بن عبدالله قال حدثنا یعقوب بن ابراهیم قال ثنا ابی عن صالح عن ابن شهاب قال حدثنی عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس عن عمار رضی اللہ عنہ قال عرّس رسول الله صلی الله علیه وسلم باولات الجیش ومعه عائشة رضی اللہ عنہا زوجته فانقطع عقدها من جزع ظفار فحبس الناس

ابتغاء عقدها ذالک حتی اضاء الفجر ولیس مع الناس ماء فتغیظ علیها ابوبکر فقال حبست الناس ولیس معهم ماء فانزل الله عزوجل رخصة التیمم بالصعید قال فقام المسلمون معٔ رسول الله صلی الله علیه وسلم فضربوا بایدیهم الارض ثم رفعوا ایدیهم ولم ینفضوا من التراب شیئا فمسحوا بها وجوههم وایدیهم الی المناکب ومن بطون ایدیهم الی الآباط.

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کے لئے اولات الجیش میں (اوراسی کو ذات الجیش بھی کہتے ہیں) نزول فرمایا اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تو وہاں ان کا ہار جو ظفار کے منکے سے بنایا گیا تھا ٹوٹ کر گر پڑا (ظفار ساحل یمن پر ایک شہر کا نام ہے وہاں کے منکوں سے وہ ہار بنا ہوا تھا) تو لوگ اس کی تلاش کے لئے رک گئے تھے یہاں تک کہ صبح کی روشنی ظاہر ہوگئی اور لوگوں کے ساتھ پانی نہیں تھا اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غصہ ہوئے اور فرمایا تو نے لوگوں کو روک دیا حالانکہ ان کے ساتھ پانی نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے پاک مٹی سے تیمم کی رخصت نازل فرمائی راوی کہتے ہیں کہ سب مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور ہاتھوں پر لگی ہوئی مٹی سے کچھ بھی نہیں جھاڑا پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چہروں پر مسح کیا اور اپنے ہاتھوں کے ظاہری حصے پر کندھے تک مسح کیا اور باطنی حصے پر بغلوں تک مسح کیا۔

تشریح: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی مصطلق ۵ھ سے واپس آرہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں جب قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اتفاق سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کہیں گر گیا سارا قافلہ وہیں اتر پڑا نماز کا وقت آگیا تو پانی نہیں ملا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے اس کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اتنے میں آیت تیمم نازل ہوئی مسلمانوں کو تیمم کی اجازت سے بڑی خوشی ہوئی۔

فضربوا بایدیهم الارض الخ: کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان ہاتھوں سے اپنے چہروں پر مسح کیا پھر دوسری مرتبہ مارا اس سے اپنے دونوں ہاتھوں کے اوپر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا جس سے معلوم ہوا کہ تیمم میں مسح بغلوں تک ہونا چاہئے ابن شہاب زہریؒ اسی کے قائل ہیں امام بغویؒ نے ان کے قول کو معالم میں نقل کیا ہے انہوں نے حدیث کے الفاظ ''**وایدیهم الی المناکب الخ**'' سے استدلال کیا ہے لیکن یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ جمہور کا نہیں۔

جمہور کا مذہب یہ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہما کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مجھ کو جنابت لاحق ہوئی تو میں نے زمین پر لوٹ لگائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیمم دو ضرب ہیں یعنی مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا ضروری ہے ایک تو چہرہ پر مسح کرنے کے واسطے دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے مسح کرنے کے واسطے، حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا کہ اس

حدیث کی اسناد صحیح ہے اور دار قطنی نے کہا کہ ’’رجاله كلهم ثقات‘‘ کہ اس کے سب رجال ثقہ ہیں۔

نیز حضرت عائشہ وغیرہ کی حدیث میں بھی مسح کہنیوں تک کرنے کا بیان ہے جس سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے اس حدیث عمار کا جواب امام بغویؒ نے یہ دیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جس فعل کی حکایت کی ہے کہ صحابہ نے بغلوں تک مسح کیا ہے وہ فعل صحابہ ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس کے خلاف نقل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے جنابت لاحق ہوئی تو میں نے زمین پر لوٹ لگائی پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمار زمین پر لوٹ لگانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ چہرہ اور کفین کا مسح تمہیں کافی تھا۔

اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس حدیث باب میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ کب کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے یہ تو ان صحابہ کا اجتہادی فعل ہے انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ مسح بغلوں تک ہونا چاہئے کیوں کہ قرآن میں ایدی کا لفظ ہے اور ید یعنی ہاتھ اس عضو کو کہتے ہیں جو مونڈھے تک ہوتا ہے اس لئے وہ اس سے سمجھے کہ مونڈھے اور بغل تک مسح ہونا چاہئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے اور کفین کے مسح کا امر فرمایا تو کوئی تعارض نہیں رہا فعل صحابہ امر نبوی کے معارض نہیں ہوسکتا۔

قاضی بیضاویؒ نے کہا کہ ید کندھے تک کے عضو کو کہتے ہیں لیکن مسح کہاں تک ہونا چاہئے اس کی حد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے مقرر کردی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم میں دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک فرمایا اور قیاسی دلیل بھی یہی چاہتی ہے کہ یہاں پر مراد ایدی سے مرافق یعنی کہنیوں تک ہو اور قیاس سے مراد قیاس الفرع علی الاصل ہے یعنی وضو اصل اور تیمم خلیفہ ہے اس لئے جس طرح وضو میں دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے اس طرح تیمم میں بھی مسح کہنیوں تک کرنا فرض ہے۔ (والله اعلم بالصواب)

امام شافعیؒ وغیرہ نے کہا کہ اگر صحابہ نے مسح الی الآباط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا تھا تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ تیمم جس کا بیان احادیث صحیحہ میں آیا ہے وہ حکم سابق کے لئے ناسخ بنے گا اس لئے بغلوں تک مسح کا حکم منسوخ ہوگیا اور اگر صحابہ کرام نے بغلوں تک مسح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے بغیر کیا تھا تو شریعت میں حجت وہی ہے جس کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک چہرہ پر مسح کرنے کے واسطے دوسری دونوں ہاتھوں کے واسطے کہنیوں تک ہے۔

(رواه جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم)

الاختلاف فی کیفیة التیمم

تیمم کی کیفیت میں اختلاف کا بیان

اخبرنا العباس بن عبد العظيم العنبری قال حدثنا عبدالله بن محمد بن اسماء قال حدثنا جويرية عن مالک عن الزهری عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة انه اخبره عن ابيه عن عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ قال تيممنا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم بالتراب فمسحنا بوجوهنا وايدينا الی المناکب.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مٹی سے تیمّم کیا سو ہم نے اپنے چہروں کا مسح کیا اور مسح کیا اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک۔

تشریح: یہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ ہے اس میں باعتبار محل کیفیت تیمّم کا بیان ہے چنانچہ وہ مسح یدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نے دونوں ہاتھوں پر مسح مونڈھوں تک کیا یہ مسلک کس امام کا ہے اور جمہور کا کیا مذہب ہے اس کی تفصیل عنوان سابق کے تحت گذر چکی ہے۔

علامہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ تیمّم میں بغلوں تک مسح یا تو پہلے مشروع تھا پھر منسوخ ہوگیا یا یہ فعل صحابہ ہے اپنے اجتہاد سے کیا تھا اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں پوچھا کہ مسح کہاں تک کیا جائے اس لئے ان کے اجتہاد میں غلطی واقع ہوگئی (واللہ تعالیٰ اعلم) اور مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجمع میں موجود تھے نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔

نوع آخر من التیمم والنفخ فی الیدین

تیمّم کی ایک اور صورت اور دونوں ہاتھوں میں پھونک مارنے کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا عبدالرحمن قال حدثنا سفیان عن سلمة عن ابی مالک وعن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابزیٰ عن عبدالرحمن بن ابزیٰ قال کنا عند عمر فاتاہ رجل فقال یا امیر المؤمنین ربما نمکث الشهر والشهرین ولا نجد الماء فقال عمر اما انا فاذا لم اجد الماء لم اکن لأ صلی حتی أجد الماء فقال عمار بن یاسراتذکر یا امیر المؤمنین حیث کنت بمکان کذا وکذا ونحن نرعی الابل فتعلم انا اجنبنا قال نعم فامانا فتمرغت فی التراب فاتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضحک فقال ان کان الصعید لکا فیک وضرب بکفیه الی الارض ثم نفخ فیهما ثم مسح وجههٗ وبعض ذراعیه فقال اتق اللہ یا عمار فقال یا امیر المؤمنین ان شئت لم اذکرهٗ قال لا ولکن نولیک من ذالک ما تولیت.

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا امیر المؤمنین کبھی کبھی ہم ایسے مکان میں ہوتے ہیں جہاں ہم کو جنابت لاحق ہوتی ہے ایک مہینہ اور دو مہینہ تک انتظار کرتے ہیں اور ہم پانی نہیں پاتے ہیں اب ہم کیا کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مجھے پانی نہ ملے تو میں نماز نہیں پڑھوں گا یہاں تک کہ پانی پالوں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں ہے کہ میں اور آپ جنگل میں اونٹ چرانے کے لئے گئے تھے اور آپ کو معلوم ہے کہ ہم دونوں جنبی ہوگئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں اس کے بعد میں نے مٹی پر لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی پھر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے پھر فرمایا تمہیں مٹی سے تیمّم کر لینا طہارت کے لئے کافی تھا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہتھیلیوں

کو زمین پر مارا پھران دونوں میں پھونک مارکرزائدمٹی اڑادی پھر چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھوں کے کچھ حصے پر مسح فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمار رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین اگر آپ چاہیں تو میں آئندہ بیان نہ کروں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات نہیں میں تم کو اس واقعہ کے بیان کرنے سے منع نہیں کرتا تم اپنے اعتماد پر جس بات کو برحق سمجھتے ہو اس کی تبلیغ کر سکتے ہو اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اس کے بیان میں مجھے شامل نہ کیا جائے۔

تشریح: سائل نے جب سوال کیا کہ ہم کبھی کبھی ایسے مکان میں ایک مہینہ اور دو مہینے تک ٹھہرتے ہیں وہاں ہم کو جنابت لاحق ہوتی ہے مگر پانی نہیں ملتا تو کیا ہم ایسی حالت میں تیمّم کر سکتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اما انا فاذا لم اجد الماء الخ '' یعنی اگر مجھے جنابت لاحق ہو جائے اور اتنی مدت مذکورہ تک پانی نہ ملے تو میں پانی ملنے تک نماز کو مؤخر کردوں گا اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے جو ان کے اجتہاد پر مبنی ہے یہ تھی کہ جنبی کے لئے تیمّم کی اجازت نہیں بلکہ وہ نماز کو پانی ملنے تک مؤخر کردے۔

لیکن ان کے علاوہ تمام صحابہ کرام اور جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جنبی کے لئے تیمّم کی اجازت ہے وہ جنابت کی صورت میں بھی اسی طرح تیمّم کرے جیسے حدث اصغر کے لئے کیا جاتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں یہ حکم شرعی عنوان کے ماتحت کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حدیث میں ''ضرب بكفيه الى الارض '' کے الفاظ آئے ہیں اس کے متعلق مختصر بات یہ ہے کہ مبسوط میں ہے کہ اگر بغیر ضرب کے اپنا ہاتھ دو مرتبہ زمین پر رکھا تو یہ صورت بھی درست ہے لیکن ضرب یعنی دوبار ہاتھ زمین پر مارنا افضل ہے اس لئے کہ یہ عمل لفظ حدیث کے موافق ہے یا اس لئے کہ اس صورت میں غبار انگلیوں کے درمیان داخل ہو جاتا ہے اسی لئے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ضرب کے وقت انگلیوں کا کشادہ ہونا بہتر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پورے ہاتھ پر بغل تک مسح تیمّم میں شرط نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ''وبعض ذراعيه '' کے الفاظ ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے بعض ذراعین پر مسح فرمایا نہ کہ کل ذراعین پر جس سے دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک ثابت ہوتا ہے۔

نوع آخر من التيمم

تیمّم کی اور ایک قسم

اخبرنا عمرو بن يزيد حدثنا بهز حدثنا شعبة حدثنا الحكم عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن ابزى عن ابيه ان رجلا سأل عمر بن الخطاب عن التيمم فلم يدر ما يقول فقال عمار اتذكر حيث كنا فى سرية فاجنبت فتمعكت فى التراب فاتيت النبى صلى الله عليه وسلم فقال انما يكفيك هكذا وضرب شعبة بيديه على ركبتيه ونفخ فى يديه ومسح بهما وجهه وكفيه مرّة واحدة.

عبدالرحمن بن ابزیٰ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تیمّم جنابت کے بارے میں سوال

کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو جواب نہ دے سکے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین کیا آپ کو وہ واقعہ یاد ہے جب ہم دونوں ایک سریہ میں تھے اور مجھے جنابت لاحق ہوگئی تھی تو مٹی میں میں نے لوٹ لگائی تھی پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس طرح کا عمل کافی تھا اور شعبہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر مار کر دکھایا پھر ان میں پھونک ماری اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا ایک بار مسح کیا۔

تشریح: عن ذر: ذر جو اس حدیث کا راوی ہے ذال کے زبر اور تشدید راء کے ساتھ ہے اس کے والد کا نام عبداللہ مرہبی ہمدانی کوفی ہے مرہبہ ایک حصہ ہے ہمدان کا جو ایک بڑا قبیلہ ہے نسبت کے وقت مرہبی کہا جاتا ہے ابن معین، نسائی، ابن خراش اور ابن نمیر نے اس کو ثقہ کہا ابو حاتم اور بخاری نے کہا کہ وہ صدوق تھا یعنی سچ بولنے والا تھا اور امام ابوداؤد نے کہا کہ ذر بن عبداللہ مرہبی مرجئہ تھا اس لئے ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر نے اس کی روایت کو چھوڑ دیا (مرجئہ ایک جماعت ہے اس نے اعمال کو ساقط کر دیا اور کہتی ہے کہ نجات کے لئے صرف ایمان کافی ہے)۔

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی اس روایت کو امام نسائیؒ نے یہاں عمرو بن یزید کی سند سے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اس روایت میں صرف اتنا آیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جنابت سے طہارت حاصل کرنے کے لئے تیمم درست ہے یا نہیں وہ نہ جانے کہ کیا جواب دیں یعنی سائل کو مناسب جواب جس سے وہ مطمئن ہو جائے نہ بتلا سکے بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ ''انا افعل کذا'' یعنی اس صورت میں جب تک پانی نہ ملے تو میں نماز نہیں پڑھوں گا بلکہ نماز کو مؤخر کر دوں گا۔

بہرحال اس روایت کے الفاظ ''فلم یدر مایقول'' سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سائل کے سوال کا اطمینان بخش جواب نہ دے سکے لیکن سوال یہ ہے کہ اس روایت کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائل کو جواب دیا کہ جنابت لاحق ہونے کی حالت میں جب تک تم کو پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھو چنانچہ پیچھے عنوان ''التیمم فی الحضر'' کے ماتحت کی روایت میں ''قال عمر لا تصل'' کے الفاظ آئے ہیں اس طرح اگلے عنوان کے تحت کی حدیث میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تضاد ہے۔ علامہ سندھیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ انسان کے سامنے سہل اور آسان حکم موجود ہونے کے باوجود وہ خاص اپنے نفس کے حق میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرلے جس میں شدۃ ہو تو اس بناء پر جس راوی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائل کے سوال کے جواب میں ''لا تصل'' فرمایا گویا اس نے لا تصل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول مذکور سے لیا ہے۔

بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کرنے والے شخص کو یہ نہیں بتلایا کہ تم کو جنابت لاحق ہونے کے بعد اگر پانی نہ ملے تو ایسی صورت میں تیمم کیا کرو بلکہ فرمایا کہ میں تو ایسی حالت میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھوں گا جب تک مجھے پانی نہ ملے اسی گفتگو کی مجلس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے پورا قصہ بیان کیا تاکہ اس سے یاد آ جاوے کہ جنابت کے لئے بھی تیمم جائز ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ردِّ عمل تھا اس کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ روایت مختصر ہے اس کا ذکر عنوان سابق کے ماتحت کی مفصل روایت میں آیا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ''اتق اللہ یا عمار الخ'' اس عبارت کا مفہوم

ومطلب بھی عنوان سابق کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

وضرب شعبة الخ :ارشاد مبارکہ''انما یکفیک ھکذا''میں چونکہ لفظ ھکذا مبہم ہے اس سے تیمم کی جس کیفیت کی طرف اشارہ فرمایا اس کی صورت براوی حدیث شعبہ نے اس طرح پیش کی کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر مارے پھر دونوں ہاتھوں میں پھونک ماری پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور کفین پر ایک بار مسح کر کے دکھایا غرض شعبہ نے اپنے اس فعل سے تیمم کی اس کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تعلیم دیتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی اور کیفیت پچھلے عنوان کے تحت کی حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

نوع آخر من التیمم

تیمّم کی اور ایک قسم

اخبرنا اسماعیل بن مسعود حدثنا خالد حدثنا شعبة عن الحکم سمعت ذرًّا یحدث عن ابن ابزی عن ابیه قال وسمعه الحکم عن ابن عبدالرحمن قال اجنب رجل فاتی عمر رضی الله عنه فقال انی اجنبت فلم اجد ماء قال لا تصلّ قال له عمار اما تذکر انّا کنا فی سریة فاجنبنا فلم نجد ماءً فاما انت فلم تصل واما انا فانی تمعکت فصلیت ثم اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت ذالک له فقال انما کان یکفیک وضرب شعبة بکفیه ضربة ونفخ فیهما ثم دلک احدٰهما بالاخری ثم مسح بهما وجهه فقال عمر شیئا لا ادری ما هو فقال ان شئت لاحدثتهٗ وذکر شیئا سلمة فی هٰذا الاسناد عن ابی مالک وزاد سلمة قال بل نولیک من ذالک ما تولیت.

نوع آخر

تیمّم کی ایک اور کیفیت

اخبرنا عبدالله ابن محمد بن تمیم قال حدثنا حجاج قال حدثناشعبة عن الحکم وسلمة عن ذرٍّ عن ابن عبدالرحمن ابن ابزیٰ عن ابیه ان رجلا جاء الی عمر رضی الله عنه فقال انی اجنبت فلم اجد الماء فقال عمر لا تصل فقال عمار اما تذکر یا امیر المؤمنین اذانا وانت فی سریة فاجنبنا فلم نجد ماء فاما انت فلم تصل واما انا فتمعکت فی التراب ثم صلیت فلما اتینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذکرت ذالک لهٗ فقال انما یکفیک وضرب النبی صلی الله علیه وسلم بیدیه الی الارض ثم نفخ فیهما فمسح بهما وجهه وکفیه شک سلمة وقال لاادری فیه الی المرفقین او الی الکفین قال عمر نولیک من ذالک ماتولیت قال شعبة کان یقول الکفین والوجه والذراعین فقال له منصور ما تقول فانه لایذکر الذراعین احدغیرک فشک سلمة فقال لاادری ذکر الذراعین ام لا.

سعید بن عبدالرحمن اپنے والد عبدالرحمن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی اور پانی نہیں ملا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نماز نہ پڑھو تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں ہے کہ جب میں اور آپ دونوں ایک سریہ میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہوگئے تھے اور ہم کو پانی نہیں ملا تو آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ لگائی پھر نماز پڑھی اس کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے اس واقعہ کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمار رضی اللہ عنہ تم کو ایسا کرلینا کافی تھا یہ فرمانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین کی طرف اشارہ کیا پھر دونوں ہاتھوں میں پھونک ماری پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور کفین پر مسح کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''نولیک من ذالک ماتولیت'' عمار تم جس واقعہ کو بیان کررہے ہو کہ اس کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انما یکفیک ھکذا'' اس کے بعد جو طریقہ تیمم کا بتلایا ہے تمہارے بیان کے مطابق ہم اس کو تمہارے ذمہ چھوڑ دیتے ہیں تم اپنے علم اور اعتماد پر اس کو بیان کرسکتے ہو ہماری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔

تشریح: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو مصنفؒ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہیں تفصیل سے کہیں مختصر اس حدیث میں اس حکم کا بیان ہے کہ جس طرح محدث کے لئے تیمم جائز ہے اسی طرح پانی نہ ملنے کی حالت میں جنبی کے لئے بھی تیمم کی اجازت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں البتہ باعتبار فعل اور باعتبار محل اس مسئلہ میں اختلاف ہے تو یہاں دو مسئلے ہیں ایک تو یہ کہ تیمم میں دو ضربہ ہیں یا ایک ضربہ دوسرا یہ کہ محل مسح کی حد کیا ہے یعنی کہاں تک مسح کیا جائے دونوں میں فقہاء کا اختلاف ہے علامہ عینیؒ نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں وہاں ملاحظہ کرلیجئے۔

لیکن اصل اختلاف جمہور ائمہ اور امام احمد بن حنبل کے درمیان ہے اس لئے ان دونوں کے مسلک کی وضاحت کریں گے حضرت حسن بصریؒ، سالم بن عبداللہ، شعبی، سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ و امام مالک و امام شافعی رحمہم اللہ اور اہل کوفہ اور اکثر اہل حجاز کا مسلک یہ ہے کہ تیمم میں دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ وغیرہ اور اہل ظاہر کے نزدیک ایک ضرب ہے یعنی ایک دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر اس سے چہرہ اور یدین کا مسح کیا جاوے گا۔

دوسرا اختلاف مسح کی حد میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کا مسح کہاں تک کیا جائے گا اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا آخری قول مشہور اور دیگر اماموں کا قول یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک ضروری ہے۔

امام احمد اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک تیمم میں ایک ضرب ہے جس سے چہرہ اور دونوں ہاتھ کے پہونچوں تک مسح کافی ہے اور یہی قول عطاء اور مکحول اور اوزاعی وغیرہم سے بھی منقول ہے اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے لیکن موطأ امام مالک کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا قول معروف و مختار قول جمہور کے مطابق ہے اور دونوں فریق کے پاس احادیث موجود ہیں امام احمد بن حنبل وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''انما یکفیک وضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدیه الی الارض الخ'' تعلیم میں قول و فعل دونوں کو جمع

کیا ہے جس کا مقصد تاکید اور تنبیہ علی الاہتمام ہے بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ضربہ پر اکتفاء کیا اور اسی سے چہرہ اور کفین کا مسح فرمایا کیوں کہ اس میں کفین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو پہونچوں تک پر بولا جاتا ہے اور بقول حافظ ابن عبدالبرؒ کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے جتنے آثار مرفوعہ منقول ہیں چونکہ ان میں اکثر آثار میں ایک ضربہ کا بیان ہے اور ضربتین والی احادیث جواُن سے نقل کی گئی ہیں وہ مضطرب ہیں اس لئے امام احمد بن حنبلؒ نے ضربہ واحدہ والی روایت کو اختیار فرما کر اس سے استدلال کیا ہے ان کے مقابلہ میں جمہور ائمہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث سے ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک قوی حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین''۔

حاکم نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور ذہبی نے بھی اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے اور دار قطنی نے کہا کہ اس کے رجال سب ثقہ ہیں لیکن اس حدیث پر ابن الجوزیؒ نے ایک اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں ایک روای عثمان بن محمد الانماطی ہے اس کے بارے میں ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ عثمان بن محمد میں کلام کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ تقی الدین نے اس اعتراض کو مسترد کر دیا ہے کہ یہ کلام جو ابن الجوزی نے کیا ہے مقبول نہیں ہے کیوں کہ یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ کلام کس نے کیا ہے حالانکہ اس راوی سے ابوداؤد نے اور ابوبکر بن ابی عاصم نے روایت کی ہے اور ابن ابی حاتم نے بغیر جرح کے اس کو ذکر کیا ہے اور ابن حجرؒ نے تقریب میں کہا کہ راوی مقبول ہے اور بلوغ المرام میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے اس حدیث پر کہ یہ روایت شاذ یعنی جماعت محدثین کے خلاف ہے وہ اسے بطور مرفوع نقل نہیں کرتے یہ اعتراض ابن دقیق العید نے کیا ہے وہ کہتے ہیں ''نعم روایة شاذة'' تو اس سے حدیث مذکور پر شاذ ہونے کا اعتراض کیا ہے جس کی وجہ وہ خود بتلاتے ہیں کہ ابونعیم نے اس حدیث کو عزرة سے موقوفاً روایت کیا ہے اور دار قطنی نے طریق مرفوع اور موقوف دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ''والصواب موقوف''۔

لیکن یہ اعتراض بھی غیر موزون ہے احیاء السنن (۱/ ۱۱۳) میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس روایت کو شاذ قرار دینا درست نہیں کیوں کہ رفع (مرفوعاً روایت کرنا) ثقہ راوی کی زیادتی ہے جو مقبول ہے اور وہ ابونعیم کی روایت کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ مرفوع حدیث اور موقوف کے درمیان بڑا فرق ہے دونوں کے معنی متحد نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ مفہوم ایک ہے لیکن عزرة کے اصحاب میں سے سوائے ابونعیم کے عثمان بن محمد کی کسی نے مخالفت نہیں کی اور دونوں ثقہ ہیں اس لئے عثمان بن محمد کی روایت کو شاذ نہیں کہہ سکتے اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ دار قطنی نے جو بات فرمائی ہے کہ ''والصواب موقوف'' وہ درست نہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مرفوع ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین'' بزارؒ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس کی اسناد میں حریش بن خریت ہے اس کو ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں فرمایا کہ دار قطنیؒ نے حریش بن خریت کے بارے میں فرمایا ''یعتبر به'' اور یحییٰ بن القطان نے کہا ''لیس به بأس'' اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ

میں فرمایا ''ارجوان یکون صالحاً '' لہٰذا حدیث مذکور حجت ہے۔

تیسری دلیل جمہور کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين '' اس حدیث کو علی بن ظبیان نے مرفوعاً روایت کیا ہے اس کے سواء کسی محدث نے اس کو بطریق مرفوع روایت نہیں کیا اس کو یحیٰی بن القطان اور ہشیم وغیرہما نے موقوفاً روایت کیا ہے ''وهو الصواب كما قال الدارقطنی ''۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بطریق مرفوع علی بن ظبیان سے مروی ہے ان کے بارے میں یحیٰی القطان اور ابن معین وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں ان کی تضعیف اکثر محدثین کی طرف سے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ طلحہ بن محمد بن جعفر نے فرمایا کہ '' على بن ظبيان رجل جليل متدين متواضع حسن العلم بالفقه من اصحاب ابی حنيفة وكان خشنا فی باب الحكم ولاّه هارون الرشيد ''۔

اور حاکم نے مستدرک میں علی بن ظبیان کی حدیث فی التیمم روایت کی ہے اور فرمایا ''انــه صـدوق '' کہ علی بن ظبیان صدوق ہیں لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ تساہل حاکم مشہور بات ہے اور صرف طلحہ بن محمد کی توثیق وتوصیف سے کیا کام چلے گا جبکہ اکثر محدثین نے علی بن ظبیان کی تضعیف کی ہے انہی کا قول معتبر ہوگا لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن ظبیان اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد نہیں ہے بلکہ اس کے مضبوط اور مستند متابع موجود ہیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے بھی اس کو اپنی مسند میں اسی طرح سے مرفوعاً نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''عن عبد العزيز بن ابی رواد عن نافع عن ابن عمر قال كان تيمم رسول الله صلى الله عليه وسلم ضربتين ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين (عقود الجواهر للزبيدی) '' یہ حدیث بے غبار ہے اور بلحاظ سند صحیح ہے اور عبدالعزیز بن ابی رواد رجال اربعہ میں سے ہیں اور امام بخاریؒ نے ان سے تعلیقاً تخریج کی ہے علاوہ اس کے حدیث مذکور کو سلیمان بن ابی داؤد الحرانی نے عن سالم ونافع عن بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے اور سلیمان بن ارقم التیمی نے عن الزہری عن سالم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے روایت کیا ہے اگرچہ بیہقی نے ان دونوں یعنی سلیمان بن ابی داؤد الحرانی اور سلیمان بن ارقم کو ضعیف کہا لیکن متابعت کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

ان دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وابوامامہ رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہیں جن سے جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے مگر ان روایات کو محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں ٹھیک ہے اگرچہ انفرادی حیثیت کے اعتبار سے ان کے ضعف کو تسلیم بھی کرلیا جائے لیکن تعدد رواۃ اور کثرت طرق کی وجہ سے ان کے اندر قوت آگئی اور اس سے وہ روایات قابل احتجاج بن گئیں مزید برآں کتاب اللہ وآثار صحابہ اور قیاس سے ان کی تائید ہوتی ہے لہٰذا ان سے استدلال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا جواب امام نوویؒ نے

یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا سیاق بتلا رہا ہے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عمار کو صورت ضربہ کی دکھادیں کہ جنابت سے پاک ہونے کے لئے اس طرح کرلیا کرو مٹی میں لوٹ لگانا درست نہیں تیمم کی پوری کیفیت بیان کرنی منظور نہ تھی جس طرح حضور ﷺ نے دکھایا اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے تعلیم ضربہ کی روایت کی اسی لئے دوسری روایات جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے تیمم کے بارے میں آئی ہیں ان میں صراحۃً دوضربیں مذکور ہیں اور مراد کفین سے اس حدیث میں ذراعین یعنی دونوں ہاتھ کہنیوں تک ہیں کل پر جزء کا اطلاق کیا گیا ہے یا مراد یہ کہ ظاہر کفین پر مع باقی کے مسح کیا ہے۔ غیر مقلد کہتے ہیں جزء بول کر کل مراد لیں اس کی کوئی نظیر نہیں مگر ان کی یہ بات غلط ہے کیوں کہ قرآن کریم میں ہے ''کباسط کفیه الی الـمـاء الخ ''تو کیا بسط کفین سے صرف ہتھیلوں کا پھیلانا مراد ہے نہیں بلکہ پورے ہاتھ کا پھیلانا مراد ہے اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سمجھ لیں۔

بہر حال تقریر مذکور سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوئی تعلیم نہیں دی بلکہ ان کو ایک معہود طریقہ کی طرف بطور اشارہ متوجہ کرنا مقصود تھا اور معہود طریقہ یہ تھا کہ حدث اصغر میں کہنیوں تک مسح کیا جاتا ہے وہی طریقہ جنابت کی حالت میں بھی کافی ہے زمین پر لوٹ لگانے کی ضرورت نہیں اس کی نظیر وہ حدیث غسل ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''انـمـا یـکـفیـک ان تحثی رأسک ثلاث حثیات ''غسل جنابت میں تجھ کو کافی ہے کہ تو ڈالے اپنے سر پر تین لپیں پانی سے چوٹی کھولنے کی ضرورت نہیں اس میں مضمضہ اور استنشاق اور غسل جمیع بدن کا ذکر نہیں فرمایا کیوں کہ مقصود یہاں نقض ضفائر ضروری نہ ہونے کا بیان تھا پورے غسل کی تعلیم مقصود نہیں تھی اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''انـمـا کـان یکفیـک ھکذا '' سے تعبیر کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ضربہ یا ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے بلکہ اس تعبیر سے حضور اکرم ﷺ کا مقصد بیان صورت ضرب اور نفی تمعک تھا پورے تیمم کا طریقہ بیان کرنا مقصود نہ تھا کیوں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پہلے سے تیمم فی الحدث کا علم تھا اس ارشاد مذکورہ سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حصر اضافی ہے بالنسبة الی التمعک اس توجیہ مذکور کی تائید حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو مسند بزار میں نقل کی گئی جس کے الفاظ یہ ہیں ''فـامـرنـا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخریٰ الی المرفقین ''۔

حافظ ابن حجرؒ نے الدرایہ میں باسناد حسن فرما کر اس کی تحسین کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حدث اصغر کا تیمم یقیناً معلوم تھا حضور اکرم ﷺ نے اپنے کلام مذکور سے اسی کی طرف متوجہ فرمادیا۔

بعض حضرات نے ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ فریق مخالف یعنی حنابلہ وغیرہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان کا استدلال درست نہیں ہے کیوں کہ جن روایات میں وحدت کی تصریح ہے وہ ایک ضربہ سے زیادہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتی ہیں اسی طرح جن روایات میں وحدت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان میں صرف ضربہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی نفی زائد پر دلالت نہیں کرتی ہیں البتہ بطریق مفہوم ان سے نفی زائد ثابت ہوتی ہے اور استدلال بالمفہوم کے ذریعہ سے مدمقابل پر حجت قائم نہیں کی جاسکتی اب وہ روایات معارضہ سے محفوظ ہیں جو ضربتین کو ثابت کرنے والی ہیں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا جیسا کہ السنن الکبریٰ میں ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ سے ایسی حدیث ثابت ہے جو اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے وجہ اور ذراعین کا مسح فرمایا ہے اور یہ اشبہ بالقرآن اور اشبہ بالقیاس ہے کیوں کہ ''بدل من الشئی شئی'' کے مثل ہوتا ہے یعنی تیمم خلیفہ ہے اور وضو اصل ہے تو ہاتھوں کے بارے میں اصل کا جو حکم ہے خلیفہ کا بھی وہی ہونا چاہئے اس لئے ہم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے جس میں چہرہ اور کفین پر مسح کا ذکر آیا ہے۔

قال شعبة كان يقول الكفين والوجه والذراعين الخ: شعبہ کہتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل اپنی حدیث میں یہ الفاظ کہتے تھے ''فمسح بهما وجهه و كفيه و الذراعين'' تو منصور بن معتمر نے ایک دن سلمہ سے کہا ''انظر ماتقول'' کہ سلمہ جو بات تم کہہ رہے ہو اس پر غور کرو کیوں کہ ذر بن عبداللہ کے شاگردوں میں سوائے تمہارے کسی اور نے لفظ ذراعین کا ذکر نہیں کیا اس کے ذکر میں تم منفرد ہو اگر تم کو یقینی طور سے اس لفظ کا علم ہو تو بیان کرو ورنہ چھوڑ دو پھر سلمہ بن کہیل شک میں پڑ گئے اور کہا ''لاادری ذكر الذراعين ام لا'' کہ مجھے معلوم نہیں ذر بن عبداللہ نے ذراعین کا ذکر کیا ہے یا نہیں اور پیچھے ''التيمم فی الحضر'' کے تحت کی روایت میں شعبہ کہتے ہیں ''وسلمة شک لا يدری فيه المرفقين او الی الكفين''۔

بہرحال شعبہ کے قول کے مطابق سلمہ بن کہیل کو شک ہوا نہ کہ حکم بن عتیبہ کو چنانچہ امام بیہقیؒ دونوں طریق سے روایت لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ سلمہ بن کہیل کو شک پیش آیا اس لئے ابن ابزیٰ عن عمار کی حدیث کے متن میں زیادہ تر اختلاف انہی سے واقع ہوا اور حکم بن عتیبہ جو فقیہ اور حافظ ہیں انہوں نے بھی اس حدیث کو عن ذر بن عبداللہ عن سعید بن عبدالرحمٰن کے طریق سے روایت کیا ہے پھر اس کو بلا واسطہ سعید بن عبدالرحمٰن سے بھی سنا اور حدیث کو بدون شک کے یقین کے ساتھ بیان کیا جس کے الفاظ یہ ہیں ''انما يكفيک هكذا فضرب النبی صلی الله عليه وسلم بكفيه الارض فنفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه و كفيه'' اور حدیث قتادہ عن عزرۃ اس کی موافقت کرتی ہے۔

اور اسی طرح حدیث حصین بن عبدالرحمٰن عن ابی مالک بھی حدیث حکم بن عتیبہ کی موافقت کرتی ہے۔

باب تيمم الجنب

جنبی کے تیمم کا بیان

اخبرنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابومعاوية قال حدثنا الاعمش عن شقيق قال كنت جالساً مع عبدالله و ابی موسیٰ فقال ابو موسیٰ اولم تسمع قول عمار لعمر بعثنی رسول الله صلی الله عليه وسلم فی حاجة فاجنبت فلم اجد الماء فتمرغت بالصعيد ثم اتيت النبی صلی الله عليه وسلم فذكرت ذالک له فقال انما كان يكفيک ان تقول هكذا وضرب بيديه علی الارض ضربة فمسح كفيه ثم نفضهما ثم ضرب بشماله علی يمينه وبيمينه علی شماله علی كفيه و وجهه فقال عبدالله اولم تر عمر لم يقنع بقول عمار.

شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیا آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات نہیں سنی جوانہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضروری کام سے ایک جگہ بھیجا تھا وہاں میں جنبی ہوگیا اور غسل جنابت کے لئے مجھے پانی نہیں ملا تو میں نے زمین پر لوٹ لگا کر نماز پڑھ لی تھی پھر جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا عمار تمہیں تو اس طرح کرنا کافی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ایک دفعہ مارے پھر دونوں ہاتھوں کو جھاڑا پھر بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اور داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اور چہرہ پر مسح فرمایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قول سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔

تشریح شقیق بن سلمہ نے اس روایت میں جنبی کے لئے تیمم جائز ہے یا نہیں اس موضوع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مناظرہ ہوا تھا اس کو نقل کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جنبی کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے اس موضوع پر ان کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مناظرہ ہوا چونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ محدث اور جنبی دونوں کے لئے جواز تیمم کے قائل تھے اس لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ''**اولم تسمع قول عمار لعمر** رضی اللہ عنہ **الخ**'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا ''**اولم تر عمر لم یقنع بقول عمار**'' کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے اطمینان نہیں ہوا تھا بلکہ انکار کرتے ہوئے فرمایا تھا ''**اتق اللہ یا عمار**'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس خبر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا اس بناء پر تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسی حدیث بیان کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد نہیں ہے حالانکہ وہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مجلس میں حاضر تھے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ ارشاد فرمایا تھا ''**انما کان یکفیک ان تقول ھکذا الخ**''۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جب خود شریک واقعہ منکر ہے تو پھر اس سے استدلال کرتے ہوئے مجھ پر اعتراض کیوں کر درست ہوگا اس کے بعد کیا ہوا نسائی کی اس مختصر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے اس کا ذکر بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے طرز استدلال بدل کر فرمایا کہ ابوعبدالرحمٰن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ دیجئے آپ سورۂ مائدہ کی آیت تیمم کے بارے میں کیا جواب دیں گے تو جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت سے استدلال کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے عموم کو تسلیم کرلیا کہ اس کا حکم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کو شامل ہے کیوں کہ اگر وہ انکار کرتے تو آیت کا ضرور جواب دیتے مگر کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور انداز کلام بدل کر احتیاط اور سد ذریعہ کا سہارا لیتے ہوئے صرف اتنی بات فرمائی کہ اگر ہم جنبی کو تیمم کی اجازت دیدیں تو کوئی بعید نہیں کہ اس کا حال یہاں تک پہنچ جائے کہ تھوڑی سی سردی پڑی تو غسل کو چھوڑ کر تیمم کرلے گا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لئے جواز تیمم کے قائل ہو گئے تھے البتہ احتیاط اور سد ذریعہ کے پیش نظر فتویٰ نہیں دیتے تھے جوان کی اجتہادی بات تھی چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے شقیق بن سلمہ سے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وجہ سے تیمم کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتے شقیق بن سلمہ نے جواب دیا جی ہاں بات ایسی ہی ہے۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس بات کی طرف رجوع کرلیا تھا کہ جنبی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرے گا۔

اس سے دوسری یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جس آیت تیمم سے استدلال کیا تھا اس میں ہے ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ جس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ملامستہ سے مراد جماع ہے اس لئے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا ورنہ اگر ملامستہ سے مراد لمس بالید ہوتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہہ سکتے تھے کہ اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تم جس آیت تیمم سے احتجاج کررہے ہو اس کا جنابت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں حدث اصغر کی بات ہے اور ملامستہ سے مراد جماع نہیں ہے بلکہ اس سے مراد لمس بالید ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگ جوان کی طرف لامستم کے معنی بیان کرنے میں لمس بالید کی نسبت کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

باب التيمم بالصعيد

مٹی سے تیمم کرنے کا بیان

اخبرنا سويد بن نصر قال حدثنا عبدالله عن عوف عن ابی رجاء قال سمعت عمران ابن حصين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلاً معتزلا لم يصل مع القوم فقال يا فلان ما منعک ان تصلی مع القوم فقال يا رسول الله اصابتنی جنابة ولا ماء قال عليک بالصعيد فانهٗ يکفيک .

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ الگ بیٹھا ہے اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں تم کو قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا ہے اس شخص نے کہا مجھ کو جنابت لاحق ہوگئی ہے اور پانی نہیں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر پانی نہیں ہے تو مٹی سے تیمم کیا ہوتا بیشک وہ تجھ کو کافی ہے۔

تشریح: تیمم صرف مٹی سے جائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفصیل ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تیمم ہر ایسی چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو بشرطیکہ وہ پاک ہو مثلاً مٹی ریت پتھر وغیرہ امام مالکؒ کا قول بھی اسی طرح ہے جیسا کہ علامہ زبیدیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے اور ابن حزم بھی اسی کے قائل ہیں امام شافعیؒ امام احمدؒ اور داؤد ظاہری کے نزدیک تیمم جائز نہیں ہوتا مگر مٹی سے امام ابویوسفؒ بھی اسی کے قائل ہیں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فتيمموا صعيداً طيباً﴾ اور صعید نام ہے روئے زمین یعنی بالائی رخ کا یہ معنی اصمعی وخلیل وثعلب

وابن العربی اورزجاج وغیرہ سے منقول ہیں اورزجاج نے جولغت کا بہت بڑا عالم ہے معانی القرآن میں کہا صعید روئے زمین کو کہتے ہیں خواہ وہ مٹی ہو یا پتھر ہو جس پر مٹی نہیں ہوتی ہے۔

اورزجاج نے کہا''**لا اعلم اختلافاً بین اھل اللغة** ''کہ میں نہیں جانتا کہ اہل لغت میں سے کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو اسی لئے تو امام بیضاویؒ باوجود شافعی المسلک ہونے کے لفظ صعید کی تفسیر میں اس کے معنی مٹی نہیں لکھے اور قاموس میں ہے''**الصعید تراب اووجه الارض** ''یعنی صعید مٹی یا وجہ الارض کو (زمین کی سطح) کہتے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ صاحب قاموس کی تفسیر کے مطابق لفظ صعید کے دو معنی ہوئے تو کہاں سے معلوم ہوا کہ اس جگہ صعید سے مراد روئے زمین ہے تو اس کا جواب تفسیر مظہری میں دیا ہے کہ اگر چہ لفظ صعید تراب اور وجہ ارض کے معنی میں مشترک ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا لیکن یہاں مراد وجہ ارض ہے نہ کہ تراب اس پر قرینہ ارشاد باری تعالیٰ ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں فرمایا ﴿ **مایرید الله لیجعل علیکم من حرج** ﴾ کیوں کہ تراب منبت کو ضروری قرار دینے میں حرج ہے خصوصاً ان لوگوں پر جو نا قابل زراعت میدان میں آباد ہیں یا کھاری زمین یا ریگستان یا پہاڑی زمین میں آباد ہیں وہ اگانے والی مٹی کو بدوں حرج عظیم کے نہیں پاتے والحرج مدفوع فی الشرع اس لئے بقرینۂ ارشاد باری تعالیٰ یہاں صعید سے مراد روئے زمین ہے۔

اورحدیث سے امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے''**جعلت لی الارض مسجداوّطهورا** ''کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی الارض سے جنس زمین مراد ہے لہٰذا جنس زمین طہور ہے۔

نیز ایک حدیث میں آیا ہے''**ایما رجل ادرکته الصلوٰة فیصل** ''جس آدمی کو جہاں نماز کا وقت آجاوے وہاں نماز پڑھ لے اور یہ حدیث تیمم کے باب میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ پوری حدیث سے واضح ہے ابن القطان نے کہا کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ الارض سے تمام روئے زمین کی جنس مراد ہے کیوں کہ کبھی ریگ میں کبھی شورہ زمین اور کبھی پہاڑی میں ہر طرح کے مقام پر نماز کا وقت پالے گا، اور امام احمد کی روایت میں ہے''**فعنده طهورهٗ مسجدهٗ** ''یعنی وہ شخص وہاں نماز پڑھ لے جہاں نماز کا وقت آجائے کیونکہ اس کی طہارت کی چیز اور جائے سجود اس کے پاس ہے۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے''**جعلت لی کل ارض طیبة مسجدا وطهوراً** ''ابن المنذر اور ابن الجارود نے اس کو باسناد صحیح روایت کیا ہے۔(**کما قال الحافظ فی الفتح**)

توان احادیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے تمام اجزاء طہور ہیں جیسا کہ اس کے تمام اجزاء باتفاق علماء سجدہ گاہ ہیں لہٰذا زمین کے ٹکڑوں میں سے جس مقام پر نماز جائز ہے اس سے تیمم بھی درست ہے بشرطیکہ وہ زمین کی جنس سے ہو اور اس کے لئے قابلِ زراعت ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا استدلال حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے اس میں آیا ہے''**جعلت لنا الارض کلها مسجداً وجعلت تربتها طهوراً اذا لم نجد الماء** ''کہتے ہیں یہ حدیث خاص ہے لہٰذا اسی پر عام کو جس میں مطلق

الارض کا لفظ آیا ہے محمول کیا جائے گا اس لئے طہوریت تراب کے ساتھ خاص ہوگی غیر تراب سے تیمّم درست نہیں ہے اس کا جواب علامہ ماردینیؒ وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ تعلیق الحکم بالتربۃ یعنی جواز تیمّم کے حکم کو مٹی کے ساتھ مقید کرنا مفہوم لقب ہے اور مفہوم لقب ارباب اصول کے نزدیک ضعیف ہے لہٰذا اس کے ذریعہ سے تخصیص منطوق صحیح نہیں ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ مفہوم معمول بہ ہے پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں کیوں کہ حدیث ''**وجعلت لی الارض مسجداً وطہوراً**'' کا منطوق بقیہ اجزاء ارض کی طہوریت پر دلالت کرتا ہے اب جب غیر تراب میں دلالت مفہوم اور دلالت منطوق کے درمیان تعارض ہے کیوں کہ دلالت مفہوم عدم طہوریۃ کو چاہتی ہے کہ سوائے مٹی کے کسی اور چیز سے تیمّم درست نہ ہو اور دلالت منطوق طہوریۃ کو مقتضی ہے لہٰذا منطوق اولیٰ واقدم ہوگا اور اسی کو ترجیح دی جائے گی اسی لئے احناف کہتے ہیں کہ تیمّم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔

امام بیہقی نے اپنے مسلک پر اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ ''**اطیب الصعید ارض الحرث**'' سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثر غیر حرث سے تیمّم جائز ہونے پر دلالت کر رہا ہے کیوں کہ جب ارض حرث یعنی کھیت کی زمین اطیب الصعید ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ غیر ارض حرث طیب ہے جواز روئے نص مامور بہ ہے لہٰذا اس سے تیمّم درست ہوگا علاوہ ازیں بیہقی کا اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے استدلال تقاضا کرتا ہے کہ شورہ زمین سے تیمّم درست نہ ہو حالانکہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ **سبخة** سے تیمّم درست ہے اور سبخة وہ کھاری مٹی ہے جو اگانے والی نہ ہو۔

باب الصلوات بتيمم واحد

ایک تیمّم سے کئی نمازوں کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں اس کا بیان

اخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد عن سفيان عن ايوب عن ابی قلابة عن عمرو بن بجدان عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم الصعيد الطيب وضوء المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کے لئے مثل آب وضو کے ہے اگر چہ دس سال تک پانی نہ پاوے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بعض حضرات نے کہا کہ ان کا نام جندب بن جنادة بن قیس تھا اور بعض نے کہا بریر تھا مشہور صحابی ہیں ان کے مناقب وفضائل بہت ہیں ازھد الصحابۃ فی الدنیا تھے ان کا انتقال ربذہ میں ۳۲ھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ہوا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سفر کر کے اپنے اہل کے پاس جاتے اور ان کو وہاں جنابت لاحق ہوتی اور غسل کے لئے پانی نہ پاتے مسند احمد کی روایت میں ہے ''**فاصابتنی جنابة فتيممت بالصعيد وصليت اياماً فوقع فی نفسی من**

ذالک حتی ظننت انی ھالک الخ ''تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا ''الصعید الطیب وضوء المسلم الخ '' پاکیزہ زمین مسلمان کے لئے وضو ہے اگر چہ دس برس تک پانی نہ پاوے لفظ وضوواؤ کے زبر کے ساتھ ہے جوطہور کے معنی میں ہے کیوں کہ پاک مٹی بمنزلہ پانی کے ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ وضو بضم الواؤ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مٹی کا استعمال مخصوص طریقہ پر مثل وضو مسلم کے ہے۔

بہرحال اس میں تشبیہ بلیغ ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تیمّم طہارت ناقصہ نہیں بلکہ مثل وضو کے طہارت کاملہ ہے اور حدیث میں دس برس سے مراد کثرت ہے یہی مدت مقررہ مراد نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر چہ زمانۂ دراز تک پانی نہ پاوے پاک مٹی مسلمان کے لئے آلہ طہارت ہے۔

بہر تقدیر اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کا وقت گذر جانے سے تیمّم نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ مثل حکم وضو کے ہے اور طہارت مطلقہ ہے جب تک پانی نہ ملے برابر باقی رہے گا اور ایک تیمّم سے جب تک حدث نہ ہو فرائض ونوافل سے جتنی چاہے پڑھے خواہ ایک وقت میں خواہ اوقات متعددہ میں جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مذہب ہے امام شافعیؒ اور ظاہر مذہب امام مالکؒ کا یہ ہے کہ ہر فرض کے لئے مستقل تیمّم کرے کیوں کہ تیمّم طہارت ضرور یہ ہے کہ صرف نماز کے وقت میں اس کے ادا کرنے تک باقی رہتا ہے امام شافعیؒ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''من السنة ان لا یصلی باالتیمم اکثر من صلوٰة واحدة '' (رواہ الدارقطنی والطبرانی)۔

احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں کلام کیا گیا ہے کہ اس کی اسناد میں حسن بن عمارہ راوی کو شعبہ، سفیان، احمد بن حنبل، نسائی، دارقطنی اور ابن معین وغیرہ نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لئے دلیل نہیں ہوسکتی لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے علاوہ اس کے محدث فیروز آبادی شافعیؒ نے سفر السعادۃ میں فرمایا ہے ''ولم نجد فی حدیث صحیح انهٗ یتیمم لکل فریضة تیمماً جدیداً بل امر به مطلقاً واقامهٗ مقام الوضوء '' محدث موصوف کی اس عبارت نے واضح کر دیا کہ ہر فرض کے لئے علیحدہ علیحدہ تیمّم کرنا کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے اگر چہ علامہ موصوف شافعی ہیں مگر بات انصاف کی فرمائی ہے جس سے مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے اور خود مصنفؒ کے قائم کردہ باب سے ان کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی تیمّم سے متعدد نمازوں کا پڑھنا درست ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب فیمن لم یجد الماء ولا الصید

باب جو شخص نہ پانی پاوے اور نہ پاک مٹی تو وہ کیا کرے گا

اخبرنا اسحق بن ابراهیم حدثنا ابو معاویة حدثنا هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم اسید بن حضیر وناساً یطلبون قلادة کانت لعائشة نسیتها فی منزل نزلته فحضرت الصلاة ولیسوا علیٰ وضوء ولم یجدوا ماء فصلوا بغیر وضوء فذکروا ذالک لرسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل آیۃ التیمم قال اسید بن حضیر جزاک اللہ خیراً فواللہ مانزل بک امرتکرھینہ الا جعل اللہ لک وللمسلمین فیہ خیرًا .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگوں کو ہار تلاش کرنے کے واسطے بھیجا اور وہ ہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا جو ان کے گلے سے گر گیا تھا اور وہ بھول گئی تھیں اس مقام پر جہاں انہوں نے قیام کیا تھا پس نماز کا وقت آ گیا اور لوگ وضو پر نہ تھے اور ان کو پانی نہ ملا تو لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی بعد ازاں لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ بزرگ و برتر نے آیت تیمم نازل فرمائی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اے مسلمانوں کی ماں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرماوے جب کبھی آپ کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جو آپ کی مرضی کے خلاف ہے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس کے باعث آپ کے اور مسلمانوں کے حق میں بھلائی اور آسانی پیدا فرمادی۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا امیۃ بن خالد قال حدثنا شعبۃ ان مخارقاً اخبرھم عن طارق ان رجلا اجنب فلم یصل فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذالک لہٗ فقال اصبت فاجنب رجل آخر فتیمم وصلّٰی فاتاہ فقال نحو ما قال للاٰخر یعنی اصبت .

طارق سے روایت ہے کہ ایک آدمی جنبی ہوا اس لئے نماز نہیں پڑھی اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا پھر ایک اور آدمی کو جنابت لاحق ہوئی تو اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی وہی ارشاد فرمایا جو دوسرے کے واسطے فرمایا تھا یعنی اصبت فرمایا کہ تمہارا یہ فعل درست ہے۔

تشریح :علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ بظاہر اس ترجمہ سے مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص پانی نہ پاوے اور نہ پاک مٹی تو ایسی صورت میں وہ بغیر طہارت کے نماز پڑھ لیوے جب نماز کا وقت آجاوے اور بعد میں اس کا اعادہ نہیں کرے گا اس بات پر استدلال حدیث باب سے کیا ہے استدلال اس طرح سے کیا ہے کہ عدم مشروعیت تیمم کو عدم تراب بعد المشروعیت کی جگہ رکھا گیا ہے کیوں کہ دونوں کا حاصل اور مرجع تعذر تیمم ہے جو یہاں مؤثر ہے کیوں کہ اس وقت تک تیمم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو گویا مٹی موجود نہ تھی اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس پانی بھی نہ تھا اس لئے وہ حضرات مثل فاقد الطہورین کے ہو گئے اس لئے اسی حال میں بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھ لی پھر انہیں آیت تیمم نازل ہونے کے بعد اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا اس استدلال کی تائید میں علامہ سندھیؒ نے تفصیلی بات کی ہے کہتے ہیں کہ یہ اس ارشاد نبوی کے موافق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا أمرتکم بأمرفأ توا منہ ما استطعتم او کما قال "یعنی جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو معلوم ہوا تکلیف بقدر استطاعت ہے اب پانی اور مٹی نہ ملنے کی صورت میں انسان کی آخری استطاعت یہی ہو سکتی ہے کہ اسی حالت میں بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور چونکہ غیر مستطاع کا مکلّف نہیں اس لئے وہ ساقط ہے اور

بلا دلیل غیر مستطاع سے مستطاع ساقط نہیں ہوگا یہی بات قیاس اور اصول کے موافق ہے کیوں کہ شرط صلوٰۃ یعنی وضو اور تیمم متعذر ہونے کی صورت میں اس کا انسان کو مکلف نہیں بنایا گیا ہے لیکن اس سے اس کو جس مشروط یعنی نماز کا مکلف بنایا گیا ہے وہ ساقط نہیں ہوسکتی جیسا کہ ستر عورت وطہارت ثوب اور طہارت مکان وغیرہ کا حال ہے کیوں کہ ان میں سے کسی بھی شرط کے معدوم ہونے سے نماز کا مطالبہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ انسان کے ذمہ ضروری ہے کہ اسی حالت میں نماز ادا کرے پھر اعادہ نہیں کرے اسی طرح طہارت کا معاملہ ہے وہ شرط صلوٰۃ ہے اور پانی اور مٹی نہ ملنے کی صورت میں اس کی تکلیف ساقط ہوجانے سے مشروط کی تکلیف ساقط نہ ہوگی اس لئے ایسی حالت میں بدون طہارت کے نماز پڑھے پھر اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ تعذر رکن بھی باقی ارکان کی تکلیف کو ساقط نہیں کرتا ہے تو تعذر شرط تکلیف مشروط کو کس طرح ساقط کرے گا مثلاً اگر بعض اعضائے وضو کا غسل عدم محل کی وجہ سے متعذر ہوتو باقی اعضاء کو دھولے گا اور بعض اعضاء کا غسل متعذر ہونے سے وضو ساقط نہ ہوگا اسی طرح جب قرأۃ فی الصلوٰۃ سے عاجز ہوجائے اور قیام وغیرہ سے عاجز ہوجائے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی ہے۔

غرض مصنفؒ کے کلام سے اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ فاقد الطہورین نماز پڑھے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرے اسی طرح امام بخاری کے کلام سے ان کا میلان ورجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی حالت میں بدون طہارت کے نماز ادا کرے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

علامہ سندھیؒ کی اس توجیہ کے مطابق امام نسائی نے اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی موافقت کی ہے ان کا مسلک یہ ہے کہ نماز کا وقت آنے کے بعد جو شخص نہ پانی پاوے اور نہ مٹی وہ اسی حال میں بغیر طہارت کے نماز پڑھے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرے۔ لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مصنفؒ کے مقصد اور مسلک کو جس فراخ دلی سے علامہ سندھیؒ نے پیش کیا ہے وہ مقصد حدیث باب سے کس طرح ثابت ہوسکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ حدیث باب سے اس کا ثبوت مشکل ہے کیا کوئی یقین سے بتا سکتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ان کی نماز کو درست قرار دیا تھا اور لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا کیا عدم ذکر عدم واقعی کی دلیل بن سکتا ہے ظاہر تو یہی ہے کہ انہوں نے بعد میں تیمم سے نماز کا اعادہ کیا ہوگا اب رہا یہ سوال کہ حدیث باب میں آیا ہے ''فصلوا بغیر وضوء'' لیکن یہ الفاظ اثبات مقصد کے لئے کافی نہیں ہوسکتے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے تیمم کا حکم نازل ہونے کے بعد نماز ادا کی ہو جیسا کہ یہی بات پچھلے ابواب یعنی ''باب بدء التیمم'' اور ''باب التیمم فی السفر'' کے ماتحت کی روایت سے معلوم ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ راوی نے اجزاء کی ترتیب تبدیل کردی ہو اور نماز کا بیان مقدم کردیا ہو کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس پانی نہ تھا اس لئے انہوں نے بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ فعلی اور جزئی واقعہ ہے جس میں عموم نہیں ہے دوسری طرف حدیث قولی کی روشنی میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے ''لاصلوٰۃ الا بطھور'' بدون طہارت کے کوئی نماز نہیں ہوسکتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی خاص واقعہ کسی اصول سے مزاحم ہوتو ترجیح اصول کو ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ جس طرح امام نسائیؒ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے فعل سے اس بات پر

استدلال کیا ہے کہ فاقد الطہورین اسی حالت میں بغیر طہارت کے نماز پڑھے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرے اسی طرح حضرات احناف کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنبی ہوگئے تھے اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی بلکہ قضا کردی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل میں اس بات کی کوئی تفصیل نہیں ہے کہ نماز کے قضاء کرنے پر کسی طرح کا عتاب ہوا ہو۔

بہر حال بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مدعا کے اثبات میں مصنفؒ نے جو دلیل پیش کی ہے وہ نص نہیں ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب کی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو جنابت لاحق ہوئی اس نے نماز نہیں پڑھی اس کا ذکر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اصبت'' کہ تمہارا یہ فعل درست ہے ایک اور شخص جنبی ہوگیا اس نے تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کا ذکر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی فرمایا کہ ''اصبت'' تم نے ٹھیک کیا ہے اس لئے کہ تم نے اپنے اجتہاد سے جو عمل کیا تمہارا وہ عمل درست اور حکم شریعت کے موافق ہوا اب رہا یہ سوال کہ اول شخص کو بھی یہ ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے جو عمل کیا تھا وہ بھی اپنے اجتہاد سے کیا تھا تو بلحاظ اجتہاد وہ بھی مصیب یعنی درست کار تھے اگرچہ وہ شخص تیمّم سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اپنے اجتہاد میں صواب اور حق کو نہ پا سکا تاہم فعل اس کا اجتہادی تھا اور نیت اچھی تھی اس حیثیت سے اس کے فعل کو لغو ولا یعنی قرار نہیں دیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم، کذا فی الحاشیۃ لعلامۃ السندھیؒ)

کتاب المیاہ
پانی کے احکام

قال اللہ عزوجلّ ﴿ وانزلنا من السّمآءِ ماءً طَهُوْرًا ﴾

وقال اللہ عزوجلّ ﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ ﴾

وقال تعالیٰ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً طَيِّبًا ﴾

اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن سفیان عن سماک عن عکرمۃ عن ابن عباس ؓ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغتسلت من الجنابۃ فتوضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفضلها فذکرت ذالک لہ فقال ان الماء لا ینجسہ شئی.

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات نے (ایک لگن میں سے پانی لے کر) جنابت کا غسل کیا پھر نبی کریم ﷺ نے ان کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کا ارادہ کیا تو اس بیوی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس پانی سے جنابت کا غسل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔

تشریح: شروع کتاب سے یہاں تک جتنے احکام ومسائل ذکر کئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ ﴾ کی تفسیر سے متعلق ہیں کیوں کہ آیت مبارکہ وضواور غسل کے احکام اور تیمم جو پانی نہ ملنے یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں وضواور غسل کے قائم مقام ہے اس کے بیان کے لئے اتاری گئی ہے اس لئے جتنی احادیث ابواب سابقہ میں ذکر کی گئی ہیں سب کی سب گویا اس آیت مبارکہ کی تفسیر اور تشریح ہیں۔

اب یہاں سے مصنفؒ ان احادیث کو روایت کرتے ہیں جو پانی کے احکام سے متعلق ہیں اور اگرچہ اس سلسلے میں بہت سے احکام پیچھے احکام طہارت کے ضمن میں گذر چکے ہیں مگر چوں کہ ان کا ذکر وہاں تبعاً آ گیا تھا اس لئے صرف بالتبع ذکر پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ پانی کے احکام سے متعلق اصالۃً بحث کی غرض سے کتاب المیاہ کا عنوان قائم کیا ہے اور عنوان کے شروع میں قرآن پاک کی آیات پیش کی ہیں جس سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جتنی احادیث اس کتاب میں بیان کی جائیں گی وہ قرآن پاک کی ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات کی تفسیر وتشریح اور بمنزلہ بیان کے سمجھی جائیں گی۔ (واللہ اعلم. کذا فی الحاشیۃ لعلامۃ السندھیؒ)

عنوان کے ماتحت کی حدیث میں آیا ہے "ان الماء لاینجسہ شئی" ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں "ان

الماء لا یجنب ''فرمایا تو فرق صرف الفاظ میں ہے مطلب دونوں کا ایک ہے یعنی جنبی یا محدث کے ٹب کے پانی سے غسل یا وضو کرنے سے اس کا بقیہ پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے اس سے ان بعض ازواج مطہرات کا جو خیال تھا کہ جنبی کے غسل جنابت کے بعد ٹب میں جو پانی بچا رہتا ہے اس کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے ان کے اس خیال کو نبی کریم ﷺ نے ''ان الماء لا ینجسہ شیء'' سے رد فرما دیا اور بتلا دیا کہ تمہارا خیال غلط ہے جنبی اور محدث کے استعمال سے بچا ہوا پانی جو لگن وغیرہ میں ہوتا ہے وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

باب ذکر بئر بضاعة

بئر بضاعہ کے پانی کا کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا هارون ابن عبدالله قال حدثنا ابو اسامة قال حدثنا الوليد بن كثير حدثنا محمد بن كعب القرظی عن عبيدالله بن عبدالرحمن بن رافع عن ابی سعيد الخدری رضی اللہ عنہ قال قيل يارسول الله اتتوضأ من بئر بضاعة وهی بئر يطرح فيها لحوم الكلاب والحيض والنتن فقال الماء طهور لاينجسه شئی.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ بئر بضاعہ سے وضو کرتے ہیں حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ اس میں کتوں کے گوشت اور حیض کے لتے اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کنوئیں کا پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

اخبرنا العباس بن عبدالعظيم حدثنا عبدالمالک بن عمرو قال حدثنا عبدالعزيز بن مسلم و كان من العابدين عن مطرف بن طريف عن خالد بن ابی نوف عن سليط عن ابن ابی سعيد الخدری عن ابيه قال مررت بالنبی صلی الله عليه وسلم وهو يتوضأ من بئر بضاعة فقلت أتتوضاء منها وهی يطرح فيها ما يكره من النتن فقال الماء لا ينجسهٔ شئی.

عبدالرحمن اپنے والد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے گذرا اور آپ ﷺ بئر بضاعہ سے وضو کر رہے تھے میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ اس کے پانی سے وضو کر رہے ہیں حالانکہ اس میں گندی چیزیں ڈالی جاتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔

تشریح : بئر بضاعہ مدینہ منورہ میں ایک مشہور کنوئیں کا نام ہے اس میں حیض وغیرہ کے کپڑے اور بدبودار چیزیں گر پڑتی تھیں کیوں کہ وہ کنواں نشیبی جگہ میں تھا کبھی کبھی سیلاب گندی چیزوں کو راستہ سے اٹھا کر اس میں ڈالتا تھا یا ہوا اڑا کر اس میں ڈالتی تھی لیکن کہنے والے نے تعبیر اس طرح سے کی ہے کہ اس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ لوگ نجاست وغیرہ کو اس میں ڈالتے تھے نعوذ باللہ ایسی بات عوام مسلمانوں سے بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسلام بلکہ جاہلیت کے دور میں بھی ہمیشہ لوگوں کی عادت رہی کہ وہ پانی کی بہت حفاظت کرتے تھے اور ہر قسم کی ناپاک چیزوں سے بچانے کا طریقہ اختیار کرتے تھے اس لئے کنوئیں میں

گندوغیرہ کا ڈالنا تو ایک ادنی درجہ کے آدمی سے بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ صحابہ کرام سے جو افضل اور سب سے زیادہ پاکیزہ مسلمان تھے تو اصل بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ سیلاب اور ہوا سے کنوئیں میں نجاست گر پڑتی تھی مگر اس میں ٹھہرتی نہیں تھی خارج ہو جاتی تھی کیوں کہ پانی اس میں بہت تھا اور چشمہ دار تھا بلکہ امام طحاویؒ نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں وہ جاری تھا اور اس کے پانی سے باغ سیراب کیا جاتا تھا اس لئے نجاست وغیرہ کو پانی بہا کر لے جاتا اس لئے نجاست کا اثر باقی نہیں رہتا اور واقدی اگر چہ محدثین کے نزدیک مختلف فیہ ہیں کہ بعض نے ان پر جرح کی اور بعض نے توثیق کی لیکن دور رسالت کے واقعات وسیر واخبار وشواہد وحوادث کے بیان میں مستند اور قابل اعتماد راوی ہیں انہوں نے جو کچھ بیان کیا اپنے مشاہدہ کے مطابق بیان کیا لہٰذا ان کا قول حجت ہے۔

بہر حال جس بئر بضاعہ کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی اس کے پانی سے جب نبی کریم ﷺ وضو فرما رہے تھے تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ ایسے کنوئیں کے پانی سے وضو کرتے ہیں جس میں کتوں کے گوشت حیض کے لتے اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی ہیں حضور ﷺ نے جواب دیا "**الماء طهور لا ينجسه شئى**" اس کنوئیں کا پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرتی ہے۔

اس حدیث کی ظاہر عبارت سے کوئی نہ سمجھ لے کہ تمام کنوؤں کے پانی کا یہی حکم ہے کہ کسی کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے تھوڑا ہو یا بہت خواہ اس کے اوصاف بدل جائیں کیوں کہ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا بہت جب اس کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف نجاست گرنے کی وجہ سے بدل جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لئے ارشاد مبارک "**الماء طهور لاينجسه شئى**" سے حکم عام ثابت کرنا درست نہیں بلکہ "**الماء طهور الخ**" میں الف لام عہد خارجی ہے اور بقرینہ محل خطاب اس سے مراد بئر بضاعہ ہے یعنی جس بئر بضاعہ کا حکم جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا جواب میں اسی کے پانی کا حکم بیان فرمایا کہ جب تک اس کے پانی میں تغیر نہ آگیا ہو تب تک اس کا پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرتی۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**)

باب التوقيت فى الماء

اخبرنا الحسين بن بن حريث المروزى حدثنا ابو اسامة عن الوليد بن كثير عن محمد بن جعفر بن الزبير عن عبيدالله بن عبدالله بن عمر عن ابيه قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الماء وما ينوبه من الدواب والسباع فقال اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث .

اخبرنا قتيبة قال حدثنا حماد عن ثابت عن انس ان اعرابيا بال فى المسجد فقام اليه بعض القوم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تزرموه فلما فرغ دعا بدلو من ماء فصبه عليه .

اخبرنا عبدالرحمن بن ابراهيم عن محمد بن عبد الواحد عن الاوزاعى عن عمرو بن الوليد عن الزهرى عن عبيدالله بن عبدالله عن ابى هريرة قال قام اعرابى فبال فى المسجد فتناوله الناس فقال لهم رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوہ واھر یقوا علی بولہٗ دلوا من ماء فانما بعثتم میسر ین ولم تبعثوا معسرین.

اس باب کے تحت کی پہلی حدیث کا ترجمہ اور اس کی تشریح پیچھے باب ''التوقیت فی الماء'' کے تحت گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے اور دوسری اور تیسری حدیث کی تشریح عنوان ''ترک التوقیت فی الماء'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب النھی عن اغتسال الجنب فی الماء الدائم

حدثنا الحارث بن مسکین قراءۃ علیہ وانا اسمع عن ابن وھب عن عمرو وھو ابن الحارث عن بکیر ان ابا السائب حدثہ انہ سمع ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب.

اس عنوان کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور اس کی تشریح پیچھے عنوان ''باب النھی عن اغتسال الجنب فی الماء الدائم'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

الوضوء بماء البحر

اخبرنا قتیبۃ عن مالک عن صفوان بن سلیم عن سعید بن ابی سلمۃ ان المغیرۃ بن ابی بردۃ اخبرہ انہ سمع اباھریرۃ یقول سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انا نرکب البحر ونحمل معنا القلیل من الماء فان توضأ نا بہ عطشنا افنتوضأ من ماء البحر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الطھور ماؤہ الحل میتتہ.

اس عنوان کے ذیل کی حدیث کا ترجمہ اور اس کی تشریح عنوان ''باب ماء البحر'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الوضوء بماء الثلج والبرد

اخبرنا اسحق بن ابراھیم حدثنا جریر عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم اغسل خطایای بالثلج والبرد ونقِ قلبی من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس.

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا جریر عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ بن عمرو بن جریر عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم اغسلنی من خطایای بالثلج والماء والبرد.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب الوضوء بالثلج'' اور عنوان ''الوضوء بماء الثلج'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب سؤر الکلب

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا علی بن مسھر عن الاعمش عن ابی رزین وابی صالح عن ابی ھریرۃ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ ثم لیغسلہ سبع مرات.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اورتشریح عنوان ''سؤر الکلب'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب تعفیر الاناء بالتراب من ولوغ الکلب فیہ

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی قال حدثنا خالد یعنی ابن الحارث عن شعبة عن ابی التیاح قال سمعت مطرفا عن عبداللہ بن مغفل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب ورخص فی کلب الصید والغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنة بالتراب.

اخبرنا عمرو ابن یزید قال حدثنا بھز بن اسد قال حدثنا شعبة عن ابی التیاح یزید بن حمید قال سمعت مطرفا یحدث عن عبداللہ بن مغفل قال امررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب قال ما بالھم وبال الکلاب قال ورخص فی کلب الصید وکلب الغنم وقال اذا ولغ فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروا الثامنة بالتراب خالفہ ابوھریرة فقال احدھن بالتراب.

اخبرنا اسحق بن ابراھیم حدثنا معاذ بن ھشام قال حدثنی ابی عن قتادة عن خلاسٍ عن ابی رافع عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات اولاھن بالتراب.

اخبرنا اسحق بن ابراھیم قال حدثنا عبدة بن سلیمان عن ابن ابی عروبة عن قتادة عن ابن سیرین عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ولغ الکلب فی انا ء احدکم فلیغسلہ سبع مرات اولاھن بالتراب.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اورتشریح عنوان ''باب تعفیر الاناء الذی ولغ فیہ الکلب بالتراب '' کے تحت ملاحظہ کیجئے البتہ اس باب کی دوسری حدیث میں ایک جملہ زیادہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے ''قال ما بالھم وبال الکلاب '' یعنی ہمیں کتوں سے کیا دشمنی ہے کہ بلاوجہ ہم ان کو جڑ سے اکھیڑنے کی فکر کریں غرض پہلے تو لوگوں کو کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا اس ارشاد کے ذریعہ کہ ''ما بال الناس وبال الکلاب ''یعنی انسان اور کلاب دونوں فریقوں کے درمیان کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جو کتوں کے قتل کا تقاضہ کرتی ہو لہٰذا ہم ان کے استیصال کی کیوں فکر کریں۔

باب سؤر الھرة

اخبرنا قتیبة عن مالک عن اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحة عن حمیدة بنت عبید بن رفاعة عن کبشة بنت کعب بن مالک ان اباقتادة دخل علیھا ثم ذکر کلمةً معنا ھا فسکبت لہ وضوءً فجاء ت ھرة فشربت منہ فاصغی لھا الاناء حتی شربت قالت کبشة فرانی انظر الیہ فقال اتعجبین یاابنة اخی قلت نعم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انھا لیست بنجس انما ھی من الطوافین علیکم والطوافات.

اس باب کے ذیل کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب سؤر الهرة'' کے تحت ملاحظہ کیجئے

باب سؤر الحائض

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا عبدالرحمن عن سفیان عن المقدام بن شریح عن ابیه عن عائشة قالت کنت اتعرق العرق فیضع رسول الله صلی الله علیه وسلم فاه حیث وضعته وانا حائض وکنت اشرب من الاناء فیضع فاه حیث وضعت وانا حائض.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح باب ''سؤر الحائض'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الرخصة فی فضل المرأة

اخبرنا هارون بن عبدالله قال حدثنا معن قال حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر قال کان الرجال والنساء یتوضئون فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم جمیعا.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب وضوء الرجال والنساء جمیعا'' کے تحت ملاحظہ ہو۔

باب النهی عن فضل وضوء المرأة

عورت کے وضو کے بعد جو پانی بچ جاتا ہے اس کے استعمال کی ممانعت کا بیان

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة عن عاصم الاحول قال سمعت ابا حاجب قال ابو عبدالرحمن واسمه سوادة بن عاصم عن الحکم بن عمرو ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان یتوضأ الرجل بفضل وضوء المرأة.

حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔

تشریح: مصنفؒ نے اوپر کے باب کی حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع نہیں کیا گیا ہے اور اس سے پہلے کی حدیث سے اس بات کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مرد عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرسکتا ہے اب ممانعت کا باب قائم کیا ہے اور اس کے ماتحت حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت کے فضل وضو سے وضو کرنا جائز نہیں ہے بظاہر احادیث میں تعارض ہے حافظ ابن حجرؒ نے بڑی اچھی تطبیق دی ہے وہ یہ ہے کہ بقرینۂ احادیث جواز اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کیا جاوے تاکہ اس باب کی حدیث پہلے باب کی حدیث کے مخالف نہ ہو مزید تفصیلی بات پیچھے گذر چکی ہے۔

الرخصة فی فضل الجنب

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة انها کانت تغتسل مع رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم فی الاناء الواحد.

اس عنوان کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان "باب فضل الجنب" کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب القدر الذی یکتفی بہ الانسان من الماء للوضوء والغسل

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی بن سعید قال حدثنا شعبة حدثنا عبداللہ بن عبداللہ بن جبر قال سمعت انس بن مالک یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بمکوک ویغتسل بخمس مکاکی.

اخبرنا ھارون ابن اسحق الکوفی قال حدثنا عبدة یعنی ابن سلیمان عن سعید عن قتادة عن صفیة بنت شیبة عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتوضأ بمد ویغتسل بنحو الصاع.

اخبرنا ابوبکر بن اسحق حدثنا الحسن بن موسیٰ حدثنا شیبان عن قتادة عن الحسن عن امه عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع. اٰخر کتاب المیاہ.

اس باب کے ماتحت کی حدیث کا ترجمہ وتشریح پیچھے عنوان "باب القدر الذی یکتفی به الرجل من الماء للوضوء" کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

کتاب الحیض والاستحاضة

باب بدء الحیض وھل یسمّی الحیض نفاساً

حیض کی ابتداء کا بیان کیا حیض پر نفاس کا اطلاق ہوسکتا ہے

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا سفیان عن عبدالرحمن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ عن ابیه عن عائشة قالت خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا نُری الا الحج فلما کنا بسرف حضت فدخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وانا ابکی فقال مالک انفست قلت نعم قال ھذا امر کتبه اللہ عزوجل علی بنات آدم فاقضی ما یقضی الحاجُ غیر ان لاتطوفی بالبیت.

یہاں پر صرف عنوان بدل دیا ہے ورنہ اس باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس کو پیچھے عنوان ''باب ما تفعل المحرمة اذا حاضت'' کے تحت بھی لا چکے ہیں اس کا ترجمہ وتشریح وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

یہاں پر صرف ارشاد مبارکہ ''ھذا امر کتبه اللہ عزوجل علی بنات آدم'' کے متعلق مختصر بات عرض کرنی ہے کہ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حیض ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر مقرر فرمادیا ہے اور بنات آدم علیہ السلام میں حضرت حوا علیہا السلام بھی داخل ہیں اور وہ پیدائش میں تمام عورتوں سے مقدم ہیں اس لئے جب ان کو جنت سے نکالا گیا تو حیض کی ابتدا انہیں سے ہوئی لیکن عبدالرزاق نے بسند صحیح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں دونوں ایک ساتھ نماز پڑھتے اور عورتیں مردوں کو جھانکتی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی عورتوں پر حیض مسلط کر کے ان کو مساجد سے روک دیا۔

اب دو چیزیں معلوم ہوئیں باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی ابتداء حضرت حوا علیہا السلام سے ہوئی ہے اور مصنف عبدالرزاق کی روایت سے معلوم ہوا کہ حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی تو ظاہر میں حدیث باب مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مخالف ہے حافظ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے تطبیق کی شکل یہ ہے کہ وجود حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی ابتداء تو حضرت حواء علیہا السلام سے ہوئی جو پیدائش کے اعتبار سے تمام عورتوں سے مقدم ہیں مگر اس وقت حیض میں طول مکث کی کیفیت نہ تھی پھر جب بنی اسرائیل کا زمانہ آیا تو ان کی عورتوں پر ان کی نافرمانی کے سبب سے بطور عذاب کے زیادہ عرصہ تک حیض جاری رہنے کا سلسلہ مسلط کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ذکر الاستحاضة واقبال الدم وادباره

اخبرنا عمران بن یزید قال حدثنا اسماعیل بن عبداللہ وھو ابن سماعة قال حدثنا الاوزاعی قال

حدثنا يحيى بن سعيد قال اخبرنى هشام بن عروة عن عروة ان فاطمة بنت قيس من بنى اسد قريش انها اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت انها تستحاض فزعمت انه قال لها انما ذالك عرق فاذا اقبلت الحيضة فدعى الصلوٰة واذا ادبرت فاغتسلى واغسلى عنك الدم ثم صلى.

اخبرنا هشام بن عمار قال حدثنا سهل بن هاشم قال حدثنا الاوزاعي عن الزهرى عن عروة عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا اقبلت الحيضة فدعى الصلوٰة واذا ادبرت فاغتسلى.

اخبرناقتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة قالت استفتت ام حبيبة بنت جحش رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله انى استحاض فقال ان ذالك عرق فاغتسلى ثم صلى فكانت تغتسل عند كل صلوٰة.

اس عنوان کے ماتحت کی احادیث کا ترجمہ اور تشریح پیچھے عنوان ''ذکر الاغتسال من الحیض'' کے تحت ملاحظہ ہو۔

المرأة تكون لها ايام معلومة تحيضها كل شهر

جس عورت کے حیض کے ایام ہر مہینہ مقرر ہوں پھر اس کو استحاضہ ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے

اخبرنا قتيبة قال حدثنا الليث عن يزيد بن ابى حبيب عن جعفر بن ربيعة عن عراك بن مالك عن عروة عن عائشة قالت ان ام حبيبة سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدم فقالت عائشة رأيت مركنها ملان دماً فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم امكثى قدرما كانت تحبسك حيضتك ثم اغتسلى.

اخبرنا به قتيبة مرة اخرى ولم يذكر فيه جعفر بن ربيعة اخبرنا محمد بن عبدالله بن المبارك قال حدثنا ابو اسامة حدثنا عبيدالله بن عمر قال اخبرنى عن نافع عن سليمان بن يسار عن ام سلمة قالت سألت امرأة النبى صلى الله عليه وسلم قالت انى استحاض فلا اطهر افادع الصلوٰة قال لا ولكن دعى قدرتلك الايام والليالى التى كنت تحيضين فيها ثم اغتسلى واستثفرى وصلى.

اخبرنا قتيبة عن مالك عن نافع عن سليمان بن يسار عن ام سلمة ان امرأة كانت تهراق الدم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم استفتت لها ام سلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لتنظر عدد الليالى والايام التى كانت تحيض من الشهر قبل ان يصيبها الذى اصابها فلتترك الصلوٰة قدر ذالك من الشهر فاذا خلفت ذالك فلتغتسل ثم لتستثفربالثوب ثم لتصل.

صرف عنوان دوسرا قائم کیا ہے ورنہ اس کے تحت جو حدیثیں لائے ہیں وہ بھی عنوان ''ذکر الاغتسال من الحیض'' کے تحت گذر چکی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

ذكر الاقراء

اخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد بن ابراهيم قال حدثنا اسحق وهو ابن بكر بن مضر قال حدثني ابي عن يزيد وهو ابن عبدالله وهو ابن اسامة بن الهاد عن ابي بكر وهو ابن محمد بن عمروبن حزم عن عمرة عن عائشة قالت ان ام حبيبة بنت جحش التي كانت تحت عبد الرحمن بن عوف وانها استحيضت لاتطهر فذكر شانها لرسول الله صلى الله عليه وسلم قال ليست بالحيضة ولكنها ركضة من الرحم لتنظر قدرقرئهاالتي كانت تحيض لها فلتترك الصلوٰة ثم تنظر ما بعد ذلك فلتغسل عند كل صلوٰة.

اخبرنا ابوموسیٰ قال حدثنا سفيان عن الزهري عن عمرة عن عائشة ان ابنة جحش كانت تستحاض سبع سنين فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم ليست بالحيضة انما هو عرق فامرها ان تترك الصلوٰة قدر اقرائها وحيضتها وتغتسل وتصلي فكانت تغتسل عند كل صلوٰة.

اخبرنا عيسیٰ بن حماد اخبرنا الليث عن يزيد بن ابي حبيب عن بكير بن عبدالله عن المنذر ابن المغيرة عن عروة ان فاطمة بنت ابي حبيش حدثته انها اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فشكت اليه الدم فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذلك عرق فانظري اذا اتاك قرؤك فلاتصلي واذا مر قرؤك فلتطهري ثم صلي مابين القرء الى القرء قال ابو عبدالرحمن قد روى هذا الحديث هشام بن عروةعن عروة ولم يذكر فيه ماذكر المنذر.

اخبرنا اسحق بن ابراهيم حدثنا عبدة ووكيع وابومعاوية قالوا حدثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت جاء ت فطمة بنت ابي حبيش الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت اني امرأة استحاض فلا اطهر افادع الصلوٰة قال لا انما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعي الصلوٰة واذا ادبرت فاغسلي عنك الدم وصلي.

اس عنوان کے ماتحت کی احادیث کی تشریح عنوان سابق ''ذکر الاقراء'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

جمع المستحاضة بين الصلاتين وغسلها اذا جمعت

حدثنا محمد بن بشارحدثنا محمد قال حدثنا شعبة عن عبدالرحمن ابن القاسم عن ابيه عن عائشة ان امرأة مستحاضة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم قيل لها انه عرق عاند وامرت ان تؤخر الظهر وتعجل العصر وتغتسل لهما غسلا واحدا وتؤخر المغرب وتعجل العشاء وتغتسل لهما غسلا واحدا وتغتسل لصلوٰة الصبح غسلا واحدا.

اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبدالله عن سفيان عن عبدالرحمن بن القاسم عن القاسم عن زينب بنت جحش قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انها مستحاضة فقال تجلس ايام اقرائها ثم تغتسل وتؤخر الظهر وتعجل العصر وتغتسل وتصلی وتؤخر المغرب وتعجل العشاء وتغتسل وتصليهما جميعا وتغتسل للفجر.

یہاں بھی صرف عنوان بدل دیا ہے ورنہ عنوان کے تحت پیش کردہ حدیث وہی ہے جو عنوان ''ذکر اغتسال المستحاضة'' کے تحت لا چکے ہیں اس کی تشریح وہاں ملاحظہ کیجئے۔

باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابن ابی عدی عن محمد بن عمرو وهو ابن علقمة بن وقاص عن ابن شهاب عن عروة ابن الزبير عن فاطمة بنت ابی حبيش انها كانت تستحاض فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان دم الحيض فانه دم اسود يعرف فامسكی عن الصلوٰة واذا كان الأخر فتوضئی فانما هو عرق قال محمد بن المثنى حدثنا ابن ابی عدی هذا من كتابه .

اخبرنا محمد بن المثنى قال حدثنا ابن ابی عدی من حفظه قال حدثنا محمد بن عمرو عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان فاطمة بنت ابی حبيش كانت تستحاض فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ان دم الحيض دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكی عن الصلوٰة واذا كان الأخر فتوضئی وصلی قال ابو عبدالرحمن قد رویٰ هذا الحديث غير واحد ولم يذكر احد منهم ما ذكر ابن ابی عدی والله اعلم.

اخبرنا يحيىٰ بن حبيب بن عربی عن حماد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت استحيضت فاطمة بنت ابی حبيش فسألت النبی صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله انی استحاض فلا اطهر افادع الصلوٰة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعی الصلوٰة واذا ادبرت فاغسلی عنك الدم وصلی وتوضئی فانما ذالك عرق وليست بالحيضة قيل له فالغسل قال وذلك لايشك فيه احد قال ابو عبدالرحمن وقدروی هذا الحديث غير واحد عن هشام بن عروة ولم يذكر فيه وتوضئی غير حماد والله اعلم.

اخبرنا سويد بن نصر قال حدثنا عبدالله عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان فاطمة بنت ابی حبيش اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله انی استحاض فلا اطهر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فامسكی عن الصلوٰة فاذا ادبرت فاغسلی عنك الدم وصلی.

اخبرنا قتيبة عن مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت قالت فاطمة بنت ابی حبيش لرسول الله صلی الله عليه وسلم لااطهر افادع الصلوٰة فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم انما ذلک عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعی الصلوٰة واذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم وصلی.

اخبرنا ابو الاشعث قال حدثنا خالد بن الحارث قال سمعت هشاما يحدث عن ابيه عن عائشة ان بنت ابی حبيش قالت يا رسول الله انی لااطهر افاترک الصلوٰة قال لا انما هو عرق قال خالد وفيما قرأت عليه وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعی الصلوٰة واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی.

اس باب کے تحت کی احادیث کی تشریح عنوان سابق ''باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الصفرة والكدرة

زرد رنگ اور مٹیالا رنگ کا خون حیض ہوگا یا نہیں اس کا بیان

اخبرنا عمرو بن زرارة قال اخبرنا اسماعيل عن ايوب عن محمد قال قالت ام عطية كنا لا نعد الصفرة والكدرة شيئاً.

محمد بن سیرین سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔

تشریح: بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کو بالکل حیض سے شمار نہیں کیا جاوے گا اور مصنفؒ کے قائم کردہ باب اور اس کے تحت یہی حدیث لانے سے ان کا میلان ورجان یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ حدیث اس حدیث کے موافق ہے جو عنوان ''باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة'' کے تحت گذر چکی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''فانه دم اسود يعرف'' لیکن جمہور ائمہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو طہر کے بعد زرد اور مٹیالے رنگ کا خون دیکھنے کی صورت پر محمول کیا ہے اور اس صورت پر ابوداؤد کی روایت کے پیش نظر محمول کیا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت ام عطیہ کی روایت میں یہ قید موجود ہے چنانچہ وہ فرماتی ہیں ''كنا لا نعد الكدرة والصفرة بعد الطهر شيئا'' کہ ہم طہر کے بعد زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کا کوئی اعتبار نہیں کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ طہر سے پہلے حیض کے ایام میں اس قسم کے رنگ کے خون کو حیض شمار کیا جاتا تھا اور اس مسئلہ میں امام بخاریؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں چنانچہ انہوں نے باب الصفرة والكدرة فی غير ايام الحيض منعقد فرمایا ہے ترجمہ میں فی غیر ایام الحیض کی قید لگادی اس سے انہوں نے اس صورت کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو جمہور علماء نے محمول کیا ہے غرض اگر کوئی عورت ایام حیض میں زرد اور مٹیالے رنگ کا خون دیکھے تو اس کو جمہور کے نزدیک حیض شمار کیا جاوے گا۔

باب ما ینال من الحائض وتاویل قول اللہ عزوجل ویسألونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض الآیة

باب حیض والی عورت سے کس حد تک فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور اللہ بزرگ و تر بر کے قول ویسألونک عن المحیض الخ کی تفسیر

اخبرنا اسحق بن ابراھیم حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ قال کانت الیھود اذا حاضت المرأة منھم لم یواکلوھن ولایشاربوھن ولایجامعوھن فی البیوت فسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل ویسألونک عن المحیض قل ھو اذیً الایة فامرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یواکلوھن ویشاربوھن ویجامعوھن فی البیوت وان یصنعوا بھن کل شئی ما خلا الجماع فقالت الیھود ما یدع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً من امرنا الاخالفنا فقام اسید بن حضیر وعباد بن بشر فاخبرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالا أنجامعھن فی المحیض فتمعّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمعرا شدیداً حتی ظننا انہ قد غضب فقاما فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیة لبن فبعث فی اٰثارھما فردھما فسقاھما فعرفا انہٗ لم یغضب علیھما.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کا دستور تھا کہ جب ان میں سے کسی عورت کو حیض آتا تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ اس کے ساتھ پیتے اور نہ اس کے ساتھ گھر میں رہتے تو صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی الخ﴾ کہ اس حالت میں ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے اس بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ تم حیض والی عورت کے ساتھ کھا سکتے ہو اور پی سکتے ہو اور ان کے ساتھ گھروں میں رہ سکتے ہو اور ان کے ساتھ مقاربت کے سواء سب کچھ کر سکتے ہو یہودیوں نے کہا کہ یہ شخص یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں چھوڑتا ہے بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے تو حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے کلام کی خبر دی اور کہا کہ جب یہود یہ کہتے ہیں تو ہم حیض والی عورتوں سے جماع بھی کیوں نہ کریں پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے جب دونوں صاحب جانے لگے اس وقت کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ کا تحفہ لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ان کے پیچھے بلانے کے لئے بھیجا تو وہ ان کو بلا کر لایا اور ان دونوں کو دودھ پلایا پھر ان کو تسکین ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہیں ہوئے۔

تشریح: یہود حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکال دیتے اور نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے صحابہ کرام نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً الخ﴾ لوگ

آپ ﷺ سے حیض کی حالت میں صحبت وغیرہ کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ حیض گندی چیز ہے تم حیض کی حالت میں عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور اس حالت میں ان سے مقاربت مت کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو جاویں اور جب یہ آیت اتری تو نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ حیض کے ایام میں ان سے علیحدہ رہنے اور ان کے نزدیک نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ان سے جماع نہ کرو اس کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہو یعنی حیض والی عورتوں کے ساتھ کھانا پینا اور ساتھ سونا اور بوسہ دینا سب کی اجازت ہے بظاہر حدیث کے الفاظ ''ماخلا الجماع'' سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کے علاوہ تہ بند کے ماتحت کے حصہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے امام محمدؒ اور امام احمدؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے اول قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے مگر زیادہ احتیاط دوسرے میں ہے جو جمہور کا قول ہے اور وہ زیادہ مطابق ہے نبی کریم ﷺ کی اتباع کے مزید تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

ذکر مایجب علیٰ من اتی حلیلته فی حال حیضها مع علمه بنهی الله تعالیٰ

اس بات کے بیان میں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے علم کے باوجود اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کرے تو اس پر کیا واجب ہے

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی عن شعبة قال حدثنی الحکم عن عبدالحمید عن مقسم عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الرجل یأتی امرأته وهی حائض یتصدق بدینار اوبنصف دینار.

اس عنوان کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح ''باب مایجب علی من اتی حلیلته فی حال حیضتها بعد علمه بنهی الله عزوجل عن وطئها'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب مضاجعة الحائض فی ثیاب حیضها

اخبرنا عبیدالله بن سعید قال اخبرنا معاذ بن هشام ح واخبرنا اسحق بن ابراهیم قال اخبرنا معاذ بن هشام قال حدثنی ابی ح واخبرنا اسماعیل بن مسعود قال حدثنا خالد وهو ابن الحارث حدثنا هشام عن یحیی بن ابی کثیر قال حدثنی ابو سلمة ان زینب بنت ابی سلمة حدثته ان ام سلمة حدثتها قالت بینما انا مضطجعة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذ حضت فانسللت فاخذت ثیاب حیضتی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انفست قلت نعم فدعانی فاضطجعت معه فی الخمیلة. واللفظ لعبیدالله بن سعید.

اس عنوان کے ماتحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب مضاجعة الحائض'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب نوم الرجل مع حليلته فى الشعار الواحد وهى حائض

مرد کا اپنی حیض والی بیوی کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں سونا

اخبرنا محمد بن المثنى قال اخبرنا يحيى عن جابر بن صبحٍ قال سمعت خلا سا يحدث عن عائشة قالت كنت انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم تبيت فى الشعار الواحد وانا طامث حائض فان اصابه منّى شئى غسل مكانه لم يعدهُ وصلى فيه.

اس باب کے تحت جو روایت لائے ہیں یہ بھی عنوان ''باب مضاجعة الحائض'' کے تحت گذر چکی ہے اس کا ترجمہ وتشریح وہاں ملاحظہ کیجئے۔

یہاں اسی روایت پر ایک اور ترجمہ منعقد فرمادیا۔

مباشرة الحائض

حائضہ سے مباشرت کا بیان

اخبرنا قتيبة قال حدثنا ابو الاحوص عن ابى اسحق عن عمرو بن شرحبيل عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر احدانا اذا كانت حائضا ان تشدّ ازارها ثم يباشرها.

اخبرنا اسحق بن ابراهيم قال اخبرنا جرير عن منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت كانت احدانا اذا حاضت امرها رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تتّزر ثم يباشرها.

اس عنوان کے تحت کی روایت کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب مباشرة الحائض'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

ذكر ماكان النبى صلى الله عليه وسلم يصنعه اذا حاضت احدىٰ نسائه

جب نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے کسی بیوی کو حیض آتا تو آپ ﷺ اس کے ساتھ جو طریقہ اختیار فرماتے اس کا بیان

اخبرنا هناد بن السرى عن ابن عياش وهو ابوبكر عن صدقة ابن سعيد ثم ذكر كلمة معناها حدثنا جميع بن عمير قال دخلت على عائشة مع امى وخالتى فسألتاها كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع اذا حاضت احداكن قالت كان يأمرنا اذا حاضت احدانا ان تتزر بازار واسع ثم يلتزم صدرها وثدييها.

جمیع بن عمیر سے روایت ہے کہ میں میری والدہ اور خالہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو ان دونوں نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جب تم میں سے کسی کو حیض آتا تو جناب نبی کریم ﷺ کیا طریقہ اختیار فرماتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جب ہم میں سے کسی بیوی کو حیض آتا تو نبی کریم ﷺ کشادہ تہہ بند باندھنے کا حکم دیتے تھے پھر اس کے سینہ اور پستان سے اپنا بدن لگاتے۔

اخبرنا الحارث بن مسكين قراء ة عليه وانا اسمع عن ابن وهب عن يونس والليث عن ابن شهاب عن حبيب مولى عروة عن بديّة وكان الليث يقول ندبة مولاة ميمونة عن ميمونة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يباشر المرأة من نسائه وهي حائض اذا كان عليها ازار يبلغ انصاف الفخذين والركبتين في حديث الليث تحتجزبه.

تشریح :اس روایت میں ''بازار واسع'' آیا ہے اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ ہم میں سے جو حائضہ بیوی تہ بند باندھ لیتی وہ تہ بند کو صرف موضع دم یعنی شرم گاہ کی حد تک باندھ لینے پر کفایت نہیں کرتی بلکہ وہ ازار چوڑا اور بڑا ہوتا تھا جس کو ناف سے لے کر گھٹنے تک باندھ لیتی اس کے بعد حضور اکرم ﷺ تہ بند کے اوپر اوپر کے حصۂ جسم سے اپنا بدن لگاتے اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ بیوی کے زیر ناف سے گھٹنے تک فائدہ اٹھانا منع ہے یہی امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔

باب کی دوسری حدیث کا ترجمہ وتشریح عنوان ''باب مباشرة الحائض '' کے تحت ملاحظہ ہو۔

باب مؤاكلة الحائض والشرب من سؤرها

اخبرنا قتيبة بن سعيد بن جميل بن طريف اخبرنا يزيد بن المقدام بن شريح بن هاني عن ابيه عن شريح انه سأل عائشة هل تأكل المرأة مع زوجها وهي طامث قالت نعم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعوني فاكل معه وانا عارك كان يأخذ العرق فيقسم عليّ فيه فاعترق منه ثم اضعه فيأخذه فيعترق منه ويضع فمه حيث وضعت فمي من العرق ويدعو بالشراب فيقسم علي فيه مَن قبل ان يشرب منه فاخذهٔ فاشرب منه ثم اضعهٔ فيأخذه فيشرب منه ويضع فمه حيث وضعت فمي من القدح.

اخبرنا ايوب بن محمد الوزّان قال حدثنا عبدالله بن جعفرقال حدثنا عبيدالله بن عمرو عن الاعمش عن المقدام بن شريح عن ابيه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع فاه على الموضع الذى اشرب منه ويشرب من فضل شرابى وانا حائض .

اس باب کے ماتحت کی روایات کا ترجمہ اور تشریح ''باب مواكلة الحائض والشرب من سؤرها'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

الانتفاع بفضل الحائض

اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفيان عن مسعر عن المقدام بن شريح عن ابيه قال سمعت

عائشة تقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يناولنى الاناء فاشرب منه وانا حائض ثم اعطيه فيتحرى مواضع فمى فيضعه على فيه.

اخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع قال حدثنا مسعر وسفيان عن المقدام بن شريح عن ابيه عن عائشة قالت كنت اشرب من القدح وانا حائض فاناوله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فى فيشرب منه واتعرق وانا حائض وانا وله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فیّ.

اس عنوان کے ماتحت کی احادیث کا ترجمہ اورتشریح عنوان ''باب الانتفاع بفضل الحائض'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب الرجل يقرأ القرآن ورأسهٔ فی حجر امرأته وهی حائض

اخبرنا اسحق بن ابراهيم وعلى بن حجر واللفظ له قالا حدثنا سفيان عن منصور عن امه عن عائشة قالت كان رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجر احدانا وهى حائض وهو يقرأ القرآن.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اورتشریح عنوان ''باب فى الذى يقرأ القرآن ورأسه فى حجر امرأته وهى حائض'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب سقوط الصلوة عن الحائض

حیض والی عورت سے نماز ساقط ہو جانے کا بیان

اخبرنا عمرو بن زرارة قال اخبرنا اسماعيل عن ايوب عن ابى قلابة عن معاذة العدوية قالت سألت امرأة عائشة أتقضى الحائض الصلاة فقالت أحرورية انت قد كنا نحيض عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا نقضى ولا نؤمر بقضاء.

معاذۃ عدویہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حیض والی عورت نماز کی قضاء کرے گی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تو حروریہ ہے ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض آتا تھا نہ ہم نمازوں کی قضاء کرتے تھے اور نہ ہم کو قضا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

تشریح: ابن معین نے کہا کہ معاذۃ بنت عبداللہ العدویہ ثقہ اور حجت ہیں اور ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں سے شمار کیا ہے اور بڑی عبادت گذار تھیں ذہبی نے کہا کہ مجھ کو یہ بات پہونچی ہے کہ وہ رات کو عبادت سے زندہ رکھتی تھیں اور کہتی تھیں ''عجبت لعين تنام وقد علمت طول الرقاد فى القبور'' ان کا انتقال ۸۲ھ میں ہوا وہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حیض والی عورت طہارت کے بعد ایام حیض کی نمازوں کی قضا کرے گی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تو حروریہ ہے یعنی خارجیہ ہے حروریہ ایک فرقہ ہے خوارج کا جو منسوب ہے حروراء کی طرف حروراء ایک جگہ کا نام ہے جو کوفہ کے قریب ہے اسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں ان کا پہلا اجتماع اور ان کا باہم معاہدہ ہوا تھا

خوارج کا طریقہ حیض کے متعلق تشدد کا تھا ان کے نزدیک طہارت کے بعد ایام حیض کی نمازوں کی قضاء ضروری ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم حروریہ ہو جو یہ کہتے ہیں کہ حیض کے دنوں کی نمازوں کی قضا واجب ہے حالانکہ یہ بات خلاف اجماع ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو جواب دیا کہ ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض آتا تھا پاکی کے بعد ہم ایام حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں پڑھتے تھے اور نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان نمازوں کی قضاء کا حکم فرماتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حیض کے دنوں کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے اگر قضاء واجب ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا حکم فرماتے اور چونکہ کسی روایت سے بھی حکم دینا ثابت نہیں ہے اس لئے ایام حیض کی نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔

قاضی شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ ابن المنذرؒ اور امام نوویؒ وغیرہ نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ حیض والی عورت پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے لیکن روزوں کی قضا واجب ہے اس لئے کہ نمازوں کی قضا میں حرج ہے کیوں کہ وہ دوگنی ہو جائیں گی اس حالت میں اس کو قضا کا حکم دینے سے وہ تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی قرآن پاک میں ہے ﴿ماجعل علیکم فی الدین من حرج الایة﴾ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر سے حرج کو بالکل دور کر دیا ہے اور روزوں کی قضاء میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ وہ تو سال بھر میں ایک مہینہ ہے۔

باب استخدام الحائض

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی بن سعید عن یزید بن کیسان قال حدثنی ابو حازم قال قال ابو ہریرة بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد اذ قال یا عائشة ناولینی الثوب فقالت انی لا اصلی فقال انه لیس فی یدک فناولته.

اخبرنا قتیبة عن عبیدة عن الاعمش ح واخبرنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا جریر عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن القاسم بن محمد قال قالت عائشة قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناولینی الخمرة من المسجد فقلت انی حائض فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیست حیضتک فی یدک قال اسحق اخبرنا ابومعاویة عن الاعمش بهذا الاسناد مثله.

اس باب کے ماتحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان سابق ''باب استخدام الحائض'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

بسط الحائض الخمرة فی المسجد

اخبرنا محمد بن منصور عن سفیان عن منبوذٍ عن امه ان میمونة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع رأسه فی حجر احدانا فیتلو القرآن وهی حائض وتقوم احدانا بخمرته الی المسجد فتبسطها وهی حائض.

اس عنوان کے تحت کی روایت کا ترجمہ وتشریح عنوان سابق ''باب بسط الحائض الخمرة فی المسجد'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب ترجیل الحائض رأس زوجها وھو معتکف فی المسجد

باب حیض والی عورت کا اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کرنا جبکہ وہ مسجد میں معتکف ہو

اخبرنا نصر بن علی حدثنا عبدالاعلی قال حدثنا معمر عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انھا کانت ترجل رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی حائض وھو معتکف فیناولھا رأسہٗ وھی فی حجرتھا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حائضہ ہونے کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں میں کنگھی کرتی تھیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کر دیتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں ہوتیں۔

تشریح: اس روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق معلوم ہوا کہ شوہر اپنی حیض والی بیوی سے سوائے جماع کے جو بھی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے بیوی حیض کی حالت میں اپنے شوہر کے بالوں میں کنگھی کر سکتی ہے اور سر دھو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے وہ حجرے میں رہتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر تشریف رکھتے ہوئے سر مبارک کھڑکی کے راستہ سے نکال دیتے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کیا کرتی تھیں اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بعض حصۂ جسم کو مسجد سے باہر نکال دینے سے اعتکاف میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے۔

غسل الحائض رأس زوجھا

اخبرنا عمرو بن علی حدثنا یحیی حدثنی سفیان قال حدثنی منصور عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدنی الیّ رأسہ وھو معتکف فاغسلہ وانا حائض.

اخبرنا قتیبۃ قال حدثنا الفضیل وھو ابن عیاض عن الاعمش عن تمیم بن سلمۃ عن عروۃ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج رأسہ من المسجد وھو معتکف فاغسلہ وانا حائض.

اخبرنا قتیبۃ عن مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت کنت ارجل رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا حائض.

اس عنوان کے تحت کی احادیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان سابق ''باب غسل الحائض رأس زوجھا'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب شھود الحیض العیدین ودعوۃ المسلمین

باب حیض والی عورتوں کا عیدین اور مسلمانوں کی دعاؤں کے مجمع میں شریک ہونا

اخبرنا عمرو بن زرارۃ حدثنا اسماعیل عن ایوب عن حفصۃ قالت کانت ام عطیۃ لاتذکر رسول

الله صلى الله عليه وسلم الا قالت بأبا فقلت اسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كذا و كذا قالت نعم بأبا قال لتخرج العواتق وذوات الخدور والحيض فيشهد ن الخير ودعوة المسلمين وتعتزل الحيض المصلى.

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرتی تھیں مگر بابا (میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان) ضرور کہتی تھیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ام عطیہ رضی اللہ عنہا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ایسا فرماتے ہوئے سنا ہے ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا جی ہاں میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوان لڑکیاں اور پردہ نشین عورتیں اور حیض والی عورتیں نکلیں اور خیر کی مجلسوں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں حاضر ہوں اور حیض والی عورتیں عید گاہ سے علیحدہ رہیں۔

تشریح: قال لتخرج العواتق الخ :امام طحاویؒ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ابتدائے اسلام میں سب عورتوں کو دونوں عیدوں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونے کا حکم دیا گیا تھا اس زمانہ میں مسلمان کم تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ بسبب ان عورتوں کے مسلمان بہت معلوم ہوں تا کہ دشمن پر رعب پیدا ہو لیکن اب عورتوں کے نکلنے کی حاجت نہ رہی اس لئے کہ مرد مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ دور حاضر میں فساد کا اندیشہ ہے لہٰذا عورتوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے سے منع کیا جائے گا، فقہاء کا یہی فیصلہ ہے۔

المرأة تحيض بعد الافاضة

طواف افاضہ کے بعد عورت کو حیض آجائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے

اخبرنا محمد بن سلمة قال حدثنا عبدالرحمن بن القاسم قال اخبرني مالك عن عبدالله بن ابي بكر عن ابيه عن عمرة عن عائشة رضی اللہ عنہا انها قالت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان صفية بنت حييٍ قد حاضت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلها تحبسنا الم تكن طافت معكن بالبيت قالت بلى قال فاخرجن.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حیض شروع ہو گیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید وہ ہم کو روک دیں گی کیا انہوں نے تمہارے ساتھ بیت اللہ کا طواف نہیں کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جی ہاں طواف زیارت کر چکی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ اب وہ مکہ سے روانہ ہو سکتی ہیں۔

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کے واسطے طواف الوداع چھوڑنے کی اجازت دیدی ہے اور اس پر تمام اماموں کا اجماع ہے کہ اگر عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض شروع ہو گیا تو طواف وداع

کرنے کے لئے حیض سے پاک ہونے تک انتظار کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اپنے وطن واپس ہوسکتی ہیں چنانچہ اس روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حیض شروع ہوگیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو دیدی تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے تمہارے ساتھ طواف افاضہ جس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں وہ نہیں کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جی ہاں وہ ہمارے ساتھ طواف زیارت سے فارغ ہوچکی ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''فاخرجن'' کہ اس سے کہہ دو مکہ سے رخصت ہوجائے معلوم ہوا کہ طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اگر حیض شروع ہوگیا تو عورت کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ طواف وداع کی غرض سے طہارت تک مکہ میں ٹھہر جائے بلکہ اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ مکہ سے اپنے وطن کی طرف چلی جائے۔

باب ما تفعل النفساء عند الاحرام

نفاس والی عورت عندالاحرام کیا کرے

اخبرنا محمد بن قدامة قال حدثنا جرير عن يحيى بن سعيد عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جابر بن عبدالله في حديث اسماء بنت عميس حين نفست بذي الحليفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لابي بكر مرها ان تغتسل وتهل.

اس عنوان کے تحت کی روایت کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب الاغتسال من النفاس'' کے ماتحت ملاحظہ کیجئے

باب الصلاة على النفساء

نفاس والی عورت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

اخبرنا حميد بن مسعدة عن عبدالوارث حدثنا حسين يعني المعلم عن ابن بريدة عن سمرة قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ام كعب ماتت في نفاسها فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة في وسطها.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ام کعب کی نماز جنازہ پڑھی ان کا انتقال نفاس کی تکلیف کی وجہ سے ہوا تو رسول اکرم ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے اس کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی حالت میں جس عورت کا انتقال ہوجائے اس کا نفاس نماز جنازہ سے مانع نہ ہوگا اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی حالانکہ کہ نماز جنازہ میں میت کا امام کی طرح پاک وصاف ہونا ضروری ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ نفاس والی عورت پاک ہے اور مؤمن ناپاک نہیں ہوتا ہے رہا نفاس کا حدث تو وہ امر تعبدی ہے جو موت سے ختم ہوگیا اور حسی ناپاکی غسل سے دھل گئی۔ (كذا قال العلامة السندهيؒ)

باب دم الحیض یصیب الثوب

اخبرنا یحیی بن حبیب بن عربی قال حدثنا حماد عن ھشام ابن عروۃ عن فاطمۃ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر و کانت تکون فی حجر ھا ان امرأۃ استفتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن دم الحیض یصیب الثوب فقال حُتّیہ واقرصیہ وانضحیہ وصلی فیہ .

اخبرنا عبیداللہ بن سعید قال حدثنا یحیی عن سفیان قال حدثنی ابو المقدام ثابت الحداد عن عدی بن دینار قال سمعت ام قیس بنت محصن انھا سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن دم الحیضۃ یصیب الثوب قال حُکّیہ بضلع واغسلیہ بماء وسدر آخر کعاب الحیض.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان سابق ''باب دم الحیض یصیب الثوب '' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

کتاب الغسل والتیمم

باب ذکر نهی الجنب عن الاغتسال فی الماء الدائم

اخبرنا سلیمان بن داؤد والحارث بن مسکین قراء ة علیه وانا اسمع عن ابن وهب عن عمرو بن الحارث ان ابا السائب حدثه انه سمع ابا هریرة یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب.

اخبرنا محمد بن حاتم قال حدثنا حبان قال حدثنا عبدالله عن معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لایبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه او یتوضأ.

اخبرنا احمد بن صالح البغدادی قال حدثنا یحیی بن محمد قال حدثنی ابن عجلان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان یبال فی الماء الدائم ثم یغتسل فیه من الجنابة.

اخبرنا محمد بن عبدالله بن یزید عن سفیان عن ابی الزناد عن موسیٰ بن ابی عثمان عن ابیه عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی ان یبال فی الماء الراکد ثم یغتسل منه.

اخبرنا قتیبة حدثنا سفیان عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی هریرة قال لایبولن احدکم فی الماء الراکد الذی لا یجری ثم یغتسل منه قال سفیان قالوا لهشام یعنی ابن حسان ان ایوب انما ینتهی بهذا الحدیث الیٰ ابی هریرة فقال ان ایوب لو استطاع ان لایرفع حدیثا لم یرفعه.

اس باب کے تحت کی پہلی حدیث کی تشریح عنوان ''باب النهی عن اغتسال الجنب فی الماء الدائم '' کے تحت ملاحظہ فرمایئے اور دوسری حدیث کی تشریح عنوان ''باب النهی عن البول فی الماء الراکد والاغتسال منه'' کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

باب کی آخری حدیث کے متعلق سفیان کہتے ہیں ''قالوا لهشام بن حسان ''یعنی لوگوں نے ہشام بن حسان سے پوچھا کہ راوی حدیث ایوب اس حدیث کو صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہونچاتے تھے حالانکہ یہ حدیث بطریق مرفوع ثابت ہے اس کی کیا وجہ ہے تو ہشام بن حسان نے جواب دیا ''ان ایوب لو استطاع ان لا یرفع حدیثا لم یرفعه '' کہ دراصل بات یہ ہے کہ بے شک ایوب حتی المقدور حدیث کو مرفوع بیان کرنے سے احتراز کرتے تھے جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ

راوی حدیث ایوب تعظیماً ایسا ہی کرتے تھے یعنی حدیث کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف تعظیم کی غرض سے نہیں کرتے تھے دوسرے یہ کہ غلطی واقع ہونے کے اندیشہ سے اور حضور اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر جس وبال کی خبر دی گئی ہے اس کے خوف سے ایوب اس حدیث کو بطریق مرفوع روایت کرنے سے احتراز کرتے تھے۔

بہر حال ہشام کا مقصود یہ ہے کہ بطریق موقوف روایت کرنے سے اس حدیث کے مرفوع ہونے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جب کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا دوسرے طرق سے ثابت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب الرخصة فی دخول الحمام

حمام میں داخل ہونے کی اجازت کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهیم اخبرنا معاذ بن هشام قال حدثنی ابی عن عطاء عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من کان یؤمن بالله والیوم الأخر فلا یدخل الحمام الا بمئزر.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہیں ہونا چاہئے بغیر تہبند کے داخل ہونے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کیوں کہ اس صورت میں بعض کی نظر بعض کے ستر پر پڑنے کا اندیشہ ہے البتہ تہبند کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دیدی کیوں کہ ناف سے گھٹنوں تک تہبند باندھ کر غسل کرنے کی صورت میں ستر ظاہر ہونے کا اور بعض کی نظر بعض کے ستر پر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں، لیکن اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ دور رسالت میں بلاد اسلام میں حمامات موجود تھے لہٰذا یہ حدیث اُس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں ''ستفتح لکم ارض العجم وستجدون فیها بیوتا یقال لها الحمامات الخ '' الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اسلامی شہروں میں حمام کا کوئی وجود نہ تھا رہا یہ سوال کہ بعض کتابوں میں حضور اکرم ﷺ کا حمام میں جانا لکھا ہے لیکن وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں اور جو حدیث اُس بارے میں وارد ہوئی ہے وہ موضوع ہے صحیح قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہرگز حمام میں نہیں گئے بلکہ حمام کو دیکھا بھی نہیں اور مکہ مکرمہ میں جو حمام النبی مشہور ہے شاید اس کی وجہ یہی ہوگی کہ جس جگہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ غسل فرمایا وہاں پر حمام بنا دیا گیا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب الاغتسال بالثلج والبرد

برف اور اولے سے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن ابراهیم حدثنا بشر بن المفضل حدثنا شعبة عن مجزأة بن زاهر انه سمع عبدالله بن ابی اوفیٰ یحدث عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یدعوا اللهم طهرنی من الذنوب والخطایا

اللّٰھم نقنی منھا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے یا الٰہی مجھ کو گناہوں سے پاک کر یا الٰہی مجھ کو گناہوں سے صاف ستھرا کر جیسا کہ سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف ستھرا کیا جاتا ہے یا الٰہی مجھ کو پاک کر برف اور اولے اور ٹھنڈے پانی سے۔

تشریح: محققین علماء کا قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے گناہوں سے معصوم بنایا گیا ہے البتہ کبھی کبھی ان سے بعض معاملات میں زلات یعنی لغزشیں واقع ہوئیں اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہوتا ہے اس لحاظ سے ان لغزشوں کے ساتھ اشتغال ان کی شان کے مناسب نہ تھا اس لئے ان لغزشوں کے صدور پر تنبیہ کی گئی اور انجام کار وہ لغزشیں بھی انبیاء علیہم السلام کے حق میں ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں کہ وہ حضرات ان پر متنبہ ہو کر گریہ وزاری اور استغفار کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کا استغفار کرنا جس کا ذکر حدیث باب میں آیا ہے اسی کے قبیل میں سے ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

حدیث کے آخری الفاظ ''والثلج والبرد والماء البارد'' سے تطہیر اور تنقیہ میں مبالغہ مقصود ہے یعنی اے اللہ مجھ کو طرح طرح کی بخششوں کے ساتھ پاک وصاف کر۔

باب الاغتسال بالماء البارد

اخبرنا محمد بن یحیی بن محمد حدثنا محمد بن موسیٰ حدثنا ابراھیم بن یزید عن رقبة عن مجزاء ة الاسلمی عن ابن ابی اوفیٰ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم طھرنی بالثلج والبزد والماء البارد اللّٰھم طھرنی من الذنوب کما یطھر الثوب الابیض من الدنس.

اس باب کے تحت بھی وہی روایت لائے ہیں جو پہلے باب کے تحت لا چکے ہیں یہی روایت محمد بن ابراہیم سے سنی تھی تو اس پر سابق ترجمہ قائم کیا پھر یہی روایت الفاظ کی کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ دوسرے شیخ محمد بن یحییٰ بن محمد سے سنی تو اس پر اور ایک ترجمہ منعقد فرمایا اس کی تفصیل پیچھے عنوان ''باب الوضوء بالثلج'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الاغتسال قبل النوم

سونے سے پہلے غسل کرنے کا بیان

اخبرنا شعیب بن یوسف حدثنا عبدالرحمن بن مھدی عن معاویة بن صالح عن عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ قال سألت عائشة رضی اللہ عنہا کیف کان نوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنابة ایغتسل قبل ان ینام او ینام قبل ان یغتسل قالت کل ذالک قد کان یفعل ربما یغتسل فنام وربما توضأ فنام.

حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جنابت کی حالت میں رسول اکرم ﷺ کے سونے کا کیا طریقہ تھا کیا سونے سے پہلے غسل فرماتے یا غسل سے پہلے سوجاتے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ ان دونوں طریقوں میں سے ہر طریقہ پر عمل فرماتے تھے کبھی غسل فرماتے پھر آرام فرماتے اور کبھی وضو فرماتے پھر آرام فرماتے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کا غسل فوراً واجب نہیں ہے اگر جلدی کرنا واجب ہوتا تو جناب نبی کریم ﷺ ہرگز یہ عمل نہ فرماتے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے غسل جنابت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا ''أیغتسل قبل ان ینام الخ'' کیا نبی کریم ﷺ جنابت کے بعد جلدی غسل فرماتے یا جنابت کے بعد آرام فرماتے پھر اس کے بعد غسل فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ ہر صورت پر عمل فرماتے تھے کہ بعض اوقات غسل فرماتے پھر آرام فرماتے اور بعض اوقات وضو فرماتے پھر سو جاتے پھر رات کے آخری حصہ میں غسل فرماتے تو اس سے معلوم ہوا کہ جنابت کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری نہیں اس لئے اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں سونا چاہے تو اس کے لئے درست ہے مگر مستحب یہ ہے کہ سونے سے پہلے وضو کر لے پھر آرام کرے یہی جمہور علماء کا قول ہے ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہے جس میں انہوں نے فرمایا ''ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان ینام وھو جنب ولا یمس ماء '' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں آیا ہے ''انما امرت بالوضوء اذا قمت الیٰ الصلوٰۃ '' تو ان روایات سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

باب الاغتسال اول اللیل

اخبرنا یحیی بن حبیب بن عربی حدثنا حماد عن بردٍ عن عبادة بن نسیّ عن غضیف بن الحارث قال دخلت علی عائشة فسألتها فقلت اکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یغتسل من اول اللیل او من اخره قالت کل ذالک کان ربما اغتسل من اوله وربما اغتسل من اخره قلت الحمدلله الذی جعل فی الامر سعة.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ وتشریح عنوان ''باب ذکر الاغتسال اول اللیل '' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب الاستتار عند الاغتسال

غسل کے وقت پردہ کرنے کا بیان

اخبرنی ابراھیم بن یعقوب قال حدثنی النفیلی قال حدثنا زھیر قال حدثنا عبدالملک عن عطاء عن یعلی رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رأی رجلا یغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمدالله واثنی علیه وقال ان الله عزوجل حلیم حییٌّ ستّیر یحب الحیاء والستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر.

حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ میدان میں ننگا نہا رہا تھا پھر

آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور فرمایا کہ بیشک اللہ بزرگ و برتر بردبار ہے بہت حیاء والا ہے بہت پردہ پوش ہے حیاء اور پردہ کرنے کو پسند کرتا ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو اپنے ستر کو چھپالیا کرے۔

اخبرنا ابوبکر بن اسحق قال اخبرنا الاسود بن عامر قال حدثنا ابوبکر بن عیاش عن عبدالملک بن ابی سلیمان عن عطاء عن صفوان بن یعلی عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اللہ عزوجل ستّیر فاذا اراد احدکم ان یغتسل فلیتوار بشئی.

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بزرگ و برتر بہت چھپانے والا ہے (بندوں کے گناہ اور عیب کو) جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے کسی چیز کے ساتھ پردہ کر لینا چاہئے۔

اخبرنا قتیبة قال حدثنا عبیدة عن الاعمش عن سالم عن کریب عن ابن عباس عن میمونة قالت وضعت لرسول الله صلی الله علیه وسلم ماء قالت فسترته فذکرت الغسل قالت ثم اتیته بخرقة فلم یردها.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے غسل کے واسطے پانی رکھا پھر ایک کپڑے کے ساتھ میں نے آپ ﷺ کا پردہ کیا پھر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے غسل کی پوری کیفیت بیان کی اور وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ غسل کے بعد میں نے حضور اکرم ﷺ کو ایک کپڑا دیا (بدن پونچھنے کے لئے) آپ ﷺ نے اس کو لینے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

اخبرنا احمد بن حفص بن عبدالله قال حدثنی ابی قال حدثنی ابراهیم عن موسٰی ابن عقبة عن صفوان بن سلیم عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بینما ایوب علیه الصلوٰة والسلام یغتسل عریانا خرّ علیه جراد من ذهب فجعل یحثی فی ثوبه قال فناداه ربه عزوجل یا ایوب ألم اکن اغنیتک قال بلی یا رب ولکن لا غنی بی عن برکاتک.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل فرمارہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں حضرت ایوب علیہ السلام نے ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا پھر ان کو ان کے رب نے پکارا کہ اے ایوب کیا میں نے تم کو بے نیاز نہیں کیا حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا ہاں اے میرے پروردگار لیکن مجھ کو تیری برکتوں سے بے پروائی نہیں ہے (یعنی میرا اٹھانا ان ٹڈیوں کا تیری نعمت سے لذت حاصل کرنے کے لئے تھا نہ بقصد حرص دنیا اور زیادتی مال کے)۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کی عادت شریف یہ تھی کہ جب کسی اہم بات کا بیان کرنا مقصود ہوتا تو منبر پر تشریف لے جاتے اس کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے پھر اس بات کو بیان فرماتے تو یہاں بھی بات اسی عادت مبارکہ کے مطابق بیان فرمائی کہ ایک شخص بغیر پردہ کے میدان میں ننگا غسل کر رہا تھا اس کو نبی کریم ﷺ نے دیکھا اور اس کے عمل کو ناپسند فرمایا پھر آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بعد ارشاد فرمایا ''ان اللہ عزوجل حلیم

الخ'' اس سے معلوم ہوا کہ کھلی جگہ اور میدان میں غسل کے وقت ستر چھپا کر غسل کرنا افضل ہے لیکن اگر کسی نے کپڑے وغیرہ سے پردہ نہیں کیا اور جہاں غسل کر رہا ہے اس طرف سے لوگوں کی آمدورفت کا بھی کوئی اندیشہ نہیں تو ایسی صورت میں ننگا غسل کر لینے میں کوئی گناہ نہ ہوگا کیوں کہ اگر گناہ ہوتا تو حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل ننگے غسل نہ فرماتے جس کا بیان باب کی چوتھی حدیث میں آیا ہے اور ان کا یہ نہانا اُس مرض سے صحت و عافیت کے بعد تھا جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔

یہاں پر اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضرت ایوب علیہ السلام کا عمل تھا جو اُن کے نزدیک جائز تھا ان کے عمل سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ عمل اس امت کے لوگوں کے لئے بھی جائز ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہماری شریعت میں اس کا حکم مختلف ہوتا تو جناب نبی کریم ﷺ اس پر تنبیہ فرما دیتے مگر آپ ﷺ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے عمل کو نقل فرما کر اس پر انکار نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدی ﷺ میں بھی یہ حکم باقی ہے اور کھلی جگہ اور میدان میں برہنہ نہانے کی اجازت ہے۔

غرض کھلے میدان میں جہاں لوگوں کی آمدورفت نہ ہو ننگا نہانا جائز ہے مگر پردہ کر کے نہانا افضل ہے اور اس دور کے غسل خانہ میں ننگے نہانے میں کوئی حرج نہیں ہاں پردہ کی جگہ کو تہبند وغیرہ سے چھپا کر نہانا افضل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب الدليل على ان لا توقيت فى الماء الذى يغتسل فيه

اخبرنا القاسم بن زكريا بن دينار قال حدثنا اسحق بن منصور عن ابراهيم بن سعد عن الزهرى عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل فى الاناء وهو الفرق وكنت اغتسل انا وهو من اناء واحد.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ وتشریح عنوان ''باب ذكر الدلالة على انه لا وقت فى ذالك'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من اناء واحد

اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبدالله عن هشام ح واخبرنا قتيبة عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل وانا من اناء واحد نغترف منه جميعا وقال سويد قالت كنت انا.

اخبرنا محمد بن عبدالاعلى قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة قال اخبرنى عبدالرحمن بن القاسم قال سمعت القاسم يحدث عن عائشة قالت كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من اناء واحد من الجنابة.

اخبرنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا عبيدة بن حميد عن منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت لقد رأيتنى أنازع رسول الله صلى الله عليه وسلم الاناء اغتسل انا وهو منه.

اس باب کے تحت کی احادیث کا ترجمہ وتشریح ''باب فضل الجنب'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الرخصة فی ذالک

اس بات کی اجازت کے بیان میں کہ مرد اور عورت دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی استعمال کر سکتا ہے

اخبرنا محمد بن بشار عن محمد حدثنا شعبة عن عاصم ح واخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبدالله عن عاصم عن معاذة عن عائشة قالت یعنی کنت اغتسل انا ورسول الله صلی الله علیه وسلم من اناء واحد اُبادره ویبادرنی حتی یقول دعی لی واقول انا دع لی قال سوید یبادرنی وابادرهٗ فاقول دع لی دع لی.

اس باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اوپر کے باب کے ذیل کی روایات میں مرد اور عورت اکھٹے ایک ہی برتن سے چلو سے پانی لے کر غسل کرنے کا جو عمل بیان کیا گیا ہے وہ ضرورت کے درجہ کی چیز نہیں ہے جیسا کہ یہ بات حدیث باب کے الفاظ ''ابادرهٗ ویبادرنی'' سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں برتن سے پانی لینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت کرتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سبقت فرماتے تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برتن میں پہلے ہاتھ ڈال دیا تو باقی پانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عورت کا بچا ہوا پانی ہو گیا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہاتھ ڈال دیا تو جو پانی برتن میں ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں مرد کا بچا ہوا پانی ہو گیا اب اگر مرد اور عورت دونوں میں سے ایک کا بچا ہوا پانی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہ ہوتا تو شارع علیہ السلام کی طرف سے اس مبادرت یعنی دونوں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے پانی لینے میں پہل کرنے کی اجازت نہ دی جاتی مگر اجازت سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔

حدیث باب کا ترجمہ اور باقی تشریح عنوان ''باب الرخصة فی ذالک'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الاغتسال فی قصعة فیها اثر العجین

لکڑی کے بڑے پیالے سے جس میں آٹے کا نشان ہو غسل کرنے کا بیان

اخبرنا محمد بن یحیی بن محمد حدثنا محمد بن موسیٰ بن اعین حدثنا ابی عن عبد الملک بن ابی سلیمان عن عطاء قال حدثتنی ام هانی انها دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم یوم فتح مکة وهو یغتسل وقد سترته بثوب دونه فی قصعة فیها اثر العجین قالت فصلی الضحی فما ادری کم صلی حین قضی غسلهٗ.

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ وہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے بڑے پیالہ سے (جو پھیلا ہوا ہوتا ہے) جس میں آٹے کے نشانات تھے غسل فرما رہے تھے اس حال میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے پردہ کئے ہوئے تھیں پھر غسل سے فارغ ہونے کے بعد

حضور ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی مگر مجھے معلوم نہیں کہ کتنی رکعت پڑھی۔

تشریح: جس برتن میں آٹا گوندھا گیا ہو اور آٹے کا نشان اس میں موجود ہو اس برتن کے پانی سے غسل کرنا جائز ہے یا نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز ہے چنانچہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ نے قصعہ یعنی لکڑی کے ایک بڑے پیالے کے پانی سے غسل فرمایا جس میں گوندھے آٹے کا اثر موجود تھا تو معلوم ہوا کہ تھوڑی سی پاک چیز پانی میں مل جانے سے پانی کی صفت طہوریت ختم نہیں ہوجاتی اور آٹے کی مغلوبیت کی وجہ سے اس کا اثر کچھ بھی معتبر نہ ہوا۔

پیچھے "باب ذکر الاستتار عند الاغتسال" کے تحت کی حدیث میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے وثوق کے ساتھ فرمایا "فصلیٰ ثمانی رکعات" لیکن وہ یہاں فرما رہی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ غسل کے بعد حضور اکرم ﷺ نے چاشت کی کتنی رکعت پڑھیں اس کا جواب یہ ہے کہ شاید وہ بھول گئی ہوں گی یا پہلے بھول گئی ہوں گی پھر تعداد رکعت یاد آ گئی اور بیان کردی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب ترک المرأة نقض رأسها عند الاغتسال

غسل کے وقت عورت کا اپنے سر کے بالوں کو نہ کھولنا

اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبداللہ عن ابراھیم بن طھمان عن ابی الزبیر عن عبیدبن عمیر ان عائشة رضی اللہ عنہا قالت لقد رأیتنی اغتسل انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذا فاذا تورموضوع مثل الصاع اودونه فنشرع فیه جمیعاً فافیض علی رأسی بیدی ثلاث مرات وما انقض لی شعراً.

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں اور رسول اکرم ﷺ اس برتن سے جنابت کا غسل کرتے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک پیتل کا برتن رکھا ہوا ہے برابر صاع کے یا اس سے چھوٹا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم اسی برتن کے پانی سے ایک ساتھ غسل کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین مرتبہ دونوں ہاتھ سے پانی ڈالتی اور بالوں کو نہیں کھولتی۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کے غسل میں عورت پر اپنی چوٹی کا کھولنا واجب نہیں بلکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانے میں کسی خاص عدد کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں غالب گمان کا اعتبار ہے اگر سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنے سے بالوں کی جڑوں تک پانی پہونچنے کا غالب گمان ہوجاتا ہے تو بس کافی ہے اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ تین بار ڈالنے سے بھی پانی بالوں کی جڑوں میں نہیں پہنچا تو تین بار سے زیادہ ڈالنا واجب ہے اور اگر ایک ہی مرتبہ میں بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچ گیا ہو تو اصل مقصد حاصل ہوگیا اب تین بار ڈالنا ضروری نہیں بلکہ سنت ہے یہی مطلب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "فافیض علی رأسی بیدی ثلث مرات" کا۔

باب اذا تطیب واغتسل وبقی اثر الطیب

باب جس شخص نے خوشبولگائی پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہ گیا تو اس کا کیا حکم ہے

حدثنا هناد بن السری عن وکیع عن مسعر وسفیان عن ابراهیم بن محمد بن المنتشر عن ابیه قال سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہ یقول لان اصبح مطلیا بقطران احب الی من ان اصبح محرما انضح طیبا فدخلت علی عائشة فاخبرتها بقوله فقالت طیّبت رسول الله صلی الله علیه وسلم فطاف علی نسائه ثم اصبح محرماً.

ابراہیم اپنے والد محمد بن منتشر سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ میں تارکول سے لتھڑا ہوا ہونے کی حالت میں صبح کروں یہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میں احرام کی حالت میں صبح کروں اس حال میں کہ میرے بدن سے خوشبو مہکتی ہو پھر میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس گئے پھر صبح کو احرام باندھا۔

تشریح: اس حدیث کے راوی محمد بن منتشر تابعی ہیں انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں جب محمد بن منتشر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا کہ مجھے گندھک سے لتھڑا ہوا ہونے کی حالت میں صبح کرنا اس سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں محرم بن کر صبح کروں درآنحالیکہ میرے جسم سے خوشبو مہکتی ہو تو چونکہ محمد بن منتشر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر پورا اطمینان اور انشراح قلب نہیں ہوا اس لئے وہ اس بات کی تحقیق کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی خبر دی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا درست نہیں ہے چنانچہ آپ نے اپنے قول "طیبت رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ" سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو مسترد فرمادیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے مجامعت فرمائی پھر صبح کے وقت احرام باندھا اور احرام غسل کے بعد باندھا جس پر قرینہ "فطاف علی نسائه" ہے حالانکہ غسل کے بعد بھی خوشبو کا اثر باقی رہا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول مذکور سے معلوم ہوتا ہے تو مصنفؒ نے اسی بات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ خوشبو کا اثر جسم پر غسل کے بعد بھی باقی رہنا صحت غسل سے مانع نہیں ہے ایسا غسل درست اور شرعاً معتبر ہے اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس واقعہ کی طرف اشارہ فرمارہی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب ازالة الجنب الاذی عنه قبل افاضة الماء علیه

جنبی اپنے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے ناپاکی دور کرے

اخبرنا محمد بن علی حدثنا محمد بن یوسف حدثنا سفیان عن الاعمش عن سالم عن کریب عن ابن عباس عن میمونة قالت توضأ رسول الله صلی الله علیه وسلم وضوءَهٗ للصلوٰة غیر رجلیه وغسل

فرجه وما اصابه ثم افاض عليه الماء ثم نحّى رجليه فغسلهما قالت هذه غسلة من الجنابة.

حضرت ابن عباس ﷺ حضرت میمونہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے وضو فرمایا مثل وضونماز کے مگر دونوں پیروں کونہیں دھویا اور اپنی شرمگاہ کو اور اس جگہ کو دھویا جس پر نجاست لگی تھی پھر آپ ﷺ نے اپنے جسم پر پانی ڈالا پھر اپنے پیروں کو ہٹایا اور ان کو دھویا انہوں نے فرمایا یہ حضور اکرم ﷺ کے غسل جنابت کا طریقہ ہے۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کے غسل جنابت کا کیا طریقہ تھا اس کو حضرت میمونہ ﷺ بیان فرما رہی ہیں یہ روایت مختصر ہے اس میں اپنی شرمگاہ اور اس کے علاوہ جس جگہ پر ناپاکی لگ گئی تھی اس کے دھونے کو وضو کے بعد بیان کیا ہے حالانکہ حضرت میمونہ ﷺ کی اور ایک مفصل روایت جس کا تعلق غسل جنابت سے ہے پیچھے عنوان ''باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه'' کے تحت گذر چکی ہے اس میں غسل جنابت کی کیفیت اس طرح مذکور ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ تین بار دھونے کا بیان ہے پھر شرمگاہ کو بائیں ہاتھ سے دھونے کا بیان ہے پھر بائیں ہاتھ کو زمین پر رگڑنے کا ذکر ہے پھر نماز کے وضو کی طرح نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اس کے بعد سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنے وغیرہ اعمال کا ذکر ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں شرمگاہ اور نجاست لگی ہوئی جگہ کو پہلے دھونا چاہئے پھر اسی طرح وضو کیا جائے جس طرح نماز کے لئے کیا جاتا ہے یہی مسنون طریقہ ہے معلوم ہوا کہ یہاں حدیث باب میں وضو کے بیان کے بعد حضرت میمونہ ﷺ جو'' وغسل فرجه'' نقل کر رہی ہیں اس میں واؤ ترتیب کے لئے نہیں بلکہ جمع کے لئے ہے اب کوئی اشکال نہیں ہے اس حدیث سے متعلق بعض دوسرے مسائل کی تشریح عنوان ''باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه'' کے تحت دیکھ لیجئے۔

باب مسح اليد بالارض بعد غسل الفرج

شرمگاہ کو دھونے کے بعد ہاتھ کو زمین پر رگڑنے کا بیان

اخبرنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو معاوية عن الاعمش عن سالم بن ابى الجعد عن كريب عن ابن عباس عن ميمونة بنت الحارث زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اغتسل من الجنابة يبدأ فيغسل يديه ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه ثم يضرب بيده على الارض ثم يمسحها ثم يغسلها ثم يتوضأ وضوء ه للصلوٰة ثم يفرغ على رأسه وعلى سائر جسده ثم يتنحى فيغسل رجليه.

حضرت میمونہ کی وہی روایت جو پیچھے گذر چکی ہے اس کو پھر دوسری سند سے معمولی اختلاف کے ساتھ اس باب کے تحت لائے ہیں یہ روایت پہلے اپنے شیخ محمد بن علی سے مختصر سنی تھی تو اس پر سابق ترجمہ رکھا پھر یہی روایت دوسرے شیخ محمد بن العلاء سے مطول سنی تو اس پر یہ ترجمہ قائم فرمایا باقی تشریح عنوان ''باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

باب الابتداء بالوضوء فی غسل الجنابة

غسل جنابت کی ابتداء وضوء سے کرنے کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبداللہ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغتسل من الجنابة غسل یدیه ثم توضأ وضوئهٗ للصلوٰۃ ثم یغتسل ثم یخلل بیدہٖ شعرهٗ حتی اذا ظن انهٗ قد اروی بشرته افاض علیه الماء ثلاث مرّات ثم غسل سائر جسدہٖ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کا غسل فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھراسی طرح وضوفرماتے جونماز کے لئے کیا جاتا ہے پھرغسل کرتے پھر ہاتھ سے سر کے بالوں میں خلال کرتے یہاں تک کہ جب یہ گمان ہو جاتا کہ ظاہری جلدتر ہوگئی ہے تو سرمبارک پرتین مرتبہ پانی ڈالتے پھرتمام جسم کو دھوتے۔

تشریح: حدیث کی عبارت ''اذا اغتسل من الجنابة'' کے معنی ہیں ''اذا اراد الاغتسال من الجنابة'' کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھرنماز کے وضو کی طرح وضوفرماتے پھرغسل فرماتے بظاہراس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے جسم کو دھونے سے پہلے دونوں پیروں کو دھوتے تھے حالانکہ دوسری روایات میں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہو کے بعد غسل کی جگہ سے ہٹ کر دونوں پیروں کو دھوتے تھے۔

دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یہ ہے کہ کبھی کبھی پورے جسم کو دھونے سے پہلے پیروں کو بھی وضو کے وقت دوسرے اعضاء کے ساتھ ساتھ دھو لیتے تھے اور بعض اوقات پورے جسم کو دھونے کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر دونوں پیروں کو دھوتے تھے۔

نیز ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلے دونوں پیروں کو ازالۂ حدث کے لئے دھوتے تھے پھر پورے جسم کو دھونے کے بعد دوسری دفعہ نظافت اور مٹی کیچڑ کو دور کرنے کے لئے دھوتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ اس روایت میں ترتیب بدل گئی وضو کے بعد غسل کا بیان ہے پھر سر کے بالوں میں خلال کا بیان ہے حالانکہ ترتیب یہ ہے کہ وضو کے بعد پہلا عمل خلال کرنے کا ہے اس کے بعد غسل کا عمل ہے چنانچہ آگے ''باب استبراء البشرة الخ'' کے تحت جو روایت آ رہی ہے اس میں راوی نے ترتیب ہٰذا کی رعایت کی ہے۔

باب التیمن فی الطھور

وضووغیرہ کے اعمال کو دائیں جانب سے شروع کرنے کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبداللہ عن شعبة عن الاشعث بن ابی الشعثاء عن ابیه عن مسروق عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یحب التیمن ما استطاع فی طھورہ وتنعّله وترجّله وقال بواسط فی شانه کله.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ وتشریح عنوان ''باب بای الرجلین یبدأ بالغسل '' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

''وقال بواسط فی شانه کله '' واسط عراق کے ایک شہر کا نام ہے جو بغداد اور بصرہ کے درمیان ہے راوی حدیث شعبہ کہتے ہیں کہ میرے استاد اشعث بن ابی الشعثاء نے شہر واسط میں اس حدیث کی روایت کے وقت فی شانہ کلہ کی زیادتی کی کہ رسول اکرم ﷺ طہارت حاصل کرنے اور کنگھی کرنے اور جوتے پہننے غرض تمام افعال میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔

باب ترک مسح الرأس فی الوضوء من الجنابة

غسل جنابت کے وضو میں مسح رأس نہ کرنے کا بیان

اخبرنا عمران بن یزید بن خالد قال حدثنا اسماعیل بن عبدالله هو ابن سماعة اخبرنا الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمة عن عائشة وعن عمرو بن سعد عن نافع عن ابن عمر ان عمر سال رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الغسل من الجنابة واتسقت الاحادیث علی هذا یبدأ فیفرغ علی یده الیمنی مرتین او ثلاثا ثم یدخل یده الیمنی فی الاناء فیصب بها علی فرجه ویده الیسری علی فرجه فیغسل ماهنا لک حتی ینقیه ثم یضع یدهٗ الیسریٰ علی التراب ان شاء ثم یصب علی یده الیسری حتی ینقیها ثم یغسل یدیه ثلاثا ویستنشق ویمضمض ویغسل وجههٗ وذراعیه ثلاثا ثلاثا حتی اذا بلغ رأسه لم یمسح وافرغ علیه الماء فهکذا کان غسل رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما ذکر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے غسل جنابت کے بارے میں سوال کیا (راوی حدیث کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر متفق ہے) کہ غسل جنابت کے شروع میں پہلے داہنے ہاتھ پر دو بار یا تین بار پانی ڈالتے پھر داہنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں داخل کرتے اور اسی ہاتھ سے اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالتے اور بائیں ہاتھ سے شرمگاہ پر جو گندگی لگی ہوئی تھی اس کو دھو لیتے یہاں تک کہ اس کو صاف کر لیتے پھر بایاں ہاتھ مٹی پر رگڑتے اگر چاہتے پھر بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے یہاں تک کہ اس کو صاف کرتے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوتے اور ناک میں پانی چڑھاتے اور کلی کرتے اور چہرہ کو دھوتے اور دونوں ہاتھوں کو دھوتے تین تین مرتبہ یہاں تک کہ جب سر پر مسح کرنے کی نوبت آتی تو اس پر مسح نہ فرماتے اور سر پر پانی ڈالتے پس رسول اکرم ﷺ کے غسل جنابت کی کیفیت اسی طرح تھی جو بیان کی گئی ہے۔

تشریح :اس حدیث میں ''ثم یضع یده الیسریٰ علی التراب '' کے بعد ان شاء کی قید ہے کہ بائیں ہاتھ سے شرمگاہ کی صفائی کے بعد حضور اکرم ﷺ اگر چاہتے تو بائیں ہاتھ کو مٹی سے رگڑتے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس فعل پر حضور ﷺ دوام نہ فرماتے کبھی کبھی بائیں ہاتھ کو مٹی سے رگڑتے اور کبھی کبھی اس کو چھوڑ دیتے گویا یہ عمل مقتضی وقت

کے ہوتا تھا یا بیان جواز کے لئے کبھی کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے۔

دوسری بات یہ کہ اس روایت میں "لم یمسح" آیا ہے حالانکہ پیچھے جتنی روایات گذر چکی ہیں ان میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ غسل جنابت کے شروع میں اسی طرح وضو فرماتے جس طرح نماز کے لئے کیا جاتا ہے جس سے واضح طور پر سر کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غسل جنابت کے شروع میں جو وضو فرماتے تھے اس میں عام طور پر حضور ﷺ اپنے سر مبارک کا مسح فرماتے تھے لیکن بعض اوقات بیان جواز کے لئے مسح کو چھوڑ دیتے علاوہ اس کے سر کا مسح غسل کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے اور مسح رأس کے سقوط اور اس کی ادائیگی میں ضمنی مسح کافی ہے، اس بناء پر اگر مان لیا جائے کہ وضو میں دونوں پیروں کا مسح واجب ہے جیسا کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں تو وہ دونوں پیروں کے دھونے سے ادا ہو جائے گا لیکن مسح کی صورت میں پیروں کا غسل ادا نہ ہوگا اس لئے زیادہ احتیاط پیروں کے غسل ہی میں ہے۔

باب استبراء البشرة فی الغسل من الجنابة

جنابت کے غسل میں سر کے بالوں کی جڑوں اور ظاہری جلد کو تر کر لینے کا بیان

اخبرنا علی بن حجر حدثنا علی بن مسهر عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اغتسل من الجنابة غسل یدیه ثم توضأ وضوءه للصلوٰة ثم یخلل رأسهٗ باصابعه حتی اذا خیل الیه انه قد استبرأ البشرة غرف علی رأسه ثلاثا ثم غسل سائر جسده.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھر اسی طرح وضو کرتے جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے پھر سر کے بالوں کی جڑوں میں انگلیوں سے خلال کرتے یہاں تک کہ جب غالب گمان ہو جاتا کہ بالوں کی جڑیں اور پوری جلد تر ہوگئی تو تین چلو سر پر پانی ڈالتے پھر پورے بدن کو دھوتے۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا الضحاک بن مخلد عن حنظلة ابن ابی سفیان عن القاسم عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اغتسل من الجنابة دعا بشئی نحو الحلاب فاخذ بکفه بدأ بشق رأسه الایمن ثم الایسر ثم اخذ بکفیه فقال بهما علی رأسه

قاسم بن محمد تابعیؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اکرم ﷺ غسلِ جنابت کا ارادہ فرماتے تو کوئی برتن مثل حلاب کے منگواتے پھر اس برتن سے دونوں ہاتھوں سے پانی لیتے اور پہلے سر کے دائیں طرف کے بالوں میں پانی ڈالتے پھر بائیں طرف کے بالوں میں پھر دونوں ہاتھوں سے پانی لیتے اور دونوں ہاتھوں سے پانی پورے سر پر ڈالتے۔

تشریح: باب کی دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو حلاب کے برابر ایک برتن منگواتے حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا ایک وقت کا دودھ دوہا جائے بعض

نے کہا ایک خاص قسم کی خوشبو کا نام ہے بعض نے کہا کہ یہ تصحیف ہے یعنی کتابت کی غلطی سے حلاب لکھا گیا اصل میں جلاّب تھا اور جلاّب معرب ہے گلاب کا اور وہ خوشبودار چیز ہے۔

بہر حال اگر حلاب سے مراد خوشبودار چیز ہو تو اس کا استعمال قبل غسل بھی ثابت ہے اور بعد غسل بھی لیکن علامہ خطابی نے کہا کہ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا ایک وقت کا دودھ سما جائے، اور اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے لفظ حلاب سے غسل کے وقت خوشبو کا استعمال مراد لیا ہے اور میرے خیال میں امام بخاری کو وہم ہوا کہ انہوں نے حلاب سے محلب مراد لیا ہے جو ہاتھوں کے دھونے میں استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ حلاب کوئی خوشبو نہیں ہے بلکہ حلاب سے مراد وہی برتن ہے جس میں اُنٹنی کا ایک وقت کا دودھ سما جائے جس کی تائید شاعر کے قول سے ہوتی ہے شاعر کے کلام میں بھی حلاب سے مراد برتن لیا گیا ہے شاعر کہتا ہے۔

صاح هل رأيت او سمعت براع　　　　ردفى الضرع ماقرى فى الحلاب

ترجمہ: لوگوں تم نے کبھی ایسا اونٹ چرانے والا دیکھا یا سنا ہے کہ جس نے برتن کا دودھ اونٹنی کے تھن میں لوٹا دیا ہو۔

غرض علامہ خطابی وغیرہ کے قول کے مطابق حلاب دودھ دوہنے کے برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کے ایک وقت کا دودھ دوہا جائے اور اہل لغت کی تحقیق اور قرائن سے یہی معنی راجح معلوم ہوتے ہیں اس روایت میں لفظ صب یا افاض کے بجائے فقال بهما على رأسه کے الفاظ آئے ہیں لیکن لفظ قال یہاں بولنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ قول کا اطلاق فعل پر کیا گیا ہے اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اپنے سر مبارک پر دونوں ہاتھوں سے پانی بہادیتے۔

باب ما يكفى الجنب من افاضة الماء على رأسه

اخبرنا عبيدالله بن سعيد عن يحيى عن شعبة قال حدثنا ابو اسحق ح واخبرنا سويد بن نصر قال حدثنا عبدالله عن شعبة عن ابى اسحق قال سمعت سليمان بن صرد يحدث عن جبير بن مطعم ان النبى صلى الله عليه وسلم ذكر عنده الغسل فقال اما انا فافرغ على رأسى ثلاثا لفظ سويد.

اخبرنا محمد بن عبدالاعلىٰ قال حدثنا خالد عن شعبة عن مخوّل عن ابى جعفر عن جابر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اغتسل افرغ على رأسه ثلثا.

اس باب کے تحت کی روایات کا ترجمہ اور تشریح عنوان سابق "باب ذكر ما يكفى الجنب من افاضة الماء على رأسه" کے تحت دیکھ لیجئے۔

باب العمل فى الغسل من الحيض

اخبرنا الحسين بن محمد حدثنا عفان حدثنا وهيب حدثنا منصور بن عبدالرحمن عن امه صفية بنت شيبة عن عائشة ان امرأة سألت النبى صلى الله عليه وسلم قالت يارسول الله كيف اغتسل عند

الطهور قال خذي فرصةً ممسّكة فتوضئي بها قالت كيف اتوضأ بها قال توضئي بها قالت كيف اتوضأ بها قالت ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سبّح واعرض عنها ففطنت عائشة لما يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت فاخذتها وجبذتها اليّ فاخبرتها بما يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اس باب کے ماتحت کی حدیث کا ترجمہ اور تشریح عنوان ''باب ذکر العمل فی الغسل من الحیض'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

باب الغسل مرة واحدة

ایک مرتبہ پانی ڈال کر غسل کرنے کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم حدثنا جرير عن الاعمش عن سالم بن ابی الجعد عن كريب عن ابن عباس عن ميمونة رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی الله عليه وسلم قالت اغتسل النبی صلی الله عليه وسلم من الجنابة فغسل فرجهٗ ودلک يده بالارض او الحائط ثم توضأ وضوءهٗ للصلوٰة ثم افاض علی رأسه وسائر جسده.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت فرمایا پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرمگاہ کو دھویا اور اپنے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑا پھر اسی طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لئے کیا جاتا ہے پھر اپنے سر اور پورے جسم پر پانی بہایا۔

تشریح: مصنفؒ ترجمہ کو اس حدیث سے اس طرح ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے سر اور جسم پر صرف پانی بہا دینے کا ذکر کیا ہے مگر اس کی تعداد بیان نہیں کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مرتبہ پانی بہایا اور اگر اس موقع پر سر اور بدن پر پانی ڈالنے میں تکرار (بار بار) کیا ہوتا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ضرور اس کو نقل فرماتیں تو پانی بہانے کی تعداد کا بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سر اور پورے بدن پر پانی ڈالنے میں تکرار نہیں کیا گیا بلکہ ایک مرتبہ سر اور تمام بدن پر پانی بہا دینے پر اکتفاء کیا گیا تھا۔ (والله تعالی اعلم بالصواب)

غرض حدیث باب سے معلوم ہوا کہ غسل کا فریضہ ایک دفعہ سر اور تمام جسم پر پانی بہا لینے سے ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ جسم کا ذرا سا حصہ بھی خشک نہ رہ گیا ہو البتہ جن احادیث میں تین دفعہ پانی ڈالنے کا ذکر آیا ہے ان سے تکرار مقصود نہیں بلکہ استیعاب کی غرض ہے تین مرتبہ پانی ڈالنے کا عمل اختیار فرمایا ہے اس لئے ان احادیث سے ان لوگوں کا استدلال درست نہیں جو غسل میں تکرار کے قائل ہیں اور تین مرتبہ پانی بہا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

باب اغتسال النفساء عند الاحرام

اخبرنا عمرو بن علی ومحمد ابن المثنی ويعقوب بن ابراهيم واللفظ له قالوا حدثنا يحيی بن سعيد قال حدثنا جعفر بن محمد قال حدثنی ابی قال اتينا جابر بن عبدالله فسألناه عن حجة الوداع

فحدثنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج لخمس بقین من ذی القعده وخرجنا معه حتی اتی ذا الحلیفة ولدت اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر فارسلت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف اصنع فقال اغتسلی ثم استثفری ثم اھلیّ.

اس باب کے تحت کی حدیث کا ترجمہ وتشریح ''باب الاغتسال من النفاس'' کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

باب ترک الوضوء بعد الغسل

اخبرنا احمدبن عثمان بن حکیم حدثنا ابی حدثنا حسن عن ابی اسحق ح واخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا عبدالرحمن قال حدثنا شریک عن ابی اسحق عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لایتوضأ بعد الغسل.

عنوان سابق ''باب ترک الوضوء من بعد الغسل'' کے تحت دیکھ لیجئے۔

باب الطواف علی النساء فی غسل واحد

ایک غسل میں تمام بیویوں سے صحبت کرنے کا بیان

اخبرنا حمید ابن مسعدة عن بشر وھو ابن المفضل حدثنا شعبة عن ابراھیم بن محمد عن ابیه قال قالت عائشة رضی الله عنها کنت اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم فیطوف علی نسائه ثم یصبح محرما ینضخ طیبا.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں سے مجامعت فرماتے پھر صبح کے وقت احرام باندھتے اور خوشبو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے مہکتی تھی۔

تشریح: مصنفؒ نے ترجمہ کو جملہ ''ینضخ طیباً'' سے نکالا ہے اس لئے کہ اگر ہر مرتبہ صحبت کرنے کے بعد ہر ایک بیوی کے پاس الگ الگ غسل فرماتے تو یہ بات عادۃً بعید معلوم ہوتی ہے کہ متعدد مرتبہ غسل کیا جائے پھر خوشبو کا اثر باقی رہے بلکہ اس صورت میں تو خوشبو کا کوئی اثر باقی نہ رہتا چہ جائیکہ خوشبو بدن سے مہکتی ہو۔

بہر حال اس سے امام نسائیؒ کا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ تمام بیویوں سے صحبت کرنے کے بعد ایک ہی غسل پر اکتفاء کرنا جائز ہے مزید تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔

باب التیمم بالصعید

پاک مٹی سے تیمّم کرنے کا بیان

اخبرنا الحسن بن اسماعیل بن سلیمان حدثنا ھشیم حدثنا سیار عن یزید الفقیر عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعطیت خمسالم یعطھن احدقبلی نصرت بالرعب مسیرة

شهر وجعلت لی الارض مسجد اوطهوراً فاینما ادرک الرجل من امتی الصلاة یصلی واعطیت الشفاعة ولم یعط نبی قبلی وبعثت الی الناس کافة وکان النبی یبعث الیٰ قومہ خاصة.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی تھیں دشمنوں کے دل میں ایک مہینہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے اور میرے لئے ساری زمین سجدگاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی اس لئے حکم یہ ہے کہ میری امت میں سے جو شخص جس جگہ نماز کا وقت پاوے وہیں نماز پڑھ لے اور مجھے شفاعت عظمیٰ دی گئی جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی اور مجھے تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے اور مجھ سے پہلے نبی کو خاص اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔

تشریح: ارشاد مبارک ''**اعطیت خمسا الخ**'' کس وقت فرمایا گیا تھا علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا اس روایت میں پانچویں چیز کا بیان نہیں ہے مگر وہ بخاری ومسلم کی روایت سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے ''**احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی**'' میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اس بناء پر ''**جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً**'' کا تعلق زمین سے ہونے کی وجہ سے ان پانچ چیزوں میں سے ایک ہی چیز ہے اور پانچ چیزوں کا بیان انحصار کے لئے نہیں ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف پانچ چیزیں دی گئی ہیں اور کچھ نہیں دیا گیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن خاص خاص کمالات اور انعامات سے نوازا ہے ان میں سے اس وقت وحی کے ذریعہ پانچ چیزیں بتلادی گئی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ کرام کے سامنے فخر وتکبر کے خیال سے نہیں بلکہ اعتراف نعمت اور ادائے شکر اور ''**واما بنعمة ربک فحدث**'' پر امتثال کی غرض سے بیان فرمادیا۔

اب ان پانچ چیزوں کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ پہلی چیز یہ بیان فرمائی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے اس سے زیادہ کی نفی نہیں ہوتی ہے بلکہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے لیکن چونکہ عام طور پر دور سالت میں شہر مدینہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے درمیان ایک ماہ سے زیادہ مسافت نہ تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن حکمران ایک ماہ کی مسافت پر تھے اس لئے حدیث میں اتنی ہی مسافت کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ خصوصیت (یعنی دشمنوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دہشت ڈال کر اللہ تعالیٰ جو غلبہ اور فتح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدون ایک ماہ کی مسافت کی قید کے علی الاطلاق حاصل تھی حتی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر لشکر کے اکیلے بھی ہوتے جب بھی دشمن رعب کے مارے گھبرا جاتے اور بھاگتے تھے۔

دوسری مخصوص چیز یہ بتائی کہ میرے لئے پوری زمین عبادت گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی علامہ خطابیؒ نے کہا کہ اگلی امتیں عبادت کی ادائیگی میں مخصوص مکانوں کی پابند تھیں مثلاً ان کی جو متعین عبادت خانے اور گرجے تھے صرف ان میں نماز درست ہوتی تھی سوائے ان کے اور جگہوں پر نماز درست نہ تھی اس کی تائید حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ''**وکان من قبلی**

انما کانوا یصلون فی کنائسھم ''سے ہوتی ہے لیکن نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے طفیل سے ہمارے لئے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے بڑی وسعت ہے مسجد میں پڑھیں یا مسجد کے علاوہ جس جگہ چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اس جگہ کی نجاست کا یقین نہ ہو اور اگلی امتوں کو صرف پانی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا تھا سوائے پانی کے طہارت نہ ہوتی تھی لیکن نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے پوری زمین کو طہور (پاک کرنے والی) بنادیا ہے یہاں ''جعلت لنا الارض طھوراً ''کا جملہ بتلا رہا ہے کہ زمین کی طہوریت پانی کی طہوریت جیسی نہیں پانی بالطبع طہور ہے اور یہ تمام انسانوں کے لئے عام ہے لیکن زمین کی طہوریت عارضی ہے ذاتی نہیں یعنی زمین کے اندر پاک کرنے کی صفت اس کی اصل سے نہیں آئی بلکہ صرف میرے (حضور اکرم ﷺ) اور میری امت کے لئے خاص انعام ہے کہ پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں زمین کو طہور بنا دیا گیا ہے اب صرف ہمارے لئے عذر شرعی کی حالت میں زمین پر تیمّم کرنا اور اس تیمّم سے نماز پڑھنا جائز ہے جب تک کہ وہ زمین اپنی حالت اصلیہ پر قائم رہے ورنہ نجاست کی وجہ سے اپنی اصلی حالت طہور سے خارج ہو جائے گی۔

تیسری چیز ہے شفاعت اور شفاعت سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے جو تمام مخلوق کے لئے عام ہوگی اور یہ منصب شفاعت عظمیٰ کا نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہے کوئی اس میں شریک نہیں ہے اور وہ شفاعت میدان حشر میں طول وقوف سے خلاص کرنے اور اس کی شدت و تکلیف سے سے نکالنے اور راحت دینے کے واسطے ہوگی امام نوویؒ نے شفاعت عظمیٰ سے یہی شفاعت مراد لی ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض شفاعتیں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ احادیث میں ان کی تفصیل آتی ہے مثلاً۔

(۱) آپ کی امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بے حساب و کتاب اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا تو حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے ایک بہت بڑی جماعت بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوگی۔

(۲) آپ ﷺ کی شفاعت اس قوم کے لئے ہوگی جس کے حسنات اور سیئات برابر ہوں اور وہ شفاعت کی مدد سے جنت میں داخل ہوگی۔

(۳) جو لوگ دوزخ کے مستحق ہوئے ہیں ان کے لئے شفاعت کریں گے اور بہشت میں لے جائیں گے۔

(۴) رفع درجات اور زیادتی کرامات کے واسطے ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ سب شفاعتیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض شفاعتیں مشترک ہیں مثلاً گنہ گار لوگ جو دوزخ میں گئے ہوں گے وہ شفاعت سے نکلیں گے تو یہ شفاعت تمام پیغمبروں کے درمیان مشترک ہے۔ (واللہ اعلم)

لیکن اصل اور بنیادی چیز شفاعت عظمیٰ ہے باقی سب شفاعتیں اس کے تابع ہیں کیوں کہ اسی کی منظوری سے باقی شفاعتوں کے راستے کھلیں گے پھر ہمیشگی کی راحت نصیب ہوگی۔

چوتھی چیز جو خاص طور پر نبی کریم ﷺ کو دی گئی وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے ہر نبی کو خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ

حضور ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے خواہ جن ہوں یا انسان عرب ہوں یا عجم موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں سب کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نے خوب واضح کر دیا اس میں آیا ہے ''وارسلت الی الخلق کافۃ'' پانچوں خصوصیت یہ ہے کہ'' واحلت لی الغنائم'' کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا گذشتہ امتوں میں بعض پر تو جہاد ہی فرض نہ تھا تو پھر مال غنیمت کا ہاتھ آنا کس طرح ہوتا اور بعض پر جہاد فرض تھا مگر مال غنیمت کا حلال نہ تھا بلکہ جو مال لوٹتے اس کو ایک جگہ اکٹھا کرتے اور آسمان سے آگ اترتی اور وہ غنیمت کے مال کو جلا دیتی اور یہ علامت قبولیت جہاد کی تھی۔

لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کے واسطے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا ہے اور غنیمت کا پانچواں حصہ آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہوا۔

باب التيمم لمن يجد الماء بعد الصلوٰة

کسی نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی پھر نماز کے بعد پانی مل گیا تو اس نماز کا دُہرانا ضروری ہے یا نہیں اس کا بیان

اخبرنا مسلم بن عمرو بن مسلم قال حدثنی ابن نافع عن الليث بن سعد عن بكر بن سوادة عن عطاء بن يسار عن ابی سعيد ان رجلين تيمما وصليا ثم وجد اماء فی الوقت فتوضأ احدهما واعاد لصلوته ما كان فی الوقت ولم يعد الآخر فسألا النبی صلی الله عليه وسلم فقال للذی لم يعد اصبت السنة واجزأتك صلاتك وقال للآخر اماانت فلك مثل سهم جمع.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت کے اندر پانی پایا تو دونوں میں سے ایک نے وضو کیا اور نماز کو لوٹایا اور دوسرے نے اعادہ نہیں کیا پھر دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا آپ ﷺ نے اس شخص کے واسطے فرمایا جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی تم نے سنت کے مطابق کام کیا اور تم کو تمہاری نماز کافی ہے اور دوسرے سے فرمایا کہ تیرے واسطے جمع کا ثواب ہے یعنی دوگنا ثواب ہے۔

اخبرنا سويد بن نصر حدثنا عبدالله عن ليث بن سعد قال حدثنی عميرة وغيره عن بكر بن سوادة عن عطاء بن يسار ان رجلين وساق الحديث.

اخبرنا محمد بن عبدالاعلیٰ انا خالد ثنا شعبة ان مخارقاً اخبرهم عن طارق بن شهاب ان رجلا اجنب فلم يصل فاتی النبی صلی الله عليه وسلم فذكر ذالك له فقال اصبت فاجنب رجل آخر فتيمم وصلی فقال نحواً مما قال للآخر يعنی اصبت.

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ دو آدمیوں کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آیا تو ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت کے اندر ان کو پانی مل گیا تو ان دونوں میں سے ایک شخص نے وضو کیا اور

نماز لوٹا کر پڑھی اور دوسرے نے نہیں لوٹائی پھر دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ سے اس عمل کا ذکر کیا تو جس شخص نے نماز کا اعادہ نہیں کیا اس سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اصبت السنة'' کہ تم نے حکم شرع کے موافق کام کیا شریعت کا حکم ایسا ہی تھا جس طرح تم نے کیا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اس کو پانی ملنے کے بعد وضو کے ساتھ نہیں دھرایا تو اس ارشاد مبارکہ سے اس شخص کے اجتہاد کی تصویب وتصدیق فرمائی اور دوسرے کے اجتہاد کو غلط قرار دیا لیکن خطاء فی الاجتہاد اجر فی العمل کے منافی نہیں ہے یعنی جو ثواب عمل پر موقوف ہے وہ اجتہاد میں غلطی واقع ہونے سے باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ مجتہد کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا اس لئے اس شخص سے فرمایا ''فلک مثل سهم جمع ''ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں ''لک اجر مرتین '' آیا ہے کہ تیرے واسطے دونا ثواب ہے ایک تو بسبب ادائے فرض کے اور دوسرا بسبب ادائے نفل کے ابن وہب سے پوچھا گیا کہ اس روایت میں جمع کا جولفظ آیا ہے اس کی کیا تفسیر ہے انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی یہ تھی ''لک اجر الصلاۃ مرتین '' کہ تیرے واسطے دو مرتبہ نماز پڑھنے کا ثواب ہے آپ ﷺ کی مراد یہ نہ تھی کہ تم کو اتنا ثواب ملے گا جتنا مزدلفہ میں لوگوں کے جمع ہونے پر ان کو ملتا ہے بعضوں نے کہا کہ لفظ جمع سے مراد لشکر ہے یعنی تیرے لئے مال غنیمت میں سے لشکر کے حصہ کے برابر ثواب ہے۔

بہر حال دونوں صحابیوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا مگر اس شخص کا اجتہاد درست ثابت ہوا جس نے وقت کے اندر پانی ملنے کے باوجود اس نماز کا اعادہ نہیں کیا جو اس نے تیمّم سے پڑھی تھی اور اس کے اجتہاد کا درست ہونا ارشاد مبارکہ ''اصبت السنة'' سے ثابت ہوتا ہے اور اسی حدیث کی بناء پر تمام مکاتب فکر کے علماء کا عدم اعادہ پر اتفاق ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ وغیر نے لکھا ہے کہ تمام اماموں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تیمّم کرنے والا نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی پاوے تو اس پر وضو کیساتھ نماز کو دھرانا لازم نہیں اگر چہ وقت باقی ہو البتہ کچھ اختلاف اس میں ہے کہ جب نماز میں داخل ہونے کے بعد پانی پاوے تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز صحیح ہے اس کو نہ توڑے اور امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس حالت میں اس کا تیمّم باطل ہو جاتا ہے اور جب تیمّم کرے پھر نماز میں داخل ہونے سے پہلے پانی پاوے تو تمام ائمہ کے نزدیک اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب الوضوء من المذی

اخبرنا علی بن میمون قال حدثنا مخلد بن یزید عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس قال تذاکر علیٌّ والمقداد وعمار فقال علیٌّ انی امرءٌ مذّاءٌ وانی استحیی ان اسأل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لمکان ابنته منّی فیسأله احد کما فذکرلی ان احدهما سأله ونسیتهٔ سأله فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ذالک المذی اذا وجده احدکم فلیغسل ذالک منه ولیتوضأ وضوء ه للصلوٰة او کو ضوء الصلوٰة.

اس باب کے ماتحت کی حدیث کی تشریح عنوان ''باب ما ینقض الوضوء ومالا ینقض الوضوء من المذی'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

الاختلاف علی سلیمان

اخبرنا محمد بن حاتم حدثنا عبيدة قال حدثنا سليمان الاعمش عن حبيب بن ابی ثابت عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن علی قال كنت رجلا مذاءً فامرت رجلا فسأل النبی صلی الله عليه وسلم فقال فيه الوضوء.

اخبرنا محمد بن عبدالاعلیٰ قال حدثنا خالد بن الحارث قال حدثنا شعبة قال اخبرنی سليمان الاعمش قال سمعت منذرا عن محمد بن علی عن علی قال استحييت ان اسأل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن المذی من اجل فاطمة فامرت المقداد فسأله فقال فيه الوضوء.

تشریح :یہ حدیث جس میں مذی کے متعلق سوال کرنے پر شریعت کا حکم بتلایا گیا ہے اس کو متعدد راویوں نے روایت کیا ہے مگر اپنے استاد سے روایت کرنے والوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو اس عنوان سے مصنفؒ جس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو عبیدہ اور شعبہ دونوں نے اپنے استاد سلیمان اعمش سے روایت کیا ہے مگر عبیدۃ کی روایت میں سوال کرنے والا کون ہے اس کا تعین نہیں کیا گیا انہوں نے بطور مبہم ''فامرت رجلا'' روایت کیا ہے اور شعبہ کی روایت میں سائل کے نام کی تصریح ہے اس میں آیا ہے ''فامرت المقداد فسالهٔ الخ'' یا اختلاف دونوں کا اپنے استاد کے شیوخ کے ذکر میں ہے عبیدۃ کی روایت میں حدثنا سلیمان الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت ہے اور شعبہ کی روایت میں ہے سلیمان الاعمش عن المنذر۔

غرض اس سے مصنفؒ کا مقصد حدیث کی علت اور کمزوری کو بیان کرنا نہیں بلکہ سلیمان اعمش کے شاگردوں میں اختلاف مذکور کا بیان کرنا ہے لہٰذا اس طرح کے اختلاف سے صحت حدیث میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

الاختلاف علی بکیر

اخبرنا احمد بن عيسی عن ابن وهب و ذكر كلمة معناها اخبرنی مخرمة بن بكير عن ابيه عن سليمان بن يسار عن ابن عباس قال قال علیّ ارسلت المقداد الی رسول الله صلی الله عليه وسلم يسأله عن المذی فقال توضّأ وانضح فرجك قال ابو عبدالرحمن مخرمة لم يسمع من ابيه شيئاً.

اخبرنا سويد بن نصر حدثنا عبدالله عن ليث بن سعد عن بكير بن الاشج عن سليمان بن يسار قال ارسل علی بن ابی طالب المقداد الی رسول الله صلی الله عليه وسلم يسأله عن الرجل يجد المذی فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم يغسل ذكره ثم ليتوضأ.

اخبرنا عتبة بن عبدالله قال قریٔ علی مالكٍ وانا اسمع عن ابی النضر عن سليمان بن يسار عن المقداد بن الاسود عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه امره ان يسأل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن

الرجل اذا دنا من المرأة فخرج منه المذی فان عندی ابنته وانا استحیی ان اسأله فسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالک فقال اذا وجد احدکم ذالک فلینضح فرجه فلیتوضأ وضوءه للصلوٰة.

تشریح : بکیر پر اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ بکیر کے شاگردوں میں کسی نے نضح فرج کا ذکر کیا ہے اور کسی نے غسلِ ذکر کا چنانچہ پہلی روایت میں مخرمہ نے اپنے والد بکیر سے ''وانضح فرجک'' کے الفاظ روایت کئے ہیں اور دوسری روایت میں لیث بن سعد نے بکیر بن عبداللہ بن اشج سے ''یغسل ذکرہٗ'' کے الفاظ روایت کئے ہیں علاوہ ازیں مخرمہ نے خلاف ترتیب بیان کیا ہے ان کی روایت میں وضو کا عمل مقدم ہے اور نضح یعنی غسل فرج مؤخر ہے انہوں نے مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر ذکر کیا ہے اور لیث بن سعد نے ترتیب کے مطابق ''یغسل ذکرہ ثم لیتوضأ'' کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

بہرحال عنوان الاختلاف علی بکیر سے مصنفؒ کا مقصد صرف اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بکیر سے روایت کرنے والے شاگردوں یعنی مخرمہ اور لیث کے درمیان پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف صرف الفاظ وترتیب کی رعایت وعدم رعایت کے اعتبار سے ہے جیسا کہ مذکور ہے۔

اور چونکہ عنوان کے تحت کی پہلی روایت جس کو مخرمہ نے اپنے والد بکیر سے روایت کیا ہے وہ منقطع ہے چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں ''قال ابو عبدالرحمن مخزمة لم یسمع من ابیه شیئاً'' کہ مخرمہ نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا اس لئے شاید اسی کی تائید کے لئے تیسری روایت کو موصولاً ذکر کیا ہے کہ اس میں ''فلینضح فرجه'' کا ارشاد نقل کیا ہے لیکن یہاں لفظ نضح کے معنی شرمگاہ پر پانی چھڑکنے کے نہیں بلکہ امام نوویؒ وغیرہ نے کہا کہ اس کے معنی غسل کے ہیں اور غسل کے معنی اس لئے لیتے ہیں کہ دوسری روایت میں صراحۃً یغسل ذکرہ کے الفاظ آئے ہیں اس لئے یہاں نضح سے سب کے نزدیک دھونا ہی مراد ہے مزید بحث عنوان ''باب ما ینقض الوضوء ومالا ینقض الوضوء من المذی'' کے تحت دیکھ لیں۔

باب الامر بالوضوء من النوم

باب سونے کی وجہ سے وضو کا حکم دینا

اخبرنا عمران بن یزید قال حدثنا اسماعیل بن عبدالله قال حدثنا الاوزاعی قال حدثنا محمد بن مسلم الزهری قال حدثنی سعید بن المسیب حدثنی ابوهریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قام احدکم من اللیل فلا یدخل یده فی الاناء حتی یفرغ علیها مرتین او ثلثا فان احدکم لایدری این باتت یده.

اس باب کے تحت کی پہلی حدیث کا ترجمہ وتشریح پیچھے عنوان ''الوضوء من النوم'' کے تحت دیکھ لیں

اخبرنا قتیبة حدثنا داؤد عن عمرٍو عن کریب عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم ذات لیلة فقمت عن یساره فجعلنی عن یمینه فصلی ثم اضطجع ورقد فجاءه المؤذن فصلی ولم یتوضأ مختصر.

کریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی میں آپ ﷺ کی بائیں طرف کھڑا ہوا پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کیا اور نماز پڑھی پھر لیٹ کر سو گئے پھر آپ ﷺ کے پاس مؤذن (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) آیا اور نماز کی اطلاع دی پھر حضور ﷺ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا، یہ حدیث مختصر ہے۔

اخبرنا یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا محمد بن عبدالرحمن الطفاویؒ حدثنا ایوب عن ابی قلابة عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا نعس احدکم فی صلاته فلینصرف ولیرقد.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی حالت تم میں سے کسی پر اونگھ طاری ہو تو اس کو نماز سے ہٹ جانا چاہئے اور سو جانا چاہئے۔

تشریح: اوپر کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو عمل نقل کر رہے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اس کو حضور ﷺ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دونوں نے وضو کے بعد شروع کیا تھا جیسا کہ یہ بات بخاری وغیرہ کی مفصل روایت سے اور خود نسائی کی روایت سے بھی جس کو انہوں نے کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا ہے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے لیکن مصنفؒ نے ترجمہ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ مختصر روایت اس مفصل روایت پر محمول ہے اس تفصیلی روایت میں تمام واقعہ کا بیان اس طرح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک رات میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گذاری اور نبی کریم ﷺ ان کے حجرے میں تھے کیوں کہ وہی رات ان کی باری تھی حضور اکرم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے کچھ باتیں کیں پھر تھوڑی سی دیر سو رہے پھر جب تہائی رات باقی رہی تو آپ ﷺ اٹھے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر یہ آیت پڑھی ﴿**ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار لأیات لاولی الالباب**﴾ یہاں تک کہ پوری سورۃ تلاوت فرمائی پھر مشک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا بند کھولا پھر پیالے میں پانی ڈالا پھر وضو کیا پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی کھڑا ہوا اور وضو کیا پھر حضور ﷺ کی بائیں طرف کھڑا ہوا آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر مجھ کو بائیں طرف سے دائیں طرف کھڑا کیا پھر جب حضور اکرم ﷺ کی تیرہ رکعت نماز پوری ہوگئی اس کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے اور سو رہے تھے پھر جب صبح کی نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دینے کے لئے آگئے پھر آپ ﷺ نے فجر کی دو رکعت سنت پڑھی اور وضو نہیں کیا اور اسی روایت میں آیا ہے کہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان یہ دعا پڑھتے ''**اللّٰهم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً الخ**''۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدی اگر ایک ہو تو دائیں طرف کھڑا ہو اور زیادہ ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں اور قاضی عیاضؒ نے کہا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بار یا دو بار بوجہ ضرورت کے ہاتھ سے حرکت کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا اسی طرح زیادہ بھی اگر فرق سے ہو پے در پے نہ ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ (**واللہ اعلم بالصواب**)

دوسری حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی تشریح ''باب النعاس '' کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

باب الوضوء من مس الذكر

اخبرنا قتيبة عن سفيان عن عبدالله يعني ابن ابي بكر قال على اثره قال ابو عبدالرحمن ولم اتقنه عن عروة عن بسرة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مس فرجهٗ فليتوضأ.

اخبرنا عمران بن موسى حدثنا محمدبن سواءٍ عن شعبة عن معمر عن الزهري عن عروة بن الزبير عن بسرة بنت صفوان ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا افضى احدكم بيده الى فرجه فليتوضأ.

اخبرنا قتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير عن مروان بن الحكم انه قال الوضوء من مس الذكر فقال مروان اخبرتنيه بسرة بنت صفوان فارسل عروة قالت ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم مايتوضأ منه فقال من مس الذكر.

اخبرنا اسحق بن منصور قال حدثنا يحيى بن سعيد عن هشام بن عروة قال اخبرني ابي عن بسرة بنت صفون ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من مس ذكره فلا يصلي حتى يتوضأ قال ابو عبدالرحمن هشام بن عروة لم يسمع من ابيه هذا الحديث اٰخر كتاب الغسل والتيمم.

اس باب کے ماتحت کی احادیث کا ترجمہ وتشریح عنوان سابق ''الوضوء من مس الذكر '' کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

کتاب الصلوٰۃ

نماز کی فرضیت اوراس کے احکام

فرض الصلوٰة وذكر الاختلاف الناقلين فى اسناد حديث انس بن مالك رضي الله عنه واختلاف الفاظهم فيه

اخبرنا يعقوب ابن ابراهيم حدثنا يحيىٰ بن سعيد حدثنا هشام الدّستوائى حدثنا قتادة عن انس بن مالك رضي الله عنه عن مالك بن صعصعة رضي الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال بينا انا عند البيت بين النائم واليقظان اذا قبل احد الثلاثة بين الرجلين فأُتيت بطست من ذهب ملآن حكمة وايمانا فشق من النحر الى مراق البطن فغسل القلب بماء زمزم ثم يعنى مُلئى حكمة وايمانا ثم اتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار ثم انطلقت مع جبرئل عليه السلام فاتينا السماء الدنيا فقيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمدٌ قيل وقد ارسل اليه مرحباً به ونعم المجئى جاء فاتيت علىٰ آدم عليه السلام فسلمت عليه قال مرحبا بك من ابن ونبى ثم اتينا السماء الثانية قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد فمثل ذالك فاتيت على يحيىٰ وعيسىٰ فسلمت عليهما فقالا مرحبا بك من اخ ونبى ثم اتينا السماء الثالثة قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد فمثل ذالك فاتيت علىٰ يوسف عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبى ثم اتينا السماء الرابعة فمثل ذالك فأتيت علىٰ ادريس عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبى ثم اتينا السماء الخامسة فمثل ذالك فاتيت علىٰ هارون عليه السلام فسلمت عليه قال مرحبا بك من اخ ونبى ثم اتينا السماء السادسة فمثل ذالك ثم اتيت علىٰ موسىٰ عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبى فلما جاوزتهٗ بكٰى قيل ما يبكيك قال يارب هذا الغلام الذى بعثته بعدى يدخل من امته الجنة اكثر وافضل مما يدخل من امتى ثم اتينا السمآء السابعة فمثل ذالك فاتيت علىٰ ابراهيم عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من ابن ونبى ثم رُفع الىّ البيت المعمور فسألت جبريل فقال هذا البيت المعمور يُصلى فيه كل يوم سبعون الف ملك فاذا خرجوا منه لم يعودوا فيه الى آخر ما عليهم ثم رفعت الىّ سدرة المنتهى فاذا نبقها مثل

قلال هجرو اذا ورقها مثل آذان الفيلة واذا في اصلها اربعة انهار نهران باطنان ونهر ان ظاهر ان فسالت جبريل فقال اما الباطنان ففي الجنة واما الظاهران فالفرات والنيل ثم فرضت علىّ خمسون صلاة فاتيت علىٰ موسىٰ فقال ما صنعت قلت فرضت علىّ خمسون صلاة قال اني اعلم بالناس منک اني عالجت بني اسرائيل اشد المعالجة وان امتک لن يطيقوا ذالک فارجع الىٰ ربک فاسأله ان يخفف عنک فرجعت الى ربي فسألته ان يخفف عني فجعلها اربعين ثم رجعت الىٰ موسىٰ عليه السلام فقال ماصنعت قلت جعلها اربعين فقال لي مثل مقالته الاولىٰ فرجعت الىٰ ربي عزوجل فجعلها ثلاثين فاتيت علىٰ موسىٰ عليه السلام فاخبرتهٗ فقال لي مثل مقالتهٖ الاولىٰ فرجعت الىٰ ربي فجعلها عشرين ثُمَّ عشرة ثم خمسة فاتيت علىٰ موسىٰ عليه السلام فقال لي مثل مقالته الاولىٰ فقلت اني استحيي من ربي عزوجل ان ارجع اليه فنودي ان قد امضيت فريضتي وخففت عن عبادي واجزي بالحسنة عشرا مثالها.

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پاس لیٹا ہوا تھا سونے اور جاگنے والے کے درمیان تھا یعنی کچھ نیند تھی اور کچھ جاگ کہ اچانک تین میں سے ایک شخص آیا درآنحالیکہ میں دو شخصوں کے بیچ میں تھا پھر میرے پاس ایک طشت سونے کا لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا پھر چاک کیا میرا سینہ اسفل بطن تک پھر زمزم شریف کے پانی سے قلب کو دھویا پھر ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا پھر ایک جانور حاضر کیا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا پھر چلا میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ یہاں تک کہ ہم پہنچے قریب ترین آسمان تک آسمان کے دربان نے پوچھا کون ہے جواب دیا کہ جبرئیل ہوں پوچھا گیا اور کون ہے آپ کے ساتھ جبرئیل نے کہا میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں فرشتوں نے کہا ان کو معراج کے لئے تشریف آوری کا پیغام بھیجا گیا ہے مرحبا (خوش آمدید) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا بہت خوب ہے پھر آسمان کا دروازہ کھولا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ مرحبا ہو نیک بخت بیٹے اور پیغمبر صالح کو پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے دریافت کیا گیا کون ہے یہ جبرئیل نے کہا کہ میں جبرئیل ہوں پوچھا گیا اور کون ہے تمہارے ساتھ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں پھر فرشتوں نے انہی اعزاز واکرام کے الفاظ یعنی ''مرحبا ونعم المجئی جاء'' سے استقبال کیا اور خوش آمدید کہا جیسے پہلے آسمان کے فرشتوں نے استقبال کیا تھا پھر ہم حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کے پاس پہنچے ان کو سلام کیا ان دونوں نے کہا مرحبا ہو صالح بھائی اور صالح نبی کو پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے دریافت کیا گیا کون ہے یہ جواب دیا میں جبرئیل ہوں پوچھا گیا اور کون ہے آپ کے ساتھ جواب دیا گیا کہ میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں پھر اس آسمان کے فرشتوں نے بھی انہی الفاظ مذکورہ کے ساتھ استقبال کیا پھر ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو سلام کیا تو انہوں نے کہا مرحبا ہو نیک بخت بھائی اور نیک بخت نبی کو پھر ہم پہنچے چوتھے آسمان پر تو وہاں بھی سوال وجواب ہوا فرشتوں نے کہا خوش آمدید مبارک ہے ان کی آمد پھر ہم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کو سلام کیا انہوں نے ''مرحباً بک من اخ ونبی'' کے الفاظ سے استقبال کیا مرحبا ہو صالح بھائی اور صالح نبی کو پھر

پانچویں آسمان پر پہنچے تو اس آسمان کے دربان نے بھی اسی طرح استقبال کیا جیسے اس سے پہلے آسمانوں کے فرشتوں نے کیا تھا پھر میں حضرت ہارون علیہ السلام کے پہنچا ان کو سلام کیا انہوں نے کہا مرحبا ہو بھائی اور نبی کو پھر چھٹے آسمان پر پہنچے تو اس کے دربان نے پوچھا کون ہے یہ کہا میں جبرئیل ہوں پوچھا اور کون ہے آپ کے ساتھ جبرئیل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں فرشتوں نے کہا کہ ان کو معراج کے لئے تشریف آوری کا پیغام بھیجا گیا مرحبا ان کی آمد بہت خوب ہے پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان کو سلام کیا انہوں نے کہا مرحبا ہو بھائی اور نبی کو پھر جب میں آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے پوچھا گیا کس چیز نے آپ کو رلایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار میں اس لئے رویا کہ میرے پیچھے آپ نے ایک نوجوان پیغمبر بھیجا کہ میری امت سے ان کی امت کے لوگ زیادہ بہشت میں داخل ہوں گے پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو آسمان کے فرشتوں نے اسی طرح خوش آمد کہا جیسے اس سے پہلے آسمانوں کے فرشتوں نے کہا تھا پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان کو سلام کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا مرحبا ہو بیٹے اور نبی کو پھر لے گئے مجھ کو بیت المعمور کی طرف میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ بیت المعمور ہے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کرتے ہیں پھر جب عبادت کر کے اس سے نکل جاتے ہیں تو اس میں دوسری بار داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی پھر مجھے لے کر سدرۃ المنتہی تک پہنچ گئے اس کے بیر شہر ہجر کے مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اس کی جڑ میں چار نہریں ہیں دو اندر کو جا رہی ہیں اور دو باہر کو آ رہی ہیں میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے کہا یہ جو اندر کو جا رہی ہیں یہ جنت میں دو نہریں ہیں اور جو باہر کو آ رہی ہیں یہ نیل اور فرات ہے پھر پچاس نمازیں مجھ پر فرض کی گئیں پھر میں یہ حکم لے کر رب العزت کی بارگاہ سے واپس ہوا یہاں تک کہ میرا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا انہوں نے پوچھا کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا حکم ہوا میں نے کہا کہ مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک میں لوگوں کے حالات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جانتا ہوں بیشک میں بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں مگر وہ اصلاح پذیر نہ ہوئے باوجودیکہ وہ بہت طاقت ور تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بیشک آپ کی امت پچاس نمازیں ادا کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھ سکتی آپ اپنے پروردگار کے پاس جائیں اور اس سے آسانی کی درخواست کیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنے پروردگار کے پاس گیا اور ان سے تخفیف کی درخواست کی تو دس نمازیں کم کیں اور چالیس کر دیں پھر لوٹا میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف انہوں نے پوچھا کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ دس نمازیں کم کر کے چالیس کر دیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے وہی کلام فرمایا جو پہلی بار فرمایا تھا پھر میں اپنے بزرگ و برتر پروردگار کے پاس لوٹ گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کیں اور تیس رہیں پھر میرا گذر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا اور میں نے ان کو بتلا دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو پہلی بار فرمائی تھی پھر میں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا اور دس نمازیں کم کیں اب بیس رہیں پھر دس نمازیں کم کیں اور پھر پانچ نمازیں باقی رہیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو پہلی بار فرمائی تھی میں نے کہا کہ اب طلب تخفیف کے لئے مجھے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کے پاس جانے سے شرم آتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دی گئی کہ میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کی اور ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب دوں گا۔

اخبرنا یونس بن عبدالاعلیٰ حدثنا ابن وهب قال اخبرنی یونس عن ابن شهاب قال انس بن مالک وابن حزم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فرض الله عزوجل علیٰ امتی خمسین صلاة فرجعت بذالک حتی امرّ بموسیٰ علیه السلام فقال مافرض ربک علیٰ امتک قلت فرض علیهم خمسین صلاة قال لی موسیٰ فراجع ربک عزوجل فان امتک لاتطیق ذالک فراجعت ربی عزوجل فوضع شطرها فرجعت الی موسی فاخبرته فقال راجع ربک فان امتک لاتطیق ذالک فراجعت ربی عزوجل فقال هی خمس وهی خمسون لایبدل القول لدی فرجعت الیٰ موسیٰ فقال راجع ربک فقلت قد استحییت من ربّی عزوجل.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ اورابن حزمؒ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بزرگ وبرتر نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں پھر میں اس کو لے کرواپس لوٹا یہاں تک کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گذرا انہوں نے کہا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا میں نے کہا کہ ان پر پچاس نمازیں فرض کیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ بزرگ وبرتر پروردگار کے پاس (یعنی اس مقام کو جہاں یہ حکم ہوا تھا) واپس جائیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پچاس نمازیں پڑھنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھے گی تو میں اپنے بزرگ وبرتر رب کے پاس واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک حصہ کم کردیا پھر واپس ہوا اور میرا گذر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تو میں نے ان کو خبر دی انہوں نے کہا کہ واپس اپنے رب کے پاس جایئے اس لئے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی پھر میں بزرگ وبرتر رب کے پاس واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی ہے (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیلی اور کمی نہیں ہوئی) پھر واپس لوٹا میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف انہوں نے فرمایا کہ اپنے رب کے پاس واپس جایئے میں نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے بہت درخواستیں کیں یہاں تک میں شرما گیا۔

اخبرنا عمروبن هشام قال حدثنا مخلد عن سعید ابن عبدالعزیز حدثنا یزید بن ابی مالکٍ حدثنا انس بن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتیت بدابة فوق الحمار ودون البغل خطوها عند منتهی طرفها فرکبت ومعی جبریل علیه السلام فسرت فقال انزل فصل ففعلت فقال أتدری این صلیت صلیت بطیبة والیها المهاجر ثم قال انزل فصل فصلیت فقال اتدری این صلیت صلیت بطور سیناء حیث کلم الله عزوجل موسیٰ علیه السلام ثم قال انزل فصل فنزلت فصلیت فقال اتدری این صلیت صلیت ببیت لحم حیث ولد عیسیٰ علیه السلام ثم دخلت الی بیت المقدس فجمع لی الانبیاء علیهم السلام فقدمنی جبریل حتی اممتهم ثم صعد بی الی السماء الدنیا فاذا فیها آدم علیه السلام ثم صعد بی الیٰ السماء الثانیة فاذا فیها ابنا الخالة عیسی ویحییٰ علیهما السلام ثم صعد بی الیٰ السماء الثالثة فاذا فیها یوسف علیه السلام ثم صعد بی الیٰ السماء الرابعة فاذا فیها هارون علیه السلام ثم صعد بی الیٰ

السماء الخامسة فاذا فيها ادريس عليه السلام ثم صعد بی الی السماء السادسة فاذا فيها موسیٰ عليه السلام ثم صعد بی الی السماء السابعة فاذا فيها ابراهيم عليه السلام ثم صعد بی فوق سبع سمٰوات فاتينا سدرة المنتهیٰ فغشيتنی ضبابة فخررت ساجدا فقيل لی انی يوم خلقت السمٰوات والارض فرضت عليک وعلی امتک خمسين صلوٰة فقم بها انت وامتک فرجعت الی ابراهيم فلم يسألنی عن شئی ثم اتيت علی موسی فقال کم فرض الله عليک وعلی امتک قلت خمسين صلوٰة فقال فانک لا تستطيع ان تقوم بها انت ولا امتک فارجع الی ربک فسأله التخفيف فرجعت الی ربی فخفف عنی عشراً ثم اتيت موسیٰ فامرنی بالرجوع فرجعت فخفف عنی عشراً ثم رُدّتْ الی خمس صلوات قال فارجع الی ربک فاسأله التخفيف فانه فرض علی بنی اسرائيل صلاتين فماقاموا بهما فرجعت الی ربی عزوجل فسألته التخفيف فقال انی يوم خلقت السمٰوات والارض فرضت عليک وعلی امتک خمسين صلاة فخمس بخمسين فقم بها انت وامتک فعرفت انها من الله تبارک وتعالیٰ صرّی فرجعت الی موسیٰ عليه السلام فقال ارجع فعرفت انها من الله صرّی ای حتم فلم ارجع.

انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک جانور حاضر کیا گیا جو گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا جو اس قدر تیز رفتار تھا کہ اپنی منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے پھر میں اس پر سوار ہو گیا اور میرے ساتھ جبرئیل علیہ السلام تھے پھر میں معراج کے لئے روانہ ہو گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا اتر کر یہاں نماز (نفل) پڑھئے تو میں نے نماز پڑھی جبرئیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ ﷺ نے طیبہ یعنی (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے اور اسی کی طرف آپ ہجرت کریں گے پھر کہا اتر کر نماز پڑھئے میں نے نماز پڑھی پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ کہاں آپ نے نماز پڑھی طور سینا پر جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا پھر کہا جبرئیل نے کہ اتر کر یہاں نماز پڑھیئے میں اتر گیا پھر نماز پڑھی جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے بیت اللحم پر نماز پڑھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا تو میرے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا اور جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آگے کھڑا کر دیا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی پھر مجھ کو جبرئیل علیہ السلام قریبی آسمان کی طرف لے کر چڑھے جب میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام وہاں پر موجود تھے پھر مجھ کو جبرئیل علیہ السلام دوسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے تو وہاں حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام موجود تھے اور وہ دونوں باہم خالہ زاد ہیں پھر مجھ کو تیسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے تو اس میں حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے پھر مجھ کو چوتھے آسمان کی طرف لے کر چڑھے تو اس میں جناب ہارون علیہ السلام موجود تھے پھر مجھ کو پانچویں آسمان کی طرف لے کر چڑھے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام موجود تھے پھر مجھ کو چھٹے آسمان کی طرف چڑھایا گیا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے پھر مجھ کو ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود تھے پھر مجھ کو ساتویں آسمان سے اوپر چڑھایا گیا تو ہم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے وہاں مجھ کو ضبابۃ نے ڈھانک لیا

(ضبابۃ لغت میں دھند اور کہر کو کہتے ہیں غالباً اس سے تجلیات ربانی مراد ہیں) (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) پھر میں سجدہ میں گر پڑا پھر مجھ سے کہا گیا کہ میں نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں سو آپ اور آپ کی امت انہیں پابندی سے پڑھیں پھر میں واپس لوٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر میرا گذر ہوا تو انہوں نے کہا کہ آپ پر اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ نے کتنی نمازیں فرض کیں میں نے کہا پچاس نمازیں انہوں نے کہا کہ آپ اور آپ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکے گی اس لئے آپ اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور ان سے آسانی کی درخواست کیجئے پھر میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں کم فرمادیں پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا پھر انہوں نے مجھ کو دوسری بار واپس جانے کا حکم دیا پھر میں واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں کم کر دیں پھر صرف پانچ نمازوں کا حکم رہ گیا پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ واپس جایئے اپنے رب کے پاس اور تخفیف کی درخواست کیجئے کیوں کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر وہ ان کو تمام حقوق کے ساتھ ادا نہ کر سکے پھر میں اپنے بزرگ و برتر رب کی طرف لوٹا اور تخفیف کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میں نے جس روز آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں اب یہ پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں سو آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کریں آپ فرماتے ہیں کہ میں پہچان گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ بات ہے جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا پھر جایئے اور تخفیف کرایئے چونکہ میں پہچان گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ بات ہے اس لئے میں پھر نہیں گیا۔

اخبرنا احمد بن سلیمان حدثنا یحییٰ بن آدم حدثنا مالک بن مغول عن الزبیر بن عدی عن طلحۃ بن مصرف عن مرّۃ عن عبداللہ قال لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتھی بہ الیٰ سدرۃ المنتھیٰ وھی فی السماء السادسۃ والیھا ینتھی ماعرج بہ من تحتھا والیھا ینتھی ما اھبط بہ من فوقھا حتی یقبض منھا قال اذ یغشی السدرۃ مایغشی قال فراش من ذھبٍ فاعطی ثلاثا الصلوات الخمس وخواتیم سورۃ البقرۃ ویغفر لمن مات من امتہ لا یشرک باللہ شیئا المقحمات.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور وہ چھٹے آسمان پر ہے اور زمین سے جو اعمال چڑھتے ہیں وہ اس مقام تک پہنچتے ہیں (اور وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں) اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں ان کا نزول اسی پر ہوتا ہے (اور وہاں سے نیچے عالم دنیا میں لائے جاتے ہیں اسی واسطے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**اذ یغشی السدرۃ مایغشی**'' کہ سدرۃ کو ڈھانک لیا اس چیز نے جس نے اس کو ڈھانکا اس کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ پروانے تھے سونے کے پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں تین چیزیں دی گئیں، پانچ نمازیں دی گئیں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں (یعنی آمن الرسول سے آخیر سورۃ تک) اور آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کے گناہ کبیرہ

معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: طہارت نماز کی شرائط میں سے ہیں جن کو پہلے موجود ہونا چاہئے اس لئے ان کو پہلے بیان کر دیا اب اصلی مقصود یعنی نماز کا بیان شروع کیا۔

علامہ عینیؒ نے کہا کہ نماز شرعی کو صلاۃ اسی لئے کہتے ہیں کہ دعا کو شامل ہے اور جمہور اہل لغت نے اسی کو صحیح کہا۔ اور نماز کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع سے ہے اور جو کوئی نماز سے منکر ہو وہ کافر ہے اور جو آدمی نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن نفس کی سستی وغیرہ سے قصداً نہیں پڑھتا تو وہ فاسق ہے ایسے شخص کو مسلک حنفیہ کے مطابق قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرے۔

ملا علی قاریؒ نے عوارف المعارف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صلاۃ مشتق ہے صلی سے جس کے معنی یہ ہیں کہ ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا، تو نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا کہ آدمی میں نفس امارہ کے سبب سے ٹیڑھاپن ہے اور مصلی کو ہیبت اور عظمت ربانیہ کی گرمی پہنچتی ہے جو اس کے ٹیڑھے پن کو دور کر دیتی ہے تو یہ مثل آگ پر گرم کر کے سیدھی کی ہوئی چھڑی کے ہوا اور جو کوئی نماز کی حرارت سے سینکا اور اس سے اس کا ٹیڑھاپن نکل گیا تو وہ وہاں (عالم آخرت کی) آگ میں داخل نہیں ہوگا مگر قسم کو پورا کرنے کے لئے۔ **(نقله میرک من الازهار)**

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ پانچوں نمازوں کا فرض ہونا شب معراج میں ہوا جیسا کہ یہ بات مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتی ہے اور معراج نبی کریم ﷺ کے کمالات میں سے ایک عظیم الشان واقعہ ہے جو بقول امام زہری مکہ میں ۵ نبوت کے بعد ہوا۔ مگر مشہور یہ ہے کہ قبل ہجرت کے بارہویں سال نبوت میں ہوا اور معراج جاگتے میں بدن کے ساتھ ہوئی یہی مذہب جمہور فقہاء و متکلمین اور صوفیاء کا ہے اور اس میں صحیح صحیح حدیثیں اور اخبار صریحہ نہایت کثرت سے وارد ہیں، امام نسائی نے مختلف روایات نقل کی ہیں جن سے بہت سے امور معلوم ہوئے۔

چنانچہ پہلی روایت میں آیا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ شریف کے صحن میں تھا اور دو آدمیوں کے درمیان تھا اور مراد ان دو شخصوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ان دونوں کے درمیان بین النائم والیقظان تھے یعنی کچھ نیند اور کچھ جاگ تھی یہ حالت ابتداء میں تھی پھر آپ جاگ اٹھے اور تمام واقعہ میں بیدار رہے پھر اچانک تین میں سے ایک آئے (یہ تینوں فرشتے تھے جو انسانوں کی شکل میں آئے تھے) ایک جبرئیل تھے دوسرے میکائیل تیسرے کا نام معلوم نہیں ہوسکا پھر ایک خاص وضع کا، سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا پھر آپ کا سینہ اوپر سے اسفل بطن تک چاک کیا گیا اور قلب مبارک نکالا گیا اور ایک سونے کے طشت میں زمزم شریف کا پانی تھا اس سے قلب مبارک کو دھویا گیا پھر وہ حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا طشت قلب میں بھر دیا گیا اور اس کو اس کے اصلی مقام پر رکھ کر درست کر دیا گیا۔

آب زمزم سے آپ کے قلب کو دھونا اس کی دلیل ہے کہ آب زمزم تمام پانیوں سے افضل ہے اور سونے کے برتن کا

استعمال باوجود اس کے منع ہونے کے کئی توجیہ کا محتمل ہے ایک تو یہ کہ سونے کے استعمال کی تحریم مدینہ میں ہوئی اور معراج کا واقعہ مکہ میں پیش آیا اس وقت سونے کا استعمال ممنوع نہ تھا۔ (فتح الباری)

دوسرے یہ کہ معراج کا واقعہ امور آخرت کے قبیل سے ہے اور آخرت میں سونے کا استعمال جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ ﷺ نے استعمال نہیں کیا بلکہ فرشتوں نے کیا ہے جو اس حکم کے مکلف نہیں۔

امام نوویؒ نے کہا کہ ایمان وحکمت کا طشت میں ہونا اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسی چیز جواہر غیبیہ سے تھی جس سے ایمان وحکمت میں ترقی ہو جیسے دنیا میں بعض جواہر کا استعمال قلب ودماغ میں قوت اور فرحت بڑھاتا ہے اور چونکہ وہ ایمان وحکمت کا سبب تھا اس لئے اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔

پھر آپ کے پاس ایک جانور سفید رنگ کا حاضر کیا گیا جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا جو براق کہلاتا ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام نے رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی پھر معراج کے لئے روانہ ہو گئے اور اس حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کی ترتیب منازل بیان کی گئی اس کے مطابق ہر آسمان پر ان سے ملے ہیں اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا اور ہر آسمان پر فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کو مرحبا کہا اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کا اکرام اور اس کے آنے پر اظہار مسرت پسندیدہ بات ہے۔

بہر حال جس طرح ترتیب ملاقات اس حدیث میں مذکور ہوئی اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرتے ہوئے جب چھٹے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا اور کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مرحبا ہو بھائی اور نبی کو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے رونے کا کیا سبب ہے انہوں نے فرمایا ''قال یارب هذا الغلام الذی الخ'' میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد بھیجے گئے جن کی امت کے افراد جنت میں میری امت سے بہت زیادہ ہوں گے (تو مجھ کو اپنی امت پر حسرت ہے کہ انہوں نے میری اس طرح تابعداری نہیں کی جس طرح محمد ﷺ کی امت آپ ﷺ کی اطاعت کرے گی اس لئے میری امت کے ایسے افراد بہشت سے محروم رہے تو ان کے حال پر رونا آتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ امر خیر میں غبطہ اچھی بات ہے اور غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی اور دوسرے کے پاس سے زوالِ نعمت کی تمنا نہ کرے ورنہ یہ حسد ہے جو حرام ہے۔

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نسبت نوجوان فرمانا اس لحاظ سے ہے کہ آپ ﷺ کے متبعین تھوڑی ہی مدت میں کہ اس وقت آپ شیخوخت کی عمر کو بھی نہیں پہنچیں گے اتنی کثرت سے ہو جائیں گے کہ اوروں کے بوڑھاپے کی عمر تک بھی اتنے پیروکار نہیں ہوئے نیز آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہوئی۔

(قصص الانبیاء)

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا وہاں حضرت

ابراہیم علیہ السلام موجود تھے آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا ہو فرزند اور نبی کو پھر مجھ کو بیت المعمور میں لے گئے میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ یہ بیت المعمور ہے (بیت المعمور فرشتوں کا قبلہ ہے جو ٹھیک خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ہے بالفرض اگر وہ گرے تو عین کعبہ پر گرے) اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا اس کی جڑ میں چار نہریں ہیں اور مسلم میں ہے کہ اس کی جڑ سے یہ چار نہریں نکلتی ہیں دو اندر کو جارہی ہیں اور دو باہر کو جاتی ہیں میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ جو اندر کو جارہی ہیں یہ جنت میں دو نہریں ہیں اور باہر جو آرہی ہین یہ نیل اور فرات ہے۔

بہرحال نبی کریم ﷺ دیدار خداوندی اور بلاواسطہ کلام ربانی وغیرہ سے مشرف ہوئے اور پچاس نمازیں آپ ﷺ اور آپ کی امت پر فرض ہوئیں حضور ﷺ یہ اہم حکم لے کر رب العزت کے دربار سے واپس ہوئے واپسی میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے فریضۂ نماز سے متعلق کچھ نہیں فرمایا بعد ازاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا انہوں نے پوچھا کیا حکم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا بہت تجربہ کر چکا ہوں آپ کی امت ضعیف اور کمزور ہے وہ پچاس نمازوں کو انجام نہیں دے سکے گی آپ اپنے رب کے پاس (یعنی اس مقام کو جہاں یہ حکم ہوا تھا) واپس جایئے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کیجئے حضور ﷺ واپس گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر کے چالیس کر دیں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر واپسی میں موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے آگے بڑھ رہا تھا تو انہوں نے فرمایا کیا حکم ہوا میں نے کہا کہ چالیس نمازیں کر دیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کہا میں لوٹا تو دس اور کم کر کے تیس نمازیں کر دیں۔

الغرض بار بار تخفیف کے بعد جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہی مشورہ دیا کہ واپس جایئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجئے تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے بار بار درخواست کی اب میں اللہ تعالیٰ سے شرما گیا (گو پھر عرض کرنا ممکن تھا لیکن اب راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں) آپ موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دے کر آگے روانہ ہو گئے غیب سے ایک آواز دی گئی کہ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور ایک نیکی کے بدلے میں کم از کم دس نیکیوں کا ثواب دوں گا۔

دوسری روایت میں آیا ہے ”ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی“ کہ یہ پانچ ہیں برابر پچاس کے اور میرے یہاں بات نہیں بدلتی یعنی میرے علم میں اسی طرح متعین اور فیصلہ شدہ تھا کہ اصل فرض پانچ نمازیں ہیں اور پچاس سے پانچ تک بتدریج کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر اختیار کی گئی جیسے طبیب کے علاج میں ترتیب وتدریج حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور مریض اس کو اپنی نادانی کی وجہ سے تغیر وتبدل سمجھتا ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

غرض اللہ تعالیٰ کے ارشاد مذکور سے آپ اشارہ اس عدد کے مطلوب ومرضی خداوندی ہونے کا سمجھے اس بناء پر فرمایا ”قد استحییت من ربی عزوجل“۔

نسائی کی روایت میں دس دس کا کم ہونا آیا ہے اور مسلم کی روایت میں پانچ پانچ کا کم ہونا آیا ہے تو دس دس کم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دو بار میں یہ دس کی کمی ہوئی اب پانچ پانچ کے کم ہونے کی روایت سے اس کا تعارض نہیں بعض روایات میں ترتیب منازل انبیاء علیہم السلام کی اور طرح بھی آئی ہے چنانچہ تیسری روایت میں چوتھے آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور پانچویں پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر آیا ہے مگر صحیح وہی ہے جو پہلی روایت میں مذکور ہوا۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**)

آخری روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی اور وہ چھٹے آسمان پر ہے بظاہر احادیث سے سدرۃ المنتہیٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہی قول اکثر حضرات کا ہے۔

امام نوویؒ نے کہا کہ دونوں قسم کی روایات میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ جڑ اس کی چھٹے آسمان میں ہو اور شاخین ساتویں آسمان میں۔

اس کو سدرۃ المنتہیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کی وجہ حدیث کے اندر موجود ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''**والیها ینتهی ماعرج به الخ**'' زمین سے جو اعمال وغیرہ چڑھتے ہیں وہ اس تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں اور جو احکام اوپر سے آتے ہیں وہ اول اسی پر نزول کرتے ہیں اور وہاں سے نیچے عالم دنیا میں لائے جاتے ہیں اسی لئے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے اور سوائے نبی کریم ﷺ کے اس سے اوپر کوئی نہیں گیا ہے، بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ایسی رنگتوں نے چھالیا کہ معلوم نہیں وہ کیا تھیں اور نسائی میں ہے کہ وہ سونے کے پروانے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ ٹڈیاں تھیں سونے کی۔

بہر حال سدرۃ المنتہیٰ کے الوان کی نسبت فراش یا جراد کہنا بطور تشبیہ ہے ورنہ وہ فرشتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا ''**لاادری ما هیته**'' جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ معلوم نہیں وہ کیا تھے تو اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ اول مرحلہ میں معلوم نہ ہوا ہو، یا یہ فرمانا تعجب کے طور پر ہے کہ اس کے حسن تعبیر کا طریقہ نہیں معلوم کس طرح بیان کیا جاوے۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**)

باب این فرضت الصلوٰۃ

باب نماز کہاں فرض ہوئی

اخبرنا سليمان بن داؤد عن ابن وهب قال اخبرني عمرو ابن الحارث ان عبد ربه بن سعيد اخبره انَّ النُبَانِيَّ حدثه عن انس بن مالك ان الصلوات فرضت بمكة وان ملكين اتيار سول الله صلى الله عليه وسلم فذهبابه الى زمزم فشقا بطنه واخرجا حشوهٗ فى طست من ذهب فغسلاه بماء زمزم ثم كبسا جوفه حكمة وعلماً.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نمازیں مکہ میں فرض کی گئیں دو فرشتے جناب رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو بئر زمزم پر لے گئے اور پیٹ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر ایک سونے کے طشت میں رکھا اور اس کو زمزم کے پانی سے دھویا پھر آپ ﷺ کے قلب کو حکمت اور علم سے بھر دیا۔

تشریح: یہ روایت بہت مختصر ہے مفصل روایت پیچھے گذر چکی ہے اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز مکی زندگی میں فرض ہوئی اور جس کی فرضیت کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس مبارک ساعت میں دیا جب رسول اکرم ﷺ معراج کے تقرب خاص سے ممتاز ہوئے۔

معراج کے وقت سینہ مبارک اس لئے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات خداوندی اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور رب العزت کی مناجات اور اس کی بے چون وچگون کلام کا تحمل کر سکے۔

باب کیف فرضت الصلاۃ

باب نماز کس طرح فرض کی گئی

اخبرنا اسحق بن ابراھیم حدثنا سفیان عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت اول ما فرضت الصلوٰۃ رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر واتمت صلاۃ الحضر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نماز ابتداء میں دو دو رکعت فرض کی گئی تھی پھر سفر کی نماز اسی حالت پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی۔

اخبرنا محمد بن ھاشم البعلبکی قال حدثنا الولید قال اخبرنی ابو عمرو یعنی الاوزاعی انہ سأل الزھری عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قبل الھجرۃ الی المدینۃ قال اخبرنی عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت فرض اللہ الصلاۃ علی رسولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اول مافرضھا رکعتین ثم اتمت فی الحضر اربعاً واقرت صلاۃ السفر علی الفریضۃ الاولیٰ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر نے اپنے رسول ﷺ پر ابتداء میں نماز دو دو رکعت فرض کی پھر حضر میں پوری چار رکعت کر دی گئیں اور سفر کی نماز پہلے فریضہ پر قائم رکھی گئی۔

اخبرنا قتیبۃ عن مالک عن صالح بن کیسان عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت فرضت الصلاۃ رکعتین رکعتین فاقرت صلاۃ السفر وزید فی صلاۃ الحضر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نماز دو دو رکعت فرض کی گئی تھی پھر سفر کی نماز اسی پر قائم رہی اور حضر کی نماز بڑھادی گئی۔

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی وعبدالرحمن قالا حدثنا ابوعوانۃ عن بکیر بن الاخنس عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال فرضت الصلاۃ علی لسان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحضر اربعاً وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعۃ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی زبان پر نماز فرض کی گئی حضر (اقامت

کی حالت میں) چار اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت۔

اخبرنا یوسف بن سعید قال حدثنا حجاج بن محمد حدثنا محمد بن عبداللہ الشعیثی عن عبداللہ بن ابی بکر بن الحارث بن ہشام عن امیۃ بن عبداللہ بن خالد بن اسید انہ قال لابن عمر رضی اللہ عنہ کیف تقصر الصلوٰۃ وانما قال اللہ عزوجل لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ ان خفتم فقال ابن عمر یا ابن اخی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانا ونحن ضلال فعلمنا فکان فیما علمنا ان اللہ عزوجل امرنا ان نصلی رکعتین فی السفر. قال الشعیثی وکان الزہری یحدث بھذا الحدیث عن عبداللہ بن ابی بکر.

امیۃ بن عبداللہ بن خالد بن اسید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ نماز کم کر کے کیوں پڑھتے ہو حالانکہ اللہ بزرگ و برتر نے فرمایا کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کی رکعات کو کم کر دو (یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے بھتیجے! جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے بیشک اس وقت ہم گمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو احکام دین کی تعلیم دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جن چیزوں کی تعلیم دی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح :خشوع وخضوع سے لمبی نماز پڑھنے کے لئے اطمینان کا ماحول ضروری ہے مکہ میں مسلمانوں کو جو بے اطمینانی تھی اور جس طرح کافروں کے خوف سے چھپ چھپ کر وہ نماز پڑھتے تھے اس کے لحاظ سے اس وقت زیادہ رکعتوں والی نماز مناسب نہ تھی اس لئے مکہ مکرمہ میں ہر نماز صرف دو رکعتوں کی تھی جب مدینہ منورہ آ کر امن واطمینان نصیب ہوا تو ظہر وعصر اور عشاء میں چار چار رکعتیں کر دی گئیں لیکن مسافر کے لئے وہی دو رکعتیں برقرار رہیں، چنانچہ حدیث باب میں آیا ہے ''واقرت صلاۃ السفر علی الفریضۃ الاولیٰ'' کیونکہ اس کی عارضی تکلیف اور پریشان حالی باقی رہتی ہے جو اس تخفیف نماز کی علت تھی۔

باب کی حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ مقیم کے لئے چار رکعتیں ہیں مسافر کے لئے دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت اس سے واضح ہوا کہ اطمینان کی زیادتی اور کمی کی بناء پر ان رکعتوں کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی ہے مغرب اور صبح کی نماز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ حالت سفر واقامت دونوں میں یکساں ہیں مغرب کی تین رکعتوں کا آدھا ہونا ممکن نہیں ہے اور صبح میں خود دو رکعتیں ہیں ان میں کیا کمی ہو سکتی ہے لیکن مغرب اور صبح میں یہ دو اور تین رکعات کیوں ہیں اس کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ مغرب میں تین رکعتیں اس لئے ہیں کہ وہ دن کا وتر ہے اور فجر میں دو اس لئے کہ اس میں دو رکعتوں کے اضافہ کے بجائے قرأت طویل کر دی گئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد میں تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہے روایات میں آیا ہے کہ شریعت نے عین طلوع وغروب کے وقت نماز کی ممانعت کر دی اس لئے کہ یہ کفار (آفتاب پرستوں) کی عبادت کا وقت ہے اور مغرب کی نماز جلدی ہی

غروب آفتاب کے بعد ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ توحید والے آفتاب پرستی کے شرک سے پوری طرح نفرت اور بیزاری ظاہر کریں اسی لئے اس وقت کی نماز میں رکعتوں کی تعداد وہ رکھی گئی جس سے خدا کے واحد اور وتر ہونے کا ثبوت مل سکے یہ عدد واحد تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس سے خضوع اور خشوع اور تاثر کا مقصد فوت ہوتا ہے اور دو کا عدد بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ جوڑا ہے طاق نہیں اس بناء پر توحید کا رمز آشکار کرنے والا سب سے قریب ترین طاق عدد تین ہی ہے جس سے خدا کا واحد ہونا اور وتر ہونا دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

نیز نماز کے خشوع وخضوع کا کمال بھی فوت نہیں ہوتا جو ایک رکعت ہونے میں فوت ہو جاتا اس لئے مغرب میں رکعتوں کی تعداد تین رکھی گئی ہے اور چونکہ آفتاب کا کامل زوال وانحطاط جس کو غروب کہتے ہیں اسی وقت ہوتا ہے اس لئے توحید کے رمز کو اسی وقت آشکارا ہونا چاہئے اس مفہوم کی تشریح اس حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے وتر نماز کی تاکید فرمائی ہے''اوتروا یااھل القرآن فان الله وتر یحب الوتر ''اے قرآن والوں وتر (طاق) پڑھا کرو کیوں کہ خدا بھی وتر (طاق) ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔

صبح کا وقت وہ دلکش وقت ہے جب انسان پورے آرام وسکون کے بعد بیدار ہوتا ہے یہ بڑا سہانا وقت ہے طبیعت موزون ہوتی ہے اور اطمینان قلب ہوتا ہے اس لئے یہ وقت نماز ودعاء کے لئے خاص طرح سے موزون ہے اور قرآن کریم میں اس کے خاص امتیاز کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے''ان قرآن الفجر کان مشھوداً'' صبح کی نماز کی قرأت کا وقت حضوری کا ہوتا ہے اس بناء پر شریعت محمدیہ نے اس وقت کی نماز میں رکعتوں کی تعداد میں اضافے کے بجائے اس کی اصلی کیفیت کو پیش نظر رکھا یعنی رکعتیں دو ہی رہیں مگر حکم دیا گیا کہ قرأت لمبی کردی جائے اور سورتیں بڑی بڑی پڑھی جائیں چنانچہ خود جناب نبی کریم ﷺ اور نمازوں کی ایک رکعت میں تقریباً پندرہ آیتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے مگر صبح کی نماز میں ساٹھ آیات سے لے کر سو آیات تک قرأت کرتے تھے اور اسی نسبت سے رکوع وسجود بھی ہوتا تھا۔

الغرض پانچوں نمازوں کا فرض ہونا شب معراج میں ہوا مگر ان کی رکعتوں کی تعداد توقیفی ہے یعنی قیاس واجتہاد کو اس میں کچھ دخل نہیں بلکہ ہر ایک وقت کی رکعات سے واقف کرادیا گیا ہے اور ثبوت انکا قطعی اور معمول متواتر ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

آخری روایت میں آیا ہے کہ امیۃ بن عبداللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم بدون خوف کے نمازوں میں قصر کرتے ہو یعنی ظہر وعصر وعشاء کے فرض کو چار کی جگہ دو پڑھا کرتے ہو باوجودیکہ قرآن پاک میں رخصت خوف کے ساتھ مقید ہے اب تو کوئی خوف نہیں امن وامان کا دور ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ اعلم بالقرآن تھے یعنی آپ کو قرآن حکیم کا علم سب سے زیادہ حاصل تھا اور آپ نے اس آیت''لیس علیکم جناح الخ '' کی جو تشریح وتفسیر فرمائی ہے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے غرض یہ کہ سفر میں خوف نہ ہو تب بھی آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قصر پڑھا کرو اس لئے ہم چہارگانہ فرض نماز آدھی پڑھتے ہیں اور خوف کی قید جو آیت میں ہے وہ باعتبار اس حالت کے ہے جو نزول کے وقت تھی کہ وہ زمانہ

خوف وہ اس کا تھا پھر نبی کریم ﷺ کی تشریح وتفسیر سے عموم ثابت ہو گیا اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اور باب کے تحت روایت کردہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں ایک رکعت ہے لیکن یہ صورت اجماعاً متروک العمل ہے کیوں کہ صلوٰۃ خوف میں ایک رکعت ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

باب کم فرضت فی الیوم واللیلة

باب دن اور رات میں کتنی نمازیں فرض کی گئی ہیں

اخبرنا قتیبة عن مالک عن ابی سهیل عن ابیه انه سمع طلحة بن عبیدالله یقول جاء رجل الٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم من اهل نجد ثائر الرأس نسمع دوی صوته ولا نفهم ما یقول حتی دنا فاذا هو یسأل عن الاسلام فقال لهٗ رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس صلوات فی الیوم واللیلة قال هل علیَّ غیرهن قال لا الاّ ان تطوع قالٰ وصیام شهر رمضان قال هل علیَّ غیرهٗ قال لا الا ان تطوع وذکرلهٗ رسول الله صلی الله علیه وسلم الزکاة قال هل علیَّ غیرها قال لا الاان تطوع فادبر الرجل وهو یقول والله لاازید علٰی هذا ولا انقص منه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افلح ان صدق.

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص اہل نجد سے رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا سر کے بال پراگندہ تھے ہم اس کی گنگنی آواز سنتے تھے مگر نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہ شخص بالکل نزدیک ہوا رسول اکرم ﷺ کے پھر وہ اسلام کے احکام وفرائض پوچھتا تھا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں اس شخص نے کہا سوائے ان کے میرے اوپر اور کچھ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور ماہ رمضان کے روزے کی پابندی کرو اس شخص نے کہا کیا اس کے علاوہ میرے ذمہ اور کچھ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ بطور نفل رکھے تو رسول اکرم ﷺ نے اس کے واسطے زکوٰۃ کا ذکر کیا اس شخص نے کہا کیا اس کے علاوہ میرے اوپر اور کچھ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو بطور نفل صدقہ کرے راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب وہ شخص چلنے لگا تو یہ کہتا ہوا چل دیا کہ قسم ہے خدا کی نہ زیادہ کروں گا اس پر نہ کم کروں گا اس سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر سچا ہے۔

اخبرنا قتیبة حدثنا نوح بن قیس عن خالد بن قیس عن قتادة عن انس رضی اللہ عنہ قال سأل رجل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله کم افترض الله عزوجل علٰی عبادہٖ من الصلوات قال افترض الله علٰی عبادہٖ صلوات خمس قال یارسول الله هل قبلهن او بعد هن شیأ قال افترض الله علٰی عبادہٖ صلوات خمس فحلف الرجل لا یزید علیه شیئًا ولا ینقص منه شیئًا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان صدق لیدخلنَّ الجنة.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول اللہ بزرگ

وبرتر نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول کیا ان پانچوں نمازوں سے پہلے یا ان کے بعد کچھ اور بھی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں پھر اس شخص نے قسم کھائی کہ میں اس پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔

تشریح: باب کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نجد کا رہنے والا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا نجد عرب کے بلند حصہ کو کہتے ہیں اور نیچے کو تہامہ اور درمیانی کو حجاز کہتے ہیں یہ شخص کون ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

ابن بطال اور بعض دوسرے شارحین کا خیال ہے کہ ضمام بن ثعلبہ ہیں اور یہ اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے تھے لفظ ''دوی'' کے معنی ہیں گنگناہٹ ہلکی آواز۔

غرض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ کو سنتے تھے مگر ایک تو پست آواز دوسرے دور ہونے کی وجہ سے اس کی بات سمجھتے نہ تھے حتی کہ وہ قریب ہوا نبی کریم ﷺ کے پھر ہم نے سمجھا کہ وہ شرائع فرائض اسلام کے متعلق کچھ دریافت کر رہا ہے اسی لئے شہادتین کا ذکر نہیں فرمایا کیوں کہ سائل پہلے سے شہادتین کی خوبی سے متصف تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اس شخص نے کہا کہ کیا میرے ذمہ اس کے علاوہ کچھ اور ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یعنی ان پانچ نمازوں کے علاوہ تمہارے ذمہ کچھ اور واجب نہیں ''الا ان تطوع'' مگر یہ کہ تم اپنے طور پر نفل پڑھو تو الگ بات ہے جو تمہارے اختیار میں ہے یعنی ابتداء تمہارے اختیار میں ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے یعنی شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا تمہارے اوپر واجب ہے یا انتہاء کے اعتبار سے بھی تمہارے اختیار میں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اس لئے ان کے نزدیک شروع کی ہوئی نفل عبادت اگر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اس کی قضاء لازم نہیں ہے اور احناف کے یہاں قضاء ضروری ہے امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے ''ففرائض الصلوات خمس وما سواها تطوع'' یعنی وتر وغیرہ فرض نہیں سنت میں داخل ہیں مگر شوافع نے صریح طور پر لکھا ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے قول کو کہ وہ وجوب وتر کے قائل ہیں رد کر دیتی ہے۔

حنفیہ نے جواب دیا کہ وجوب وتر بعد کو ہوا ہوگا جیسے اور بہت سے احکام ہیں مثلاً صدقۃ الفطر کہ احناف کے نزدیک واجب ہے اور شوافع کے نزدیک فرض ہے مگر اس حدیث میں اس کا کب ذکر ہے ''فما هو جوابكم فهو جوابنا''۔

تو اس حدیث میں زکوٰۃ کا ذکر تو ہے اور اس کے علاوہ سب تطوع ہیں تو پھر صدقۃ الفطر کس میں داخل ہے شوافع کہتے ہیں کہ شاید اس وقت تک اس کا حکم نہیں آیا ہوگا یہی وتر کے متعلق ہم یہاں کہیں گے مگر درحقیقت اس جواب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے حکم دیا جاتا ہے مثلاً کوئی نو مسلم کہے کہ مجھے نماز سکھا دو تو ہم نے کہا کہ پانچ وقت نماز پڑھا کرو مگر ابھی اس کو تفصیل معلوم نہیں بعد میں بتلا دی جائے گی تو یہاں حضور اکرم ﷺ نے جو دن رات میں خمس صلوات فرمایا تو کیا اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی بعد میں تفصیل نہ بتلائی گئی ہوگی اس کو نماز کا پورا طریقہ بتلایا ہوگا مثلاً حضور ﷺ نے بتلایا ہوگا کہ

فجر کی دو رکعت ہیں اور وہ اس طرح پڑھی جاتی ہیں شرائط وآداب سب کی تعلیم دی ہوگی تو ایک نومسلم کو فرض، سنت، رکعات، رکوع، سجود اور تسبیح وغیرہ سب بتلا دینا پڑے گا مگر کہا یہی جائے گا کہ پانچ ہی نمازیں ہیں اب ہم کہتے ہیں کہ وتر اگر چہ من وجہ مستقل واجب ہے لیکن من وجہ صلوۃ خمسہ یا عشاء کے توابع میں سے ہے چنانچہ نہ اس کے لئے علیحدہ وقت ہے اور نہ اسکے لئے مستقل جماعت ہے سوائے رمضان کے اور نہ اس کے لئے اذان ہے جس طرح پانچ نمازوں کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں چنانچہ بعض محققین نے کہا کہ وتر پانچ نمازوں کو مکمل کرنے والا ہے۔

بہر حال حنفیہ وتر کو واجب کہنے کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ نمازیں پانچ ہیں نہ کہ چھ تو جس طرح بعض واجبات نماز کے اندر ہیں اسی طرح خارج میں بھی بعض واجبات ہیں جیسے بعض سنتیں خارج میں ہیں اور بعض داخل نماز جو خارج ہیں وہ مکمل ہیں جیسے صفوں کی درستگی ایسے ہی واجبات داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی تو اس بناء پر نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک ''خمس صلوات فی الیوم و اللیلة'' کے معنی یہ ہوں گے کہ لازم است بر تو نماز پنجگانہ یعنی تم پر پانچ وقت کی نمازیں لازم ہیں اس میں تمام سنن اور واجبات داخل ہیں اب تطوع سے مراد صرف صلوۃ نافلہ ہیں۔ (فتح الملھم)

تو اس توجیہ پر درحقیقت وتر اور سنن رواتب فرائض کے توابع ہیں اور صلوات خمسہ کے اندر داخل ہیں اور شب وروز کی پانچ نمازوں کے ذکر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کے روزے کا ذکر فرمایا اور زکوۃ کا ذکر فرمایا کہ یہ سب فرائض اسلام میں سے ہیں حج کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ شاید وہ شخص ان لوگوں میں سے نہ ہو جن پر حج واجب ہوتا ہے یا اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہوگا یا اس کا بیان بعض راویوں سے ساقط ہو گیا ہوگا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ جب اس شخص نے اپنے وطن کی طرف جانے کے لئے پیٹھ پھیری تو یہ کہتا ہوا چل دیا کہ خدا کی قسم میں اس پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کم یعنی تبلیغ میں کمی زیادتی نہ کروں گا یا نفسِ فرضیت میں کمی زیادتی نہ کروں گا کہ پانچ نمازوں کی جگہ چھ بنادوں یا چار کردوں یا کیفیات نماز میں کمی زیادتی نہ کروں گا یعنی بجائے چار فرض کے تین یا پانچ نہ پڑھوں گا اس پر نبی کریم ﷺ نے فلاح وکامیابی کی بشارت سنائی کہ یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر سچا ہے بعض روایات میں ''افلح و ابیه'' آیا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ قسم بغیر اللہ جائز نہیں ہے۔

تو اس کی کئی تاویلات کی گئی ہیں کسی نے کہا خصائص نبوی سے ہے۔ سوال ہوا کیوں خاص ہے زرقانی نے فرمایا کہ قسم بغیر اللہ کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے تا کہ تعظیم مفرط (حد سے زیادہ تعظیم) بغیر اللہ نہ ہو اور حضور اکرم ﷺ چونکہ اس میں تعظیم مفرط سے مامون ومحفوظ ہیں اس لئے آپ کے لئے جائز ہے بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ''و ربّ ابیه''۔

لیکن بہتر جواب وہ ہے جو فاضل روم حسن چلپی نے مطول کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قسمیں دو ہیں ایک لغوی اور ایک شرعی لغوی میں صیغۂ قسم ہوتا ہے مگر اس کے بولنے میں قسم کا ارادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ مقصود کلام کو مزین اور خوبصورت بنانا اور مضمون کلام کی تاکید ہے اور اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی ہے شرعی قسم وہ ہے جہاں تعظیم مقصود ہو اور وہ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بوجہ اس کے کمال عظمت کے اس لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی قسم کھا کر اس تعظیم مخصوص میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو

شریک نہ کیا جاوے تو یہاں '' افلح وابیہ '' دوسری قسم سے نہیں ہے پہلی قسم سے ہے یعنی صورت قسم کا ذکر صرف مضمون کلام کی تاکید اور اس کو مزین کرنے کے لئے ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے الغرض حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص کامیاب ہوگیا اگر سچا ہے یعنی دنیا میں بھی کامیاب ہے کہ اس کو خوشگوار اور پاکیزہ زندگی ملے گی اور آخرت میں بھی عذاب سے نجات پائیگا۔

(و اللہ تعالیٰ اعلم)

بعض محققین نے کہا کہ حدیث اول کے الفاظ '' ھل علیّ غیرھن '' کا مطلب یہ ہے کہ '' ھل علیّ غیر ھن من جنس ھذہ الاحکام '' قرینہ اس کا یہ ہے کہ جواب میں ارشاد ہوا '' لا الاان تطوع '' تو دوسرے احکام سے نہ تو سوال میں تعرض ہے اور نہ جواب میں نفی ورنہ دوسری نصوص کا ابطال لازم آئے گا۔

باب البیعة علی الصلوات الخمس

پانچ نمازوں کی پابندی پر بیعت کا بیان

اخبرنا عمرو بن منصور حدثنا ابو مسھر حدثنا سعید بن عبدالعزیز عن ربیعة بن یزید عن ابی ادریس الخولانی عن ابی مسلم الخولانی قال اخبرنی الحبیب الامین عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرددھا ثلث مرات فقدمنا ایدینا فبایعناہ فقلنا یارسول اللہ قد بایعناک فعلی ما قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا والصلوات الخمس واسرّ کلمة خفیة ان لا تسألو ا الناس شیئًا.

ابومسلم خولانی حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے ہو اس بات کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا پھر ہم نے اپنے ہاتھوں کو آپ کی طرف بڑھایا اور ہم نے آپ سے بیعت کی ہم نے کہا اے اللہ کے رسول بیشک ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سو کس چیز پر ہم نے آپ سے بیعت کی آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ان چیزوں پر بیعت کی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور پانچ نمازوں کی محافظت کرو اور ایک بات بھید کی بتلادی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔

تشریح: ان تعبدوا اللہ الخ: تعبدوا عبادت سے ماخوذ ہے اسلام میں عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

عبادت کے لفظی معنی اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار ہے اور شریعت کی اصطلاح میں خدائے بزرگ و برتر کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت کے نذرانہ کو پیش کرنا اور اس کے احکام کو بجالانا اسی لئے قرآن حکیم میں جگہ بجگہ عبادت کا مقابل لفظ استکبار اور غروراستعمال ہوا ہے اب اس پر '' والصلوات الخمس '' کا عطف خاص کا عطف عام پر ہونے کے باب سے ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہاں عبادت سے مراد توحید ہے کیوں کہ صلوات خمسہ کو اسی پر عطف کیا گیا ہے اور معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان مغائرت ضروری ہے لہٰذا عبادت سے توحید مراد ہے اور لفظ عبادت جس سے مراد توحید ہے وہ نبوت کو شامل ہے بدون نبوت کے توحید کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے توحید کے ذکر کے بعد نبوت کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اور یہاں عبادت سے توحید مراد ہونے کی تائید ارشاد مبارکہ ''ولا تشرکوا به شیئًا'' سے ہوتی ہے اور اس کی زیادتی نفی شرک کی تاکید کے لئے فرمائی ہے۔

بہر حال جو لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ان سے نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنے اور پانچوں نمازوں کی پابندی کرنے کا عہد لیا تھا اور راوی حدیث کہتے ہیں کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ایک بھید کی بات بھی ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ بلاضرورت حرص اور طمع کی غرض سے لوگوں کے پاس جو مال ومتاع وغیرہ ہیں اس میں سے کسی بھی چیز کا سوال ان سے نہ کرو یہ شریعت کی نظر میں بہت بری چیز ہے لیکن طلب دین اور احکام ومسائل کا سوال اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب المحافظة على الصلوات الخمس

پانچوں نمازوں کی محافظت کا بیان

اخبرنا قتيبة عن مالك عن يحيى بن سعيد عن محمد بن يحيى بن حبّان عن ابن محيريز ان رجلا من بنى كنانة يدعى المخدجى سمع رجلا بالشام يكنى ابا محمد يقول الوتر واجب قال المخدجى فرحت الى عبادة بن الصامت فاعترضت له وهو رائح الى المسجد فاخبرته بالذى قال ابومحمد فقال عبادة كذب ابو محمد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خمس صلوات كتبهن الله على العباد من جاء بهن لم يضيع منهن شيئًا استخفافًا بحقهن كان لهٗ عند الله عهد ان يدخلهٗ الجنة ومن لم يأت بهن فليس لهٗ عند الله عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة.

عبداللہ بن محیریز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بنی کنانہ سے جسے لوگ مخدجی کہتے تھے اس نے ملک شام میں ابو محمد انصاری سے کہتے سنا کہ وتر واجب ہے مخدجی نے کہا پھر میں عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کے سامنے آیا جبکہ وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے پس میں نے ان کو اس بات کی خبر دی جو ابو محمد نے بولی تھی عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو محمد نے غلط بات کہی میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں بندوں پر فرض کیں جو شخص ان کی پابندی کرے اور ان کے حق یعنی فرائض اور آداب وغیرہ میں سے کسی چیز کو ہلکا سمجھ کر ترک نہ کرے تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ لیا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریگا اور جس شخص نے ان پانچ نمازوں کی محافظت نہیں کی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد نہیں ہے اگر وہ چاہے تو اس شخص کو عذاب دیدے اور اگر چاہے اس کو جنت میں داخل کر دے۔

تشریح: اس حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص جس کی کنیت ابومحمد ہے اور اصل نام بعض نے مسعود بن اوس بن زید بن اصرم اور بعض نے مسعود بن زید بن سبیع بتایا اور بعض نے اس کا نام قیس بن عامر بن عبد بن حارث خولانی بتایا جو بنی حارث کے حلیف تھے۔

ابن سعدؒ نے کہا کہ اس کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا وہ کہتے تھے کہ وتر واجب ہے اس کو ایک اور آدمی نے جو بنی کنانہ سے تھا اور مخدجی سے مشہور تھا سن لیا مخدجی نے کہا کہ میں اس بات کی تحقیق وتصدیق کے لئے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو ابومحمد رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کی خبر دی حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابومحمد نے غلط بولا ہے ابومحمد کی رائے صحیح نہیں ہے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پانچ نمازیں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے الیٰ آخر الحدیث۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ نفی فرضیت کی دلیل ہے اور اس حدیث سے بے شک وتر کے فرض ہونے کی نفی ہوتی ہے مگر اس حدیث سے وجوب کی نفی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں تو وتر فرض نہیں واجب ہے جیسے دونوں عید کی نماز اور اسی وجہ سے اس کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے اور مثل عید کے وتر کے لئے اذان بھی نہیں ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے وتر کے واجب نہ ہونے پر ارشاد نبوی ''من جاء بھن الخ'' سے استدلال کیا ہو اس لئے کہ دخول جنت کو پانچ نمازوں کے ادا کرنے پر مرتب فرمایا اور اگر پانچ نمازوں کے علاوہ بھی کوئی اور نماز فرض ہوتی تو یہ جزاء مذکورہ پانچ نمازوں کے ادا کرنے پر ہرگز مرتب نہ فرماتے۔

الغرض فرضیت صرف پانچ وقت کی نمازوں پر منحصر ہے رہا کسی امر التزامی پر عمل کا واجب ہونا وہ بنظر احتیاط ہے اور حدیث کے الفاظ ''ومن لم یات بھن الخ'' سے معلوم ہوا کہ جو شخص غفلت اور سستی کی وجہ سے نماز چھوڑ دیتا ہے وہ ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مؤمن رہتا ہے اور ''عذب'' کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس تارک نماز کو بقدر اس کے گناہ کے عذاب دے گا اور ''ان شاء ادخلہ الجنۃ'' کے معنی یہ ہیں کہ اگر چاہے تو ابتداء ہی میں اپنی مغفرت اور بخشش سے جنت میں داخل کردے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فضل الصلوات الخمس

پانچ نمازوں کی فضیلت کا بیان

اخبرنا قتیبۃ حدثنا اللیث عن ابن الھاد عن محمد بن ابراھیم عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ارائیتم لو ان نھراً بباب احدکم یغتسل منہ کل یوم خمس مرات ھل یبقیٰ من درنہ شئی قالوا لا یبقیٰ من درنہ شئی قال فکذالک مثل الصلوات الخمس یمحوا اللہ بھن الخطایا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتاؤ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ بار نہاوے کیا اس کے میل کچیل سے کچھ باقی رہتا ہے صحابہ نے کہا کہ اس کے میل کچیل سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اسی طرح سمجھ لو حال پانچوں نمازوں کا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جس فضیلت کا وعدہ ہے وہ غیر اختیاری عمل پر نہیں رکھا بلکہ اختیاری عمل پر رکھا ہے اور وہ پانچوں وقت کی نماز اہتمام سے ادا کرنے کا عمل ہے اس کی اہمیت اور فضیلت کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی مثال کے ذریعہ بیان فرمایا ہے جس کی حقیقت کا کوئی بھی عقلمند شخص تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ انکار نہیں کر سکتا کہ روزانہ پانچ مرتبہ میٹھے پانی کی نہر میں نہانے والے کے بدن پر جس طرح کچھ میل کچیل باقی نہیں رہتا ہے اور صاف ستھرا ہو جاتا ہے اسی طرح جو لوگ پورے اہتمام سے پنجگانہ نمازوں پر دوام کرتے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نمازی بندوں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے پھر وہ گناہوں کے میل کچیل سے صاف ستھرے ہو جاتے ہیں اور اگر گناہ نہ ہوں تو اس صورت میں اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب الحکم فی تارک الصلوٰۃ

نماز چھوڑنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے اس کا بیان

اخبرنا الحسین بن حریث قال حدثنا الفضل بن موسیٰ عن الحسین بن واقد عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العہد الذی بیننا وبینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عہد ہمارے اور منافقوں کے درمیان ہے وہ نماز کا عہد ہے پس جس نے نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔

اخبرنا احمد بن حرب حدثنا محمد بن ربیعۃ عن ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بین العبد وبین الکفر الا ترک الصلوٰۃ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندۂ مسلم اور کفر کے درمیان فرق کر دینے والی کوئی چیز نہیں مگر ترک نماز۔

تشریح: قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ''بینہم'' کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ ہم نے منافقوں کو امن وامان کے ساتھ زندگی گذارنے کی جو آزادی دے رکھی ہے کہ ان کو قتل وغیرہ نہیں کرتے اور احکام اسلام ان پر جاری کرتے ہیں اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بوجہ نماز پڑھنے اور جماعت میں حاضر ہونے کے مسلمانوں کے

ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور صرف نماز ہی اس شان کی عبادت ہے جو علی الدوام مسلمان اور منافق کے درمیان تمیز کردیتی ہے اس لئے جس نے نماز چھوڑ دی وہ اور کافر برابر ہوا اب '' **فقد کفر** '' کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنے کفر کو ظاہر کردیا کیوں کہ منافق نفاق اعتقادی کے اعتبار سے کافر ہے اس لئے اس کے حق میں لفظ کفر استعمال نہیں کیا جاتا اور اس معنی مذکور کی تائید وتصدیق نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں '' **لما استؤذن فی قتل المنافقین الا انی نهیت عن القتل المصلین** ''۔

الغرض مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے اور ظاہری احکام کی تابعداری کے سبب منافقوں کو امن وامان کے ساتھ رہنے کی جو آزادی دے دی گئی تھی یہ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک وہ موجب امن کی پابندی کریں گے اور اگر انہوں نے نماز اور احکام ظاہرہ کی پابندی چھوڑ دی تو بلاشبہ اپنے کفر کو جو ایک امر باطنی ہے عملاً ظاہر کردینے سے وہ اور کافر برابر ہوئے لہٰذا اب قتل وغیرہ سے جو امن وامان کا استحقاق حاصل تھا وہ ان کو نہ رہا۔

بعض حضرات نے کہا کہ '' **بینهم** '' کی ضمیر عام لوگوں کی طرف راجع ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی خواہ وہ منافق ہوں یا غیر منافق سب کو شامل ہے اب مطلب یہ ہوگا جس طرح منافق کے نماز چھوڑ دینے کی وجہ سے اس کی اور کافر ومشرک کی حالت میں کوئی فرق نہیں رہا اسی طرح اگر مؤمن صادق بھی ہو مگر اس نے نماز چھوڑ دی تو ظاہری صورت میں یکساں ہونے کی وجہ سے اس کے اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا کیوں کہ قلبی یقین تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

غرض یہ ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان فرق نماز سے ہے اور جب نماز نہیں تو کچھ فرق نہیں رہا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باطن میں بھی کفر ہو بلکہ وہ اگر منافق تھا تو باطن میں بھی کافر ہے اور اگر مؤمن صادق تھا تو باطن میں ایمان ہے لیکن ظاہر میں فاسق ہے۔(**واللہ تعالیٰ اعلم**)

باب المحاسبة علی الصلاة

اس بیان میں کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا

اخبرنا ابو داؤد قال حدثنا هارون هو ابن اسماعیل الخزاز قال حدثنا همام عن قتادة عن الحسن عن حریث بن قبیصة قال قدمت المدینة قال قلت اللهم یسرلی جلیسا صالحًا فجلست الٰی ابی هریرة رضی الله عنه قال فقلت انی دعوت الله عزوجل ان یسرلی جلیسا صالحا فحدثنی بحدیث سمعتهٗ من رسول الله صلی الله علیه وسلم لعل الله ان ینفعنی به قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان اول ما یحاسب به العبد بصلاته فان صلحت فقد افلح وانجح وان فسدت فقد خاب وخسر قال همام لاادری هذا من کلام قتادة او من الروایة فان انتقص من فریضة شئی قال انظروا هل لعبدی من تطوع فیکمل به ما نقص من الفریضة ثم یکون سائر عمله علٰی نحو ذالک .خالفهٗ ابو

العوام.

حریث بن قبیصہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ پہنچا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ میرے لئے کوئی نیک دوست میسر فرمادے پھر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کوئی نیک ساتھی ملادے نے کی دعا کی تھی (اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کی زیارت نصیب کی) آپ مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس کو آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے شاید اس حدیث سے اللہ تعالیٰ مجھ کو فائدہ پہنچائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت میں سب سے پہلے بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نماز درست ہوئی تو بندہ کامیاب ہوا اور اگر اس کی نماز خراب نکلی (غیر صحیح یا غیر مقبول نماز) تو وہ ناکام ہوگا اور سخت نقصان اٹھائے گا پھر اگر اس کی فرض نماز میں سے کوئی چیز ناقص نکلی مثلاً فرض کا نقصان ہوا یا واجب کا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمادے گا کہ دیکھو کیا ہے میرے بندے کے لئے اس کے صحیفہ اعمال میں کچھ سنت یا نفل تو پوری کردی جائے گی اس سے وہ چیز جو کم ہوئی فرضوں میں سے پھر اس کے باقی عمل کا حساب بھی اسی طور پر ہوگا۔

اخبرنا ابوداؤد قال حدثنا شعیب یعنی ابن بیان بن زیاد بن میمون قال کتب علی بن المدینی عنه قال اخبرنا ابو العوام عن قتادة عن الحسن بن زیاد عن ابی رافع عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ان اول مایحاسب به العبد یوم القیامة صلاته فان وجدت تامة کتبت تامة وان کان انتقص منها شیء قال انظروا هل تجدون له من تطوع فیکمل له ماضیع من فریضته من تطوعه ثم سائر الاعمال تجری علی حسب ذالک.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک قیامت کے روز سب سے پہلے بندہ سے اس کی نماز کا حساب لیا جاوے گا اگر اس کی نماز کامل ہوگی تو کامل لکھی جائے گی اور اگر اس کی فرض نماز میں سے کوئی چیز ناقص ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو (اے فرشتو) کیا تم اس بندہ کی کچھ نفل نمازیں بھی (نامہ اعمال میں) پاتے ہو پھر اس کی نفلوں سے فرض نماز کی خرابی کو پورا کیا جائے گا پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔

اخبرنا اسحق بن ابراهیم حدثنا النضر بن شمیل حدثنا حماد بن سلمة عن الازرق بن قیس عن یحیی بن یعمر عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اول ما یحاسب به العبد صلاته فان کان اکملها والا قال الله عزوجل انظروا لعبدی من تطوع فان وجد له تطوع قال اکملوا به الفریضة.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر اس نے (اپنی زندگی میں) فرائض کا حق پورا ادا کیا تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو (اے فرشتو) کہ میرے بندے کی کچھ نفل نمازیں ہیں اگر اس کے لئے نوافل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے

گا کہ ان نفلوں سے فرض نماز کی کمی کو پورا کردو۔

تشریح: ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے اہم عمل نماز ہے اور ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر اس کی نماز حساب میں درست ہوگی تو اس کا پورا پورا فائدہ اس کو حاصل ہوگا کہ اس نماز کے سبب سے مغفرت ہو جائے گی اور نماز اس کو نجات دلا دے گی مگر نماز کے سبب مغفرت اور سبب نورانیت اور نجات بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نماز سنت کے مطابق خوب اچھی طرح ادا کی جائے نمازی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پائی جائے اور ظاہر و باطن سکون و عاجزی سے بھرا ہوا ہو تب اس کی نماز قیامت کے روز کامل اور حساب میں درست ہوگی اور اگر اس کی نماز حساب میں ناقص نکلی تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مشفقانہ معاملہ فرمائے گا قاعدہ تو چاہتا ہے کہ فرض نفل سے پورا نہ ہو اور جب پورا نہ ہو تو سزا دی جائے مگر سبحان اللہ کیا رحمت خداوندی ہے کہ اگر بندہ کی فرضی نماز حساب میں خراب نکلی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو اے فرشتو! کیا میرے بندہ کی کچھ نفل نمازیں بھی نامۂ اعمال میں ہیں اگر اس کی کچھ نفل نمازیں ہوں گی تو ان سے یعنی نوافل سے فرائض کی خرابی اور نقصان کو پورا کیا جائے گا پھر باقی فرائض کا اسی طرح حساب لیا جائے گا اور نوافل سے کمی پوری کردی جائے گی۔

مثلاً فرض روزے میں کچھ نقصان ہوا ہوگا تو نفل روزوں سے اس کو پورا کردیں گے اور اگر زکوٰۃ میں نقصان ہوا ہوگا تو اس کو نفلی صدقات وخیرات سے پورا کردیں گے اور اگر حج میں کوئی خامی وکمی ہوئی ہوگی تو نفلی حج یا عمرے سے پورا کردیں گے اور جس کے فرائض درست نہ ہوں گے اور نوافل بھی نہ ہوں گے تو اس کو عذاب دیا جائے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرما کر بخش دے تو یہ دوسری بات ہے۔

غرض یہ کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ فرض عبادتوں کے ساتھ جو نفل عبادتیں لگی ہوئی ہیں خواہ وہ فرضوں سے پہلے ہوں یا بعد کی سنتیں ہوں یا ان کے علاوہ نفلیں سب فرض نمازوں کے لئے مکمل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان نفلی عبادتوں سے اس ظاہری یا باطنی خرابی کو پورا کیا جائے گا جو فرض عبادت کے ادا کرنے میں نمازی سے واقع ہوئی ہو اس لئے نوافل سے بے توجہی اور بے پرواہی عقل سلیم اور دین کی نظر میں ناپسندیدہ عمل ہے اگرچہ اس دنیا میں مکار نفس کے مکر وفریب سے اپنی کوتاہی اور لاپرواہی کا احساس نہیں ہو رہا ہے لیکن جب بندہ آخرت میں احکم الحاکمین کی عدالت کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس سے نماز کا حساب لیا جاوے گا تو اس وقت سنتوں اور نفلوں سے بے پرواہی کا احساس ضرور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فرائض پر مداومت کے ساتھ ساتھ نوافل ادا کرنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔

باب کی پہلی حدیث کے اخیر میں ہے ''خالفہ ابو العوام'' ضمیر کا مرجع ہمام ہے جنہوں نے اپنے استاد قتادہ سے روایت کی ہے اور ابوالعوام نے بھی قتادہ سے روایت کی ہے مگر ابوالعوام کی مخالفت ہمام سے اس میں ہے کہ ہمام نے اس حدیث کو قتادہ سے وہ حسن سے وہ حریث بن قبیصہ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابوالعوام نے اپنے شریک ہمام کی طرح حریث بن قبیصہ سے نہیں بلکہ انہوں نے قتادہ سے وہ حسن سے وہ ابو رافع سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

کرتے ہیں۔تو اختلاف دونوں کے درمیان صرف حسن اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان والے راوی میں ہے۔

بہر حال یہ کوئی ایسی مخالفت نہیں جو صحت روایت میں نقصان دہ ہو۔

باب ثواب من اقام الصلوٰۃ

اس شخص کے بدلہ کا بیان جو اچھی طرح نماز کی پابندی کرتا ہے

اخبرنا محمد بن عثمان بن ابی صفوان الثقفی حدثنا بهز بن اسد حدثنا شعبة حدثنا محمد بن عثمان بن عبدالله و ابو ہ عثمان بن عبدالله انهما سمعا موسی بن طلحة يحدث عن ابی ايوب ان رجلا قال يارسول الله اخبرنی بعمل يدخلنی الجنة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعبد الله و لاتشرک به شيئاً وتقيم الصلوٰة وتؤتی الزكوٰة وتصل الرحم ذرها كانهٗ كان علی راحلته.

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھ کو جنت میں داخل کردے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز کی پابندی کر اور زکوۃ دیدیا کر اور اپنے رشتہ داروں سے نیکی کر اب اونٹنی کو چھوڑ دے شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کے جانور پر تھے۔

تشریح: **تعبداللہ**: لفظ تعبد بتقدیر ان مصدر کے معنی میں ہے اور چونکہ ان مذکور نہیں ہے محذوف ہے اس وجہ سے فعل کو مرفوع پڑھیں گے یا خبر ہے جو امر کے معنی میں ہیں اور عبادت سے توحید مراد ہے یعنی خلوص دل سے خدا کو ایک جاننا اور ایک ماننا اسی کو توحید کہتے ہیں اور جملہ'' **و لا تشرک به شيئا** '' اسی کی تائید کرتا ہے اور اسی مضمون توحید کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

پھر اقامت صلوٰۃ وغیرہ کا ذکر فرمایا اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ توحید ہی اصل الاصول ہے اور سارے اعمال کی مقبولیت کا دارومدار ہے اور توحید وہی معتبر ہے جو شرک کی تمام قسموں کی آمیزش سے پاک ہو بدون اس کے توحید کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ'' **و لا تشرک به شيئا** '' میں جس شرک کی نفی فرمائی ہے اس میں شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات وغیرہ سب ہی آجاتے ہیں۔

اور شرک شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ جو صفات خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ اس کے غیر میں ثابت کرے۔یا عبادت سے بدون تخصیص کے عام اطاعت مراد ہے اور جملہ'' **ولاتشرک به شيئا** '' کا مقصد اپنی نیت کی صفائی واخلاص اور ترک ریاء کا بیان ہے اس دوسری صورت میں ارشاد مبارک'' **وتقيم الصلوٰة الخ** ''تخصیص بعد التعمیم ہوگی۔

الغرض ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں کہ میں اس کی بدولت جنت میں داخل ہوسکوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز کی پابندی کرو'' **وتقيم الصلوٰة** '' فرمایا اقامت کے معنی صرف نماز پڑھنے کے نہیں ہیں بلکہ نماز کو ہر طریقہ سے درست کرنے کا نام اقامت ہے جس

میں نماز کے تمام لوازم یعنی فرائض واجبات وغیر لوازم یعنی مستحبات یہ سب اقامت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ نماز کی اس کے تمام فرائض، واجبات اور مستحبات کی رعایت کے ساتھ پابندی کرو اور زکوٰۃ دیدیا کرو اور باہم اقارب میں جو تعلقات ہیں ان کو نہ توڑو بس ان امور پر دوام والتزام سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے اب اونٹنی کو چھوڑ دو اس شخص نے سوال کے وقت حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی کو روک لیا تھا جس پر آپ ﷺ سوار تھے جواب دینے کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تمہارا مطالبہ پورا ہو گیا اب سواری کے جانور کو چھوڑ دو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب عدد صلاة الظهر فی الحضر

حضر کی حالت میں نماز ظہر کی تعداد کا بیان

اخبرنا قتيبة حدثنا سفيان عن ابن المنكدر وابرهيم بن ميسرة سمعا انساً رضی اللہ عنہ قال صليت مع النبی صلی الله عليه وسلم الظهر بالمدينة اربعا وبذی الحليفة العصر ركعتين.

ابن منکدر اور ابراہیم بن میسرہ دونوں نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے سفر کا بیان ہے کہ آپ نے جب حج کے لئے مکہ کا ارادہ فرمایا تو ظہر کی نماز مدینہ میں پوری پڑھی پھر جب روانہ ہو گئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچے تو نماز عصر کی دو رکعتیں پڑھیں دو رکعتیں پڑھنے کی وجہ یہ نہیں کہ ذوالحلیفہ جو مدینہ سے تین کوس پر ہے حد قصر ہے بلکہ دو رکعتیں عصر کی اس لئے پڑھیں کہ آپ ﷺ سفر حج کے ارادہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے کہ مسافر شرعی جب شہر کے مکانات سے نکلے تو قصر کرے اس سے معلوم ہوا کہ جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا رہے تب تک مسافر نہیں اور جو آبادی کے باہر ہو تو وہ وہاں پہنچ کر مسافر ہو جاوے گا۔

باب صلوٰة الظهر فی السفر

سفر میں نماز ظہر کا بیان

اخبرنا محمد بن المثنى ومحمد ابن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن الحكم بن عتيبة قال سمعت اباجحيفة قال خرج رسول الله صلی الله عليه وسلم بالهاجرة قال ابن المثنی الى البطحاء فتوضأ وصلى الظهر ركعتين والعصر ركعتين وبين يديه عنزة.

حکم بن عتیبہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جحیفہ سے سنا کہ رسول اکرم ﷺ دوپہر کے وقت نکلے اس حدیث کے راوی ابن المثنی نے کہا کہ دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف تشریف لے گئے پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور ظہر کی

دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں اور آپ کے سامنے برچھی گاڑ دی گئی تھی۔

تشریح : حدیث کی دلالت مقصود پر ظاہر ہے کہ سفر کی حالت میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم ہے چنانچہ بطحاء جس کو ابطح بھی کہتے ہیں منا کے راستے میں مکہ مکرمہ کے نزدیک ایک وادی کا نام ہے جب نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں اور اس موقع پر آپ کے سامنے برچھی گاڑ دی گئی تا کہ اس کے سبب سے سجدہ کی جگہ کا امتیاز ہو جائے اور اس کے آگے سے گذرنے والا گناہ گار نہ ہو اور سترہ صرف نبی کریم ﷺ کے سامنے گاڑ دیا گیا تھا ہر ایک مقتدی کے سامنے نہیں جس سے معلوم ہوا کہ اگر امام کے آگے سترہ ہو تو مقتدی کے آگے سے گذرنا جائز ہے اگر چہ ان کے آگے کوئی چیز حائل نہ ہو کیوں کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

باب فضل صلوٰۃ العصر

نماز عصر کی فضیلت کا بیان

اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع حدثنا مسعر و ابن ابی خالد و البختری بن ابی البختری کلھم سمعوہ من ابی بکر بن عمارۃ بن رویبۃ الثقفی عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لن یلج النار من صلی قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا.

ابو بکر اپنے والد عمارۃ بن رویبہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ وہ شخص دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہو گا جس نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھی۔

تشریح :طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز سے مراد نماز عصر ہے ان دونوں کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے خاص طور پر تاکید کے ساتھ ان کی فضیلت نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ جس شخص نے عصر اور فجر کی نماز پر مداومت کی اس کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی اور تاکید کے ساتھ اس لئے بیان فرمائی تا کہ لوگ ان دونوں نمازوں کا خوب اچھی طرح اہتمام کریں اور ضائع نہ ہونے دیں ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ دنیا کے عارضی اور فانی مفادات اور درجات کے لئے لوگ بڑی بڑی کوشش اور محنت کرتے ہیں اور ان کے حصول میں تمام وسائل اختیار کرتے ہیں اور اپنی مصروفیات کی وجہ سے اوقات نکالتے ہیں مگر لوگوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ اپنی جہالت اور غفلت کی وجہ سے ان دونوں عظیم الشان نمازوں کے ادا کرنے تک چند منٹ بھی لگانے کی ہمت اور کوشش نہیں کرتے ہیں بلکہ دنیا کے مال ومتاع اور ایک ایک کوڑی کی محبت نے ان کو اپنے مقصد زندگی سے اس طرح غافل کر دیا ہے کہ عصر کے وقت خرید وفروخت لین دین اور کاروباری امور میں حد سے زیادہ مشغول رہنے اور صبح کے وقت خواب غفلت اور گہری نیند میں پڑے رہنے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی دونوں نمازیں قضا ہو جاتی ہیں یا کم از کم جماعت فوت ہو جاتی ہے اس لئے مخبر صادق نبی کریم ﷺ نے ان دونوں نمازوں

کی مداومت پر جس عظیم فضیلت اور بشارت کی خبر دی ہے اس سے محروم رہ جاتے ہیں یہ اتنا بڑا خسارہ ہے جس کی کوئی حد نہیں اس کا احساس آخرت میں ہوگا اور وہاں کف افسوس ملتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں نمازوں کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باب المحافظة علیٰ صلوٰة العصر

نمازعصر کی محافظت (مداومت) کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن زید بن اسلم عن القعقاع بن حکیم عن ابی یونس مولیٰ عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم قال امرتنی عائشة ان اکتب لها مصحفاً فقالت اذا بلغت هذه الآیة فآذنی حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطیٰ فلما بلغتها آذنتها فاملت علیّ حافظوا علی الصلوات والصلاة الوسطی وصلاة العصر وقوموا للہ قانتین ثم قالت سمعتها من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم.

نبی کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کیا ہوا غلام ابی یونس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ کو ان کے لئے مصحف (قرآن مجید) لکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب تم آیت ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی﴾ پر پہنچو تو مجھے بتلا دینا جب میں اس آیت پر پہنچا تو ان کو اطلاع دیدی تو انہوں نے مجھ سے لکھوایا ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی وصلاة العصر وقوموا للہ قانتین﴾ پھر کہا کہ اس کو میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلیٰ حدثنا خالد حدثنا شعبة قال اخبرنی قتادة عن ابی حسّان عن عبیدة عن علی رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال شغلونا عن الصلاة الوسطیٰ حتی غربت الشمس.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ باز رکھا ہم کو مشرکین نے صلاۃ وسطیٰ (نماز عصر) سے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

تشریح: پہلی حدیث میں آیا ہے ''حافظوا علی الصلوات الخ'' صلوات میں صلاۃ وسطیٰ داخل ہے پھر اس کا ذکر مزید اہتمام کی غرض سے ہے پھر وصلاۃ العصر کا عطف صلاۃ الوسطیٰ پر کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے لہٰذا نماز عصر مغائیر ہوگی نماز وسطیٰ کے حالانکہ یہ اس حدیث مرفوع کے خلاف ہے جو آگے آرہی ہے البتہ اگر عطف کو تفسیر کے لئے مانا جائے تو پھر صحیح ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وصلاۃ العصر تفسیر ہے والصلاۃ الوسطیٰ کی۔

نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں ''وصلاة العصر'' فرمایا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو آیت کا حصہ سمجھ لیا یا

شروع میں آیت کا جزء تھا پھر منسوخ ہوگیا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیال میں اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی، باقی ہے اس لئے انہوں نے اپنے غلام ابویونس سے لکھوایا۔ **حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطیٰ وصلاۃ العصر الخ**۔

(**واللہ تعالیٰ اعلم کذا قال علامۃ السندھی**)۔

بہرحال قرآن اور احادیث میں ساری نمازوں خاص طور پر نماز عصر اور فجر کی محافظت یعنی اس کے وقت مستحب میں باجماعت پابندی سے ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور بلاعذر ومجبوری جس نے عصر کی نماز کو آفتاب کے زرد ہونے تک مؤخر کیا اس کی نماز کو منافق کی نماز سے مشابہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اس کا بیان ایک حدیث میں آتا ہے اس سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے یوں کبھی کسی عذر ومجبوری کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو تو وہ دوسری بات ہے مگر جلد از جلد اس کی قضا کر لینی چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بلا تاخیر ان چاروں نمازوں کی قضا فرمائی جو غزوۂ خندق کے دن بسبب مشرکین مکہ کی یلغار اور تیر اندازی کے فوت ہوئیں اور ان میں عصر کی نماز بھی تھی تو آپ نے اس کی زیادہ اہمیت اور عظیم الشان ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ''**شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ الخ**'' دیکھو ان بد دماغ مشرکوں نے ایسی عظیم الشان نماز عصر سے ہم کو باز رکھا ہے جس کی محافظت کا خاص طور سے اللہ نے حکم دیا ہے۔

باب من ترک صلاۃ العصر

باب جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی

اخبرنا عبیداللہ بن سعید حدثنا یحیی عن ھشام قال حدثنی یحیی بن ابی کثیر عن ابی قلابۃ قال حدثنی ابو الملیح قال کنا مع بریدۃ فی یوم ذی غیم فقال بکروا بالصلوٰۃ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک صلوٰۃ العصر فقد حبط عملہ.

ابی قلابہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابوالملیح نے یہ حدیث بیان کی کہ ہم بادل والے دن میں بریدہ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ نماز کو جلدی سے پڑھ لیا کرو اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل باطل ہوگئے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز عصر کے چھوڑنے پر حبط عمل کا اطلاق کیا گیا ہے سوال یہ ہے کہ کیا نماز عصر کے چھوڑنے سے فی الواقع دوسرے اعمال باطل ہوجاتے ہیں یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک کبائر (بڑے گناہ) اعمال کو باطل کر دیتے ہیں یہ مسلک اہل سنت کا نہیں۔

اہل سنت حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ دیدہ ودانستہ نماز عصر چھوڑنے سے عمل باطل ہوجانے کا قول از راہ تہدید وتشدید فرمایا اس کے حقیقی معنی مراد نہیں یعنی قصداً عصر کی نماز کا چھوڑ دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس پر ''**فقد حبط عملہ**'' فرمایا گیا ہے گویہ اس ارتداد کی طرح نہیں جس سے عمل باطل ہوجاتے ہیں مگر حبط کے ساتھ تعبیر بھی بہت بڑا گناہ ہونے کا پتہ دیتی ہے گو وہ

موجب حبط عمل نہ ہو۔

بہر حال اہل سنت کے نزدیک کبائر موجب حبط عمل نہیں ہوتے اس لئے یہاں حبط عمل سے اسکے معنی حقیقی مراد نہیں ہے کیوں کہ معنی حقیقی مراد لینے کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز عصر کے چھوڑ دینے سے حقیقت میں سب عمل باطل ہو گئے جس کے اہل سنت قائل نہیں بلکہ حدیث میں حبط عمل سے مراد یہ ہے کہ اس دن کے عمل کا وصف کمال باطل ہوا اور دیگر عملوں میں نقصان عظیم آ گیا۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب عدد صلاة العصر فی الحضر

حضر میں نماز عصر کی تعداد کا بیان

اخبرنا یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا هشیم قال اخبرنا منصور بن زاذان عن الولید بن مسلم عن ابی الصدیق الناجی عن ابی سعید الخدری قال کنا نحزر قیام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الظهر والعصر فحزرنا قیامه فی الظهر قدر ثلاثین آیة قدر سورة السجدة فی الرکعتین الاولیین وفی الاخریین علی النصف من ذالک وحزرنا قیامهٔ فی الرکعتین الاولیین من العصر علی قدر الاخریین من الظهر وحزر نا قیامه فی الرکعتین الاخریین من العصر علی النصف من ذالک.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ظہر اور عصر میں رسول اکرم ﷺ کے قیام کا اندازہ کیا کرتے تھے ہم نے اندازہ کیا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں اس قدر قیام فرماتے ہیں جس میں سورۂ سجدہ کے برابر تیس آیت پڑھی جا سکتی ہے اور آخیر کی دو رکعتوں میں اس سے آدھی مقدار کا قیام ہوتا تھا اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں عصر کی پہلی رکعتوں کی نصف مقدار کے برابر قیام فرماتے۔

اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبدالله بن المبارک عن ابی عوانة عن منصور بن زاذان عن الولید ابی بشر عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقوم فی الظهر فیقرأ قدر ثلاثین آیة فی کل رکعة ثم یقوم فی العصرفی الرکعتین الاولیین قدر خمس عشرة آیة.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ظہر کی نماز کی ہر رکعت میں تقریباً تیس آیت پڑھتے تھے اور عصر کی پہلی دو رکعت میں تقریباً پندرہ آیت پڑھتے تھے۔

تشریح :نماز میں نبی کریم ﷺ کا قیام بہت طویل ہوتا تھا اگر چہ بہ نسبت فجر کے ظہر اور عصر میں تخفیف فرماتے تھے تاہم شروع کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورت پڑھتے کہ آدمی بقیع (اہل مدینہ کا قبرستان) تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں شامل ہو جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ ہم نے انداز ہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ ﷺ اس قدر قیام فرماتے جس میں الم تنزیل السجدہ کے برابر سورت پڑھی جا سکتی ہے اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف ہو جاتی تھی اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں قیام پہلی رکعتوں کی نسبت سے نصف مقدار رہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی سے مختصر ظہر کی آخری دو رکعتوں میں بھی سورت پڑھتے تھے۔

امام شافعیؒ کا قول جدید اسی کے موافق ہے لیکن فتویٰ قول قدیم پر ہے اور وہ موافق ہے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے کہ آخیر کی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ پر اکتفا کرنا سنت ہے لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا فعل مذکور بیان جواز پر محمول کیا جاوے گا یعنی کبھی کبھی اسی طرح پڑھتے تھے تا کہ لوگوں کو اس کا جواز معلوم ہو جائے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب صلاة العصر فی السفر

سفر میں نمازِ عصر کا بیان

اخبرنا قتيبة حدثنا حماد عن ايوب عن ابی قلابة عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان النبی صلی الله عليه وسلم صلى الظهر بالمدينة اربعاً وصلى العصر بذی الحليفة ركعتين .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذی الحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

اخبرنا سويد بن نصر قال اخبرنا عبدالله بن المبارك عن حيوة بن شريح قال حدثنا جعفر بن ربيعة ان عراك بن مالك حدثه ان نوفل بن معاوية حدثهٗ انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من فاتته صلاة العصر فكانما وتر اهلهٗ وماله قال عراك واخبرنی عبدالله بن عمر انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من فاتته صلاة العصر فكانما وتر اهلهٗ ومالهٗ خالفهٗ يزيد بن ابی حبيب .

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا کہ جس شخص سے عصر کی نماز فوت ہو جائے پس گویا اس کے اہل وعیال اور مال لوٹے گئے عراک کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا کہ جس شخص سے عصر کی نماز فوت ہو جائے پس گویا اس کے گھر والے اور مال لوٹے گئے۔

اخبرنا عيسى بن حماد زُغبةُ حدثنا الليث عن يزيد بن ابی حبيب عن عراك بن مالك انهٗ بلغهٗ ان نوفل بن معاوية قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من الصلوٰة صلاة من فاتته فكانما وتر اهله ومالهٗ قال ابن عمر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هی صلاة العصر .خالفه محمد

بن اسحق.

عراک بن مالک ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے نوفل بن معاویہ سے یہ حدیث پہنچی کہ نوفل بن معاویہ ﷺ نے کہا میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ نمازوں میں سے ایک نماز ایسی ہے کہ وہ جس سے فوت ہو جائے پس گویا کہ اس کے اہل وعیال اور مال لوٹے گئے ابن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا کہ وہ عصر کی نماز ہے۔

اخبرنا عبیداللہ بن سعد بن ابراهیم بن سعد قال حدثنی عمی قال حدثنی ابی عن محمد بن اسحق قال حدثنی یزید ابن ابی حبیب عن عراک بن مالک قال سمعت نوفل بن معاویة یقول صلاة من فاتته فکانما وتر اهله ومالهٗ قال ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هی صلاة العصر.

عراک بن مالک سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نوفل بن معاویہ ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک نماز ایسی ہے کہ جس شخص سے وہ فوت ہو جائے تو گویا اس کے گھر والے اور اس کا مال سب لوٹے گئے ابن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عصر کی نماز ہے۔

تشریح: باب کی پہلی حدیث کی تشریح ''**باب عدد صلاة الظهر فی الحضر**'' کے تحت گذر چکی ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص سے عصر کی نماز فوت ہو جائے وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر والے اور مال ودولت چھین لیا گیا ہو یعنی نماز عصر کا ضائع کرنا انجام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے کہ گویا اس کے گھر والے اور مال ودولت چھین لیا گیا ہو اور سب کچھ لوٹ لیا گیا اور وہ اکیلا دیکھتا کھڑا رہ گیا ہو تو جتنا گھاٹا اور نقصان اس حالت میں ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عصر کی نماز کے چھوڑنے میں ہے یا جتنا رنج وغم اور صدمہ اس حالت میں ہوتا ہے اتنا ہی نماز عصر کے چھوڑنے میں ہونا چاہئے۔

اگر ایک شخص سے کوئی معتبر آدمی کہہ دے کہ بھائی فلاں راستہ خطرناک ہے جو شخص اس راستہ سے جاتا ہے ڈاکو اس کو قتل کر دیتے ہیں اور مال لوٹ لیتے ہیں تو کون بہادر ہے کہ رات کو اس راستہ سے گذرے بلکہ رات تو درکنار دن کو بھی مشکل سے اس راستہ کو چلے گا مگر ہماری بے توجہی اور لاپرواہی کا یہ حال ہے کہ ہم صادق ومصدوق رسول پاک ﷺ کا ارشاد مذکور کو شب وروز سنتے ہیں اس کے باوجود اس کا اثر ہم پر کس حد تک ہے ہر آدمی کو معلوم ہے۔

دوسری حدیث کے اخیر میں عبارت ''**خالفه یزید بن ابی حبیب**'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جعفر بن ربیعہ نے اس حدیث کو عراک بن مالک سے روایت کیا ہے اسی طرح یزید بن ابی حبیب نے بھی روایت کیا ہے مگر یزید نے سند اور متن دونوں میں جعفر کی مخالفت کی ہے چنانچہ جعفر کی روایت میں ہے ''**ان نوفل بن معاویة حدثه**'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عراک کا سماع نوفل سے ثابت ہے کیوں کہ لفظ تحدیث سماع پر دلالت کرتا ہے اور یزید کی روایت میں ہے ''**عن عراک بن مالک انه بلغه ان نوفل بن معاویة قال**'' جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور

عراک بن مالک نے اس کو بذات خود نہیں سنا بلکہ بواسطہ سنا ہے کیوں کہ لفظ بلاغ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ شاید یہ حدیث عراک کو پہلے بواسطہ پہونچی ہو پھر بذات خود نوفل بن معاویہ سے سنی ہو۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

اور متن میں مخالفت یہ ہے کہ جعفر کی روایت میں ''**من فاتته صلوٰة العصر**'' کے الفاظ ہیں اور یزید کی روایت میں ''**من الصلواة صلوٰة من فاتته**'' کے الفاظ ہیں اس کی تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ نوفل نے اس حدیث کو دونوں لفظوں کے ساتھ سنا ہے اس لئے کبھی ایک لفظ سے روایت کرتے ہیں اور کبھی دوسرے لفظ سے۔ **(واللہ اعلم)**

خالفه محمد بن اسحق : خالفہ کی ضمیر راجع ہے لیث کی طرف جو محمد بن اسحٰق کے ساتھی ہیں اپنے استاد یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے میں اور جس مخالفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سند اور متن دونوں میں ہے سند میں مخالفت اس طرح ہے کہ ابن اسحٰق کی روایت میں ''**سمعت نوفل بن معاوية**'' ہے اور لیث نے ''**عن عراک بن مالک انه بلغه ان نوفل بن معاوية الخ**'' کہا۔

اور متن میں اس طرح ہے کہ ابن اسحٰق نے حدیث کو نوفل پر موقوف رکھا اور لیث نے مرفوع کیا۔ لیکن یہاں بھی تطبیق ممکن ہے کہ نوفل بن معاویہ نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے سنا اس لئے اس کو بطریق مرفوع بیان کرتے تھے اور بعض اوقات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ وہ موقوفاً روایت کرتے تھے۔ **(واللہ اعلم)**

باب صلاة المغرب

مغرب کی نماز کا بیان

اخبرنا محمد بن عبدالاعلیٰ قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن سلمة بن کهیل قال رأیت سعید بن جبیر بجمع اقام فصلی المغرب ثلٰث رکعات ثم اقام فصلی یعنی العشاء رکعتین ثم ذکر ان ابن عمر صنع بهم مثل ذالک فی ذالک المکان وذکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صنع مثل ذالک فی ذالک المکان.

سلمہ بن کہیل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر کو دیکھا کہ مزدلفہ میں نماز مغرب کے لئے اقامت کہی پھر تین رکعتیں مغرب کی پڑھیں پھر اقامت کہی اور عشاء کی دو رکعت پڑھی پھر فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ اس مکان میں اسی طرح نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مکان میں اسی طرح نماز ادا فرمائی۔

تشریح : لفظ جمع جیم کے زبر اور میم کے سکون کے ساتھ ہے مزدلفہ کا دوسرا نام ہے وہاں دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا جاتا ہے اس لئے اس وسیع میدان کو جو پہاڑ کے دامن میں ہے جمع بھی کہہ دیتے ہیں جب نبی کریم ﷺ مزدلفہ تشریف لائے تو لوگوں کو دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھائیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک اقامت سے پڑھائیں یا دو اقامت سے اس بارے میں روایات مختلف ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اقامت سے پڑھائیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے دو اقامت سے اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا اور اسی کو شیخ ابن ہمامؒ نے ترجیح دی ہے کیوں کہ اسکی تصریح صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ اور صحیح بخاری کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں آئی ہے، تفصیل کتاب الحج میں انشاء اللہ آئے گی۔

باب فضل صلاة العشاء

نمازعشاء کی فضیلت کا بیان

اخبرنا نصر بن علی بن نصر عن عبدالاعلیٰ قال حدثنا معمر عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت اعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعشاء حتى ناداه عمر رضی الله عنه نام النساء والصبيان فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انهٗ ليس احد يصلى هذهٖ الصلاة غيركم ولم يكن يومئذٍ احد يصلى غير اهل المدينة .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ عشاء کی نماز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر لگائی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پکارا کہ عورتیں اور بچے سوگئے پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور فرمایا کہ سوائے تمہارے کوئی اس نماز عشاء کو نہیں پڑھتا اور اس وقت اہل مدینہ کے سواء کوئی اس نماز کو نہیں پڑھتا تھا۔

تشریح : ارشاد مبارک ''انه ليس احد يصلى هذهٖ الصلاة غيركم '' کا مطلب یہ ہے کہ سوائے تمہارے دوسرے اہل دین یعنی یہود ونصاریٰ میں سے کوئی بھی نہ اس نماز عشاء کو پڑھتا ہے اور نہ اس کا انتظار کرتا ہے یہ نماز صرف اس امت مرحومہ کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا جتنا انتظار زیادہ کروگے ثواب زیادہ پاؤگے کیوں کہ یہ آرام کا وقت ہے اس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔

بہرحال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر عشاء کو پسند کرتے تھے اس لئے یہ حدیث شافعیہ پر حجت ہے جو اول وقت شروع کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

باب صلاة العشاء فی السفر

سفر میں عشاء کی نماز کا بیان

اخبرنا عمرو بن يزيد قال حدثنا بهز بن اسد قال حدثنا شعبة قال اخبرنى الحكم قال صلى بنا سعيد بن جبير بجمع المغرب ثلاثا باقامة ثم سلَّم ثم صلى العشاء ركعتين ثم ذكر ان عبدالله بن عمر فعل ذالك وذكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل ذالك .

حکم نے کہا کہ ہم کو سعید بن جبیر نے مزدلفہ میں ایک اقامت سے مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا پھر عشاء

کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح نماز ادا فرمائی تھی۔

اخبرنا عمرو بن یزید حدثنا بهز بن اسد حدثنا شعبة حدثنا سلمة بن كهيل قال سمعت سعيد بن جبير قال رأيت عبدالله بن عمر صلى بجمع فاقام فصلى المغرب ثلاثا ثم صلى العشاء ركعتين ثم قال هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع في هذا المكان .

سعید بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں نماز پڑھی کہ پہلے اقامت کہی پھر مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھی پھر کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مکان میں ایسا ہی کرتے دیکھا۔

تشریح : حدیث کی دلالت مقصد باب پر واضح ہے اور چونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی اتباعِ سنت کے قصد سے اسی طرح پڑھتے تھے۔

باب فضل صلاة الجماعة

باجماعت نماز کی فضیلت کا بیان

اخبرنا قتيبة عن مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يتعا قبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار ويجتمعون في صلاة الفجر وصلاة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم وهو اعلم بهم كيف تركتم عبادى فيقولون تركناهم وهم يصلون واتينا هم وهم يصلون.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس فرشتے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں وہ فرشتے جو تمہارے ساتھ رہے تھے ان کا رب ان سے پوچھتا ہے (بندوں کے اعمال کے بارے میں) حالانکہ وہ بندوں کے احوال خوب جانتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا فرشتے کہتے ہیں ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھتے تھے اور ہم ان کے پاس گئے اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔

اخبرنا كثير بن عبيد حدثنا محمد بن حرب عن الزبيدى عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تفضل صلاة الجمع على صلاة احدكم وحده بخمسة وعشرين جزءً ا ويجتمع ملائكة الليل والنهار فى صلاة الفجر واقرؤا ان شئتم وقرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهوداً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس

درجہ بڑھ جاتی ہے اور دن اور رات کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں اور پڑھو اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو" وقــرآن الفجر الخ "اور صبح کی نماز بھی ادا کیجئے بیشک صبح کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔

اخبرنا عمرو ابن علي ويعقوب بن ابراهيم قالا حدثنا يحيى بن سعيد عن اسماعيل قال حدثني ابوبكر بن عمارة بن رويبة عن ابيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يلج النار احد صلى قبل طلوع الشمس وقبل ان تغرب.

حضرت عمارة بن رويبة ﷛ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا ہرگز داخل نہیں ہوگا آگ میں وہ شخص جس نے نماز پڑھی آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے۔

تشریح: حدیث باب میں آیا ہے کہ عصر اور فجر کے وقت ان فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے جو انسان پر حفاظت یا اعمال لکھنے کے لئے مقرر ہیں صبح کی نماز میں فرشتوں کی دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں ایک تو وہ جو رات کو تمہارے ساتھ رہے تھے اور ایک وہ جو دن کے اعمال لکھنے کے لئے آتے ہیں اسی طرح عصر میں جمع ہوتے ہیں وہ کہ دن کو رہے تھے اور وہ کہ رات کے عمل لکھنے کے لئے یا حفاظت کے لئے آتے ہیں، پھر رات کے وقت جو تمہاری حفاظت یا اعمال لکھنے کے لئے رہے تھے وہ صبح کی نماز کے بعد جاتے ہیں اور دن کے عصر کے بعد جاتے ہیں تو جب جاتے ہیں اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے (حالانکہ اس کو ظاہر و پوشیدہ سب کاموں کا خوب علم ہے) میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھتے تھے اور ہم ان کے پاس اس حال میں گئے کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔

بہر حال فرشتوں نے بندوں کے جن اعمال کی خبر دی اللہ تعالیٰ کو ان کا پہلے ہی سے خوب اچھی طرح علم ہے لیکن چونکہ فرشتوں نے اعتراض کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کرنا چاہا تھا کہ ایسے لوگوں کو تو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خونریزیاں کریں گے اور زمین میں فساد کریں گے اور اپنی تعریف کی تھی کہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں اس لئے اپنے بندوں کی فضیلت اور کمال علمی کو فرشتوں کے سامنے ظاہر کرنے کے لئے پوچھتا ہے کہ "کیف ترکتم عبادی الخ" کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا فرشتے کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھتے تھے اور ہم ان کے پاس گئے اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو پچیس درجہ فضیلت ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ستائیس درجہ فضیلت ہے تو اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز کو فاسد نہیں فرمایا ہاں باجماعت نماز کی فضیلت بیان فرمائی غور کرنے کی بات ہے کہ اگر کسی کو ایک کے پچیس یا ستائیس روپے ملتے ہوں تو کیا وہ اس منافع کو چھوڑ دے گا ہرگز نہیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ توحید اور ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت نماز باجماعت کے اتنے بڑے منافع سے غفلت اور بے توجہی کی جاتی ہے اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارے قلوب میں نماز کی عظمت اور وقعت نہیں اگر عظمت اور قدر ہوتی تو کبھی اس کی اتنی بڑی فضیلت سے غافل نہ ہوتے بلکہ مسابقت کرتے۔

باب فرض القبلة

قبلہ کی فرضیت کا بیان

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا يحيى بن سعيد حدثنا سفيان حدثنا ابو اسحق عن البراء قال صلينا مع النبى صلى الله عليه وسلم نحو بيت المقدس ستة عشر شهراً او سبعةَ عشر شهرًا شك سفيان وصرف الى القبلة.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ تک نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

اخبرنا محمد بن اسماعيل بن ابراهيم قال حدثنا اسحق بن يوسف الازرق عن زكريا ابن ابى زائدة عن ابى اسحق عن البراء بن عازب قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فصلى نحو بيت المقدس ستة عشر شهراً ثم انه وجّه الى الكعبة فمر رجل قد كان صلى مع النبى صلى الله عليه وسلم على قوم من الانصار فقال اشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد وجّه الى الكعبة فانحرفوا الى الكعبة.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور بیت المقدس کی طرف سولہ ماہ نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور ایک شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ انصار کی قوم پر گذرا اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا پھر اسی وقت وہ لوگ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تشریح: نماز میں استقبال قبلہ فرض ہے اگر نماز میں کسی خاص سمت کا تعین نہ ہوتا اور عام اجازت دیدی جاتی کہ جس کا دل جس طرف چاہے منہ کر کے نماز ادا کرے تو جماعتی شکل کی یکسانیت کا شیرازہ بکھر جاتا اور نمازیوں کی وحدت صوری برقرار نہ رہتی بلکہ اگر ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت میں کوئی مشرق کوئی مغرب کوئی شمال اور کوئی جنوب کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتا تو یہ شکل وحدت نظام کے خلاف ہونے کے علاوہ ایک اچھی خاصی ہنسانے والی چیز بن جاتی اس لئے ہر مذہب میں بندگی کے لئے کوئی نہ کوئی سمت خاص کر لی گئی ہے صابی یعنی ستارہ پرست قطب شمالی کی طرف منہ کرتے تھے آفتاب کی پرستش کرنے والے سورج کی طرف منہ کرتے ہیں آتش پرست لوگ آگ کو سامنے رکھتے ہیں اور بت پرست کوئی نہ کوئی بت آگے رکھ لیتے ہیں موحدین یعنی خدا کو ایک جاننے والے اور ایک ماننے والے اپنی مرکزی مسجد کو قبلہ سمجھتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں اس قسم کی مرکزی مسجدیں دو تھیں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) پہلی مسجد کی تولیت (مسجد کا انتظام سپرد کرنا) حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے سپرد تھی اس لئے انکا وہ قبلہ تھا۔

دوسری مسجد کے متولی حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کے بیٹے تھے انہوں نے اس کوقبلہ بنالیا تھا نبی کریم ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے خانہ کعبہ کی طرف اس طرح منہ کر کے کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں سامنے ہوتے تھے لیکن جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہ صورت ممکن نہ تھی کہ دونوں قبلوں کو جمع فرما سکیں کیوں کہ بیت المقدس مدینہ منورہ سے شمال اور خانہ کعبہ جنوب کی طرف واقع تھا اور چونکہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی اب تک اجازت نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے کہ وہی بنی اسرائیل کے انبیاء کا قبلہ گاہ تھا لیکن آپ کا طبعی شوق یہ تھا کہ اس ملت ابراہیمی کے لئے وہی ابراہیمی مسجد یعنی خانہ کعبہ قبلہ قرار پائے چنانچہ آپ بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کب کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو۔

چنانچہ قول صحیح کے موافق نصف ماہ رجب ۲ ہجری میں یہ حکم نازل ہوا ﴿**فول وجهك شطر المسجد الحرام**﴾ پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، جمہور علماء نے اسی قول کو معتبر قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے دوسرے پارہ میں تحویل قبلہ کے حکم اور اسرار ونکات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس سے اچھی طرح ثابت ہوجاتا ہے کہ اسلام میں قبلہ کی کیا حیثیت ہے قبلہ یعنی وہ سمت یا مکان جس کا رخ کیا جائے عبادت کے لئے کوئی ضروری نہیں لیکن چونکہ نمازوں میں امت کے نظام وحدت کو قائم رکھنے کے لئے اور انتشار مٹانے کے لئے کسی ایک رخ کی تخصیص کی ضرورت تھی اس لئے مذکورہ آیت میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا۔

تمام معتبر حدیث کی کتابوں میں متعدد صحابہ کرام کی روایت سے منقول ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز بیت اللہ کی جانب پڑھی اور بعض روایات میں اس جگہ عصر کے بجائے ظہر مذکور ہے (ابن کثیر) تو بعض صحابہ کرام حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر باہر آگئے اور دیکھا کہ قبیلہ بنی حارثہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب دستور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے "**قوم من الانصار**" سے مراد بنی حارثہ ہے تو انہوں نے آواز دے کر کہا کہ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اب قبلہ بیت اللہ کی طرف ہوگیا ہم رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی جانب نماز پڑھ کر آرہے ہیں یہ اطلاع سنتے ہی بنی حارثہ کے لوگوں نے درمیان نماز ہی میں اپنا منہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔

نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ اس وقت عورتیں جو پچھلی صفوں میں تھیں آگے ہوگئیں اور مرد پیچھے ہوگئے بنو حارثہ کے لوگوں نے ظہر یا عصر ہی سے تحویل قبلہ کے حکم پر عمل کرلیا مگر قباء میں یہ خبر اگلے دن صبح کی نماز میں پہونچی اہل قباء نے بھی نماز ہی کے اندر اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خبر واحد معتبر ہے کیوں کہ ایک آدمی یعنی حضرت عباد بن بشر نے خبر دی تھی انہوں نے آواز دیکر کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آرہا ہوں ان کی خبر سنتے ہی بنی حارثہ کے لوگوں نے اس پر عمل کیا اور خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کو اسی پر قائم رکھا۔

لیکن کبھی معتبر نہیں بھی ہوتی ہے اور یہ اس مقام پر جہاں قوی مانع موجود ہو تو ایسی صورت میں خبر واحد معتبر نہیں ہوتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نسخ کے علم سے پہلے منسوخ کے مطابق جو کچھ عمل کیا وہ صحیح ہے اور ناسخ کا حکم علم کے وقت سے ثابت ہوتا ہے اس لئے تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے بیت المقدس کی طرف جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ سب درست ہیں۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

باب الحال التی یجوز فیھا استقبال غیر القبلة

اس حال کے بیان میں جس میں غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے

اخبرنا عیسٰی بن حماد زُغبةُ واحمد بن عمرو بن السرح والحارث بن مسکین قراء ة علیه وانا اسمع واللفظ له عن ابن وهب عن یونس عن ابن شهاب عن سالم عن ابیه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسبح علی الراحلة قبل ای وجه تتوجه ویوتر علیها غیر انهٗ لا یصلی علیها المکتوبة.

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کے والد نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ اپنی سواری کے جانور پر وہ جس طرف بھی متوجہ ہوتا نفل نماز پڑھتے تھے اور اس پر وتر بھی پڑھتے تھے مگر فرض نماز سواری پر نہیں پڑھتے تھے۔

اخبرنا عمرو بن علی ومحمد بن المثنی عن یحیی عن عبدالملک قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عمر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی علٰی دابته وهو مقبل من مکة الیٰ المدینة وفیه انزلت فاینما تولوا فثم وجه الله .

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ اپنی سواری کے جانور پر نماز پڑھتے تھے جبکہ آپ مکہ سے مدینہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿فاینما تولوا فثم وجه الله﴾ تم جس طرف بھی منہ کرو گے ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا رخ ہے۔

اخبرنا قتیبة بن سعید عن مالک عن عبدالله بن دینار عن ابن عمر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی علی راحلته فی السفر حیثما توجهت به قال مالک قال عبدالله بن دینار کان ابن عمر یفعل ذالک.

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ سفر میں اپنی سواری پر جس طرف سواری آپ کو لے کر چلتی اسی طرف نفلی نماز پڑھا کرتے تھے، مالکؒ کہتے ہیں کہ میرے استاد عبداللہ بن دینارؒ نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے یعنی اپنی سواری پر نفلیں پڑھتے تھے۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سواری کے جانور پر نفل نماز جائز ہے نسائی کی روایات میں ''راحلة'' اور ''دابة'' کا لفظ آیا ہے اور بعض روایات مشہورہ میں ''بعیر'' کا لفظ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر یا اونٹ پر چاہے وہ

جس طرف بھی متوجہ ہو نوافل پڑھتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت منہ قبلہ کی طرف کرتے اور آپ اس پر اشارہ سے نماز پڑھتے۔ اور سجدے کے اشارے میں رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکتے، اس کا بیان بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے اور ''فی السفر'' کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز سواری پر سفر کی حالت میں پڑھتے تھے۔

چنانچہ جمہور علماء اس حدیث کی بناء پر سفر کی شرط کے ساتھ سواری پر نوافل کو جائز کہتے ہیں لیکن فرض نماز سواری پر جائز نہیں چنانچہ اس باب کی حدیث میں آیا ہے ''غیر انهٗ لا یصلی علیها المکتوبة'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز سواری پر جائز نہیں ہے لیکن عذر سے فرض بھی جائز ہے مثال کے طور پر کیچڑ ایسی ہو کہ منہ دھنس جائے یا اپنے نفس اور اپنے مال پر ہلاکت اور لٹیروں کا خوف ہو یا قافلے سے دور پڑ جانے کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ تو ان سب صورتوں میں فرائض بھی سواری پر جائز ہیں اور ضرورتیں مستثنیٰ ہیں قواعد شرع سے۔ (کذا فی شروح الهدایه)

اور حنفیہ کے نزدیک سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں ہے اب حدیث باب کے الفاظ ''ویوتر علیها'' مسلک حنفیہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر پڑھتے تھے۔

اس کا جواب امام طحاویؒ نے یہ دیا ہے کہ سواری پر وتر پڑھنے کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے استحکام اور تاکید سے پہلے سواری پر پڑھتے ہوں گے پھر جب اس کے بعد تاکید فرمائی اور اس کے چھوڑنے کی رخصت نہیں دی تو زمین پر اتر کر پڑھتے ہوں گے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھتے تھے یعنی نوافل سواری پر پڑھتے تھے اور وتر زمین پر پڑھتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

نیز امام محمدؒ نے موطاً میں بہت سے آثار صحابہ و تابعین نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کے لئے زمین پر اترتے تھے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب استبانة الخطاء بعد الاجتهاد

اجتہاد کے بعد خطاء ظاہر ہونے کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن عبدالله بن دینار عن ابن عمر قال بینما الناس بقباء فی صلاة الصبح جاء هم آت فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد انزل علیه اللیلة و قد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها و کانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة. آخر فرض الصلوات.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے تو اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ بیشک آج رات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحویل قبلہ کا حکم نازل کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اب تم کعبہ کی طرف منہ کرلو اس وقت ان کے چہرے شام کی طرف تھے پھر وہ لوگ اسی وقت کعبہ کی طرف

پھر گئے۔

تشریح: پیچھے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں آچکا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی پھر قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم آگیا اب رہا یہ سوال کہ استقبال بیت المقدس کا حکم کیا قرآن سے ثابت ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے؟

اس کے متعلق امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ استقبال بیت المقدس قرآن سے ثابت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔

اور قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ استقبال بیت المقدس کا ثبوت صرف احادیث اور سنت نبویہ سے ہے قرآن کریم سے نہیں تو جو چیز سنت کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی قرآن کریم کی آیت نے اسے منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا اور یہی قول متاخرین میں سے اکثر اصولیوں کا ہے اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اور دوسرا قول انکا اور علماء کی ایک جماعت بھی اسی کے قائل ہے کہ قرآن کے ذریعے سنت سے ثابت شدہ امر کا نسخ جائز نہیں ہے کیوں کہ سنت کتاب کے لئے مبین و مفسر ہوتی ہے لہٰذا کتاب سنت کو کس طرح منسوخ کر سکتی ہے اس بناء پر یہ حضرات کہتے ہیں کہ بیت المقدس کا استقبال سنت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعہ سے ہوا اور اپنے قول کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿**وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الخ**﴾ پھر اس عارضی قبلہ کو اصلی قبلہ سے جس کا بیان اس سے آگے کی آیت میں ہے منسوخ کر دیا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

کتاب المواقیت

نماز کے وقتوں کا بیان

اخبرنا قتیبة قال حدثنا اللیث بن سعد عن ابن شهاب ان عمر بن عبدالعزیز اخر العصر شیئاً فقال له عروة اما ان جبریل علیه السلام قد نزل فصلیٰ امام رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عمر اعلم ما تقول یا عروة فقال سمعت بشیر بن ابی مسعود یقول سمعت ابا مسعود یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول نزل جبریل فامنی فصلیت معهٗ ثم صلیت معهٗ ثم صلیت معهٗ ثم صلیت معهٗ ثم صلیت معهٗ یحسب باصابعه خمس صلوات.

ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عصر کی نماز کچھ دیر کر کے پڑھی تو عروہ نے ان سے کہا خبردار بیشک جبرئیل علیہ السلام اترے اور نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے یعنی حضور ﷺ کی امامت کی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اے عروہ تم کیا کہتے ہو جو بات کہہ رہے ہو سوچ سمجھ کر کہو عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور میری امامت کی تو میں نے نماز پڑھی ان کے ساتھ پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی یہ الفاظ زبان سے کہتے جاتے تھے اور اپنی انگلیوں سے پانچوں نمازوں کو گنتے جاتے تھے۔

تشریح: مواقیت جمع ہے میقات کی اور وہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے حد مقرر کی جاوے خواہ زمانہ سے جیسے نماز خواہ جگہ سے جیسے حج میں مواقیت احرام۔

قرآن کریم میں نماز کی پابندی نگہداشت اور مداومت کے ایک خاص لفظ محافظت کا استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنی نگرانی کے ہیں مگر اس کی وسعت میں بشرائط پابندی سے اور وقت پر ادا کرنا سب داخل ہیں، فرمایا ''حافظوا علی الصلوات'' نمازوں کی نگرانی رکھو اس کے علاوہ قرآن پاک میں اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہوا کہ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی حال میں معاف نہیں ہوسکتا اس کو ہمیشہ نہایت پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کرنا چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا نماز کے لئے خاص خاص اوقات کی تعیین ضروری تھی ہاں بیشک ضروری تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جس دین کو لے کر مبعوث ہوئے وہ ایک کامل اور مکمل دین ہے اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عملی ہے محض نظری نہیں ہے اس دین نے نماز کی تعلیم دی تو محض اصول ونظریات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس لحاظ سے تعلیم دی کہ انسان مداومت کے ساتھ اس کو روزانہ مختلف اوقات میں ادا بھی کرے تو جب تک دین نماز کے اوقات نہ مقرر کردے کبھی انسان اس کو

مستعدی کے ساتھ بدون ناغہ کرنے کے انجام نہیں دے سکتا اسی لئے ہر منظم باضابطہ اور دائمی عمل کے لئے اوقات کا تعین ضروری ہے اور یہی طریقہ تمام دنیا نے اپنے باقاعدہ اور منظم کاموں کے لئے اختیار کیا ہے اس میں اصلی راز یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کسی کام کے کرنے کے لئے چوبیس گھنٹوں کی مہلت ہے تو وہ ہمیشہ غفلت اور لاپرواہی سے اس کام کو ایک وقت سے دوسرے وقت پر ٹالتا جاتا ہے یہاں تک کہ دن تمام ہو جاتا ہے اور آخری گھڑی بھی گذر جاتی ہے اور وہ اس کو انجام نہیں دے پاتا لیکن جب کاموں کے لئے اوقات متعین ہو جاتے ہیں تو وہ ہر مقررہ وقت پر اپنے فرائض کو پابندی کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

غرض یہ دین کا اور ایک تکمیلی کارنامہ ہے کہ اس نے نماز کے سلسلہ میں اوقات نماز کی تعیین کردی اب ان اوقات مقررہ میں ردوبدل کر کے آگے یا پیچھے کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے مقررہ اوقات میں تبدیلی تو درکنار بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف وقت مستحب سے تاخیر پر بھی روک ٹوک کرتے تھے چنانچہ اس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عصر کی نماز وقت مستحب سے کچھ دیر کر کے پڑھی تو اس پر انکار کرتے ہوئے حضرت عروہ نے کہا کہ خبردار'' **ان جبرئیل علیه السلام قد نزل الخ** ''مقصد حضرت عروہ کا یہ تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کرنے کی حدیث یاد دلائیں کہ پہلے روز اول وقت میں نمازیں پڑھائیں جس سے معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں اوقات نماز کا بیان نہیں ہے اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعلِ مذکور پر انکار کیسے کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مخاطب یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ کو اوقات نماز معلوم تھے اس لئے اس حدیث میں بطور اجمال بیان کئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایتوں میں تفصیل سے بیان کئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ میرا خیال اس کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے بلند مرتبہ کے عالم اور خلیفۃ المسلمین سے اوقاتِ نماز پوشیدہ نہ تھے وہ اوقات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اوقات سے انکار نہیں کیا البتہ ان کے خیال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامت کے زیادہ مستحق تھے اس لئے حضرت عروہ نے ان کو جس امامتِ جبرئیل علیہ السلام کی خبر دی ہے اس کو امر عظیم خیال کر کے اس سے انکار کیا ہے پھر حضرت عروہ نے پوری سند کے ساتھ حدیث سنا دی اس سے وہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس بات میں کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کی علم یقینی رکھتا ہوں اور اس حدیث کو ایسے شخص سے سنا ہے کہ اس نے صحابی سے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

اول وقت الظهر

ظہر کے اول وقت کا بیان

اخبرنا محمدبن عبدالاعلیٰ حدثنا خالد حدثنا شعبة حدثنا سيار بن سلامة قال سمعت ابی يسأل

ابابرزة عن صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت انت سمعته قال کما اسمعک الساعة فقال سمعت ابی یسأل عن صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کان لا یبالی بعض تاخیر ها یعنی العشاء الی نصف اللیل ولا یحب النوم قبلها ولا الحدیث بعدها قال شعبة ثم لقیتهٗ بعد فسألتهٗ قال کان یصلی الظهر حین تزول الشمس والعصر یذهب الرجل الی اقصی المدینة والشمس حیة والمغرب لاادری ایّ حین ذکر ثم لقیته بعد ذالک فسألتهٗ فقال وکان یصلی الصبح فینصرف الرجل فینظر الی وجه جلیسه الذی یعرفه فیعرفهٗ قال وکان یقرأ فیها بالسّتین الی المأة.

سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا شعبہ نے سیار بن سلامہ سے پوچھا آپ نے اس حدیث کو سنا ہے انہوں نے جواب دیا جی ہاں میں نے اس کو سنا ہے جس طرح اس وقت میں تم کو سنا رہا ہوں سیار بن سلامہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ ﷺ فرض نمازیں کس طرح پڑھتے تھے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز کو کچھ تاخیر سے (آدھی رات تک) پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ عشاء کے بعد بات چیت کو پسند فرماتے تھے شعبہ نے کہا کہ پھر میں نے اپنے شیخ سیار سے ملاقات کی اور ان سے دوسرے فرائض کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے جس وقت سورج ڈھل جاتا اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آدمی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر مدینہ منورہ کی آخری آبادی تک پہونچ جاتا اور آفتاب زندہ رہتا تھا یعنی تغیر سے صاف ہوتا سیار نے کہا کہ مغرب کا کونسا وقت بتایا مجھے یاد نہیں میں بھول گیا پھر مین نے بعد میں اپنے شیخ سیار سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوکر لوٹ جاتا اور اپنے ساتھی کے چہرے کی طرف دیکھتا جس کو وہ پہچانتا پہچان لیتا تھا اور صبح کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

اخبرنا کثیر بن عبید حدثنا محمد بن حرب عن الزبیدی عن الزهری قال اخبرنی انس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج حین زاغت الشمس فصلّیٰ بهم صلوٰة الظهر.

زہری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نکلے جس وقت آفتاب ڈھل گیا پھر لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

اخبرنا یعقوب بن ابراهیم حدثنا حمید بن عبدالرحمن قال حدثنا زهیر عن ابی اسحق عن سعید بن وهب عن خبّاب قال شکونا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم حرَّ الرمضاء فلم یشکنا قیل لابی اسحق فی تعجیلها قال نعم.

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے گرمی کی شدت کی شکایت کی آپ ﷺ نے

ہماری شکایت کودور نہیں کیا ابواسحٰق سے پوچھا گیا کیا لوگوں نے شکایت تعجیل ظہر کے بارے میں کی تھی انہوں نے جواب دیا ہاں۔

تشریح: ان روایات سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ آفتاب کو زوال ہو یعنی دوپہر سے پچھم کی طرف جھکے اور اس کی آسان پہچان یہ ہے کہ سورج نکل کر جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے ہر چیز کا سایہ گھٹتا جاتا ہے اور جب گھٹنا موقوف ہو جائے اس وقت ٹھیک دوپہر کا وقت ہوتا ہے پھر جب سایہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے تو سمجھ لو کہ دن ڈھل گیا تو اسی وقت سے ظہر کا اول وقت شروع ہوتا ہے اور اسی وقت رسول ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے جیسا کہ اس حدیث میں اس کا بیان آیا ہے ''کان یصلی الظهر حين تزول الشمس '' کہ حضور اکرم ﷺ ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ٹھیک دوپہر سے پچھم کی طرف ڈھل جاتا۔

تیسری حدیث جس کے راوی حضرت خباب رضی اللہ عنہ ہیں اس میں آیا ہے کہ جب لوگ ظہر کی نماز کے لئے نکلتے تو سورج کی سخت گرمی اور دھوپ کی تیزی سے تپتی ہوئی زمین پر چلنے کی وجہ سے ان کے قدموں کو جو تکلیف پہنچتی اس کی لوگوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور انہوں نے کچھ تاخیر سے ظہر پڑھنے کی درخواست کی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول نہیں کیا حدیث کے روای ابواسحٰق سے پوچھا گیا کہ کیا ظہر کی تعجیل میں پیروں کو تکلیف پہونچنے کی وجہ سے شکایت کی تھی انہوں نے فرمایا ہاں!

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اسی روایت سے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے (جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ ظہر کی نماز میں جلدی کرنے والے تھے اور تم حضور ﷺ سے زیادہ عصر میں جلدی کرنے والے ہو) استدلال کرتے ہوئے حضرات شوافع کہتے ہیں کہ ہر موسم میں تعجیل ظہر مستحب ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ شوافع نے جس حدیث سے استدلال کیا وہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے اسمیں آیا ہے کہ تعجیل وابراد میں سے آخری امر حضور اکرم ﷺ سے ابراد تھا، اسکو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ حدیث امام بخاری سے پوچھی گئی تو انہوں نے اسکو محفوظ کہا اور خود امام احمد نے بھی اسکی صحت کو ترجیح دی اسلئے یہ صریح دلیل ہے نسخ کی اور بیہقی نے از خود اس کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے۔ اور امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم لوگ زوال کے وقت ظہر پڑھا کرتے تھے پھر حضور اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تم ابراد کرو یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں تعجیل پہلے تھی پھر منسوخ ہوگئی، اب رہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تو اس سے صرف تعجیل نکلتی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمیشہ ظہر کی نماز جلدی پڑھا کرتے تھے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ سردی کے موسم میں تعجیل مستحب ہے اور گرمی میں ابراد مستحب ہے اور ہماری دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اسمیں آیا ہے کہ جب سردی کا موسم ہوتا تو نبی کریم ﷺ ظہر میں جلدی فرماتے اور جب گرمی ہوتی تو ظہر ابراد یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے، اور بھی دلائل ہیں جن سے مسلک احناف ثابت ہوتا ہے انکا بیان آگے آئیگا (انشاء اللہ) اور ابراد

کی حد یہ ہے ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے نماز ختم ہو جاوے۔

باب تعجیل الظهر فی السفر

سفر میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنے کا بیان

اخبرنا عبیداللہ بن سعید حدثنا یحیی بن سعید عن شعبة قال حدثنی حمزة العائذی قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ انزل منزلاً لم یر تحل منه حتی یصلی الظهر فقال رجل وان کانت بنصف النهار قال و ان کانت بنصف النهار.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی منزل پر ظہر سے کچھ پہلے اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھ لیتے ایک آدمی نے پوچھا اگر چہ دو پہر کا وقت ہوتا تب بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چہ نصف نہار کا وقت ہوتا تب بھی ظہر کی نماز جلدی پڑھ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کی نماز جلدی ادا کرتے اور انکی روایت سے ایک اور حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو عصر تک موخر فرما دیتے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی عام حالات کے لحاظ سے خبر نہیں دے رہے ہیں یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہمیشہ تعجیل ظہر فرماتے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے کچھ پہلے کسی منزل پر پڑاوڈالتے تو وہاں سے آگے کوچ نہ فرماتے جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھ لیتے اب دونوں حدیثیں اپنی جگہ درست ہیں۔

بہر حال جب یہ حدیث بیان کی تو کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر چہ نصف نہار کا وقت واقع ہو جاتا ہو تب بھی یہی معمول تھا، تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں ''وان کانت بنصف النهار'' یہ متعلق ہے فعل مقدر یعجل سے جو سیاق کلام سے سمجھا جا رہا ہے۔

بہر حال ان کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدون تاخیر کے بہت جلدی نصف نہار کے بالکل قریبی وقت میں نماز ظہر ادا فرماتے یہ مطلب نہیں ہے کہ ٹھیک دو پہر کے وقت ادا فرماتے تھے اس لئے کہ نماز ظہر درست ہونے کیلئے سورج کا زوال شرط ہے اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زوال آفتاب سے پہلے نماز ظہر درست نہیں کیونکہ روایت مشہورہ میں اسکی ممانعت آئی ہے۔

تعجیل الظهر فی البرد

سردی میں نماز ظہر جلدی پڑھنے کا بیان

اخبرنا عبیداللہ بن سعید قال حدثنا ابو سعید مولی بنی هاشم قال حدثنا خالد بن دینارٍ ابوخلدة

قال سمعت انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الحرّ ابرد بالصلاۃ واذا کان البرد عجل.

خالد بن دینار ابوخلدہ کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب گرمی کا موسم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس میں شدۃ حرارت کی قید نہیں بلکہ مطلقاً گرمی کے موسم میں خواہ گرمی سخت ہو یا نہ ہو تاخیر ظہر مستحب ہے اور شوافع پر حجت ہے ان کے نزدیک ہر موسم میں تعجیل مستحب ہے اور مسلک حنفیہ پر تمام احادیث میں تطبیق ہوگئی۔

الابراد بالظهر اذا اشتد الحر

سخت گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان

اخبرنا قتیبة بن سعید قال حدثنا اللیث عن ابن شهاب عن ابن المسیب وابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هریرة انه قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاة فان شدة الحرّ من فیح جهنم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سخت گرمی پڑے تو ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھ لیا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔

اخبرنا ابراهیم بن یعقوب قال حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی ح واخبرنا ابراهیم بن یعقوب قال حدثنا یحیی بن معین حدثنا حفص ح واخبرنا عمرو بن منصور حدثنا عمر بن حفص بن غیاث حدثنا ابی عن الحسن ابن عبیداللہ عن ابراهیم عن یزید بن اوس عن ثابت بن قیس عن ابی موسیٰ یرفعه قال ابردوا بالظهر فان الذی تجدون من الحر من فیح جهنم.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس کو بطریق مرفوع روایت کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو کیونکہ جو گرمی تم محسوس کرتے ہو وہ بے شک جہنم کی شدت حرارت سے ہے۔

تشریح: **فابردوا عن الصلاۃ**: ابراد کے معنی ہیں "تاخیر الصلاۃ الیٰ برد النهار" اور لفظ عن باء کے معنی میں ہے جیسے "رمیت عن القوس" میں باء کے معنی میں ہے لہٰذا ارشاد مذکور بمعنی "ابردوا بالصلاۃ" کے ہے۔

نماز کے اوقات کے تعین میں اس اصول کی رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ اوقات ایسے ہونے چاہئیں جن میں دوسرے کی نسبت سکون اور اطمینان میسر ہوتا ہو اسی لئے نماز ظہر کا اصل وقت اگرچہ زوال کے فوراً بعد ہونا چاہئے تاہم چونکہ اس وقت گرمی سخت ہوتی ہے اس لئے کچھ توقف کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ دوپہر کی گرمی گویا جہنم کی آگ ہے، اس لئے ظہر کی نماز کو ٹھنڈک

کے بعد پڑھا کرو تا کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا ہو اور اسی اصول کے پیش نظر حنفیہ کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کو اس کے وقت معتاد سے تاخیر کرنا مستحب ہے، اور عنوان کے تحت کی دونوں روایات سے مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اور شوافع پر حجت ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک تعجیل مستحب ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گرمی میں ابراد کی رخصت ان لوگوں کے لئے ہے جو طلب جماعت کی غرض سے محنت و مشقت اٹھاتے ہوئے دور سے چل کر مسجدوں میں جاتے ہیں لیکن جو اکیلا ادا کرے یا قوم کی مسجد میں پڑھے وہ اول وقت سے تاخیر نہ کرے اس کے لئے تعجیل مستحب ہے خواہ گرمی کی شدت ہی کیوں نہ ہو۔

غرضیکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ابراد کی علت نماز با جماعت کے قصد سے دور سے چل کر آنے والوں کی تکلیف اور مشقت ہے جو ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث باب میں عمومی حکم بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے ابراد افضل ہے جس کی علت حدیث میں حرارت کی شدۃ بیان کی گئی ہے لہٰذا تخصیص مذکور اور وہ علت جو شافعیہ نے بیان کی ہے ظاہر حدیث کے خلاف ہے، اسی لئے امام ترمذی نے فرمایا کہ جمہور کا قول قابل اتباع ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کا قول حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سفر میں ابراد کا حکم دیتے تھے حالانکہ سفر میں سب ایک ہی جگہ ہوتے تھے تو اگر امام شافعیؒ کے قول کے موافق نماز ظہر میں ابراد کی علت "**اذا کان المسجد ینتاب اهله من البعید**" ہو (یعنی جو لوگ جماعت کے قصد سے دور سے چل کر مشقت اٹھاتے ہوئے مسجدوں میں جاتے ہیں صرف ان کے لئے گرمی میں ٹھنڈک میں نماز ظہر پڑھنا مستحب قرار دیا جاوے) تو سفر کے وقت میں ابراد کے حکم کا کوئی معنی نہ ہوگا کیونکہ تمام لوگوں کا قافلہ اس وقت ایک ہی جگہ جمع تھا اور ان کو دور سے آنے کی مشقت اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔

معلوم ہوا کہ ابراد کی علت وہ نہیں جو شوافع کہتے ہیں بلکہ علت وہی ہے جو جمہور نے بتائی اور وہ ہے "**فان شدة الحر من فيح جهنم**" یہ نہیں فرمایا کہ لوگ دور سے آئیں گے تو تکلیف ہوگی اس لئے تاخیر کرو بلکہ یہ فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہے اس لئے تم ظہر کی نماز ٹھنڈک کے بعد پڑھو تا کہ بے اطمینانی پیدا نہ ہو اور سکون سے نماز ادا کرسکو۔

بہرحال علت گرمی کے موسم میں تاخیر ظہر کی یہی ہے جو جمہور علماء بیان کرتے ہیں اس لئے ابراد کا حکم سب کو عام ہے خواہ دور سے چل کر آئیں یا قوم کی مسجد میں پڑھے یا اکیلا پڑھے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر اگر کوئی فلسفی کہے کہ آفتاب منبع ہے حرارت کا تو جتنا سمت رأس سے قریب ہوگا اتنی گرمی ہوگی اور جتنا بعد (دوری) ہوگا اتنی سردی ہوگی تو پھر حرارت کی شدت دوزخ کی گرمی سے ہونے کا قول کیوں کر درست ہوگا، جواب اس کا یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ سورج معدن حرارت ہے لیکن یہ حرارت اسکی ذاتی نہیں ہے بلکہ وہ جہنم سے لیتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے اخبار سے معلوم ہوا کہ اس کا اصلی معدن جہنم ہے اور آفتاب واسطہ ہے اور یہ آفتاب بالکل آتشی شیشہ کی طرح ہے جو جہنم کے مقابل میں ہے تو اصل معدن حرارت جہنم ہے اور آفتاب واسطہ ہے اب اگر اسکی محاذات سے گرمی و سردی کی کیفیت بدلتی رہے تو کیا اشکال ہے۔

اب رہا یہ اشکال کہ جہنم ہر وقت موجود ہے اور اسکی حرارت بھی ہر وقت ہے تو پھر فرق کیوں؟ کہیں گرمی سخت ہے کہیں کم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی شدت سے ہوتی ہے لیکن اختلاف ملکوں اور زمین کے خطوں میں کسی عارضی سبب سے پیدا ہوتا ہے جیسے بارش کی حالت میں پہاڑوں پر یا کہیں پانی کی کثرت کی وجہ سے ٹھنڈک ہوتی ہے اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

اور اگر اب بھی کسی مغلوب المادہ کے جی کو نہ لگے تو اس کے لئے بجائے تکذیب حدیث کے مجاز پر حمل کرنا ہی غنیمت ہے یعنی آفتاب کی گرمی حرارت میں گویا جہنم کی آگ ہے اس لئے اس سے ڈرو اور اس کے نقصان سے بچو اور ٹھنڈک کے بعد ظہر کی نماز پڑھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آخر وقت الظهر

ظہر کے آخری وقت کا بیان

اخبرنا الحسين بن حريث قال اخبرنا الفضل بن موسى عن محمد بن عمرو عن ابى سلمة عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا جبريل عليه السلام جاء كم يعلمكم دينكم فصلى الصبح حين طلع الفجر وصلى الظهر حين زاغت الشمس ثم صلى العصر حين رأى الظل مثلهٔ ثم صلى المغرب حين غربت الشمس وحلّ فطر الصائم ثم صلى العشاء حين ذهب شفق اليل ثم جاءه الغد فصلى به الصبح حين اسفر قليلا ثم صلى به الظهر حين كان الظل مثله ثم صلى العصر حين كان الظل مثليه ثم صلى المغرب بوقت واحد حين غربت الشمس وحلّ فطر الصائم ثم صلى العشاء حين ذهب ساعة من الليل ثم قال الصلاة ما بين صلاتک امس وصلاتِک اليوم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام ہیں تم کو دین سکھانے کے لئے آئے ہیں پس صبح کی نماز پڑھائی جبکہ فجر طلوع ہوگئی اور ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ سورج ڈھل گیا پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوا تھا پھر مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ سورج ڈوب گیا اور روزہ دار کے روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا پھر عشاء کی نماز پڑھائی جس وقت شفق غائب ہوگئی پھر اگلے دن آئے اور اس دن صبح کی نماز پڑھائی جبکہ تھوڑی سی روشنی پھیل گئی پھر ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اسکے دو مثل ہوا پھر مغرب کی نماز پڑھائی ایک ہی وقت میں جب کہ آفتاب غروب ہوگیا اور روزہ دار کے روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا پھر عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ رات کا کچھ حصہ گذر گیا پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا نمازوں کا وقت کل اور آج کے دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔

اخبرنا ابو عبدالرحمن عبدالله بن محمد الاذرمى قال حدثنا عبيدة بن حميد عن ابى مالك الاشجعى سعد بن طارق عن كثير بن مدرک عن الاسود بن يزيد عن عبد الله بن مسعود قال كان قدر صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر فى الصيف ثلثة اقدام الٰى خمسة اقدام وفى الشتاء خمسة

اقدام الی سبعة اقدام.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر کا اندازہ گرمی کے موسم میں تین قدم سے پانچ قدم تک تھا اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک۔

تشریح: امامت جبریل علیہ السلام کا واقعہ جو عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے بظاہر وہ مکہ کا واقعہ ہے اور اس کے راوی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کی تعلیم دینے کے لئے لوگوں کے سامنے بیان فرمایا جو اس وقت آپ کی مجلس میں موجود تھے اور ان میں سے کسی سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حاصل کیا اور واقعہ بیان کر دیا اسلئے یہ حدیث مرسل صحابی ہے لیکن صحابی کی حدیث مرسل متصل کے حکم میں ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد جبریل علیہ السلام دوبارہ آئے ہوں اور حدیث بلاواسطہ سنی ہو اب حدیث متصل ہوگئی۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم. کذاقال علامة السندھیؒ)

اوقات نماز کی تعیین میں اس روایت کے علاوہ دوسری روایات بھی آئی ہیں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اوقات نماز کے متعلق سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے۔

عنوان کے تحت کی روایت کے راوی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف اس کے آخری وقت میں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ سوائے سایہ زوال کے دو مثل ہونے تک رہتا ہے، جمہور کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب ہر چیز کا سایہ زوال کے سایہ کو چھوڑ کر ایک مثل ہو جائے جمہور کی دلیل عنوان کے تحت کی روایت ہے جس میں آیا ہے "ثم صلی العصر حین رأی الظل مثله " کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اول روز عصر کی نماز اس وقت شروع کی جب کہ ہر چیز کا سایہ اسکی ایک مثل ہو چکا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے ظہر کا آخری وقت دو مثل تک باقی رہنا کسی حدیث میں نہیں آیا نہ صحیح حدیث میں نہ ضعیف میں اسی لئے اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول بھی امام ابوحنیفہؒ کے خلاف اور جمہور کے موافق ہے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید میں اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس کو امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم " اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ملک یعنی مدینہ میں ایسے وقت میں جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوتا تھا سخت گرمی ہوتی تھی اس لئے ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ وقت اس کے بعد ہوگا اس لئے ایک مثل پر ختم نہ ہوگا اور حدیث ابراد امامت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث کے لئے ناسخ ہے کیونکہ امامت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث تو اوقات نماز کی تعیین میں سب سے پہلی حدیث ہے اس لئے ابراد والی حدیث سے حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام منسوخ ہے اور جب اسکا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا تو اول وقت عصر جس میں جبرئیل علیہ السلام نے امامت کی تھی وہ بھی منسوخ ہوگیا کیونکہ آیت ﴿ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا﴾ کا تقاضا ہے کہ ہر نماز کا جدا وقت ہو اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ دوسری نماز کا وقت آجائے تفریط ہے لیکن دوسرے دن دو مثل سایہ ہونے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو عصر کی امامت کی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصر کا وقت تھا اور یہ منسوخ نہیں ہوا لہذا حکم باقی رہے گا اور عصر کے اس مقررہ وقت کے شروع ہونے تک ظہر کا وقت ہوگا لیکن یہ استدلال مذکور ضعیف ہے حدیث ابراد اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی رہتا ہے بلکہ وقت کی خنکی ایک اضافی چیز ہے اصل شدت حرارت تو زوال کے وقت ہوتی ہے اور وقت زوال کی گرمی کے مقابلہ میں ایک مثل سایہ ہونے سے کچھ پہلے تھوڑی خنکی تو ہو ہی جاتی ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کے ملک میں ایک مثل سایہ ہونے کے وقت گزشتہ وقت سے زیادہ گرمی ہوتی تھی تو پھر ابراد کے امر کا تقاضا ہے کہ شروع وقت میں نماز پڑھ لی جاوے تا کہ ایک مثل سایہ ہونے کے وقت جو گرمی کی تیزی ہوتی ہے اس سے پہلے ہی نماز ہو جائے۔(و اللہ تعالیٰ اعلم)

پھر واضح ہو کہ امام ابوحنیفہؒ سے مشہور روایت یہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے اکثر ارباب متون نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن درمختار میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک مثل کی روایت بھی ہے امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اس لئے کہ اکثر صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے برہان میں ہے کہ یہی قول اظہر ہے کیونکہ جبرئیل علیہ السلام کا بیان موجود ہے اور وہی اس مسئلہ میں نص ہے فیض الکرکی میں ہے کہ اس دور میں لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے۔

عنوان کے تحت کی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر کا اندازہ تھا تین قدم سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک گرمی کی نسبت سے سردی میں زیادتی اس لئے ہوتی ہے کہ اصلی سایہ اس موسم میں زیادہ ہوتا ہے اور گرمی میں خاص طور سے مکہ اور مدینہ میں کم ہوتا ہے ورنہ یہ دونوں وقت برابر ہیں۔

بہر حال یہ حدیث وقت زوال سے ظہر کی تاخیر پر دلالت کرتی ہے اور قدم سے مراد ہر شخص کے قد کا ساتواں حصہ ہے۔

اول وقت العصر

عصر کے اول وقت کا بیان

اخبرنا عبیداللہ بن سعید قال حدثنا عبداللہ بن الحارث قال حدثنا ثور حدثنی سلیمان بن موسی عن عطاء بن ابی رباح عن جابر قال سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مواقیت الصلاۃ فقال صل معی فصلی الظھر حین زاغت الشمس والعصر حین کان فیئ کل شئی مثلہ والمغرب حین غابت الشمس والعشاء حین غاب الشفق قال ثم صلی الظھر حین کان فیئ الانسان مثلہ والعصر حین کان الفیئ الانسان مثلیہ والمغرب حین کان قبیل غیبوبۃ الشفق قال عبد اللہ بن الحارث ثم قال فی العشاء اریٰ الی ثلث اللیل۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ نماز پڑھو تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے ظہر کی نماز پڑھی جبکہ سورج ڈھل گیا اور عصر کی نماز شروع کی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل کے برابر ہو چکا اور مغرب کی نماز پڑھی جب کہ سورج غائب ہو گیا اور عشاء کی نماز شروع کی جب کہ شفق غائب ہو گئی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر دوسرے دن ظہر کی نماز شروع کی جس وقت انسان کا سایہ اس کے ایک مثل ہو چکا اور عصر کی نماز شروع کی جس وقت انسان کا سایہ اسکے دوگنا ہو چکا اور مغرب کی نماز شفق چھپنے سے کچھ پہلے پڑھی، عبداللہ بن حارث کہتے ہے کہ عشاء کی نماز دوسرے دن کس وقت پڑھی اس کے بارے میں ثور بن یزید کہتے ہیں کہ میرے خیال میں رات کے تہائی حصہ میں عشاء کی نماز پڑھی۔

تشریح: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات نماز کی بابت سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب قول سے نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ ''صلّ معی'' تم میرے ساتھ نماز پڑھو! تمہیں اوقات نماز کی شناخت ہو جائے گی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو عملی تعلیم دی اور عمل سے ہر نماز کا اول اور آخری وقت بتلا دیا۔

دراصل بات یہ ہے کہ عملی تعلیم جس قدر اطمینان بخش ہوتی ہے زبانی تعلیم اس درجہ میں نہیں ہوتی اور سلف میں عملی تعلیم کا رواج رہا ہے جیسا کہ اسکی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بہت ملتی ہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو عملی تعلیم دی پھر واضح رہے کہ یہ حدیث ظہر اور عصر کے وقت میں موافق ہے حدیث امامت جبرئیل علیہ السلام کے، اس لئے اس حدیث سے امامت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث کے منسوخ نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے اور ان لوگوں کا قول کمزور ثابت ہو رہا ہے جو اس کو منسوخ مانتے ہیں۔

(قاله شيخ السندهیؒ)

تعجيل العصر

عصر کی نماز کو جلدی پڑھنے کا بیان

اخبرنا قتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة العصر والشمس فى حجرتها لم يظهر الفئى من حجرتها.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی حالانکہ سورج کی روشنی حجرہ میں تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے اندر سے سورج کی روشنی دیوار پر نہیں چڑھی تھی۔

اخبرنا سويد بن نصر قال اخبرنا عبدالله عن مالك قال حدثنى الزهرى واسحق بن عبدالله عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى العصر ثم يذهب الذاهب الى قباء فقال احدهما فيأتيهم وهم يصلون وقال الاخر والشمس مرتفعة.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر جانے والا قباء کی طرف جاتا ان

دونوں (زہری اور اسحٰق) میں سے ایک نے کہا کہ وہ اہل قباء کے پاس پہونچتا جبکہ وہ نماز میں ہوتے اور دوسرے نے کہا حالانکہ آفتاب بلند ہوتا۔

اخبرنا قتيبة حدثنا الليث عن ابن شهاب عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ انهٗ اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى العصر والشمس مرتفعة حية ويذهب الذاهب الى العوالى والشمس مرتفعة.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے حالانکہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا اور جانیوالا عوالی مدینہ کی طرف جاتا حالانکہ سورج بلند ہوتا۔

اخبرنا اسحق بن ابراهيم حدثنا جرير عن منصور عن ربعي بن حراش عن ابى الابيض عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بنا العصر والشمس بيضاء محلقة.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عصر کی نماز پڑھاتے تھے حالانکہ سورج سفید اور بلند ہوتا۔

اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبدالله عن ابى بكر بن عثمان بن سهل بن حنيف قال سمعت ابا امامة بن سهل يقول صلينا مع عمربن عبد العزيز الظهر ثم خرجنا حتى دخلنا علىٰ انس بن مالك رضی اللہ عنہ فوجدناه يصلى العصر قلت ياعمِّ ماهذهٖ الصلاة التى صليت قال العصر وهذهٖ صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم التى كنا نصلى.

ابوبکر بن عثمان بن سہل بن حنیف سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے ابوامامہ بن سہل سے کہتے سنا کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر ہم نکلے یہاں تک کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ان کو اس حالت میں پایا کہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے میں نے کہا اے چچا یہ کونسی نماز ہے جو آپ نے پڑھی انہوں نے کہا عصر کی نماز ہے اور یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے جو ہم آپ کے صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ پڑھتے تھے۔

اخبرنا اسحق بن ابراهيم حدثنا ابوعلقمة المدنى حدثنا محمد بن عمرو عن ابى سلمة قال صلينا فى زمان عمر بن عبدالعزيز ثم انصرفنا الى انس بن مالك رضی اللہ عنہ فوجدناه يصلى فلما انصرف قال لنا اصليتم قلنا صلينا الظهرقال انى صليت العصر فقالوا لهٗ عجلت فقال انما اصلى كما رأيت اصحابى يصلون .

ابوسلمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانہ میں نماز پڑھی پھر انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہم نے جواب دیا کہ ظہر کی نماز پڑھی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ عصر کی نماز پڑھی ہے تو ابوسلمہ اور ان کے ساتھ جو لوگ گئے تھے انہوں نے کہا کہ آپ نے عصر کی نماز بہت جلدی پڑھ لی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں

جس طرح اپنے ساتھیوں کو پڑھتے دیکھا۔

تشریح: امام شافعیؒ اور انکے موافقین کے نزدیک نماز عصر کی تعجیل یعنی اول وقت ادا کرنا افضل ہے اور حنفیہ کے نزدیک تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے امام شافعیؒ وغیرہ نے اپنے مسلک پر مذکورہ عنوان کے تحت کی روایت سے استدلال کیا ہے حالانکہ ان روایات میں سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے جس سے واضح طور پر انکا مسلک ثابت ہو بلکہ ان کے اندر دونوں پہلو موجود ہیں تعجیل عصر کا احتمال بھی اور تاخیر کا بھی۔

پہلی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ آفتاب کی روشنی میرے حجرے کے صحن میں تھی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز بہت جلدی پڑھی جس سے بقول امام شافعیؒ وغیرہ کے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے عصر کی تعجیل پر استدلال درست نہیں شاید کہ حجرہ کی دیوار چھوٹی تھی اس لئے سورج دیوار کے حجاب میں نہیں ہوتا تھا اس لئے اسکی دھوپ کافی دیر تک حجرہ کے اندر رہتی تھی البتہ غروب کے قریب جو عصر کا آخری وقت ہے سورج دیوار کے حجاب میں ہونے کی وجہ سے اسکی دھوپ دیوار پر چڑھتی تھی اس لئے زیر بحث حدیث سے تعجیل عصر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر کوئی جانے والا اہل قباء کی طرف جاتا تو اس وقت ان کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا اس سے شوافع وغیرہ نے تعجیل عصر پر استدلال کیا ہے کیوں کہ اگر تاخیر افضل ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر قباء کی طرف جانے والے کیلئے آفتاب زرد پڑ جانے سے پہلے وہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعجیل فرماتے تھے۔

اسکے جواب میں حنفیہ کہتے ہے کہ قباء اور مدینہ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے باجی اور شیخ سمہودی وغیرہ نے لکھا ہے کہ قباء مدینہ منورہ سے دو میل کی مسافت پر ہے اور یہ کوئی اتنا زیادہ فاصلہ نہیں جس کا مثلین کے بعد قطع کرنا ناممکن ہو بلکہ اگر آپ فرض کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو مثل پر عصر کی نماز پڑھتے تھے تب بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد قباء کی طرف جانے والے کے لئے اس قدر مسافت کا آفتاب زرد ہونے سے پہلے قطع کرنا اور اہل قباء کو غروب آفتاب کے قریب اصفرار سے پہلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا کوئی مشکل نہ تھا اس لئے اس حدیث سے تعجیل عصر کے استحباب پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اس کے لئے ایسی روایت کی ضرورت ہے جس میں اور تاویل کی گنجائش نہ ہو اور واضح طور پر تعجیل عصر پر دلالت کرتی ہو۔

تیسری روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے شوافع نے عصر کی تعجیل پر استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھنے کے بعد جانے والے عوالی تک چلے جاتے اس وقت سورج بلندی پر ہوتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی تعجیل یعنی اول وقت ادا فرماتے تھے۔

حنفیہ کہتے ہے کہ عوالی جو جمع ہے عالیۃ کی وہ بستیاں ہیں جو شہر مدینہ کے باہر نجد کی جانب بلند حصہ پر ہیں اور عوالی کی مسافت

میں مختلف روایات ہیں حافظ ابن حزمؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ابی عبید البکری سے نقل کیا ہے کہ بنی حارث بن خزرج عوالی مدینہ میں رہتے تھے انکے مکانات اور حضور اکرم ﷺ کی منزل کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا اور کسی روایت میں زیادہ قریب کے دو میل اور تین میل اور کسی میں چار میل کا فاصلہ بیان کیا گیا ہے اور زیادہ دور کے آٹھ میل کی مسافت پر ہیں متوسط درجہ تین چار میل کا ہے۔

بہر حال ان تمام اقوال کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اقرب عوالی کا فاصلہ ایک یا دو میل ہے اور زیادہ دور کے آٹھ میل کی مسافت پر ہے اور چونکہ روایات میں عوالی کا لفظ مجمل اور مبہم آیا ہے اسلئے اس کا اطلاق ایک میل سے آٹھ میل تک پر صحیح ہوگا، اب اگر شوافع حدیث مذکور سے اپنے مسلک پر استدلال کے لئے یہ توجیہ کریں کہ عوالی سے وہ آبادیاں مراد ہیں جو چار پانچ میل کی دوری پر واقع ہیں تو دوسرے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے وہ گاؤں مراد ہیں جو ایک یا دو میل پر ہیں علاوہ اس کے اگر شوافع کے قول کو مان بھی لیا جائے تب بھی زیر بحث حدیث سے تعجیل عصر پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر تاخیر سے ہوتب بھی تین چار میل جا سکتا ہے جب کہ چلنے والا ماہر ہو خاص طور سے اہل عرب جو ماہر ہوتے تھے ان کے لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے تین چار میل تک پہنچنا کیا مشکل ہے غرض اثبات مذہب کے لئے حدیث مذکور صریح نہیں ہے اس لئے اس سے تعجیل عصر پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی روایت میں بجائے مرتفعۃ کے محلقۃ آیا ہے وہ اسم فاعل ہے تحلیق سے نکلا ہے جس کے معنی ارتفاع کے ہیں اور محلقۃ بمعنی مرتفعۃ کے ہے اس روایت سے بھی اتنی بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو عصر کی نماز پڑھاتے جب کہ آفتاب صاف روشن اور بلند ہوتا لیکن اس سے تعجیل عصر کا ثبوت کس طرح ہوا یہ کیفیت تو دو مثل کے بعد بھی رہ سکتی ہے کیونکہ ایک مثل کے وقت عصر کی نماز پڑنے والے کے حق میں یہ نہیں کہا جاتا ''انہ صلی والشمس مرتفعۃ حیۃ یا الشمس بیضاء محلقۃ'' کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ ایک مثل کے وقت سورج بلندی پر ہوتا ہے اور خوب روشن رہتا ہے ایسی حالت میں ان الفاظ سے تعبیر کی کیا ضرورت تھی بلکہ یہ تعبیرات غروب کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت میں ادا نہیں فرماتے جبکہ آفتاب میں زردی پڑ جاتی بلکہ ایسے وقت ادا فرماتے کہ آفتاب بلند ہوتا اور اس کی روشنی میں کوئی فرق نہیں آتا اور ہم پیچھے کہہ چکے ہیں کہ یہ کیفیت دو مثل کے بعد بھی رہتی ہے اس لئے یہ روایت تعجیل عصر پر دلیل صریح نہیں بن سکتی۔

پانچویں روایت میں آیا ہے حضرت ابوامامہ بن سہل کہتے ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے جب ان کے پاس گئے تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے پوچھا یہ کونسی نماز ہے جو آپ نے ابھی پڑھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسے وقت میں پڑھا کرتے تھے۔

یہاں پر کوئی سوال کر سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز باجماعت مسجد میں پڑھنے کا انتظار کیوں نہیں کیا گھر میں کیوں پڑھی تو شاید اس لئے انتظار نہیں کیا ہو کہ بنوامیہ کے امراء نماز کو وقت مستحب سے تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور حضور

اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم پر حکام اور امراء مسلط ہوں گے اور وہ نماز کو اس کے وقت مستحب سے تاخیر کریں گے تو تم نماز کو وقت مستحب پر پڑھ لیا کرو پھر اس امیر کے ساتھ پڑھ کر نفل بنالیا کرو۔ (تاکہ فتنہ اور انتشار پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو)

امام نوویؒ نے کہا کہ شروع میں جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو نماز ظہر کی تعجیل کے استحباب کی اطلاع نہیں پہونچی تو وہ اپنے سے پہلے امراء کی عادت کے مطابق نماز ظہر کو تاخیر سے پڑھتے تھے پھر جب ان کو تعجیل ظہر کے استحباب کی خبر پہنچی تو انہوں نے اسی کی طرف رجوع کرلیا۔

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی شغل یا عذر کی وجہ سے نماز ظہر کو مؤخر کردیا ہو مگر ظاہر حدیث تاویل اول کو مقتضی ہے اور یہ واقعہ جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس وقت کا ہے جبکہ عمر بن عبدالعزیزؒ بطور نیابت مدینہ کے گورنر تھے انکی خلافت کے دور کا واقعہ نہیں ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت سے تقریباً نو سال پہلے انتقال کر گئے تھے۔

بہر حال اس روایت سے بلا شبہ تعجیل عصر معلوم ہوتی ہے اس کے جواب میں حنفیہ کہتے ہے کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل ہے ہوسکتا ہے اہل مسجد دو مثل کے قائل ہوں اس لئے انہوں نے ایک مثل کے بعد ظہر کی نماز پڑھی ہو اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مثل کے قائل ہوں اس لئے انہوں نے اسی وقت عصر کی نماز پڑھی ہو لہذا ان کا فعل دلائل تاخیر عصر کے ہوتے ہوئے خصوصاً جب کہ روایات مرفوعہ تاخیر کی موجود ہیں کسی مجتہد کے لئے قابل قبول نہیں، زیادہ سے زیادہ اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مسلک معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال اس عنوان کے تحت تعجیل عصر کے اثبات میں جتنی روایت نقل کی ہیں ان سے واضح طور پر تعجیل عصر ثابت نہیں ہوتی ہے اس کے اثبات کے لئے ایسی دلیل پیش کرنی چاہئے جو بغیر دوسرے احتمال کے واضح طور پر تعجیل عصر پر دلالت کرتی ہو اور یہاں جو روایات لائے ہیں وہ اس طرح کی نہیں جن سے تعجیل عصر صریح طور پر ثابت ہو بلکہ یہ روایات مذکورہ تعجیل عصر اور تاخیر عصر دونوں کا احتمال رکھتی ہیں چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے کہ تعجیل عصر کے بارے میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں اور ان سے شوافعؒ وغیرہ نے جو ایک مثل پر نماز عصر کے استحباب کے قائل ہیں استدلال کیا ہے حالانکہ ان روایات میں تعجیل عصر کے احتمال کے ساتھ ساتھ تاخیر عصر کا احتمال بھی موجود ہے جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے اس لئے ان جیسی روایات سے تعجیل عصر پر استدلال درست نہیں ہے لیکن ان روایات مذکورہ کے برعکس تاخیر عصر کے استحباب پر دلالت کرنے والی روایات بالکل صریح ہیں ان میں تعجیل عصر کا احتمال ہی نہیں۔

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ ظہر کی نماز میں تعجیل کرتے اور تم حضور اکرم ﷺ سے زیادہ عصر میں تعجیل کرتے ہو۔

ابن العربیؒ نے کہا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں سکوت فرمایا ہے اور میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اور ابن الترکمانی نے کہا کہ اس حدیث کے رجال صحیح کی شرط پر ہیں لہذا حدیث صحیح ہے اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کو اس کے وقت سے پہلے جلدی پڑھنے کا عمل صحابہ کرام میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام کی تعجیل عصر پر انکار فرمایا تھا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کو تاخیر سے پڑھتے تھے جیسا کہ حدیث مذکور سے معلوم

ہوا کہ ظہر کو جلدی پڑھتے تھے۔

دوسری دلیل تاخیر عصر کے بارے میں ابوداؤد کی روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ علی بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم یمامہ سے مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے جب تک کہ آفتاب روشن اور چمکدار ہوتا یعنی آفتاب میں کوئی تغیر اور زردی نہیں آتی اس کا رنگ بالکل صاف ہوتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اصحاب ستہ وغیرہ نے بواسطہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی ہے ''**بکروا بالصلوٰۃ فی یوم الغیم فانہ من ترک صلوٰۃ العصر حبط عملہ**'' علامہ ابن الترکمانیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کا مفہوم بتارہا ہے کہ بادل کے دن کو چھوڑ کر دوسرے ایام میں عصر کی نماز تاخیر سے پڑھی جانی چاہئے اور اس قسم کا مفہوم امام شافعیؒ کے نزدیک حجت اور معتبر ہے اور علاوہ ان روایات کے اور بھی آثار ہیں جو متواتر ہیں اور تاخیر عصر پر دلالت کرتے ہیں اور مسلک حنفیہ کی تائید کرتے ہیں ہم نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں یہاں ذکر نہیں کیا مگر تاخیر عصر کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مکروہ وقت تک تاخیر کرلی جائے بلکہ کراہت کے وقت سے اتنا قبل پڑھ لے کہ اگر اعادہ کی ضرورت پڑ جائے تو مسنون طریقہ سے مکروہ وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی ہوجائے۔(**واللہ اعلم بالصواب**)

اور یہی مسلک جو روایات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوقلابہ وابراہیم نخعی وثوری اور ابن شبرمہ وغیرہم رحمہم اللہ کا ہے اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

باب التشدید فی تاخیر العصر

نمازعصر کی تاخیر پر وعید کا بیان

اخبرنا علی بن حجر بن ایاس بن مقاتل بن مشمرج بن خالد قال حدثنا اسماعیل قال حدثنا العلاء انہ دخل علی انس بن مالک رضی اللہ عنہ فی دارہٖ بالبصرۃ حین انصرف من الظھر ودارہٗ بجنب المسجد فلما دخلنا علیہ قال أصلیتم العصر قلنا لا انما انصرفنا الساعۃ من الظھر قال فصلوا العصر قال فقمنا فصلینا فلما انصرفنا قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول تلک صلوٰۃ المنافق جلس یرقب صلاۃ العصر حتی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعاً لا یذکر اللہ عزوجل فیھا الا قلیلا۔

علاء بن عبدالرحمٰن جب ظہر کی نماز پڑھ کر واپس لوٹے تو بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر پہونچے تو انہوں نے کہا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھی ہم نے کہا نہیں ہم تو ظہر پڑھ کر آرہے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا عصر کی نماز پڑھ لو علاء بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم کھڑے ہوئے اور ہم نے عصر کی نماز پڑھی پھر جب ہم واپس لوٹے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے یہ منافق کی نماز ہے وہ عصر کی نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب آفتاب شیطان کے دوسینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اس میں اللہ

تعالیٰ کو یادنہیں کرتا مگر تھوڑا۔

اخبرنا اسحق بن ابراهیم قال حدثنا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الذی تفوته صلاة العصر فکانما وتر اهلهٔ و ما لهٔ.

زہری سالم سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص سے عصر کی نماز چھوٹ گئی تو گویا اس کے اہل وعیال اور مال لوٹ لیے گئے۔

تشریح: حضرت انس ؓ کی اس حدیث میں نماز عصر کی حد سے زیادہ تاخیر پر سخت دھمکی وارد ہوئی ہے کہ جو شخص بدون عذر اور کسی مجبوری کے بیٹھے بیٹھے نماز عصر کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب آفتاب شیطان کے دوقرنوں کے درمیان غروب کرتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور ایسے وقت میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہی نہیں ہاں تھوڑا سا زبان سے یاد کرتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ایسی نماز کو نبی کریم ﷺ نے منافق کی نماز قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا'' تلک صلوۃ المنافق الخ '' تلک سے اس مخصوص نماز کی طرف اشارہ کیا ہے جو ذہن میں متعین ہے یعنی وہ نماز جو آفتاب کے زرد ہونے یا سرخ ہونے کے بعد ادا کی گئی ہو۔

'' حتیٰ اذا کان بین قرنی الشیطان '' طلوع اور غروب کے وقت آفتاب شیطان کے دوقرن کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے اس کا ذکر مختلف حدیثوں میں آتا ہے بعض حضرات نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے کہ آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت اس کے سامنے شیطان اپنے سر کے دونوں کناروں کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ کفار طلوع اور غروب کے وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے شیطان اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تاکہ سجدہ اس کے لئے ہو اور اس سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ اس کا یہ خیال ہے اور اپنے پیروکاروں سے بھی کہتا ہے کہ دیکھو یہ لوگ مجھے سجدہ کرتے ہیں۔

اور بعض علماء کرام نے اسکو مجاز پر محمول کیا ہے کہ شیطان کے دوقرن سے مراد اس کے دو گروہ ہیں جن کو شیطان گمراہ کرنے اور برائی پر اکسانے کے لئے بھیج دیتا ہے علامہ خطابی نے کہا کہ یہ بطور تمثیل فرمایا ہے کہ شیطان کو سینگ والی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دیدی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کی تاخیر شیطان کی ملمع سازی اور مکاریوں اور اس کے لوگوں کو تعجیل عصر سے روکنے کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے سینگ والے جانور اپنے سینگوں سے چیزوں کو روکتے ہیں۔

'' قام فنقرا ربعاً '' نقر سے مراد سرعت حرکت عدم اطمینان اور عدم خشوع ہے تو چار ٹھونگیں مارتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر طمانینت اور خشوع کے جلدی جلدی سجدہ کرتا ہے جیسے پرندہ جلدی جلدی دانہ چگتا ہے اور سجدے عصر کی نماز میں آٹھ ہوتے ہیں یہاں چار اس لئے فرمائے کہ پہلے سجدے کے بعد جب سر اچھی طرح نہ اٹھایا تو دونوں سجدوں کو ایک ہی سجدہ اعتبار کیا گیا ہے اور فقہاء کی تصریح کے مطابق زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ اگر سر اتنا اٹھا کہ بنسبت بیٹھک کے سجود سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ درست نہ ہوا کیونکہ وہ اس حد تک ایک ہی سجدہ شمار ہوگا اور اگر اس قدر اٹھا کہ بیٹھک سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ جائز ہے کیوں کہ اس صورت میں بیٹھا شمار ہوگا لہٰذا دوسرا سجدہ متحقق ہو جائے گا۔

بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ جس نے عصر کی نماز کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا ہے اس کا یہ عمل منافق کے عمل کے مشابہ ہوا مسلمان کو منافق کی مشابہت سے بچنا چاہئے اب رہی یہ بات کہ اس حدیث سے کس فریق کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

شوافع نے اس حدیث سے تعجیل عصر پر استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تاخیر عصر منافق کی خصلت ہے تو تعجیل مؤمن کا فعل ہونا چاہئے حنیفہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث سے تعجیل عصر پر استدلال ضعیف ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں منافقین کی نماز کا جو وقت مذکور ہے وہ غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا وقت ہے جب کہ آفتاب میں زردی اور سرخی آجاتی ہے اسکو منافقوں کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے اور ان کی مشابہت سے اجتناب کے لئے مسلمانوں کو ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ تاخیر عصر آفتاب کے زرد ہونے تک مکروہ ہے لیکن منافقین کی نماز کے وقت سے ماقبل کا جو وقت ہے وہ منافقین کی نماز کے وقت سے بالکل مختلف ہے اس وقت سورج کے اندر تغیر نہیں آتا صاف روشن رہتا ہے اور ایسے وقت میں ایک آدمی اطمینان اور خشوع سے آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے نماز عصر ادا کر سکتا ہے اس لئے اس وقت تک نماز عصر کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غرض یہ کہ تاخیر عصر آفتاب کے زرد ہونے تک مکروہ ہے حدیث میں اسکی مذمت کی گئی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث اسپر دلالت کر رہی ہے لیکن اگر عصر کا وقت اصفرار شمس کی حد تک نہیں پہنچا اور آفتاب زرد ہونے سے پہلے مسنون طریقہ سے اطمینان اور ترتیل اور تجوید کے ساتھ قرأت قرآن کی رعایت کرتے ہوئے عصر کی نماز سے فارغ ہو جائے تو کوئی قباحت نہیں کیونکہ اتنی تاخیر سے نہ وقت مکروہ داخل ہوتا ہے اور نہ نماز کے اندر کوئی کراہت آتی ہے۔

آخر وقت العصر

نماز عصر کا آخری وقت

اخبرنا یوسف بن واضح حدثنا قدامة یعنی ابن شهاب عن برد هو ابن سنانٍ عن عطاء بن ابی رباحٍ عن جابر بن عبدالله ان جبریل اتی النبی صلی الله علیه وسلم یعلمهٗ مواقیتَ الصلوٰة فتقدم جبریل ورسول الله صلی الله علیه وسلم خلفه والناس خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی الظهر حین زالت الشمس واتاه حین کان الظل مثل شخصه فصنع کما صنع فتقدم جبریل ورسول الله صلی الله علیه وسلم خلفه والناس خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی العصر ثم اتاه حین وجبت الشمس فتقدم جبریل ورسول الله صلی الله علیه وسلم خلفه والناس خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی المغرب ثم اتاه حین غاب الشفق فتقدم جبریل ورسول الله صلی الله علیه وسلم خلفه والناس خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی العشاء ثم اتاه حین انشق الفجر فتقدم جبریل ورسول الله صلی

اللہ علیہ وسلم خلفه والناس خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى الغداة ثم اتاه فى اليوم الثانى حين كان ظل الرجل مثل شخصه فصنع مثل ماصنع بالامس فصلى الظهر ثم اتاه حين كان ظل الرجل مثل شخصيه فصنع كما صنع بالامس فصلى العصر ثم اتاه حين وجبت الشمس فصنع كما صنع بالامس فصلى المغرب فنمنا ثم قمنا ثم نمنا ثم قمنا فاتاه فصنع كما صنع بالامس فصلى العشاء ثم اتاه حين امتدالفجرواصبح والنجوم بادية مشتبكة فصنع كما صنع بالامس فصلى الغداةثم قال مابين هاتين الصلاتين وقت.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے تاکہ آپ ﷺ کواوقات نماز کی تعلیم دیں تو جبریل علیہ السلام آگے بڑھے (امامت کے ارادہ سے) اور رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور لوگ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے پھر جس وقت آفتاب کا زوال ہوا تو جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھائی ظہر کی پھر جب سایہ آدمی کے قد کے برابر ہوا تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے پھر آگے بڑھے رسول اکرم ﷺ جبریل علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہوئے اور لوگ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے پھر عصر کی نماز پڑھائی پھر جب آفتاب غروب ہوا تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے پھر جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور رسول اکرم ﷺ جبریل کے پیچھے کھڑے ہوئے اور لوگ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے پھر مغرب کی نماز پڑھائی پھر جس وقت شفق غائب ہوئی تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے پھر آگے بڑھے جبریل علیہ السلام اور ان کے پیچھے رسول اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کے پیچھے لوگ کھڑے ہوئے پھر عشاء کی نماز پڑھائی پھر جب فجر طلوع ہوئی تو جبریل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے پھر جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور ان کے پیچھے رسول اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے پھر صبح کی نماز پڑھائی پھر دوسرے دن حاضر ہوئے جبکہ آدمی کا سایہ اسکے قد کے برابر ہوا پھر اسی ترتیب سے کھڑے ہوئے جس ترتیب سے گزشتہ کل کھڑے ہوئے تھے پھر ظہر کی نماز پڑھائی پھر جبکہ آدمی کا سایہ اس کے دوقد کے برابر ہوا تھا تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اسی ترتیب سے صف بندی کی جس طرح کل گزشتہ کی تھی پھر عصر کی نماز پڑھائی پھر جب سورج غروب ہوا تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور اسی طرح صف بنائی جس طرح کل گذشتہ بنائی تھی پھر مغرب کی نماز پڑھائی پھر ہم سو گئے پھر اُٹھے پھر سو گئے پھر اُٹھے تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور اسی ترتیب سے پہلے صف بنائی جیسے کل گذشتہ بنائی تھی پھر عشاء کی نماز پڑھائی پھر جب فجر پھیل گئی اور صبح ہوگئی اور ستارے نزدیک نزدیک بہت سارے ظاہر ہوگئے تو جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ کل کیا تھا پھر صبح کی نماز پڑھائی پھر فرمایا جبریل علیہ السلام نے وقت ان دونوں نمازوں کے درمیان ہے۔

تشریح :بعض شوافع نے اس حدیث سے فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال اس لئے قابل تسلیم نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے امامت کی تھی اس لئے

جبریل علیہ السلام کی اقتداء میں نبی کریم ﷺ اورلوگوں نے جونماز پڑھی وہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں بلکہ فرض پڑھنے والے کی اقتداءفرض پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی۔

''فسمنا ثم قمنا الخ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس نماز میں حاضر تھےلیکن مشہور بات یہ ہے کہ اس نماز کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا تھا اس لئے یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حدیث سنی ہے پھر اسکو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حکایت کےطور پر بیان کیا ہے یا یہ کہیں گے کہ واقعہ متعدد ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تعدد واقعہ کا قول ذکر کیا ہے اس دوسری توجیہ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول''یعلمه مواقیت الصلاة'' کوزیادہ ایقان اور حفظ کامل پر محمول کیا جائے گا۔

(والله اعلم بالصواب .كذا قال علامةالسندھیؒ)

''مابين هاتين الصلاتين وقت ''یہاں پراشکال یہ ہے کہ یہ عبارت تقاضا کرتی ہے کہ اول اور آخروقت میں داخل نہ ہو حالانکہ یہ بات مقصود تعلیم کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عبارت سے اول اور آخری وقت خارج ہو جائے تو پھر اول اور آخری وقت میں نماز کی ادائیگی غیروقت میں واقع ہوئی لہذا جبریل علیہ السلام کی یہ تعلیم اوقات نماز کی تعلیم نہ ہوئی حالانکہ وہ تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے لہذا اسکے یہ معنی ہیں کہ وقت ان دونوں یعنی اول اور آخر میں منحصر نہیں ہم نے جوعمل کیا ہے اُسے حاضرین کو بتلانے کے لئے کیا ہےلیکن ان دونوں کے درمیان بھی وقت ہے لہذا جبریل علیہ السلام کا فعل طرفین کے لئے بیان ہے اوران کا قول''مابين هاتين الصلاتين وقت ''طرفین کے درمیان جووقت ہے اس کیلئے بیان ہے۔(والله تعالیٰ اعلم)

من ادرک رکعتین من العصر

جس شخص نے عصر کی دورکعتیں پائیں اس کا کیا حکم ہے

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی حدثنا معتمر قال سمعت معمرًا عن ابن طاؤس عن ابيه عن ابن عباس عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال من ادرک رکعتين من العصر قبل ان تغرب الشمس او رکعة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے آفتاب ڈوبنے سے پہلے عصر کی دورکعتیں پائیں یا آفتاب نکلنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پائی تو اس نے عصر کی یا فجر کی نماز پالی۔

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی حدثنا معتمر قال سمعت معمرًا عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هريرة عن البنی صلی الله عليه وسلم قال من ادرک رکعة من صلاة العصر قبل ان تغيبِ الشمس او ادرک رکعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد ادرک.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جس نے سورج چھپنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی یا اس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پائی تو اس نے عصر یا فجر کی فضیلت پالی۔

اخبرنا عمرو بن منصور حدثنا الفضل بن دکین حدثنا شیبان عن یحیی عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا ادرک احدکم اول سجدة من صلاة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلاتهٗ واذا ادرک اول سجدة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلاتهٗ.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی نماز سے پہلی رکعت پالے تو اپنی نماز کو پورا کرے اور جب سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز سے پہلی رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرے۔

اخبرنا قتیبة عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار وعن بسر بن سعید وعن الاعرج یحدثون عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من ادرک رکعة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر.

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز سے ایک رکعت پائی تو اس نے صبح کی فضیلت پالی اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز سے ایک رکعت پائی تو اس نے عصر کی فضیلت پالی۔

اخبرنا ابو داؤد حدثنا سعید بن عامر حدثنا شعبة عن سعد بن ابراهیم عن نصربن عبدالرحمٰن عن جده معاذ انهٗ طاف مع معاذ بن عفراء فلم یصل فقلت الا تصلی فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا صلاة بعد العصر حتی تغیب الشمس ولا بعد الصبح حتی تطلع الشمس .

نصر بن عبدالرحمٰن اپنے دادا معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معاذ بن عفراء کے ساتھ طواف کیا مگر معاذ بن عفراء نے طواف کے بعد دو رکعت نماز نہیں پڑھی میں نے کہا کیا تم نماز نہیں پڑھو گے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے اور صبح کے بعد بھی کوئی نماز نہیں جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔

تشریح :عنوان کے تحت کی احادیث کے دو ٹکڑے ہیں ایک عصر کے متعلق دوسرا فجر کے متعلق عصر کے متعلق عنوان کے تحت کی پہلی حدیث میں تثنیہ کا لفظ یعنی رکعتیں آیا ہے باقی دوسری روایات میں مفرد کا لفظ اسی طرح تمام روایات مشہورہ میں مفرد کا لفظ یعنی رکعۃ آیا ہے اور طیالسی وغیرہ کی روایت میں شک کے ساتھ رکعتیں اور رکعۃ کا لفظ آیا ہے تو ممکن ہے کہ بعض راویوں کو شک ہوا ہو اس لئے دونوں نقل کر دیئے مگر اکثر کی روایات میں بدون شک کے مفرد کا لفظ یعنی رکعۃ آیا ہے اور جس روایت میں

تثنیہ کا لفظ آیا ہے تو ممکن ہے کہ اس کے راوی نے ارشاد نبوی سے یہی سمجھا ہو کہ مقصود حدیث سے نصف صلوٰۃ کا ادراک ہے اور وہ فجر میں ایک رکعت اور عصر میں دو رکعتیں ہیں تو راوی نے اپنی سمجھ کے مطابق تثنیہ کا لفظ روایت کر دیا مگر اکثر راویوں نے مفرد کا لفظ روایت کیا ہے اگر حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس نے عصر کی ایک رکعت یا فجر کی ایک رکعت پائی تو اس کی نماز پوری ہوگئی آگے کچھ عمل کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیوں کہ کوئی بھی مجتہد امام اس کا قائل نہیں۔

اب مطلب حدیث کیا ہوگا اس میں اختلاف ہوا ہے امام شافعیؒ اور ان کے موافقین جمہور ائمہ وقت کی قید لگاتے ہیں ان کے نزدیک تقدیر عبارت حدیث باب کی یوں ہے "فقد ادرک وقت العصر و الفجر" لہٰذا نماز کو توڑے نہیں بلکہ دوسری رکعت ملا کر اس کو تمام کر لینا چاہئے کیونکہ جب ایک رکعت کا وقت پالیا تو نماز فرض ہوئی اور جب فرض ہوئی تو اس کی تکمیل ضروری ہوئی اور جن احادیث میں "فلیتم صلاته" آیا ہے ان کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور جن روایات میں آفتاب کے غروب اور طلوع کے وقت نماز کی ممانعت آئی ہے ان کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ اس حالت پر محمول ہیں جب بغیر سبب کے دیدہ ودانستہ ان اوقات میں نماز ادا کی جائے تو اس صورت میں ان کے نزدیک وہ شخص گنہگار ہوگا جو ان اوقات میں نماز پڑھے گا لیکن اسکی نماز درست ہو جائے گی۔

بہر حال امام شافعیؒ وغیرہ حدیث باب کی بناء پر عصر اور فجر کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں نمازوں کے دوران اگر سورج غروب یا طلوع ہو جائے اور باقی نماز غروب یا طلوع کے بعد ادا کی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ انہوں نے احادیث نہی کو ظاہر پر رکھا اور مبطل نماز قرار دیا اور حدیث "من ادرک الخ" کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو نماز کے بالکل آخری وقت میں طلوع آفتاب یا غروب سے کچھ پہلے مسلمان ہوا یا کوئی لڑکا آخری وقت میں بالغ ہوا یا کوئی عورت ایسے وقت میں حیض سے پاک ہوئی اب چونکہ انہوں نے ایک رکعت کی مقدار کا وقت پالیا اس لئے ان کے ذمہ نماز فرض ہوگئی اگرچہ ابھی ادا نہ کر سکے تب بھی ان پر فرض ہوگئی بعد میں اس کی قضاء پڑھ لیں گے لیکن اس تاویل پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تاویل عنوان کے تحت کی اس حدیث میں نہیں چل سکتی جس میں آیا ہے کہ جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی یا طلوع سے پہلے فجر کی ایک رکعت پائی تو اس کے لئے حکم ہے "فلیتم صلاته" کہ اپنی نماز پوری کرلے اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے تو یہ صریح ہے کہ نماز کے متعلق حکم ہے کہ ایسے وقت میں نماز کی تکمیل کا حکم دیا جا رہا ہے اس لئے تاویل مذکور درست نہیں ہو سکتی پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام طحاویؒ نے احادیث اتمام کو احادیث نہی سے منسوخ قرار دیا ہے پھر اس پر اشکال کیا گیا کہ تاریخ کا تو علم نہیں اس لئے منسوخ قرار دینا درست نہیں تو تاریخ کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ احادیث اتمام سے اباحت اور احادیث نہی سے تحریم ثابت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب محرم اور مبیح جمع ہو جائے تو عمل محرم پر ہوگا کیوں کہ تحریم بعد میں آئی ہے اس لئے نہی کی احادیث سے احادیث اباحت کو منسوخ قرار دیا ہے، بہر حال یہ تو وہ تاویل ہے جو امام طحاویؒ نے فرمائی ہے۔

تیسرا مسلک احناف میں سے ان حضرات کا ہے جو تفریق کے قائل ہیں یعنی عصر کی نماز میں امام شافعیؒ اور جمہور کے ساتھ

ہیں کہ اگر عصر کی نماز آخری وقت میں شروع کی تو نماز کے دوران سورج غروب ہو جانے سے نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ضروری ہے لیکن فجر کی نماز میں جمہور کے خلاف کہتے ہیں کہ اگر فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا تو نماز نہیں ہوگی ایسی حالت میں نماز توڑ دے اور مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد پوری نماز پڑھے یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور صاحبین بھی اسی کے قائل ہیں لیکن حنفیہ کے قول پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حنفیہ فجر اور عصر کے درمیان کیوں فرق کرتے ہیں جب کہ حدیث کے الفاظ ادراک اور اتمام دونوں نمازیں درست ہونے کو بتلا رہے ہیں بظاہر مسلک حنفیہ حدیث کے خلاف ہے۔

اس کی توجیہ حنفیہ کی طرف سے یہ کی جاتی ہے کہ ادراک اور اتمام کی احادیث ان احادیث کے ساتھ معارض ہیں جن میں طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز کی ممانعت واقع ہوئی ہے اس لئے ہم نے اصول کے مطابق قیاس کی طرف رجوع کیا جیسا کہ تعارض کا حکم ہے کہ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ فجر کی نماز باطل ہو اور عصر کی نماز صحیح ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مانتے ہیں کہ ہر وقت کی نماز واجب ہونے کا سبب اس کا وقت ہے اور یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ شروع سے آخر تک تمام وقت سبب نہیں بلکہ سبب کل وقت میں سے اول جزء ہے جو موجود ہے وہی سبب صلوٰۃ ہے اگر اس میں نماز ادا کر لی تو بہت اچھی بات ہے ورنہ سببیت منتقل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخری جزء سبب ہوگا اب جس نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو آخری جزء جو موجود ہے وہ موجب ادا ہے لہٰذا ضرور اس پر نماز کی ادائیگی کا حکم ہوا تو جیسے اس پر ناقص وقت میں نماز واجب ہوئی کیوں کہ نماز عصر شروع کرنے کے وقت غروب سے پہلے ناقص ہی واجب ہوتی ہے تو اس کو ویسا ہی ادا کیا گیا جیسا کہ واجب ہوئی تھی لہٰذا عصر کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور فجر کی نماز شروع کرنے کے وقت سورج طلوع ہونے سے پہلے بصفت کمال واجب ہوئی تھی کیوں کہ وہاں وقت مکروہ نہیں ہے اور سورج طلوع ہونے سے وقت ناقص ہو گیا اس لئے ناقص وقت کے ساتھ ادا نہ ہوگی بلکہ ادا بھی کامل وقت میں ہونی چاہئے۔

غرض کامل نماز ناقص ادا کرنے سے ادا نہ ہوگی اس لئے فاسد ہوگئی لیکن اس توجیہ پر متعدد اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ نہی افعال شرعیہ سے ذات فعل کی مشروعیت کو مقتضی ہے مع فساد وصف کے جیسا کہ اصولیوں نے فرمایا اور حنفیہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے تو اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ طلوع اور غروب آفتاب کے وقت اگر چہ نماز پڑھنا منع ہے لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو بدون تفریق کے عصر کی طرح فجر کی نماز بھی جائز ہو جائے گی لہٰذا دونوں قسم کی احادیث میں تعارض کا دعویٰ کرنا باطل ہے اور جب تعارض کا دعویٰ باطل ہے تو توجیہ مذکور جو تعارض کے اثبات پر موقوف ہے وہ بھی باطل ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ جن احادیث میں طلوع اور غروب آفتاب کے اوقات میں نماز سے روک دیا گیا ہے وہاں صرف نہی ہے نفی کے صیغہ سے وارد نہیں ہوئی ہے اور نہی عن الصلوٰۃ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو بطلان نماز کو مقتضی ہو لہٰذا احادیث نہی اور احادیث اتمام میں تعارض کیسے ہوا تعارض تو نفی اور اثبات کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ نہی اور اثبات میں اور جب تعارض ہی واقع نہیں ہوا تو حنفیہ کا قیاس کی طرف رجوع کرنا کیسے درست ہوگا۔

اشکال اول کا جواب حضرت مولانا تھانویؒ نے بوادر النوادر میں یہ دیا ہے کہ وہ قاعدہ مذکورہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں کیوں کہ

قاعدہ کلیہ کہنے کی صورت میں وہ بہت سے مسائل سے ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت بعض روایات میں صیغہ نفی کے ساتھ وارد ہوئی ہے جیسا کہ بخاری ومسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''**لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوٰۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس**'' (مشکوٰۃ انصاری ۸۶/۱) اور مسلم نے عبداللہ الصنابحی سے نماز عصر کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''**لاصلوٰۃ بعدھا حتی تطلع الشاھد**'' (مشکوٰۃ ۸۷/۱) اور رزین نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے ''**لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس**'' (مشکوٰۃ ۸۷/۱) اب احادیث نہی اور اتمام والی احادیث میں تعارض ہوا لہٰذا قیاس کی طرف رجوع کریں گے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے اور قیاس کا جو مقتضی ہے اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے (بوادر النوادر میں مزید تفصیل سے بیان کیا ہے میں نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے بڑی اچھی تحقیق وتوجیہ فرمائی ہے)۔

باب کی آخری حدیث جو نصر بن عبدالرحمٰن نے اپنے جد معاذ سے روایت کی ہے اس سے مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ عصر اور فجر کی نماز کے بعد وہ نماز جو واجب غیری ہو یعنی واجب ذاتی نہ ہو جیسے نماز نذر وغیرہ مکروہ ہیں اسی طرح طواف کی دونوں رکعتوں کا ادا کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ ان کا واجب ہونا ذاتی نہیں بلکہ ختم طواف کی وجہ سے ہوا جو طواف کرنے والے کا فعل ہے اس لئے عصر اور فجر کے بعد انکا ادا کرنا مکروہ ہے۔

اول وقت المغرب

مغرب کے اول وقت کا بیان

اخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد بن يزيد عن سفيان الثوری عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن ابيه قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله عليه وسلم فسألهُ عن وقت الصلوٰة فقال اقم معنا هذين اليومين فامر بلالاً فاقام عند الفجر فصلی الفجر ثم امره حين زالت الشمس فصلی الظهر ثم امرهُ حين رأی الشمس بيضاء فاقام العصر ثم امره حين وقع حاجب الشمس فاقام المغرب ثم امرهُ حين غاب الشفق فاقام العشاء ثم امرهُ من الغد فنور بالفجر ثم ابرد بالظهر وانعم ان يبرد ثم صلی العصر والشمس بيضاء واخر عن ذالک ثم صلی المغرب قبل ان يغيب الشفق ثم امرهُ فاقام العشاء حين ذهب ثلث الليل فصلاها ثم قال اين السائل عن وقت الصلاة وقت صلاتكم ما بين رأيتم.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ سے

نماز کے اوقات دریافت کئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ دو دن نماز پڑھو تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان کہی حضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی پھر بلال کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کی اذان کہی جب کہ آفتاب ڈھل گیا پھر حضور ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر حکم دیا بلال کو جب کہ سورج سفید صاف اور اونچا تھا تو بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان کہی پھر بلال کو حکم دیا کہ مغرب کی اذان کہے جبکہ آفتاب کا کنارہ غروب ہو گیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان کہی پھر بلال کو حکم دیا جبکہ شفق غائب ہو گئی تو بلال رضی اللہ عنہ نے عشاء کی اذان کہی پھر دوسرے دن فجر کی نماز خوب روشن وقت میں پڑھائی پھر ظہر کی نماز خوب ٹھنڈے وقت میں پڑھائی پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ آفتاب روشن تھا اور اس وقت سے تاخیر کی جس میں گذشتہ کل پڑھائی تھی پھر شفق چھپ جانے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھائی پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو عشاء کی اذان کہی جب کہ تہائی رات گذر گئی پھر عشاء کی نماز پڑھائی پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اوقات نماز کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے تمہاری نماز کا وقت (مستحب) ان دونوں کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔

تشریح: یہاں بھی سائل کو فعلی تعلیم دی ہے دراصل بات وہ ہے جو پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ فعلی تعلیم جس قدر ذہن نشین اور اطمینان بخش ہوتی ہے قولی تعلیم اس درجہ میں نہیں ہوتی ہے اس لئے رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کو عملی تعلیم دیدی دو روز تعلیم دینے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا اوقات نماز کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے اس نے کہا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری نماز کا مستحب وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے یعنی اول اور آخر وقت سمیت کیونکہ اول اور آخر وقت میں تو خود ہی نماز پڑھ کر درمیانی حصہ کو شامل کر دیا، اس کلام کی مزید تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا اول وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سورج غروب ہو جاوے اس میں کوئی اختلاف نہیں یہ ایک اجماعی حکم ہے۔

پھر جب تک پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر شفق باقی رہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے یہی قول سفیان ثوریؒ امام احمد اور ابو ثور اور اسحٰق وغیرہ کا ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قولِ قدیم ہے اسی کو ابن الصلاحؒ اور امام نوویؒ نے صحیح کہا ہے اور امام شافعیؒ نے قول جدید میں کہا کہ مغرب کا وقت صرف اتنا ہے کہ جس میں وضو اذان اور اقامت کے بعد پانچ رکعات پڑھی جا سکیں کیوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ہی وقت میں دونوں دن امامت کی جیسا کہ اس کا بیان پیچھے عنوان ''آخر وقت الظهر'' کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے تو اس روایت کی بناء پر امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مغرب کا اول و آخر ہوتا تو فرق کرتے کیوں کہ جبرئیل علیہ السلام اسی کی تعلیم کے لئے مامور تھے لیکن یہ دلیل اس کی مساعدت نہیں کرتی ہے کیوں کہ آخری حدیث میں یہ لفظ کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے مؤید اس کا ہے کہ مغرب میں دو وقت تھے جبرئیل علیہ السلام نے صرف وقت مستحب کے بیان پر اقتصار کیا ہے پورے وقت جواز کو عملی بیان

میں داخل نہیں کیا۔

علاوہ ازیں حدیث جبرئیل علیہ السلام میں بیان کیا ہوا عمل شروع کا ہے جو مکہ میں واقع ہوا تھا اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جس امر کا بیان ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے یہ بعد کا عمل ہے اور واقعہ مدینہ کا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ضروری ہے۔

بہر حال کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر صرف حدیث جبرئیل علیہ السلام سے امام شافعیؒ کے قول جدید کا اثبات ناقابل اعتبار ہے البتہ ان کے قول قدیم کے مطابق جس کو امام نوویؒ نے صحیح قرار دیا ہے مغرب کا وقت باقی رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جاوے اور حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے مگر اس کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے کہ شفق سے کیا مراد ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو مغرب کی طرف آسمان کے کنارے پر سُرخی کے بعد نمودار ہوتی ہے تو جب تک یہ سفیدی ختم ہو کر سیاہی نہ آجاوے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں منفرد نہیں بلکہ سلف سے بھی یہی منقول ہے چنانچہ صحابہ میں سے حضرت ابوبکر، انس، معاذ بن جبل، ام المؤمنین عائشہ اور ایک روایت میں ابن عباس وابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہی بات نقل کی گئی ہے اور یہی قول عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، زفر، مزنی، ابن المنذر، خطابی رحمہم اللہ کا ہے اور لغت کے اماموں میں سے مبرد اور ثعلب وغیرہ کے قول سے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مبرد اور ثعلب کے نزدیک شفق اس بیاض کو کہتے ہیں جو سُرخی کے بعد آسمان کے کنارے پر ظاہر ہوتی ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک شفق سُرخی ہے جب تک سُرخی پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر باقی رہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے اس کے ختم ہونے کے بعد وقت ختم ہو جاتا ہے یہی قول صحابہ میں سے حضرت عمر، ابن عمر، شداد بن اوس اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور یہی قول امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے کہ اسد بن عمرو نے امام ابوحنیفہؒ سے یہی روایت کی ہے کہ شفق سُرخی ہے اور لغت کے امام خلیل بن احمد اور فراء سے منقول ہے کہ شفق سرخی کو کہتے ہیں۔

بہر حال دونوں فریق کے قول کی تائید وتقویت میں صحابہ کرام اور ائمہ لغت کے اقوال ملتے ہیں اب دونوں اقوال متعارض ہو گئے چنانچہ صاحب ہدایہ نے فرمایا "**وفیہ اختلاف الصحابۃ**" اور شفق کے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو دونوں اقوال متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئے اب وہ حدیث جس سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے وہ بدون معاوضہ کے باقی رہی اس لئے وہ حجت ہے اور وہ حدیث ابوداؤد میں موجود ہے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں اس میں آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نازل ہو کر مجھے اوقات نماز کی خبر دی الخ اس میں عشاء سے متعلق یہ بات ہے "**ویصلی العشاء حین یسود الافق**" یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت

پڑھتے تھے جب کہ آسمان کے کنارے پر سیاہی پھیل جاتی تھی اور افق اس وقت سیاہ پڑ جاتا ہے جب کہ شفق ابیض غائب ہوجائے۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ جب تک سفیدی غروب ہوکر سیاہی نہ آجائے تب تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے اس سے پہلے عشاء کی نماز نہ ہوگی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز اس وقت پڑھے جب کہ آسمان کا کنارہ سیاہ ہوجائے مگر یہ ثابت نہ ہوا کہ وقت اب آیا کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وقت سُرخی کے بعد ہوگیا ہو مگر نماز عشاء اب پڑھی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث تو اول اور آخر وقت محدود کرنے میں وارد ہوئی ہے لہٰذا یہی شروع وقت ہے تو سفیدی تک مغرب کا وقت تھا لہٰذا وہی شفق ہے، پس یہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی ترجیح میں مضبوط دلیل ہے اسی لئے شیخ ابن ہمام نے کہا کہ بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر اور روایت اسد بن عمرو عن ابی حنیفہؒ جو صاحبین کے قول کے موافق ہے پر فتویٰ دینے کو اختیار کیا ہے لیکن روایت ودرایت اس کی مساعدت نہیں کرتی ہیں روایت کی مساعدت اس سبب سے نہیں کہ یہ حدیث مرفوع کے خلاف ہے اور درایت کی مساعدت اس وجہ سے نہیں کہ امام ترمذی وغیرہ نے بواسطہ محمد بن فضیل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مغرب کا اول وقت جب کہ سورج غروب ہو''و آخر وقتها حين يغيب الافق'' کہ اس کا آخری وقت جب کہ افق غائب ہوجائے اور شفق چھپ جانے کی وجہ سے افق چھپ جاتا ہے اور تعارض اخبار اور اختلاف سلف کی وجہ سے تردد پیدا ہوگیا کہ شفق سُرخی ہے یا سفیدی اور شک پیدا ہونے کی وجہ سے اس کا قطعی فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وقت ختم ہوگیا اس لئے اقرب یہ ہے کہ شک سے وقت مغرب کا ختم نہیں ہوگا، احتیاط بھی تاخیر میں ہے تاکہ یقینی طور پر مغرب کا وقت نکل جائے اور عشاء کی ادائیگی وقت سے پہلے نہ ہو۔

(فتح القدیر)

اور شیخ ابن ہمامؒ کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلو بغا نے بھی تصحیح قدروی میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ روایت ودرایت کے اعتبار سے امام ہی کا قول زیادہ صحیح ہے''ولم يثبت رجوعه اى ابوحنيفة الى قول الصاحبين''۔

علاوہ اس کے امام ابوحنیفہؒ نے شفق کی جو تفسیر کی ہے اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی (رواہ النسائی) اس سے معلوم ہوا کہ قرأت مسنونہ کے ساتھ مغرب کا وقت اس کی گنجائش رکھتا ہے جب کہ شفق کی وہی تفسیر مانی جائے جو امام ابوحنیفہؒ نے فرمائی ہے۔

غرض کہ دلیل کے اعتبار سے امام صاحبؒ کا مسلک کمزور نہیں بہت مضبوط ہے اسی لئے ابن نجیم نے کہا کہ صحیح اور مفتی بہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

تعجیل المغرب

مغرب کی نماز جلدی پڑھنے کا بیان

اخبرنا محمد ابن بشار حدثنا محمد حدثنا شعبة عن ابی بشر قال سمعت حسان بن بلال عن رجل من اسلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم انهم کانوا یصلون مع النبی صلی اللہ علیه وسلم المغرب ثم یرجعون الیٰ اهالیهم الی اقصی المدینة یرمون ویبصرون مواقع سهامهم.

ابو بشر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حسان بن بلال رضی اللہ عنہ سے سنا ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے قبیلہ اسلم کے ایک شخص سے روایت کی کہ صحابہ مغرب کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے پھر شہر مدینہ کی آخری بستیوں میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر تیر پھینکتے اور اپنے تیروں کے گرنے کی جگہوں کو دیکھتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ مغرب کی تعجیل مستحب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں سب کا اتفاق ہے اور تعجیل کے معنی یہ ہیں کہ اذان وقت پر دینے کے بعد اذان اور اقامت کے درمیان سوائے ایک مختصر بیٹھک یا سکوت کے کچھ نہ کرے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت ہمیشہ فلاح وصلاح کے ساتھ رہے گی یا فرمایا فطرت یعنی سنت پر رہے گی جب تک مغرب کی تاخیر نہ کریں یہاں تک کہ ستارے گنجان ہو کر چمکیں۔

(رواه الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

اور یہ حدیث عنوان کے تحت کی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی تھیں کیوں کہ راوی نے جس بات کی خبر دی کہ صحابہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر مدینہ کی آخری آبادی میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹنے کے بعد تیر پھینکتے اور گرنے کی جگہ کو دیکھتے تو یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ مغرب کی نماز جلدی پڑھی جائے اور اس میں چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں۔ **(واللہ تعالیٰ اعلم)**

باب تاخیر المغرب

تاخیر مغرب کا بیان

اخبرنا قتیبة حدثنا اللیث عن خیر بن نعیم الحضرمی عن ابن هبیرة عن ابی تمیم الجیشانی عن ابی بصرة الغفاری قال صلیٰ بنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم العصر بالمخمص قال ان هذه الصلوٰة عرضت علیٰ من کان قبلکم فضیّعوها ومن حافظ علیها کان لهٗ اجرهٗ مرتین ولاصلاة بعدها حتی یطلع الشاهد والشاهد النجم.

ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم کو عصر کی نماز مخمص میں پڑھائی پھر فرمایا بیشک یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی تھی انہوں نے اس کو ضائع کر دیا (یعنی اس کا حق ادا نہیں کیا) جو شخص اس پر

مداومت کرے گا اس کو اس کا دوہرا ثواب ملے گا اور اس نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ نکلے شاہد اور شاہد ستارے کو کہتے ہیں۔

تشریح مخمص ایک جگہ کا نام ہے وہاں رسول اکرم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ان هذہ الصلوٰۃ عرضت الخ'' اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص عصر کی نماز پر مداومت کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوہرا ثواب ملے گا ایک تو اس سبب سے کہ یہ ایک نیک عمل ہے اور ضابطہ کے مطابق ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے اور دوسرا ثواب اگلے لوگوں کے برخلاف نماز عصر کے اہتمام کی وجہ سے ملے گا۔

مصنفؒ نے اس حدیث سے تاخیر مغرب کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ ستارے غروب آفتاب ہوتے ہی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ کچھ دیر بعد نکلتے ہیں تو اس سے مصنفؒ مغرب کی تاخیر کا جواز ثابت کر رہے ہیں لیکن یہ استدلال کمزور ہے اس لئے کہ مغرب کی تعجیل پر گرمی کا موسم ہو یا سردی کا سب کا اتفاق ہے اس کی تائید صحیح مشہور حدیثوں سے ہوتی ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی وجہ سے انکا ترک کر دینا درست نہیں کیوں کہ اس حدیث سے مقصود عصر کے بعد تطوع کی نفی ہے وقت مغرب کا بیان مقصد نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام بیہقیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آخر وقت المغرب

مغرب کے آخری وقت کا بیان

اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا ابو داؤد حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت ابا ایوب الازدی یحدث عن عبداللہ بن عمرو قال شعبة کان قتادة یرفعه احیانا واحیانا لا یرفعه قال وقت صلوٰة الظهر مالم تحضر العصر ووقت صلوٰة العصر ما لم تصفر الشمس ووقت المغرب مالم یسقط ثور الشفق ووقت العشاء مالم ینتصف اللیل ووقت الصبح مالم تطلع الشمس.

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے شعبہ کہتے ہیں کہ قتادہ اس حدیث کو کبھی مرفوع روایت کرتے تھے اور کبھی بطور مرفوع روایت نہیں کرتے تھے انہوں نے (عبداللہ بن عمرو) فرمایا کہ ظہر کا وقت باقی رہتا ہے جب تک عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جاوے اور مغرب کا وقت شفق کی سرخی غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت آدھی رات ہونے تک ہے اور صبح کا وقت آفتاب طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔

اخبرنا عبدة بن عبداللہ واحمد بن سلیمان واللفظ له قالا حدثنا ابو داؤد عن بدر بن عثمان قال املاءً علیَّ حدثنا ابو بکر بن ابی موسیٰ عن ابیه قال اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم سائل یسأله عن مواقیت الصلوٰة فلم یرد علیه شیئاً فامر بلالا فاقام بالفجر حین انشق ثم امرهٗ فاقام بالظهر حین زالت الشمس والقائل یقول انتصف النهار وهو اعلم ثم امرهٗ فاقام بالعصر والشمس مرتفعة ثم امرهٗ فاقام

المغرب حین غربت الشمس ثم امرهٗ فاقام بالعشاء حین غاب الشفق ثم امرهٗ بالفجر من الغد حین انصرف والقائل یقول طلعت الشمس ثم اخر الظهر الی قریب من وقت العصر بالامس ثم اخر العصر حین انصرف والقائل یقول احمرت الشمس ثم اخر المغرب حتی کان عند سقوط الشفق ثم اخر العشاء الٰی ثلث اللیل ثم قال الوقت فیما بین ھٰذین.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور نماز کے اوقات دریافت کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی جواب نہیں دیا پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی فجر کی جب کہ فجر طلوع ہوئی پھر حکم دیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان کہی جب کہ آفتاب ڈھل گیا اور بعض کہنے والا کہتا کہ ابھی تو ٹھیک دو پہر ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ جاننے والے تھے پھر حکم دیا بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان کہی اس وقت آفتاب اونچا تھا پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان کہی جب کہ سورج غروب ہوگیا پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے عشاء کی اذان کہی جب کہ شفق چھپ گئی پھر اگلے دن فجر کی اذان کا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فارغ ہوئے تو کہنے والا کہتا تھا کہ آفتاب نکلنا چاہتا ہے پھر ظہر میں تاخیر کی یہاں تک کہ کل کے وقت عصر کے قریب ہوگیا پھر عصر میں تاخیر کی یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوگئے تو کہنے والا کہتا تھا کہ آفتاب میں سُرخی آگئی پھر مغرب میں تاخیر کی یہاں تک کہ شفق چھپنے کے قریب ہوگئی پھر عشاء میں تاخیر کی یہاں تک کہ تہائی رات کے وقت پڑھی پھر پوچھنے والے سے فرمایا (میری نمازیں تم نے دیکھیں) ان کے درمیان تمہاری نماز کے اوقات ہیں۔

اخبرنا احمد بن سلیمان حدثنا زید بن الحباب حدثنا خارجة ابن عبداللہ بن سلیمان بن زید بن ثابت قال حدثنی الحسین بن بشیر بن سلام عن ابیه قال دخلت انا ومحمد بن علی علٰی جابر بن عبداللہ الانصاری فقلنا لهٗ اخبرنا عن صلٰوة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وذاک زمن الحجاج بن یوسف قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فصلی الظهر حین زالت الشمس وکان الفئی قدر الشراک ثم صلی العصر حین کان الفئی قدر الشراک وظل الرجل ثم صلی المغرب حین غابت الشمس ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین طلع الفجر ثم صلٰی من الغد الظهر حین کان الظل طول الرجل ثم صلی العصر حین کان ظل الرجل مثلیه قدر مایسیر الراکب سیر العنق الٰی ذی الحلیفة ثم صلی المغرب حین غابت الشمس ثم صلی العشاء الٰی ثلث اللیل اونصف اللیل شک زید ثم صلی الفجر فاسفر.

حسین بن بشیر بن سلام نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان کے والد نے کہا کہ حجاج بن یوسف کی امارت کے زمانہ میں میں اور محمد بن علی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ہم نے ان سے کہا کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق بتلایئے تو انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے پھر ظہر کی نماز پڑھی جبکہ آفتاب ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کے برابر

تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب کہ سایہ تسمہ اور آدمی کے سایہ کے برابر تھا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب کہ آفتاب چھپ گیا تھا پھر عشاء کی نماز پڑھی جبکہ شفق غائب ہوگئی پھر فجر کی نماز پڑھی جب کہ فجر طلوع ہوگئی پھر دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھی جب کہ سایہ آدمی کی لمبائی کے برابر تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جبکہ آدمی کا سایہ اس کے دومثل کے برابر ہوگیا تھا کہ فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت رہتا تھا کہ تیز رفتار اونٹ سوار غروب آفتاب سے پہلے ذی الحلیفہ تک چلا جاتا پھر مغرب کی نماز پڑھی جبکہ آفتاب ڈوب گیا تھا پھر عشاء کی نماز پڑھی جبکہ آدھی رات یا تہائی رات ہوچکی تھی پھر فجر کی نماز روشنی میں پڑھی۔

تشریح: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مغرب کا اول وقت فقہاء کے نزدیک غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے البتہ اس کے آخر وقت میں کچھ اختلاف ہے ترمذی میں بعض اہل علم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ نماز مغرب کے لئے صرف ایک ہی وقت ہے آخری وقت اس کے لئے نہیں ہے اور یہی قول ابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے انہوں نے اس حدیث جبرئیل علیہ السلام سے استدلال کیا ہے جس میں مغرب کی نماز کی تعلیم ایک ہی وقت میں دینے کا بیان آیا ہے لیکن یہ قول غیر مختار ہے دلائل کے اعتبار سے قول مختار یہ ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک باقی رہتا ہے یہی قول امام ابوحنیفہؒ وامام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا ہے بلکہ محققین شوافع بھی اسی کے قائل ہیں۔

چنانچہ حضرت امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب میں سے محققین کا قول یہی ہے کہ اول وقت سے مغرب کی تاخیر میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اس کی تاخیر غروب شفق تک جائز ہے اور اسی کو امام نوویؒ نے صحیح کہا ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے۔

عنوان کے تحت کی روایات سے جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جمہور فقہاء کے قول کی تائید ہوتی ہے نیز قولی روایات سے بھی قول جمہور کی تائید ہوتی ہے چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا ہے ''**ان اول وقت المغرب حين تغرب الشمس وان آخر وقتها حين يغيب الشفق**'' اس سے واضح طور پر مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے پھر جو حضرات آخر وقت مغرب کا غروب شفق تک رہنے کے قائل ہیں ان کا شفق کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے مغرب کے آخری وقت میں اختلاف ہوا جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ پیچھے گذر چکی ہے۔

كراهية النوم بعد صلوٰة المغرب

نماز مغرب کے بعد سونا مکروہ ہے

اخبرنا محمد بن بشار حدثنا يحيى قال حدثنا عوف قال حدثني سيار بن سلامة قال دخلت على ابي برزة فسألهُ ابى كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي المكتوبة قال كان يصلي الهجير التي تدعونها الاولىٰ حين تدحض الشمس وكان يصلي العصر حين يرجع احدنا الىٰ رحله فى اقصىٰ المدينة والشمس حية ونسيت ما قال فى المغرب وكان يستحب ان يؤخر العشاء التي تدعونها العتمة

وکان یکره النوم قبلها والحدیث بعدها وکان ینفتل من صلٰوۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسه وکان یقرأ بالستین الی المائة.

سیار بن سلامۃ کہتے ہیں کہ میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جس کو تم نماز پیشین کہتے ہو زوال آفتاب کے بعد پڑھتے تھے اور عصر اس وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے آخری کنارے تک لوٹ جاتا تھا پھر بھی آفتاب زندہ ہوتا تھا مغرب کے بارے میں راوی سیار بن سلامہ کو سنا ہوا بیان یاد نہیں رہا اور عشاء کو جس کو عتمہ کہتے ہو تا خیر سے ادا کرنے کو پسند فرماتے تھے اور عشاء سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد گفتگو کو ناپسند فرماتے تھے اور صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے اس وقت آدمی اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ جن کا اصلی نام نضلہ بن عبید ہے وہ ظہر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد ظہر کی نماز ادا فرما لیتے تھے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اولِ وقت میں ادا فرماتے تھے ٹھیک ہے مقتضائے حدیث سے تو یہی مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ امر بالا براد کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے زوال آفتاب کے بعد سردی کے موسم میں پڑھتے ہوں گے یا امر بالا براد سے پہلے یا بیان جواز کے لئے پڑھتے ہوں گے۔ **(واللہ تعالیٰ اعلم)**

اس حدیث میں آیا ہے کہ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد بات کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچھا نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ عشاء سے پہلے سونے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ کہیں جماعتِ عشاء فوت نہ ہو جاوے اور باتیں کرنا عشاء کے بعد اس لئے ممنوع ہے کہ اگر باتوں میں مشغول ہو کر سونے میں دیر کرے گا تو آخرِ شب میں نیند کا غلبہ ہوگا جس کی وجہ سے صبح کی نماز با جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر اس کا خطرہ نہ بھی ہو تو کم از کم دن کے معمولات وحقوق واجبہ اور عبادات کی بجا آوری میں ضرور غفلت اور سستی پیدا ہوگی اس لئے دونوں چیزیں شارع علیہ السلام کی نظر میں مکروہ ہیں جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے جبکہ اس کے برعکس بعض روایات سے دونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں دیر فرمائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا یا رسول اللہ تشریف لائیے عورتیں اور بچے سب سو گئے تو عورتوں اور بچوں کے عشاء سے پہلے سونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء سے پہلے سونا ممنوع نہیں جائز ہے۔

اور عشاء کے بعد باتیں کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آخر حیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ اچھا تم نے یہ رات دیکھی سو جو لوگ اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی ایک سو برس پر باقی نہیں رہے گا یعنی ایک صدی ختم ہونے پر ان میں سے کوئی بھی زندہ

نہیں رہے گا یہ حکم ان لوگوں کو شامل نہیں جو اس رات کے بعد پیدا ہوں گے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات تک امور مسلمین کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ باتیں کیا کرتے اور میں بھی شریک ہوتا تھا۔(رواہ الترمذی و النسائی)

تو ان روایات سے عشاء کے بعد باتیں کرنے کی اجازت ثابت ہے اب بظاہر تعارض ہے اور دفع تعارض کی صورت یہ ہے اگر عشاء سے پہلے سونا دفع کسل اور نماز میں نشاط حاصل کرنے کے قصد سے ہو خصوصاً رمضان میں یا اتفاق سے تھکاوٹ کی وجہ سے سو گیا جب کہ عشاء کے وقت بیدار ہونے پر وثوق ہو یا کوئی جگانے والا ہو تو اس وقت عشاء سے پہلے سونا جائز ہے لیکن عادت بنانا ٹھیک نہیں ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو مکروہ ہے اور عشاء کے بعد علی الاطلاق (باتیں کرنے کی) ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ قصہ گوئی اور بے فائدہ دنیا کی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے دین کی باتیں کرنا اور احکام دین اور مرضیات الٰہی کا علم اور وہ علوم جو بمنزلہ آلہ کے ہیں ان کا علم حاصل کرنا عشاء کے بعد جائز ہے جیسا کہ روایات مذکورہ سے معلوم ہو رہا ہے اب دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

اول وقت العشاء

عشاء کے اول وقت کا بیان

اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن حسین بن علی بن حسین قال اخبرنی وھب بن کیسان حدثنا جابر بن عبداللہ قال جاء جبریل علیہ السلام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین زالت الشمس فقال قم یا محمد فصلّ الظھر حین مالت الشمس ثم مکث حتی اذا کان فئی الرجل مثلہ جاء ہ للعصر فقال قم یا محمد فصلّ العصر ثم مکث حتیٰ اذا غابت الشمس جاءَ ہٗ فقال قُم فصلّ المغرب فقام فصلاّ ھا حین غابت الشمس سواءً ثم مکث حتیٰ اذا ذھب الشفق جاء ہٗ فقال قم فصلی العشاء فقام فصلاّ ھا ثم جاء ہٗ حین سطع الفجر فی الصبح فقال قم یا محمد فَصَلِّ فقام فصلیَّ الصبح ثم جاء ہٗ من الغد حین کان فئی الرجل مثلہٗ فقال قم یا محمد فصلّ فصلیَّ الظھر ثم جاء ہٗ جبریل علیہ السلام حین کان فئی الرجل مثلیہ فقال قم یا محمد فصل فصلی العصر ثم جاء ہٗ للمغرب حین غابت الشمس وقتًا واحدًا لم یزل عنہ فقال قم فصل فصلیَّ المغرب ثم جاء ہٗ للعشاء حین ذھب ثلث اللیل الاول فقال قم فصلّ فصلیَّ العشاء ثم جاء ہٗ للصبح حین اسفر جدًّا فقال قِمْ فصلّ فصلی الصبح فقال مابین ھذین وقت کلہٗ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام زوال آفتاب کے وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو اور ظہر کی نماز پڑھ لیجئے جس وقت سورج ڈھل جائے پھر ٹھہر گئے حتی کہ جب آدمی کا سایہ اس کے مثل ہو گیا (سوائے سایۂ اصلی کے) تو عصر کے وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو عصر کی نماز پڑھو پھر ٹھہر گئے حتی کہ جب سورج غروب ہو گیا تو

پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو مغرب کی نماز پڑھو تو آپ کھڑے ہوئے اور مغرب کی نماز پڑھی جب کہ غروب آفتاب ہوگیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ٹھہر گئے حتیٰ کہ جب شفق (سرخی یا سفیدی) غائب ہوگئی تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو اور عشاء کی نماز پڑھو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور عشاء کی نماز ادا کی اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے جس وقت فجر صادق ظاہر ہوگئی تھی اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو اور نماز پڑھو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز ادا فرمائی پھر دوسرے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت آئے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے ایک مثل کے برابر تھا اور فرمایا کہ اے محمد اٹھو اور نماز پڑھو تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام اس وقت آئے جبکہ آدمی کا سایہ اس کے دو مثل ہو چکا تھا فرمایا کہ اے محمد اٹھو اور نماز پڑھو تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز ادا فرمائی پھر مغرب کے لئے غروب آفتاب کے وقت آئے ایک ہی وقت میں اس سے آگے پیچھے نہیں ہوئے اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ اٹھو نماز پڑھو آپ ﷺ نے نماز مغرب ادا فرمائی پھر عشاء کے لئے اس وقت آئے جب کہ رات کا پہلا تہائی حصہ گذر چکا تھا اور فرمایا اے محمد اٹھو نماز پڑھو تو آپ ﷺ نے نماز عشاء ادا فرمائی پھر صبح کے وقت آئے جبکہ خوب روشنی ہوگئی تھی اور فرمایا کہ یا محمد اٹھو اور نماز پڑھو تو آپ ﷺ نے صبح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کا درمیانی حصہ بھی نماز کا وقت ہے۔

تعجیل العشاء

نمازِ عشاء کو جلدی ادا کرنے کا بیان

اخبرنا عمرو بن علی ومحمد ابن بشار قالا حدثنا محمد حدثنا شعبة عن سعد بن ابراهیم عن محمد بن عمرو بن حسن قال قدم الحجاج فسألنا جابر بن عبدالله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الظهر بالهاجرة والعصر والشمس بيضاء نقية والمغرب اذا وجبت الشمس والعشاء احيانًا كان اذا رأهم قد اجتمعوا عجّل واذا راهم قد ابطأوا اَخّر.

محمد بن عمرو بن حسن فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف آیا تو ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا نماز کے اوقات کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ ظہر کی نماز شروع زوال کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے جبکہ سورج روشن صاف ہوتا تھا اور مغرب کی نماز پڑھتے تھے جب کہ آفتاب غروب ہو جاتا اور عشاء کی نماز کبھی جلدی پڑھتے جبکہ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں اور کبھی تاخیر سے پڑھتے جبکہ دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کر دی۔

تشریح :حجاج بن یوسف اپنی امارت کے دور میں نمازیں بہت زیادہ تاخیر سے پڑھتا تھا اس لئے لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات مسنونہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے اس کا جواب دیا جس کی تفصیل اس حدیث میں ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ آدمی کی نماز ایک شخص کے ساتھ زیادہ ثواب رکھتی ہے اکیلے کی نماز سے اور دو شخصوں کے ساتھ زیادہ ثواب رکھتی ہے ایک شخص کے ساتھ کی نماز سے اور جس قدر زیادہ ہوں تو وہ زیادہ محبوب ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ شاید اسی

کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا جو حدیث میں مذکور ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

باب الشفق

شفق کا بیان

اخبرنا محمد بن قدامة قال حدثنا جرير عن رقبة عن جعفر بن اياس عن حبيب بن سالم عن النعمان بن بشير قال انا اعلم الناس بميقات هذه الصلاة عشاء الأخرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها لسقوط القمر لثالثة.

حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں اس نماز عشاء کے وقت کو سب سے زیادہ جانتا ہوں رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز تیسری رات کا چاند غروب ہونے کے وقت پڑھتے تھے۔

اخبرنا عثمان بن عبدالله حدثنا عفان حدثنا ابو عوانة عن ابی بشر عن بشير بن ثابت عن حبيب بن سالم عن النعمان بن بشير قال والله انی لاعلم الناس بوقت هذه الصلاة صلاة العشاء الأخرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها لسقوط القمر لثالثة.

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اس نماز عشاء کے وقت کو آپ ﷺ یہ نماز تیسری رات کا چاند غروب ہونے کے وقت ادا فرماتے تھے۔

تشریح: حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ تیسری رات کا چاند غالباً شفق احمر غائب ہونے کے قریب چھپ جاتا ہے لہٰذا اس سے امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ شفق سرخی کو کہتے ہیں جو افق پر نمودار ہوتی ہے جب وہ چھپ جائے تب عشاء کا اول وقت شروع ہوتا ہے لہٰذا اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ تعجیل عشاء افضل ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ تاویل قابلِ تسلیم نہیں کیوں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ دوسری رات کا چاند غالباً شفق غائب ہونے کے قریب چھپ جاتا ہے نہ کہ تیسری رات کا چاند، تیسری رات کا چاند غائب ہونے میں کئی گھنٹے کا فصل ہوتا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ڈھائی گھنٹے سے بھی زیادہ وقت گذرنے کے بعد تیسری رات کا چاند غروب ہوتا ہے جبکہ شفق احمر اس سے بہت پہلے چھپ جاتی ہے لہٰذا اس حدیث سے حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

مايستحب من تاخير العشاء

تاخیر عشاء مستحب ہونے کا بیان

اخبرنا سويد بن نصر حدثنا عبدالله عن عوف عن سيار بن سلامة قال دخلت انا وابی علی ابی برزة الاسلمی رضی اللہ عنہ فقال له ابی اخبرنا كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلی المكتوبة قال كان يصلی الهجير التی تدعونها الاولى حين تدحض الشمس وكان يصلی العصر ثم يرجع احدنا الى

رحله فی اقصٰی المدینة والشمس حیة قال ونسیت ماقال فی المغرب قال وکان یستحب ان تؤخر صلاة العشاء التی تدعونها العتمة قال وکان یکره النوم قبلها والحدیث بعدها وکان ینفتل من صلاة الغداة حین یعرف الرجل جلیسه وکان یقرأ بالستین الی المائة.

حضرت سیار بن سلامہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد دونوں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے میرے والد نے فرمایا کہ ہمیں بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کس وقت ادا فرماتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر والی نماز کو جس کو تم نماز پیشین کہتے ہو زوال آفتاب کے وقت ادا فرماتے تھے اور عصر کی نماز ادا کرتے پھر ہم میں سے بعض لوگ مدینہ منورہ کی آخری آبادی میں اپنی منزل تک پہنچ جاتے حالانکہ سورج زندہ رہتا اور فرمایا کہ مغرب کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ میں بھی بھول گیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز جس کو عتمہ کہتے ہو اس کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے اور فرمایا کہ آپ ناپسند کرتے تھے عشاء سے قبل سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر آدمی اپنے ساتھی کو پہنچان سکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے۔

اخبرنی ابراهیم بن الحسن ویوسف بن سعید واللفظ له قالا حدثنا حجاج عن ابن جریج قال قلت لعطاء ای حین احب الیک ان اصلی العتمة امامًا اوخلوًا قال سمعت ابن عباس یقول اعتم رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات لیلة بالعتمة حتی رقد الناس واستیقظوا ورقدوا واستیقظوا فقام عمر فقال الصلاة الصلاة قال عطاء قال ابن عباس خرج نبی الله صلی الله علیه وسلم کانی انظر الیه الاٰن یقطر رأسهٗ ماء واضعًا یدهٗ علی شق رأسه قال واشار فاستثبت عطاءً کیف وضع النبی صلی الله علیه وسلم یدهٗ علٰی رأسه فاومأ الیَّ کما اشار ابن عباس فبددلی عطاء بین اصابعه بشئی من تبدید ثم وضعها فانتهی اطراف اصابعه الٰی مقدم الرأس ثم ضمها یمربها کذالک علی الرأس حتی مست ابهاماه طرف الاذن مما یلی الوجه ثم علی الصدغ وناحیة الجبین لایقصر ولا یبطش شیئًا الا کذالک ثم قال لولا ان اشق علٰی امتی لامرتهم ان لا یصلوها الاهکذا.

ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک عشاء کا کون سا وقت زیادہ محبوب ہے کہ میں اس میں عشاء کی نماز پڑھا کروں خواہ میں امام ہوں یا منفرد تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز عشاء کو اتنا مؤخر کیا کہ لوگ سو کر بیدار ہوئے اور پھر سوئے اور بیدار ہوئے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر آواز لگائی حضرت نماز کے لئے تشریف لایئے نماز کے لئے تشریف لایئے حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے گویا کہ میں اس وقت آپ کو دیکھ رہا ہوں آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اس حال میں آپ اپنا ہاتھ اپنے سر کی ایک جانب رکھے ہوئے تھے اس کو ابن

عباس ﷺ نے اشارے سے بتایا حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھے ہوئے تھے تو انہوں نے مجھے اسی طرح اشارے سے بتایا جس طرح حضرت ابن عباس ﷺ نے اشارہ کے طور پر بتایا تھا پس حضرت عطاء نے مجھے سمجھانے کے لئے اپنی انگلیاں کھول لیں (تھوڑی سی) پھر انہوں نے انگلیوں کو سر پر اس طرح سے رکھا کہ انگلیوں کے کنارے سر کے اگلے حصے تک پہنچ گئے پھر انگلیوں کو ملایا اور ان کو سر پر اس طرح سے پھیرا حتی کہ دونوں انگوٹھوں نے چھویا کانوں کی اس جانب کو جو چہرے سے متصل ہے اس کے بعد کنپٹی اور پیشانی کے کنارہ پر پھیرا پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ اس نماز کو اسی وقت میں ادا کریں۔

اخبرنا محمد بن منصور المکی حدثنا سفیان عن عمرو عن عطاء عن ابن عباس وعن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس قال اخّر النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ذات لیلۃ حتی ذھب من اللیل فقام عمر رضی اللہ عنہ فنادیٰ الصلاۃ یارسول اللہ رقد النساء والولدان فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والماء یقطر من رأسہ وھو یقول انہٗ الوقت لولا ان اشق علی اُمّتی.

حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز کو رات کا کچھ حصہ گذرنے تک مؤخر فرمایا پھر حضرت عمر ﷺ اٹھے اور آواز لگائی کہ یا رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائیے عورتیں اور بچے سب سو گئے پھر جناب رسول اللہ ﷺ باہر نکلے درآنحالیکہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور فرما رہے تھے بیشک زیادہ محبوب وقت نماز کا یہ ہے اگر مجھے میری امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو اسی وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

اخبرنا قتیبۃ قال حدثنا ابو الاحوص عن سماک عن جابر بن سمرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤخر العشاء الأخرۃ.

حضرت جابر بن سمرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ پچھلی عشاء کو کچھ تاخیر سے ادا کرتے تھے۔

اخبرنا محمد بن منصور حدثنا سفیان حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بتأخیر العشاء وبالسواک عند کل صلاۃ.

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اگر اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو انہیں عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

آخر وقت العشاء

عشاء کے آخری وقت کا بیان

اخبرنا عمرو بن عثمان قال حدثنا ابن حمیر حدثنا ابن ابی عیلۃ عن الزھری واخبرنا عمرو بن

عثمان قال حدثنی ابی عن شعیب عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت اعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة بالعتمة فناداہ عمر رضی اللہ عنہ نام النساء والصبیان فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وما ینتظرھا غیرکم ولم یکن یصلی یومئذٍ الابالمدینة ثم قال صلوھافیما بین ان یغیب الشفق الٰی ثلث اللیل واللفظ لابن حمیر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز میں دیر لگادی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو پکارا کہ عورتیں اور بچے سوگئے ہیں تو رسول اکرم ﷺ باہر نکلے اور فرمایا تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کرتا اور اس وقت مدینہ میں ہی عشاء کی نماز پڑھی جاتی تھی پھر ارشاد فرمایا کہ اس نماز کو غروب شفق سے ثلث لیل تک کے درمیان وقت میں پڑھو اور یہ ابن حمیر کے الفاظ ہیں۔

اخبرنا ابراھیم بن الحسن قال حدثنا حجاج قال قال ابن جریج واخبرنی یوسف بن سعید حدثنا حجاج عن ابن جریج قال اخبرنی المغیرة بن حکیم عن ام کلثوم ابنة ابی بکر انھا اخبرته عن عائشة ام المؤمنین قالت اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة حتی ذھب عامة اللیل وحتی نام اھل المسجد ثم خرج فصلیٰ وقال انهٗ لوقتھا لولاان اشق علٰی اُمتی.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ نے عشاء کی نماز میں دیر لگائی حتی کہ اکثر حصہ رات کا گذر گیا اور اہل مسجد سوگئے پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور نماز پڑھی پھر فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو اسی وقت میں نماز عشاء ادا کرنے کا حکم دیتا۔

اخبرنا اسحق بن ابراھیم اخبرنا جریر عن منصور عن الحکم عن نافع عن ابن عمر قال مکثنا ذات لیلة ننتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعشاء الاٰخرة فخرج علینا حین ذھب ثلث اللیل او بعدهٗ فقال حین خرج انکم تنتظرون صلاة ما ینتظرھا اھل دین غیرکم ولولاان یثقل علٰی امتی لصلیت بھم ھذہِ الساعة ثم امر المؤذن فاقام ثم صلیٰ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک رات عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے رہے پھر جناب رسول اللہ ﷺ اس وقت ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ تہائی رات گذر چکی تھی یا اس کے بھی بعد پھر جب تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ایسی نماز کا انتظار کرتے رہے ہو کہ تمہارے علاوہ کوئی دین والا اس کا انتظار نہیں کرتا اور اگر میری امت پر اس وقت نماز پڑھنا بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں اسی وقت نماز پڑھاتا پھر موذن کو حکم فرمایا اس نے اقامت کہی پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

اخبرنا عمران بن موسی حدثنا عبدالوارث حدثنا داؤد عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاة المغرب ثم لم یخرج الینا حتی ذھب شطر اللیل فخرج

فصلّی بهم ثم قال ان الناس قد صلوا وناموا وانتم لم تزالو فی صلوٰة ما انتظرتم الصلاة ولولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لامرت بهذہ الصلاة ان تؤخر الٰی شطر اللیل.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی پھر ہمارے پاس آدھی رات گذرنے تک تشریف نہیں لائے اس کے بعد تشریف لائے اوران کونماز پڑھائی پھر فرمایا کہ بعض لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سوگئے اورتم نماز میں مشغول رہے ہو جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہو اور اگر ضعیف کا ضعف اور بیمار کی بیماری نہ ہوتی تو میں ضرور اس نماز کے بارے میں یہ حکم کرتا کہ اسے آدھی رات تک مؤخر کیا جائے۔

اخبرنا علی بن حجر اخبرنا اسماعیل ح واخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا خالد قالا حدثنا حمید قال سئل انس هل اتخذ النبی صلی الله علیه وسلم خاتمًا قال نعم اخر لیلة صلاة العشاء الأخرة الٰی قریب من شطر اللیل فلما ان صلی اقبل النبی صلی الله علیه وسلم علینا بوجهه ثم قال انکم لن تزالوا فی صلاة ماانتظرتموها قال انس کانی انظر الٰی وبیص خاتمه فی حدیث علیٍّ وهو ابن حجر الی شطر اللیل.

حضرت حمید فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء آخرہ کونصف شب تک کے قریب تک مؤخر کردیا پھر جب نماز پڑھ چکے تو ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جتنی دیر تم انتظار کرتے رہے اتنا وقت تم نماز ہی میں ہوتے ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔علی بن حجر کی حدیث میں الٰی شطر اللیل کے الفاظ ہیں۔

تشریح: یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ عشاء کا اول وقت شفق چھپ جانے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اس کے آخری وقت کے تعین کے بارے میں احادیث میں لفظی اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس وابوموسیٰ اشعری وابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کوتہائی رات تک مؤخر کیا اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایات میں آیا ہے کہ آدھی رات ہونے تک مؤخر کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دوتہائی رات تک تاخیر کرنا بیان کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں عامة اللیل کا لفظ فرمایا ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ بیشتر رات گذر چکی تھی یہ سب احادیث صحاح میں موجود ہیں۔

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام رات عشاء کی نماز کا وقت ہے لیکن مراتب کا فرق ہے اول وقت سے ایک تہائی رات تک افضل ہے اس کے بعد نصف رات تک فضیلت کم ہے اور نصف کے بعد سب سے کم درجہ ہے۔

غرض یہ ہے کہ ان اوقات میں سے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے اور کیسے مکروہ ہوگا جب کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نصف رات اور دوتہائی رات تک بلکہ اس سے بھی بعد میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء پڑھی اب بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ نصف رات کے بعد وقت مکروہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مزید تفصیل شروحات ہدایہ میں ملاحظہ ہو۔

الرخصة فی ان یقال للعشاء العتمة

عشاء کوعتمہ کہنے کی رخصت کا بیان

اخبرنا عتبة بن عبدالله قال قرأت علی مالک بن انس والحارث بن مسکین قراء ة علیه واناأسمع عن ابن القاسم قال حدثنی مالک عن سمّی عن ابی صالح عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لویعلم الناس مافی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الاان یستهموا علیه لاستهموا ولو یعلم الناس مافی التهجیر لاستبقوا الیه ولو علموا مافی العتمة والصبح لاتوهما ولو حبوًا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ اس ثواب کو جان لیتے جواذان اور صف اول میں ہے پھر بغیر قرعہ اندازی کے اسے حاصل نہ کر پاتے تو ضرور وہ لوگ قرعہ اندازی کرتے اور اگر لوگ ظہر کی نماز کے لئے سویرے جانے کے ثواب کو جان لیتے تو ضرور وہ لوگ اس کی طرف دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے اور اگر لوگ اس ثواب کو جان لیتے جو عتمہ (عشاء) اور صبح کی نماز میں ہے تو ان دونوں کی جماعت میں ضرور شامل ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔

الکراهیة فی ذالک

لفظ عتمہ کی کراہت کا بیان

اخبرنا احمد بن سلیمان حدثنا ابو داؤد هو الحفری عن سفیان عن عبدالله بن ابی لبید عن ابی سلمة عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تغلبنکم الاعراب علٰی اسم صلاتکم هٰذهٖ فانهم یعتمون علی الابل وانها العشاء.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعرابی تم پر تمہاری اس نماز کے نام پر ہرگز غالب نہ آئیں کیوں کہ وہ لوگ اونٹنیوں کا دودھ نکالنے کی وجہ سے عشاء میں دیر کرتے ہیں اور سن لو کہ وہ حقیقت میں عشاء ہے۔

اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبدالله بن المبارک عن ابن عیینة عن عبدالله بن ابی لبید عن ابی سلمه بن عبدالرحمن عن ابن عمر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول علی المنبر لا تغلبنکم الاعراب علٰی اسم صلاتکم الا انها العشاء .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ تم پر اعرابی لوگ تمہاری نماز کے نام پر غالب نہ آئیں سن لو بیشک وہ عشاء کی نماز ہے۔

تشریح: عرب گنوار شفق چھپ جانے کے بعد اونٹنیوں کا دودھ دوہنا شروع کرتے تھے اس لئے عشاء کی نماز میں دیر ہو جاتی تھی اور سخت اندھیرا ہو جاتا تھا اس کے بعد وہ عشاء کو پڑھتے تھے اس لئے وہ اس کو صلوٰۃ العتمہ کہتے تھے عتمہ کے معنی

ہیں رات کا سخت اندھیرا۔

شریعت اسلامیہ اس لفظ کے استعمال کو پسند نہیں کرتی اس لئے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم عشاء بولا کرو کیوں کہ قرآن پاک میں اسی کا ذکر آیا ہے عتمہ گنوار جاہلیت کا نام ہے ان کی موافقت سے احتراز کرو لیکن بعض روایات سے عتمہ کہنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اس لئے ایک معتدل طریقہ بتایا گیا ہے اور یہی بات دونوں قسم کی روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ بالکلیہ نفسِ استعمال کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اکثار سے منع کیا گیا ہے یعنی اسم عتمہ کا استعمال کثرت سے کرنے کی ممانعت کی گئی ہے حتی کہ اعراب تم پر غالب آجائیں کہ تم نے ان کی بولی اپنے میں جاری کی اس سے روکا گیا ہے نفس استعمال کی ممانعت نہیں ہے اس توجیہ سے تعارض بین الاحادیث کا اشکال ختم ہوگیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اول وقت الصبح

نماز صبح کے اول وقت کا بیان

اخبرنا ابراهیم بن هارون حدثنا حاتم بن اسماعیل قال حدثنا جعفر بن محمد بن علی بن الحسین عن ابیه ان جابر بن عبدالله قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الصبح حین تبین له الصبح.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح اس وقت پڑھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صبح ظاہر ہوگئی۔

اخبرنا علی ابن حجر حدثنا اسماعیل حدثنا حمید عن انس ان رجلا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فسألهٗ عن وقت صلاةِ الغداة فلما اصبحنا من الغدامر حین انشق الفجر ان تقام الصلوٰة فصلّٰی بنا فلما کان من الغدااَسفر ثم امر فاقیمت الصلاة فصلیٰ بنا ثم قال این السائل عن وقت الصلاة مابین هٰذین وقت.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر صبح کی نماز کے وقت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا پس جب ہم نے کل صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع فجر کے وقت نماز کے لئے اقامت کا حکم فرمایا پھر نماز پڑھائی پھر جب اگلے سے اگلا دن آیا اور اجالا ہوگیا تو اس وقت نماز کے لئے تکبیر کا حکم فرمایا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ارشاد فرمایا کہ نماز کے وقت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے اور فرمایا کہ ان دونوں (وقتوں) کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

التغليس فی الحضر

حالت حضر میں اندھیرے میں نماز پڑھنے کا بیان

اخبرنا قتیبة عن مالک عن یحیی بن سعید عن عمرة عن عائشة قالت ان کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن مایعرفن من الغلس.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے تھے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹتی تھیں درآنحالیکہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔

اخبرنا اسحق بن ابراهیم حدثنا سفیان عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت کن النساء یصلین مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الصبح متلفعات بمروطهن فیرجعن فما یعرفهن احدمن الغلس.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتی تھیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہونے کی حالت میں پھر وہ لوٹتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔

تشریح: یہ اجماعی بات ہے کہ غلس اور اول طلوع فجر میں نماز جائز ہے کلام صرف استحباب میں ہے امام شافعیؒ اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک صبح کی نماز غلس میں پڑھنا افضل ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسفار میں تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے روایات دونوں جانب ہیں۔

ایک تو یہ حدیث باب ہے جو شوافع کے دلائل میں سے ایک مضبوط دلیل ہے اس سے غلس میں نماز پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے حنفیہ چونکہ اسفار کو مستحب کہتے ہیں یہ حدیث ان کے خلاف ہے ان کی طرف سے بعض حضرات نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ غلس سے مراد مسجد کے اندر کی تاریکی ہے اگرچہ باہر اسفار تھا چنانچہ اب بھی ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مسجد کے اندر چھت کے پردہ میں تاریکی ہوتی ہے حالانکہ باہر صحن میں روشنی پھیل جاتی ہے لیکن محققین کہتے ہیں کہ یہ کوئی ٹھوس جواب نہیں ہوا کیوں کہ بیان تو وقتِ نماز کا ہے نہ کہ مسجد کی روشنی اور تاریکی کا اس لئے تغلیس مسجد پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ''فینصرف النساء'' کا لفظ آیا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عدم شناخت مسجد چھوٹی ہونے اور نیچی چھت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رجوع کے وقت ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتا تھا بعض روایات میں ہے کہ بعض عورتیں بعض کو نہ پہچانتی تھیں حالانکہ اپنے ہم جنس ہونے کی وجہ سے شناخت کوئی مشکل نہ تھی مگر ان کا نہ پہچاننا اس بات کی دلیل ہے کہ غلس کی وجہ سے نہ پہچانی جاتی تھیں غرض نصوص کی تلاش سے معلوم ہوا کہ اکثر احادیث سے غلس میں پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے اب انہیں ضعیف قرار دینا یا منسوخ کہہ دینا یا اپنے مسلک کے مطابق بنانے کے لئے خلافِ ظاہر تاویل کرنا طریقۂ اعتدال سے خارج اور انصاف کے خلاف ہے۔ حق بات یہ ہے کہ تغلیس بلاشبہ ثابت ہے ایسا ہی روایات سے اسفار بھی ثابت ہے جس کی افضلیت کے احناف قائل ہیں چنانچہ اسی کتاب میں عنوان سابق سے متصل باب الاسفار کے تحت کی احادیث سے مسلک حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اور یہ قولی حدیث ہے یعنی فجر میں اسفار کا حکم دیا مع اس بیان کے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور یہ حدیث ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ مروی ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے لیکن عجیب بات ہے کہ بعض شافعیہ نے اسفار کی حدیث میں غیر موزوں تاویل کی ہے چنانچہ خطابیؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ وہ اسفار کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ صبح صادق اور صبح کاذب میں خوب اچھی طرح شناخت کرلو اس طرح کہ شبہ نہ رہے یہ تاویل بالکل نامناسب ہے اس لئے کہ جب تک صبح صادق ہونا کھل نہ جاوے تو نماز درست ہونے کا حکم ہی نہ دیا جائے گا پھر بڑا ثواب

تو در کنار رہا حالانکہ روایت میں ''فانہ اعظم بالاجر'' آیا ہے تو صیغۂ تفضیل بتلاتا ہے کہ اجر غلس میں بھی ہے ہاں اعظمیت وافضلیت اسفار میں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ حدیث اسفروا الخ کی مراد وہی ہے جو احناف نے بیان کی کہ صبح کی نماز کو تاخیر سے اسفار کے وقت میں پڑھا جاوے اس صورت میں صیغہ تفضیل کا مفہوم اپنی جگہ صحیح رہے گا بخلاف اس معنی کے جو علامہ خطابیؒ نے بیان کئے ہیں وہ حدیث کے سیاق وسباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل تسلیم ہے۔

غرض کہ اس تقریر مذکور سے واضح ہو گیا کہ احادیث سے تغلیس اور اسفار دونوں کا ثبوت ہے اب اگر شافعیہ تغلیس کو افضل کہیں کیوں کہ اس میں مبادرت ومسارعت ہے اور امتثال فوری ہے اور حنفیہ اسفار کو افضل کہیں کیوں کہ اس سے تکثیر جماعت ہوگی اور اس سے زیادہ ثواب ہوگا تو دونوں کا قول صحیح ہے جیسا کہ ایک ماہر تفسیر اور ایک ماہر حدیث تو دونوں من وجہ افضل ہوں گے اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں سمجھ لیں اور جب دونوں فریق کا قول صحیح ہے تو پھر کسی پر تنقید نہیں کی جائے گی۔

علاوہ اس کے اصولی طور پر مسلک حنفیہ قابل ترجیح ہونا چاہئے کیوں کہ اسفار کی روایت قولی ہے اور غلس کی روایات تمام فعلی ہیں لہٰذا قاعدہ کے لحاظ سے تعارض کی صورت میں حدیث قولی کو فعلی پر ترجیح دی جاتی ہے مگر مخالفین نے اس اصول کو نظر انداز کر کے اور طریقہ لیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ بیشک قولی حدیث کو فعل پر ترجیح ہے لیکن کیا علی الاطلاق قولی حدیث کو فعلی پر حق ترجیح ہے یا کوئی تفصیل ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث قولی کو ایسے فعل پر ترجیح ہے جو احیاناً (کبھی کبھار) واقع ہوا ہو لیکن یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہے چنانچہ حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ انصاری کی حدیث جو صحیح الاسناد ہے بتلا رہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صبح کی نماز کو غلس میں پڑھا اور دوسری بار اسفار میں ادا کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تغلیس میں رہی یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا۔

(رواہ ابو دؤاد وابن حبان)

تو اس روایت سے اور اسی طرح حضرت عائشہ وغیرہا کی روایات سے دائمی تغلیس ثابت ہوتی ہے لہٰذا ایسے دوامی فعل پر ترجیح صحیح نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

امام طحاویؒ نے ایک توجیہ یہ کی ہے اس کو حافظ ابن قیم وغیرہ نے بھی پسند کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نماز فجر کی ابتداء غلس میں اور ختم اسفار میں کی جائے اب کوئی تعارض نہیں ہے دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنا اسی طرح سے ممکن ہے اور امام طحاویؒ نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول ہے مگر بدائع وغیرہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ سے ظاہر روایت یہ بیان کی ہے کہ شروع نماز بھی اسفار میں اور ختم بھی اسفار میں ہو اب بظاہر امام طحاویؒ کی روایت اور ظاہر الروایت میں اختلاف ہے بعض محققین نے اس کو ختم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کچھ اختلاف نہیں ہے کیوں کہ اسفار کی ابتداء میں بہ نسبت انتہاء اسفار کے کچھ تاریکی ہوتی ہے تو امام طحاویؒ نے اسی کو غلس کہا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں یہی غلس مراد ہے نہ کہ وہ جو طلوع فجر ہوتے ہی نمودار ہوتا ہے کیوں کہ وہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی تصریح کے خلاف وقت ہے اب خوب واضح ہو گیا کہ روایات

تغلیس اوراسفار میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ جس وقت کوحضورا کرم ﷺ نے اسفارفرمایا یعنی ارشادمبارکہ اسفروا بالفجر الــــخ ''میں اسی کوحضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے غلس کہاہے کیوں کہ اس وقت ایک طرح کی تاریکی ہوتی ہے اب حدیث ''اسفروا بالفجر '' کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے لوگوں کوارشادفرمایا کہ فجر کے طلوع ہوتے ہی نمازشروع نہ کرو بلکہ اسفار ہونے دوتو اول وقت اسفار میں شروع کرواس صورت میں نماز اسفار کامل میں ختم ہوگی کیونکہ اس وقت کچھ تاریکی نہیں ہوتی ہے بخلاف اول اسفار کے کہ اس وقت کچھ تاریکی تھی حتی کہ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کوغلس سے تعبیر کیا ہے۔

کلام کا حاصل یہ ہوا کہ فجر کی نماز میں افضل وقت یہ ہے کہ فجر طلوع ہونے کے فوراً بعد شروع نہ کرے بلکہ اول اسفار ہونے کے بعد شروع کرے جبکہ ایک طرح کا غلس بھی باقی ہے اور تغلیس کی روایات میں اسی کوغلس کہا گیا ہے اور اسفار کی روایات میں اسی کواسفار سے تعبیر کیا گیا ہے اوراسی غلس پر حضورا کرم ﷺ کا دوام رہااوراسی اسفار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے اب دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

التغليس فى السفر

حالت سفر میں اندھیرے میں نماز پڑھنے کا بیان

اخبرنا اسحق بن ابراهيم اخبرنا سليمان بن حرب حدثنا حماد بن زيد عن ثابت عن انس قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر صلاة الصبح بغلس وهو قريب منهم فاغار عليهم وقال الله اكبر خربت خيبر مرتين انااذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن صبح کی نماز پڑھائی اندھیرے میں درآنحالیکہ مقام خیبران سے قریب تھا پھران پرحملہ کیااورفرمایا اللہ اکبر تباہ ہوا خیبر دومرتبہ فرمایا تحقیق ہم لوگ جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔

باب الاسفار

اجالے میں صبح کی نمازادا کرنے کا بیان

اخبرنا عبيدالله ابن سعيد حدثنا يحيى عن ابن عجلان قال حدثنى عاصم بن عمر بن قتادة عن محمود بن لبيد عن رافع بن خديج عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اسفروا بالفجر.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی نماز اجالے میں پڑھو۔

اخبرنا ابراهيم بن يعقوب حدثنا ابن ابى مريم اخبرنا ابوغسّان قال حدثنى زيد بن اسلم عن عاصم بن عمر بن قتادة عن محمود بن لبيد عن رجال من قومه من الانصار ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مااسفرتم بالفجر فانهٔ اعظم بالاجر.

حضرت محمود بن لبید اپنی قوم انصار کے بعض لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کو جب تک تم روشنی میں پڑھتے رہوگے تو تم کو اجر وثواب بھی بہت زیادہ ملتا رہے گا۔

باب من ادرک رکعة من صلٰوة الصبح

باب جس نے صبح کی نماز میں سے ایک رکعت پائی ہو اس کا کیا حکم ہے

اخبرنا ابراهیم بن محمد ومحمد بن المثنی واللفظ له قالا حدثنا یحیی عن عبدالله ابن سعید قال حدثنی عبدالرحمن الاعرج عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من ادرک سجدة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرکها ومن ادرک سجدة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرکها.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے صبح کی نماز کا ایک سجدہ پالیا طلوع آفتاب سے پہلے تو اس نے نماز صبح کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کے ایک سجدہ کو پالیا تو اس نے نماز عصر کو پالیا۔

اخبرنا محمد بن رافع حدثنا زکریا بن عدی حدثنا ابن المبارک عن یونس بن یزید عن الزهری عن عروة عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من ادرک رکعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرکها ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرکها.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے فجر کی ایک رکعت کو طلوع آفتاب سے پہلے پالیا تو اس نے نماز فجر کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت کو پالیا تو اس نے نماز عصر کو پالیا۔

آخر وقت الصبح

نماز صبح کے آخری وقت کا بیان

اخبرنا اسماعیل بن مسعود ومحمد بن عبدالاعلٰی قالا حدثنا خالد عن شعبة عن ابی صدقة عن انس بن مالک قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی الظهر اذا زالت الشمس ویصلی العصر بین صلاتیکم هاتین ویصلی المغرب اذا غربت الشمس ویصلی العشاء اذا غاب الشفق ثم قال علٰی اثره ویصلی الصبح الٰی ان ینفسح البصر .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز ظہر اس وقت ادا فرماتے تھے جب کہ سورج ڈھل جاتا اور نماز عصر تمہاری ان دونوں نمازوں کے درمیان ادا کرتے تھے اور نماز مغرب اس وقت ادا فرماتے تھے جب سورج غروب ہو جاتا اور نمازِ عشاء اس وقت ادا فرماتے تھے جب شفق غائب ہو جاتی پھر اس کے بعد فرمایا اور نماز صبح اس وقت تک

ادا فرماتے تھے جبکہ آنکھ دور کی چیزوں کو دیکھتی۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت انس ﷺ نماز صبح کے متعلق کہتے ہیں "**ویصلی الصبح الی ان ینفسح البصر**" بعض طرق میں " **حین یفسح البصر** " آیا ہے اہل لغت کہتے ہیں کہ **فسح البصر ای انفسح البصر** اس وقت بولتے ہیں جب بلا رکاوٹ آنکھ کے سامنے دور کی چیز نظر آتی ہو تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے جب کہ اتنی روشنی ہو جاتی تھی کہ آنکھ دور کی چیزوں کو دیکھ سکتی تھی۔

بہرحال اس حدیث کا آخری حصہ "**ویصلی الصبح الخ** "اسفار کے اس معنی کو رد کرتا ہے جس کے علامہ خطابیؒ وغیرہ قائل ہوئے ہیں ہم اس کو ابھی پیچھے نقل کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیجئے ہاں اس سے اسفار کے اس معنی کی تائید ہوتی ہے جس کے احناف قائل ہیں۔(**واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واکمل**)

قد تم المجلد الاول من شرح النسائی ویتلوہ المجلد الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ